لوک کہانیاں

(حصہ اول)

(بادشاہوں اور رانیوں، شہزادوں اور شہزادیوں کی باتیں)

سندھی ادبی بورڈ

لوک ادب سلسلے کی اکیسویں کتاب

لوک کہانیاں-۱

(بادشاہوں اور رانیوں، شہزادوں اور شہزادیوں کی باتیں)

زیرِ نگرانی

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ

مترجم

ڈاکٹر سعدیہ نسیم آرا 'سرتاج'

سندھی ادبی بورڈ

جام شورو سندھ

2007ء

(کتاب ہذا کے جملہ حقوق محفوظ ہیں۔)

پہلا ایڈیشن 2007ع تعداد ایک ہزار

قیمت: تین سو روپے

[Price; Rs: 300-00]

خریداری کیلئے رابطہ:

سندھی ادبی بورڈ کتاب گھر

تلک چاڑھی، حیدرآباد سندھ

(Ph: 022-263679, Fax: 022-2771602

Email Address: sindhiab@yahoo.com

Website: www.sindhiab.com

یہ کتاب ذکی سنز پرنٹرز کراچی میں چھپی اور سیکریٹری سندھی ادبی بورڈ اعجاز احمد منگی نے شائع کی۔

Printed at Zaki Sons Printers, & Published by Aijaz Ahmed Mangi Secretary Sindhi Adabi Board, Jamshoro, Sindh, Pakistan

دیباچہ

سندھ کے لوک ادب کو جمع کرنے کے لئے ایک تفصیلی تجویز 1955ء میں سندھی ادبی بورڈ کے سامنے رکھی گئی۔ جو 1956ء کے آخری حصے میں بورڈ نے بحال کی اور اس کی عملی نگرانی اور تکمیل بندہ کے حوالے کی۔

اس تجویز کے مطابق جنوری 1957ء سے لوک ادب کو جمع کرنے کا کام شروع کیا گیا۔ اس سلسلے میں تعلقے وار کارکن مقرر کئے گئے کہ دی گئی ہدایتوں کے مطابق بہراڑی سے مواد اکٹھا کر کے بھیجیں۔ سندھ یونیورسٹی میں ''سندھی لغت آفس'' کے ساتھ لوک ادب کا مرکزی آفس قائم کیا گیا اور کارکن مقرر کئے تا کہ مقامی طور پر اکٹھے کئے گئے مواد کے ساتھ باہر سے آئے ہوئے مواد کو ہدایات کے مطابق تقسیم کریں۔ جانچیں اور صاف کر کے چھاپنے کے لائق بنائیں۔

پہلے دو سال 1957ء اور 1958ء، لوک ادب کا مواد اکٹھا کرنے میں صَرف ہوا۔ اس دوران تعلقے وار کارکنوں نے گوٹھوں سے مطلوبہ کہانیاں حاصل کیں۔ مرکزی آفس کے چھپے ہوئے ذخیرے میں سے ضرور مواد نقل کیا، اور بندے نے کوشش کر کے سندھ کے ہر حصے کا گشت کیا۔ ہنرمندوں، دانشمندوں سے باتیں کیں اور عام سندھی ادب کے ہر پہلو کو سمجھنے اور اس کے خاص ذخیرے کو قلمبند کرنے کی کوشش کی۔ اسی سعی اور ہمت، بلکہ جذبے اور محبت کے ساتھ اس قدر مواد اکٹھا ہو گیا اور ہو رہا ہے کہ اس برتے پر عام سندھی ادب کے ہر حصے کی بابت نمونے کے طور پر ایک کتاب مرتب کی جا سکتی ہے۔ کتابوں کی تالیف کا سلسلہ تیسرے سال 1959ء سے شروع کیا گیا ہے۔

یہاں دو باتیں واضح کرنی ضرور ہیں:

اول یہ کہ اس تجویز کے مطابق، سندھی بولی کے علم و ادب کی وہ جملہ اصناف جو اس وقت تک بہراڑی کے عوام میں مقبول اور مروج ہیں، انہیں لوک ادب، کا ذخیرہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اس ذخیرے میں سندھی ادب کی معیاری اصناف بھی شامل ہیں مثلاً مداحیں، مولود، سہ حرفی، کافیاں وغیرہ مگر جیسا کہ یہ اس وقت تک بہراڑی میں عام مقبول اور مشہور ہیں اسی لئے انہیں بھی لوک ادب کے دائرے میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے اس تجویز کے تحت جمع شدہ 'لوک ادب' کو بعینہ (Folk Lore) فوک لور کے مغربی مفہوم سے تعبیر کرنا صحیح نہ ہوگا۔ ہمارے ملک میں شہری زندگی نے ابھی اتنی وسعت یا خاص نوعیت اختیار نہیں کی ہے کہ وہ خواص کی زندگی اور تمدن، یا 'معیاری ادب' کا سرچشمہ بنے۔ سندھی زندگی کا مرکزی دائرہ ابھی تک گوٹھ ہے۔ اسی وجہ سے سندھی ادب کا بڑا ذخیرہ وہی ہے جو عوام کی زندگی کا آئینہ ہے۔ اسی لئے اس مرحلے پر سندھی بولی کے 'لوک ادب' اور 'معیاری ادب' کے درمیان حد فاصل قائم نہیں کی جا سکتی۔

دوسرے یہ کہ اس تجویز کے ذریعے 'لوک ادب' کا تمام مواد اکٹھا نہیں ہو سکا ہے۔ اسے سمیٹنے کے لئے بڑے وقت اور کافی وسائل کی ضرورت ہے۔ لوک ادب کا یہ سارا سربستہ ذخیرہ جمع کرنا، گویا اتھاہ سمندر کی گہرائی سے موتی چننے کے مترادف ہے، جو ناممکن ہے۔ البتہ جو کچھ جمع ہو سکا ہے، وہ لوک ادب کے ہر صنف سے متعلق مثالی مواد ہے۔ اس لحاظ سے اس تجویز کے تحت تالیف کی گئی کتب، امید ہے کہ آئندہ کوششوں کے لئے نمایاں نشان اور نیک فال ثابت ہوں گی۔

'لوک ادب تجویز' کی تحریک اگرچہ بندہ کی طرف سے تھی مگر اس کی علمی سربراہی سے لے کر تکمیل تک بہت سے مخلصوں کی کوششیں شامل ہیں۔ اول تو سندھی ادبی بورڈ کے ممبران کو آفرین ہے جنہوں نے اس تجویز کو 1956ء میں منظور کیا۔ اس کے بعد مطلوبہ مواد کو جمع کرنا، صاف کرنا، ترتیب دینا، ابتدائی مسودے سے لے کر پریس کاپیاں تیار کرنا اور آخر میں کتابیں چھاپنے میں کتنے ہی ساتھیوں نے ہاتھ بٹایا ہے۔ اس تجویز کو کامیاب بنانے میں تعلقہ وار کارکنان، مرکزی آفس کے باہمت افراد، سندھ کے دانشمندوں ہنرمندوں سے لے کر ان تمام دوستوں تک کا حصہ ہے جنہوں نے بندے کے لئے ان داناؤں کو تلاش کرنے اور ان سے بات چیت کرنے میں ہر طرح مدد دی۔ بورڈ کے سیکرپٹری محترم محمد ابراہیم جویو نے اس تجویز کے ہر انتظامی مرحلے پر بندے کے ساتھ دلی تعاون کرتے ہوئے آسانیاں پیدا کیں، مفید مشورے دیے اور خود کتابوں کو عمدہ نمونے اور بلا تاخیر چھاپنے کے لئے فوری اقدام کیا۔

'لوک ادب تجویز' کے تحت 'لوک کہانیوں' کی حسبِ ذیل سات کتابیں مرتب کر کے شایع کرائی ہیں۔ (1) بادشاہوں اور رانیوں، شہزادوں اور شہزادیوں کی کہانیاں۔ (2) بادشاہوں، وزیروں اور سوداگروں کی کہانیاں۔ (3) پریوں، دیووں، جادوگروں اور ڈائنوں کی کہانیاں۔ (4) بادشاہوں، ساہوکاروں، داناؤں، ٹھگوں اور عام آدمیوں کی کہانیاں۔ (5) بچوں کی کہانیاں۔ (6) جانوروں اور پرندوں کی کہانیاں۔ (7) باتوں سے باتیں۔ جیسا کہ یہ اس سلسلے کی پہلی کتاب ہے اسی لئے اس کے مقدمے میں لوک کہانیوں کی علمی اہمیت اور ابتدا، اہم کرداروں کی نوعیت، تاریخی پس منظر اور اندرونی دروبست وغیرہ کے اہم پہلوؤں سے تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

مجموعی طور پر یہ کتاب لوک ادب سلسلے کی اکیسویں کتاب ہے۔ اس کا بنیادی مواد جولائی 1958ء تک جمع ہوا۔ تمام مواد کی جانچ پڑتال، مختلف روایتوں کا تقابل کر کے، ترتیب دے کر تمبر 1958ء میں کتاب کا مسودہ تیار کیا گیا اور اپریل 1959ء میں مسودے کی آخری تصحیح کر کے پریس کاپی شایع کرنے کے لئے دے دی گئی۔

مرکزی آفس کے دوسرے کارکنان کے ساتھ خصوصاً محترم محمد بچل نے اس کتاب کو نقل کر کے یکجا کرنے، تقابل کرنے اور دوبارہ صاف کر کے لکھنے میں قابل تحسین کام کیا اور محترم شیخ محمد اسماعیل نے کتاب کا مسودہ تیار کرنے میں مدد کی۔

محترم محمد ابراہیم جویو، سیکریٹری سندھی ادبی بورڈ نے اس کتاب کو خاص اہتمام سے شایع کرنے میں بڑی مدد کی۔ ان صاحب نے متن پر نظر ثانی کر کے پریس کاپی تیار کی اور خود خصوصی دلچسپی کے ساتھ بعض کہانیوں کے موضوع کا مطالعہ کر کے، اس کے مطابق تصویریں تیار کرائیں۔ جن کے شامل کرنے سے اس کتاب کی زیب و زینت میں بہت اضافہ ہوا۔

محترم علی بخش احمد زئی، منیجر سندھی ادبی بورڈ پریس اور ان کے ساتھیوں نے کتاب کی جلد بندی اور عمدہ نمونے سے چھاپنے میں مدد کی۔

سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد، سندھ
12 دسمبر 1960ء

خادم العلم
نبی بخش

لم للانسان ماتمنیٰ فللہ الاخرہ والاولیٰ

مقدمہ

لوک کہانیوں کی علمی اہمیت:

'لوک کہانیاں' لوک ادب کا نہایت ہی اہم حصہ ہیں۔ اس لئے کہ یہ نہ صرف لوک ادب کے قدیم سے قدیم نمونے ہیں بلکہ یہ انسانی نفسیات، توہمات اور ابتدائی اعتقادات کے آثار کا آئینہ ہیں۔ ہر انسانی گروہ کی 'لوک کہانیاں' ان گروہوں کے بچپن کی بھولی بسری یادیں ہیں اور مجموعی طور پر تمام قوموں کی 'لوک کہانیاں' گویا انسان ذات کے بچپن کے دور کی داستانیں اور دستاویز ہیں۔ علم الانسان کے ماہروں کے نزدیک 'لوک ادب' کے اس قدیم ذخیرے یعنی لوک کہانیوں کی بڑی اہمیت ہے۔ کیونکہ ان کے گہرے مطالعے سے انسان کے نفسیاتی اور ذہنی ارتقا کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے۔

لوک کہانیوں میں انسان کے بچپن کے نشانات موجود ہیں۔ عقل کی بلوغت اور جوانی سے پہلے والے دور میں وہم اور وسوسے، رسم و رواج، جنتر منتر، تعویذ گنڈے، دیو اور پریاں، جن اور ڈائنیں، انسان کی کائنات کے اہم اسباب تھے اور انہیں انسان کی عملی زندگی میں بڑا دخل تھا۔ جس طرح قدیم مٹی کے ٹیلوں اور ویران کھنڈرات میں پرانی تہذیبوں اور تمدنوں کے آثار مدفون ہیں اسی طرح لوک کہانیوں میں قدیم ادوار کے نفسیاتی رجحانات اور ذہنی میلانات کے آثار محفوظ ہیں۔ 'لوک کہانیاں' گویا لفظوں اور بیانات کی صورت میں پرانے کھنڈرات ہیں جن کی کھدائی اور غور و فکر سے انسان کے اس دور کے توہمات، سوچوں، خوشیوں اور خوفوں، مرادوں اور مقاصد، حکمتوں اور حیلوں، کامیابیوں اور ناکامیوں اور ان کی نوعیتوں اور نمونوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مجموعی طور پر انسان ذات کے قدیم نفسیاتی تاثرات اور توہمات کے نشانات و آثار کے علاوہ، ہر انسانی گروہ کی 'لوک کہانیوں' میں اس گروہ کے بھرموں، وسوسوں، رسموں، روایتوں، نفسیاتی رجحانات کے قدیم سے قدیم آثار ملتے ہیں۔ یہ قدیم کہانیاں گویا اس قدیم دور کے کھنڈرات، ٹیلے ہیں جن کی جھاڑ پونچھ سے اس گروہ کی ذہنی نشو و نما کے نشانات نظر آ جاتے ہیں۔

لوک کہانی کی ابتدا:

لوک کہانیاں کب بنیں اور کس نے بنائیں یہ تو کسی کو بھی معلوم نہیں۔ البتہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ وہ انسانی تاریخ کے سارے گزرے ہوئے دور میں پیدا ہوئیں، پروان چڑھیں اور سنِ شعور کو پہنچیں اور عوام نے انہیں بنانے سنوارنے اور مرتب کرنے میں حصہ لیا ہے۔

جب برسات پڑتی ہے تو کسی ٹیلے کی چوٹی میں ایک ننھا شگاف پڑ جاتا ہے جس سے پانی نیچے بہنا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر جیسے جیسے نیچے گرتا ہے ویسے ویسے یہ شگاف بڑا اور وسیع ہوتا چلا جاتا ہے اور بوٹے اکھاڑتا، پتھروں کو لڑھکاتا، نیچے میدان میں ایک چھوٹی ندی بن کر بہنے لگتا ہے۔ سال بسال یہ چھوٹی سی ندی بڑی ہوتی چلی جاتی ہے اور درخت اکھاڑتی، پتھر لڑھکاتی، ساحلوں کو مسمار کرتی، بالو کو بہاتی، اپنی وسعت بڑھاتی اور گہرائی کو اور گہرا کرتی جاتی ہے۔

یہی حال 'لوک کہانیاں' کا ہے۔ اتفاق سے کسی وہم یا وسوسے، سماجی سلسلے، ذاتی کارنامے یا کسی خاص واقعے کے سبب بات کا بیج پڑ جاتا ہے۔ جڑ نکلتی ہے اور اکھوا پھوٹتا ہے۔ پھر کوئی اس کے چوگرد صفائی کر کے ترتیب دیتا ہے۔ کسی کی مدد سے یہ پودا دن بدن بڑھتا، درخت بن جاتا ہے۔ اس دوران میں کسی نے اس کی کوئی ڈالی کاٹ لی تو وہیں نئے سرے سے پھوٹ کر نئی شاخ نکل آتی ہے۔ اگر اور بھی مثالیں دی جائیں تو کہیں گے کہ لوک کہانی ایک فقیر کی گدڑی ہے۔ جس میں پانچوں اناج پڑے ہوتے ہیں اور ہر قسم کے اناج کے ساتھ ساتھ روٹی کے ٹکڑے بھی یکجا ہوتے ہیں۔ یا گویا لنگر کی دیگ ہے کہ چڑھی ہوئی ہے۔ جس میں جو کچھ جسے میسر آتا ہے لا کر ڈال دیتا ہے۔ جو، باجرہ، مونگ، مٹر، گیہوں، تل، چاول، دال، پیاز اور کھانے کی ہر کچی جنس، جس نے اس میں جتنی ڈال دی پڑی پک رہی ہے۔ کسی نے پانی ڈالا، کسی نے لکڑیاں، کسی نے محنت کی تو کسی نے نکالا اور برتایا۔ یہ سب اسی طرح جاری ہے پر کسی کو یہ معلوم نہیں کہ دیگ کس نے چڑھائی، کب چڑھائی، اس میں ہر جنس کتنی پڑی اور کس نے ملائی۔

لوک کہانیوں میں بعض کردار البتہ ایسے ہیں جن میں تخیل کی ابتدا کو دور کے اعتبار سے تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ دیو، پریاں، جن وغیرہ کردار انسانی تاریخ کے نسبتاً اوائلی دور کی یادگار ہیں۔ یہ انسان کے محدود علم اور تجربے کا دور تھا۔ جب وہ فطرت کے طبعی واقعات اور فطری مشاہدات کی ماہیت سے ابھی بے خبر تھا۔ سورج، چاند، آگ اور پانی اس کے واسطے دیوتا تھے۔ شور، برسات اور طوفان کو دیووں کے آنے سے تعبیر کرتا تھا اور سونی حسین رات کو پریوں کی آمد کی تیاری تصور کیا کرتا تھا۔

انسان نے اپنے بچپن میں پہلے خارجی طاقتوں کو محسوس کیا اور ان سے متاثر ہوا۔ بعد میں اسے اپنی ہستی اور طاقت کا شعور پیدا ہوا، اور ان خارجی طاقتوں سے مقابلے کے لئے تجویزیں

سوچیں۔ انسان پر شروع میں طبعی طاقتوں کی ہیبت طاری تھی۔ شور، طوفان، برسات، جانور، ناگ اور بلائیں وغیرہ۔ یہ سب اس کے واسطے گویا آفتیں تھیں۔ آہستہ آہستہ ہتھیاروں اور ہنرمندی کے ذریعے لوگوں نے جانوروں، ناگوں اور بلاؤں کو مارا۔ ایسے ہی زیادہ ہمت والے لوگوں میں دوسروں کا یقین واعتماد پیدا ہوا، خودان کے اپنے اندر خود اعتمادی آئی۔ اپنی خود اعتمادی اور دوسروں کے ان پر اعتماد کرنے کا شعور انسان کی ذہنی حرمت اور ہنرمندی کے لئے ایک اہم پیش خیمہ تھا۔ اسی شعور نے زیادہ عاقل اور ہنرمند اشخاص کو آمادہ کیا کہ جسمانی طاقت کے علاوہ جادوٹونا، جنتر منتر کے ذریعے کرشمے کریں تاکہ ان پر عوام کا اعتماد بڑھے۔ اب وہ جسمانی طاقت سے جانوروں کو مارنے کے بدلے اپنے جادومنتر سے طبعی قوتوں اور جانداروں سے لے کر بھی بھولوں کو ٹالنے کا دم بھرنے لگا۔ عوام نے اپنی جان اور مال کی حفاظت کی خاطر جس طرح جسمانی طاقتور شخص کو تسلیم کیا اسی طرح ان عاقلوں اور جرأتی لوگوں کو بھی مانا۔ انہیں تسلیم کرنے سے انہیں اس سے بھی بڑھ کر کرشمے کرنے پر آمادہ کیا اور انہوں نے عجیب قسم کی ہاتھ کی صفائی اور علاج معالجوں سے عام لوگوں کی عقل حیران کر کے اپنے اندران کا یقین واعتماد بڑھانا شروع کیا۔ جب یہ سب کچھ ایک فن کے درجے پر پہنچا تو اس فن کو 'جادو' کہا گیا۔ جیسے جیسے انسان اپنے چھٹپن سے نکل کر بالغ ہونے لگا تو جادو کے کرشموں کو بھی عام فہم سے بالاتر کرنے کی کوشش کی گئی۔ بات یہاں تک پہنچی کہ اسی دور میں بعض آدمیوں کی عقل ضبط کر کے، کس طرح انسان کو متاثر بلکہ زیراثر کیا جائے۔ اسی طرح انسان کی خارجی طاقتوں سے مدافعت کے ساتھ جادو کے طلسمات اور جنتر منتر کے رعب سے خود انسان کو مطیع کرنے کی طرف رخ ہوا۔

بہرحال جادوگروں، جادوگرنیوں اور ڈائنوں وغیرہ کا تخیل نسبتاً بعد والے اسی دوسرے دور کا ہے۔ جب انسانی دماغ نے ترقی کی تو ہنرمند انسانوں نے اپنی ترکیبیں سوچیں اور انوکھی اٹکلیں ایجاد کیں۔ یہ تجویزیں، ترکیبیں اور اٹکلیں عام سمجھ سے بالاتر تھیں۔ اسی وجہ سے یقین پیدا ہوا کہ ان انوکھی اٹکلوں اور ترکیبوں سے انسان دیووں، پریوں اور جنات کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ بلکہ انہیں مطیع کر سکتے ہیں۔ یہ نئی اٹکلیں اور ترکیبیں جن میں جادو منتر، جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈے، جھونٹے اور دھونیاں اور دوسرے انوکھے شگن سے لیکر کرتب اور ہاتھ کی صفائی شامل تھے۔ انہیں 'جادو' کے نام سے پکارا گیا، اور یہ جادو، انسان کے لئے مدافعت سے لے کر مقابلے تک کا ایک اہم ہتھیار بن گیا۔

بادشاہ اور وزیر، شہزادے اور رانیاں نسبتاً انسانی تاریخ کے اس بالکل پچھلے دور کے کردار ہیں۔ جب انسانوں کے گروہ آبادیاں بنا کر، بستیاں بنا کر سکونت پذیر ہوا۔ اس کا سماجی نظام

گوٹھوں کے دائرے سے زیادہ وسیع ہوا، اور خاندانی ابنِ دادا یا مخصوص مقامی سرداروں کے اختیار سے باہر نکل گیا۔ اسی وجہ سے زیادہ منتظم اور طاقتور سردار 'راجا' یا 'بادشاہ' تسلیم کیا گیا اور اس کے وجود سے وزیر، رانیاں اور شہزادے وجود میں آئے۔ یہ اندازاً پانچ ہزار برس گزشتہ کا دور ہے۔ اس کی ابتدا کی صحیح خبر نہیں ہے۔ البتہ مصر کے فراعنہ میں بادشاہی تجمل، اپنے پورے ٹھاٹ باٹ کے ساتھ نظر آتا ہے۔ موجودہ رجحانات اور آثار کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ صدی اس دور کے خاتمے کی صدی ہے اور اگر تاریخ نے خود کو پھر سے نہ دوہرایا تو آج سے پانچ سو سال بعد باشاہوں اور رانیوں کا تخیل بھی ایسا ہی انوکھا لگے گا جیسا اس وقت دیووں اور پریوں کا ہے۔

لوک کہانیوں کے کُہنہ کردار:

لوک کہانیوں میں دیووں اور پریوں، جنوں اور جادوگروں، ڈائنوں اور کٹنیوں کا تخیل انسان کے واہموں اور وسوسوں کے قدیم عنصر ہیں۔ اس لحاظ سے وہی کہانیوں کے قدیم یا کُہنہ کردار ہیں۔ البتہ کہانیوں میں ان کا جو کردار ترتیب دیا گیا یا سمایا ہوا ہے ان کے دو رخ ہیں:- اول تو وہ کیا ہیں اور کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ یعنی کہ اس کی ذاتی کیفیت سے لے کر ہیئت کی بات، یہ تخیل پیش کئے گئے ہیں۔ جو اُن سے متعلق انسان کے نسبتاً پہلے وقتوں کے واہموں اور وسوسوں کی یادگیری کے نشان ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ کیا کہتے ہیں اور انسان کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہیں۔ یعنی کہ ان کی سماجی شخصیت کیسی ہے۔ اس بارے میں جو مواد کہانیوں میں ہے وہ زیادہ تر اسی مقامی سماج کا عکس ہے جس میں یہ کہانیاں رائج ہیں۔

ہر گروہ کی 'لوک کہانیوں' میں انسان کے قدیم واہموں اور وسوسوں پر اس گروہ کے سماجی سوچ بچار، اقدار و روایات اور رسم و رواج کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ دیووں، پریوں، جنوں، جادوگروں اور ڈائنوں کی کچھ خاص خصوصیات (صورتوں کا بدل لینا، اُڑنا، غائب ہو جانا وغیرہ) انسان کے واہموں اور وسوسوں کی اگلے وقتوں کی یادگیریاں ہیں۔ لیکن ان کرداروں کی بول چال، احسان اور مہربانیاں، ضد اور عداوتیں، سوال اور جواب، چال چلن اکثر وہی ہیں جو انسانی سماج میں بعض شخصیتوں کے بارے میں سنی سنائی یا معلوم و مشہور ہیں۔

اسی لحاظ سے کہانیوں کے اس مجموعے میں دیووں، پریوں، جنوں، ڈائنوں، اور جادوگروں کی جیسی تصاویر ملتی ہیں ان کے دو پہلو ہیں: ایک ان کرداروں کے بارے میں قدیم واہموں اور وسوسوں کا تصور ہے۔ مثلاً دیو، آدمی کو اکیلا پا کر اٹھا لے جاتے ہیں (367)، دیو انسان کو مار کر کھا جاتے ہیں (65) دیو اڑا کرتے ہیں (66)۔ دیو اپنی صورت بدل کر دوسری کوئی بھی صورت، انسان، ناگ، طوطا وغیرہ اختیار کر سکتے ہیں (65، 101، 134)۔ دیووں کی جان بعض خاص

جانداروں میں ہوتی ہے جیسے کہ طوطے میں (101)۔ پرانے مٹکے میں پڑی بتی میں (261)۔ بھونرے میں یا ڈھول میں (364)۔ اور دیو چھ یا بارہ مہینہ سوتے ہیں اور چھ یا بارہ مہینہ جاگتے ہیں (65-102)۔ یہی دیووں کے بارے میں قدیم توہمات اور وسوسوں والی یادیں ہیں جو اُن پرانی کہانیوں میں آثار قدیمہ کی طرح محفوظ رہ گئی ہیں۔

دوسرے ان کرداروں کی عملی تصویر پر انسانی سماج کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ مثلاً سندھ میں عوام کے نظریات کے مطابق دیو اور جن حضرت سلیمانؑ کے ہاتھ میں تھے اور ان کے تابع تھے۔ اسی نظریے کا عکس سندھ کی لوک کہانیوں میں دکھائی دیتا ہے جو ظاہر ہے کہ سندھی سماج کا اثر ہے۔ مثلاً ''گل بادشاہ شوق شہزادہ'' کی کہانی میں ہمیں پتہ چلتا ہے کہ دیووں نے باتیں کیں اور حضرت سلیمانؑ کی قسم کھائی (65) دیووں کی جبلت پھرت کے متعلق جو نشان دیے گئے ہیں وہ سماجی اقدار کے مطابق انسانی کردار کے برے یا بھلے پہلو ہیں جیسے کہ دیو انسان کے ساتھ بات چیت کرتے ہیں۔ (65-129-354)۔ دیو بہت قوت اور طاقت والے ہیں (122)۔ دیووں کا لشکر شہروں کے شہر تباہ کرسکتا ہے۔ (206) طاقت والا شخص دیو سے مقابلہ کر کے اسے شکست دے سکتا ہے اور جو آدمی دیو سے مقابلہ کر کے اس پر غالب آجاتا ہے اور اس پر مہربانی کرتا ہے تو دیو بھی ہمیشہ کے لئے اس کا دوست اور مددگار ہوسکتا ہے (129)۔ دیو بھی انسان سے مدد طلب کرتا ہے (188) اور اگر کبھی کوئی شخص بے بسی کی حالت میں 'چاچا- چاچا' یا 'ماما- ماما' کہتا دیو کے سامنے جاتا ہے تو وہ اس پر مہربان ہوجاتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے۔ (313-314) بلکہ دیو دوستی کی قدر پہچانتا ہے اور آدم زاد کو بتاتا ہے کہ 'دوستی کی راہ ابھی دور ہے (355)۔ دیووں کی بابت اسی قسم کے خیالات انسانی سماج کی پیداوار ہیں اور انسانی کردار کی اقدار کے مطابق دیووں کے کردار کو بھی تصور کیا گیا ہے۔

پریاں: دیووں کے مقابلے میں پریوں کی اپنی ہی کائنات ہے، پریاں خود پسند، بے پرواہ اور چلبلی ہیں۔ دیووں سے زیادہ ہوشیار اور حرفتی ہیں۔ ان کے پاس طاقت دیووں سے زیادہ ہے اور دیو گویا ان کے مطیع ہیں۔ اسی لئے دیووں کے لشکر پریوں کے حکم کے تحت ہیں (54-55، 69) پر اکیلی پری، اکثر دیو کی طاقت کے سامنے بے بس ہے۔ (68) طاقتور دیو اکیلی پری کو اپنے پاس لے جا کر بند کر لیتے ہیں اور کوئی پری دیو کی بیوی بھی بن جاتی ہے۔ (341)

انسان کے لئے پریوں کی دنیا عجائبات کی دنیا ہے۔ بلکہ کرشموں اور طلسمات کی دنیا ہے۔ پریاں اکثر ٹولیوں کی صورت میں اڑتی ہیں اور تالابوں پر آ کر نہاتی ہیں۔ باغوں میں آ کر سیر کرتی ہیں یا بعض بستیوں میں رہتی ہیں۔ مثلاً پریوں کی ایک بستی 'نیند بستی' ہے۔ جہاں ہر کوئی نیند میں

ہے۔ پریاں محلات میں گہری نیند میں ہیں تو چوکیدار دیو دروازوں پر غفلت کی گہری نیند سو رہے ہیں۔ پریوں کے محل سونے چاندی اور ہیرے جواہرات سے جڑے ہوئے ہیں۔(48-47)۔

پریاں کتنے ہی کرشمے کر سکتی ہیں۔ پریوں میں کوئی دوسری صورت اختیار کرنے اور پھر اپنی اصلی صورت میں آ جانے کی طاقت ہے۔تلوار سے پری کا سر الگ ہو جاتا ہے اور وہ روپے کا تنا بن کر کھڑی ہو جاتی ہے۔دوسری پری سَر پر اُتر جانے پر اس تنے کی سونے کی ڈالیاں بن جاتی ہے۔ تیسری اس کے جواہراتی پتے بن جاتی ہے اور چوتھی ان میں لعل بن کر لٹکنے لگتی ہے(49)۔ ہر ایک پری کا کرشمہ الگ الگ ہے۔' گلاں پری، کا لباس پھولوں کا ہے(187)۔موتی جان پری کے خون کے قطرے، موتی میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔(335) گلزار پری کے دیے ہوئے اناروں میں دانوں کے بجائے ہیرے ہیں۔(349)

اکیلا انسان اگر کہیں پریوں کی ٹولی کے ہتھے چڑھ جاتا ہے تو اسے ایک کھلونا بنا کر کھیلتی ہیں۔ دن کو اس کے ہاتھ پاؤں الگ کر دیتی ہیں اور رات کو پھر سے اسے ٹانگیں ہاتھ دے کر، اس سے ساز بجوا کر خود ناچتی ہیں(69)۔انسان کو پریوں کے منتر اور کرشموں سے بچنے کے لئے خاص طور پر کسی دوسری پری کے دیے ہوئے تعویذ یا منتر کی ضرورت ہے۔ وہ کسی حرفت یا حیلے سے ہی ان پریوں کی پچھاڑ سے بچ سکتا ہے اور ان سے وعدہ لے کر اپنے کو محفوظ کر سکتا ہے(337)۔البتہ اگر کہیں کوئی اکیلی پری؛ دیو کی قید میں ہے یا کسی مصیبت میں پھنسی ہے اور کوئی انسان آ کر اسے چھڑاتا ہے تو وہ اس کی شکر گزار اور مطیع بن جاتی ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ شادی کر لیتی ہے اور عمر بھر اس کی وفادار رہتی ہے۔(60،335،341)۔

جن: جنوں میں دیووں والا دبدبہ و دہشت یا پریوں والی پراسرار طاقت نہیں ہے۔ بہت سے جن اکٹھے ہو کر اپنا لشکر بنا سکتے ہیں۔ اکیلے جن بھی کرشمے کر سکتے ہیں۔ جن کا بچہ، پیدا ہوتے ہی بڑا ہے۔ اور وہ بڑوں کی طرح چل پھر سکتا ہے(189) جنوں میں خاص خصوصیت غائب ہو جانے کی ہے۔مثلاً ایک جن مٹکے یا دیے (چراغ) میں خود کو چھپا کر بیٹھ سکتا ہے اور وہاں بیٹھ کر بولتا ہے۔ اس طرح گویا مٹکا یا چراغ از خود بول رہے ہوں(190)۔جنوں کے اپنے ہی مرشد ہیں جن کی وہ عزت کرتے ہیں اور حکم مانتے ہیں(309)۔

غیر بشر مخلوقات میں دیو، پریاں اور جن، لوک کہانیوں کے کہنہ کردار ہیں۔ وہ انسان کے وہموں اور وسوسوں کے پرانے دور کی یادگار ہیں۔ انہی کے ساتھ جادوگر اور جادوگرنیاں، ڈائنیں اور کٹنیاں بھی کہانیوں کے اہم کردار ہیں۔ مگر یہ تمام کردار نسل انسانی سے تعلق رکھتے ہیں اور تاریخی لحاظ سے ان کا وجود بعد کا ہے۔

عام خیال کے مطابق جادوگرنیاں کیا کیا کر سکتی ہیں، ان کے آثار لوک کہانیوں میں ملتے ہیں۔ ایک صورت سے دوسری صورت بدل لینا، خود غائب ہو جانا، کسی دوسری چیز کو غائب کر دینا، انسان کو جانور بنا کر قبضے میں کر لینا یا انسان کو کوئی غیر جاندار چیز بنا دینا، یا ہیبت ناک مصنوعی منظر پیدا کر دینا۔ جادو کے طلسمات کے اہم اور بڑے کرشمے ہیں۔ جن کا ذکر لوک کہانیوں میں ملتا ہے۔ سونے کے سینگوں والے ہرن کا دکھائی دینا اور پھر غائب ہو جانا (243)۔ جادوگر کا ویرانے میں ساری بارات غائب کر دینا (44)۔ جادو کے زور سے سوئی چُبھو کر یا دھاگا باندھ کر دنبہ بنا دینا (242-308) اسی قسم کے کرشموں کی کچھ مثالیں ہیں۔ جادو کے اثر سے بچنے کے لئے بھی جادو کی طاقت ضروری ہے۔ اس مجموعے میں دو کہانیاں 'شہزادہ اور فقیر' (244،249) اور 'فقیر اور شہزادہ' (250-253) کا بنیادی خیال ہی جادو کے کرشموں سے بندھا ہوا ہے۔ جن میں جادو کے حملے اور ان سے بچاؤ کے کرتب بیان کئے گئے ہیں۔ کئی چیزیں جادو کا عمل کرنے کے لئے یا اس کا اثر زائل کرنے کیلئے خاص ذریعہ بن جاتی ہیں۔ ٹوپی پہننے سے دوسرے لوگ دیکھ نہیں سکتے (365)۔ رومال جھاڑنے سے ہیرے جواہرات کا گرنا (364)۔ ایک میوہ کھانے سے انسان کا جانور بن جانا اور پھر دوسرا میوہ کھانے سے واپس اصل صورت میں لوٹ آنا (366)۔ تین خاص پھولوں سے جادو کا اثر زائل ہو جانا اور جادوگر کا مطیع ہو جانا (44)۔ انگوٹھی کے اثر سے پریوں کا جادو بھی اثر نہ کرے (341)۔ پری کے دیے ہوئے نتھ سے قبے کے دروازے کا کھل جانا (343) اس کے علاوہ سندھی لوک کہانیوں میں رسی اور ڈنڈے، مقابلے کیلئے اڑن کھٹولے، بیٹھ کر اڑنے کے لئے، بڑی ترکیبوں کے طور پر آئے ہیں۔ شہزادے ساعت ملوک کی کہانی (332-345) میں انگوٹھی اور نتھ، اڑن کھٹولا اور رسی ڈنڈا، بڑے کرشمے اور ترکیبیں ہیں۔ بعض جزوی کہانیوں میں انسان کا خود پتھر بن جانا بھی ایک جادو کے کرشمے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اکثر کہانیوں میں یہ عمل عموماً انسان کے اپنے کئے کا پھل، کے ساتھ وابستہ ہے۔ یعنی کسی درویش کی بددعا کے سبب یا کسی راز کو فاش کرنے کے سبب انسان پتھر کا ہو جاتا ہے اور انسانی خون کے قطرے لگنے سے پھر سے انسانی روپ میں واپس آ جاتا ہے۔

ڈائنیں: انسانی گروہ میں شامل ہیں۔ یہ آدم خور عورتیں ہیں جو خاص طرح انسانوں کا کلیجہ کھا جاتی ہیں۔ وہ منتر اور طلسم بھی جانتی ہیں۔ عام وہم کے مطابق ڈائنیں رات کو جب لوگ سوئے ہوتے ہیں، تو اپنا گھر چھوڑتی ہیں۔ چراخ جانور اُن کے قبضے میں ہے جس پر وہ سواری کرتی ہیں اور قبرستانوں میں جا کر مردوں کا دل کھا جاتی ہیں۔ لوک کہانیوں میں ان کے کرداروں کی یہی بدی بیان کی گئی ہے کہ ڈائن مُردوں کا دل کھاتی ہے (96) اور ڈائن شہزادے کی نعش

کھانے آتی ہے(206) سات ڈائنیں کسی ویرانے میں محل بنا کر شہزادیاں بن کر بیٹھ جاتی ہیں اور وہاں آنے والے انسانوں کو مار کر کھا جاتی ہیں۔ ان کے پاس سمندری گھوڑے ہیں اور ان کے کرشموں اور عمل کا دائرہ مقرر ہے اس دائرے کے اندر وہ انسان پر قابض ہیں لیکن جو اس دائرے کو پھلانگ کر نکل جاتا ہے وہ سلامت بچ رہتا ہے۔(353-355)

کُٹنیاں: کٹنی بالکل انسان ہے۔ اس کے پاس کسی جادو یا کرشمے کا ہونا ضروری نہیں۔ حالانکہ بعض کٹنیاں جادو بھی کر سکتی ہیں۔ کٹنی عموماً ایک بوڑھی اور مکار عورت ہے۔ جو دھوکے فریب میں ماہر ہے۔ اس میں رحم کا ذرہ بھی نہیں۔ لالچ دینے پر وہ بُرے سے برا کام کرنے پر تیار ہو جاتی ہے۔ اٹکل اور حرفت میں منجھی ہوئی ہے اور جہاں کوئی اور نہیں پہنچ سکتا وہاں جا پہنچتی ہے۔ نوجوان عورتوں کو بہلا پھسلا کر ورغلا لینا اس کے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ وہ ہر حیلے سے راز جان لیتی ہے اور اپنی دغا فریب سے مَردوں کی کامیابیوں پر پانی پھیر دیتی ہے۔ اور سہاگنوں کا سہاگ برباد کر دیتی ہے۔

لوک کہانیوں میں سمائے کرداروں کے مطابق کٹنی ایک بوڑھی عورت ہے(130)۔ کٹنی وہ عورت ہے جو اپنی ناکامی کے سبب دوسرے دو ساتھیوں کو دیکھ کر جل جاتی ہے اور ان کی محبت توڑنے کے منصوبے بناتی ہے(309)۔ کٹنی حرفت اور دغا بازی سے کام لیتی ہے۔ حالانکہ کٹنی جادو بھی جان سکتی ہے(308) اور جادوگر عورت بھی خود کٹنی پنا کر سکتی ہے(307)۔ کٹنی مکرو فریب سے عورتوں (رانیوں اور شہزادیوں) کو ورغلا کر گہرے راز معلوم کر لیتی ہے (102، 233، 317-320)۔ کٹنی اپنے دھوکے فریب سے کوئی بھی بدترین کام کرنے سے نہیں چُوکتی۔ مثلاً شہزادی کو لے جاتی ہے(103)۔ لال ملوک کی جان جس تلوار میں تھی، اسے دریا میں پھینک دیتی ہے(114) اور دھوکہ دے کر شہزادیوں اور رانیوں کو لیکر جاتی ہے اور ان کے ساتھ دھوکہ کرتی ہے(114، 132، 328)۔

مندرجہ بالا چھ کردار سندھی لوک کہانیوں کے مرکزی خیال کے بڑے اجزا اور پرانے عنصر ہیں۔ ان میں دیو، پریاں اور جن تینوں غیر انسانی ہیئتیں ہیں، اور جادوگر، جادوگرنیاں، ڈائنیں اور کٹنیاں انسانی گروہ سے ہیں۔ ان کے اندر بدی کے ساتھ ساتھ بھلائی کا وصف بھی موجود ہے۔ لیکن ڈائنیں اور کٹنیاں محض بدی کے کردار ہیں۔ جن میں بھلائی تو سرے سے ہے ہی نہیں۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے یہ تمام ہی کردار انسان کے اس پرانے دور کی زندگی کے وہموں اور وسوسوں کی یادگار ہیں۔ اس وقت دیوؤں اور پریوں کا انسانی زندگی میں کوئی دخل نہیں۔ البتہ جنوں کے وسوسے ابھی تک تہذیب یافتہ سماج میں بھی رائج ہیں۔ اس دور میں جادو کو انسانی کرتب اور ہاتھ کی

صفائی کو ایک علمی فن تسلیم کیا جاتا ہے اور سوائے بعض لاعلم انسانی گروہوں کے، یہ کہیں بھی دھوکے اور طلسم کے طور پر استعمال نہیں کیا جاتا۔ ڈائنوں کو بھی عام انسانی زندگی میں دخل نہیں رہا ہے۔ اگرچہ دنیا کے بعض پچھڑے ہوئے اور غیر ترقی یافتہ انسانی گروہوں میں جیتے جاگتے سے لے کر مرے ہوئے انسانوں کا گوشت کھانے کی قدیم رسم باقی ہے اور ان گروہوں میں مَردوں سے عورتیں تک آدم خور ہیں۔ لوک کہانیوں میں 'ڈائن' کا تخیل ایک حقیقی آدم خور عورت کا نہیں ہے بلکہ یہ زیادہ تر توہماتی اور خیالی ہے۔ کیونکہ ڈائن کسی انسانی گروہ کی عام رسم کے مطابق دوسروں کی طرح مُردہ نہیں کھاتی مگر وہ جادو اور کرشمہ جانتی ہے اور دوسروں سے چھپ کر، الگ ہو کر مردوں کا دل کھا جاتی ہے۔ وہ اکیلے انسانوں کو خصوصاً مردوں کو بند کر کے مار ڈالتی ہے اور ان کا دل کھا جاتی ہے۔ کٹنی، اوپر بیان کئے گئے تمام کرداروں کے مقابلے میں، انسانی گروہ کا ہی فرد ہے۔ وہ اکثر ایک تجربے کار بوڑھی عورت ہے۔ جو لالچ اور حسد کے باعث دھوکہ فریب کرتی ہے۔ وہ نفسیاتی طور پر ناکارہ ہے۔ رحم کی اس میں رمق بھی نہیں، اور دوسروں کی خوشیوں کو خاک میں ملانا اُس کا پیشہ ہے۔ نفسیاتی طور پر ایسے ناکارہ انسان آج بھی انسانی سماج میں موجود ہیں۔ البتہ بہت کم ہیں۔ اسی نقطۂ نظر سے کٹنیوں کا کردار بھی دوسرے کرداروں کی طرح انوکھا اور انسانی سماج کے پرانے دور کی یادگار ہے۔ مجموعی طور پر لوک کہانیوں کے یہ تمام ہی کردار انسان کی قدیم دور کی زندگی کے وسوسوں اور توہمات کے قدیم آثار ہیں۔

جانور: لوک کہانیوں کے بڑے کرداروں میں جانور بھی شامل ہیں۔ جانوروں کے کردار بھی اسی قدیم دور کی یادگار ہیں۔ جب انسان دوسری مخلوق کی طرح صحیح معنیٰ میں ابھی دھرتی ماتا کا پروردہ تھا اور اس ماں کے دوسرے بچوں یعنی کیڑے مکوڑوں، جانوروں اور پرندوں کے ساتھ اپنی گزر بسر کرتا تھا۔ بلکہ ان کے ساتھ بول چال بھی کرتا تھا۔ عام خیال کے مطابق حضرت سلیمانؑ کے وقت تک کیڑے مکوڑے، جانور اور پرندے باتیں کیا کرتے تھے۔ مشہور ہے کہ ایک چیونٹی نے اپنی ساتھی سہیلیوں سے کہا کہ سلیمانؑ اور اس کا لشکر آرہا ہے، ان کی آنکھیں اوپر ہیں، راستہ چھوڑ کر پرے ہو جاؤ کہیں روند کر مار نہ ڈالیں۔ خود لوک کہانیوں کی ابتدا والے وقت کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس زمانے میں ہر اک چیز بولتی تھی، (87)۔ پرندے آپس میں باتیں کیا کرتے تھے (59، 213) ہرنی اور ہرن بولتے تھے (87)۔ گرڑ پرندا، گل انداز کے ساتھ بولا (47) اور مینا نے بادشاہ کو کہانی سنائی (229)۔ جانوروں میں ایک شیر اور شیرنی، ماں باپ سے چھینے ہوئے ایک بچے کو پرورش کرتے ہیں (106-111) اور بلی اور کتے نے پیغامات پہنچائے (116)۔

سندھی لوک کہانیوں میں جانوروں اور جانداروں میں خاص طور پر ناگ، گرڑ پرندہ، ہرن اور طوطا اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ کالا ناگ، ہیبت کے ساتھ ساتھ شرافت کی علامت بھی ہے۔ اوائلی زمانے میں انسان کے لئے ناگ ایک آفت تھا اور اسی لئے اسے دیو سے دیوتا تک کر کے مانا گیا۔ دیو کی حیثیت میں ناگ صورتیں بدل سکتا تھا۔ ناگ کی ہیبت کا اندازہ اسی سے ملتا ہے کہ 'امیر حمزہ اور کنک رانی' والی کہانی میں خود دیو ناگ بن کر امیر حمزہ کی بیوی کو روک لیتا ہے (121)۔ دوسری طرف قدیم زمانے سے یہ وہم بیٹھا ہوا ہے کہ کالا ناگ ایک اصل اور شریف جانور ہے اس کے سر پر 'من' رکھا ہے اور وہ اپنی اصلیٰ کے باعث دوستوں کا دوست ہے اور وقت کا مرد میداں ہے۔

کالے ناگ کے وصل میں، آس پاس کی رکھ خبر
من ہے جن کے سر میں، اور بھڑکتے شعلے ہیں
سُر پہ کردیں سر صدقے، اور ارواح قربان کریں

اس لحاظ سے ناگ، بادشاہ کا دوست بن جاتا ہے۔ اس کے ساتھ باتیں کرتا ہے، اسے 'من' دے دیتا ہے اور ناگ صورت بدل کر سرخ لعل بن جاتا ہے (292)۔ نولکھا ہار بن جاتا ہے (299) بلکہ انسانی صورت اختیار کر کے شہزادہ ''لال ملوک'' بن جاتا ہے (309)۔

گرڑ پکھی، گویا پرندوں میں دیو ہے اور انسان (آدم زاد) کو پنجے میں اٹھا کر اڑ سکتا ہے۔ اکثر اوقات انسان کے ساتھ بھلائی کرتا ہے۔ انسان کو مشکل سے چھڑاتا ہے، اور اڑا کر منزل پر پہنچا دیتا ہے۔ جیسے کہ گل انداز کو گرڑ پرندہ اڑا کر لے جاتا ہے اور نیند نگر میں پہنچا دیتا ہے (47)۔ لوک کہانیوں کی پرانی یادوں کے مطابق گرڑ پرندہ (47) اور اڑن کھٹولہ (343) انسان کا فضاؤں میں اڑنے کا اولین و ابتدائی وسیلا بنا۔

جانوروں میں ہرن اور ہرنیاں بھی لوک کہانیوں میں بڑے کام کرتے ہیں۔ ہرنیاں بچوں کو دودھ پلاتی ہیں اور ہرن کی آنکھوں کے بدلے شہزادے کی آنکھیں بلکہ زندگی بچ جاتی ہے (323)۔ البتہ سونے یا روپے کے سینگوں والا ہرن طلسم کی نشانی ہے جو شہزادوں کو للچا کر بے راہ کر کے، بھٹکا دیتا ہے (82، 154، 243)۔ پرندوں میں طوطے کو بھی 'لوک کہانیوں' کی ترتیب میں بڑا دخل ہے۔ طوطا دل بہلانے اور یاد فرقت میں ساتھی ہے، اور دوسری صورت میں محافظ اور چوکیدار ہے اور کبھی جاسوس، جو ایک طرف شہزادوں اور شہزادیوں) سے سچ کہتا ہے اور بعض اوقات دور کی راہیں بتا کر انہیں مشکلات میں ڈالتا ہے۔ اکثر مشکلات میں وہ

مالکوں کا وفادار ہے وہ خود ان کی مدد کی خاطر دور دراز مقامات پر ان کے پیغامات پہنچاتا ہے اور مشکلات سہتا ہے۔☆

کہانیوں کے آغاز کا تاریخی پس منظر:

یہ معلوم نہیں کہ ان پرانی کہانیوں کا پلاٹ کب کس نے بتایا، کیسے سنایا۔ البتہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ ہر بالغ انسانی گروہ میں قدیم توہمات اور سوچوں کی صورت میں قدیم کہانیوں کے کہنہ کرداروں کا تخیل موجود تھا۔ اس کے علاوہ جادو اور ہاتھ کی صفائی اور انوکھے کرشموں کی یادگیریاں باپ داداؤں کے زمانے سے چلی آ رہی ہیں۔ انہی پہلے وقتوں کے عناصر کے ساتھ، بادشاہوں، رانیوں، شہزادوں شہزادیوں، وزیروں اور سوداگروں اور دوسرے انسانی کرداروں کے کارناموں اور کرتوتوں کے اجزاء شامل کر کے، کہانیوں کے پلاٹ بنائے گئے۔

کہانیوں کی ترتیب کی ابتدا غالباً پہلے کسی گھر کے فرد یا بہادر سردار کے کارناموں یا کسی بچھڑے ہوئے شخص کی مصیبتوں اور مشکلات کے حقیقی بیان سے ہوئی جسے وقت گزرنے کے ساتھ بڑھا چڑھا کر، وسیع کر لیا گیا۔ ابتدائی کہانیاں سب حقیقی باتیں تھیں جن پر بعد میں حکایتی رنگ چڑھا۔ یہ کہانیوں کے آغاز کا اوائلی دور تھا۔ اس کے بعد عالموں اور داناؤں نے نصیحت کی خاطر بادشاہوں یا سرداروں یا اپنے بیٹوں اور بعد والوں کے لئے عمداً یا ارادتاً باتیں ملائیں۔ جن میں جانوروں کی زبانی حکایتیں بیان کر کے، حکمت عملی (Practical Wisdom) کے گر سمجھائے۔ اس قسم کی معنی خیز اور نصیحت آموز باتوں میں قدیم مجموعہ، کتاب "کلیلہ و دمنہ"، "کتھا سریت ساگر"، "ہتوپدیش" اور "پنچ تنتر" ہیں۔ جن میں ابتدا، اوہام پرستی کی جانب مائل ایرانی ذہن، حرفت اور حیلے کی طرف مائل برہمنی ذہن، اور نصیحت و تبلیغ کی طرف مائل سیمنی (سنے ہوئے) ذہن کی اختراعات سے ہوئی۔ یہ کہانیوں کے آغاز اور ارتقا کا دوسرا دور تھا۔ جس میں اوہام و خرافات، حرفت اور حکمت عملی، سمجھ بوجھ اور نصیحت، کہانیاں بنانے کے لئے نمایاں اور اہم محرکات تھے۔ اس قسم کی کہانیاں ہند اور ایران کے درمیانی علاقوں (موجودہ مغربی پاکستان، افغانستان اور جنوب، دکنی ایران) میں پیدا ہوئیں اور پھر وہاں سے دوسرے حصوں اور ملکوں میں رائج ہوئیں۔☆☆

☆ ان کہانیوں میں طوطوں کے مختلف کاموں اور کارناموں کے لئے دیکھیے ص ص 142، 167، 227-228، 305، 308 اور 336۔

☆☆ ہم نے اپنے انگریزی مضمون بعنوان "کتاب کلیلہ دمنہ کی اصلیت" میں بحث کی ہے کہ "کلیلہ و دمنہ" کا خاکہ غالباً ایرانی خطے میں بنا اور بعد میں "پنچ تنتر" مجموعہ، ہند میں رائج ہوا۔ بہت وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ "پنچ تنتر" کی تشکیل موجودہ مغربی پاکستان کے اتر والی اراضیوں میں ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیے:

"The Origin of Kalilah-wa-Damnah". Sindh University Research Journal, Arts Series (Humanitees & Social Sciences). Vol-1. 1961.

اس دور کے بعد خاص دل بہلانے اور غم فرقت کی خاطر کہانیاں اور قصے بحیثیت ایک ادبی فن، پیدا ہوئے۔ کتاب ''الف لیلہ'' (الف لَیلاً و لیلَۃَ =ایک ہزار اور ایک راتیں) میں یہ فن بنیادی طور پر کمال پر پہنچا اور اس شاہکار کے ذریعے دنیا میں قصے کہانیوں کے ادبی فن (Fiction) کی بنیاد پڑی۔ یہ قصے کہانیوں کے ارتقا کا تیسرا دور تھا۔ جس کی ابتدا، اندازاً دسویں صدی عیسوی سے ہوئی۔

سندھی لوک کہانیوں میں ماضی کی اسی ارتقائی تاریخ کے آثار ملتے ہیں۔ ان کی ترتیب میں انسانی گروہ کے اوائلی توہمات اور سوچوں کے مجسمے اور کردار (دیو، پریان، جن)، جادو کے کرشمے اور ہاتھ کی صفائی کی یادیں، اور انسانی گروہ کے اداکار (بادشاہ، رانیاں، شہزادے، شہزادیاں، وزیر، سوداگر) موجود ہیں۔ دوسری طرف ان کہانیوں کے پلاٹ اور مواد، اور تانے بانے میں ایرانی، ہندی اور عربی قصوں اور کہانیوں کے نشان ملتے ہیں۔ شکار کرتے ہوئے کسی جانور کے پیچھے لگنا، ساتھیوں سے دور نکل جانا، راستہ بھٹک جانا اور مشکلات اٹھانا ایک ایسا تجربہ ہے جو انسان کو اپنے قدیمی خانہ بدوش اور نگار پر گزر بسر کرنے والی زندگی کے دور میں پیش آیا ہوگا اور اسی لئے مختلف قوموں کی لوک کہانیوں میں یہ تجربہ، کہانیوں کے پلاٹ کا ایک بنیادی جُز ہے۔ ایرانی بادشاہ بہرام گور جو جنگلی گورخر کو مارنے والی کہانی میں ہے اسی واقعے نے ایک آفاقی صورت اختیار کر لی ہے۔ سندھی میں پہلے سے موجود ''بانکے شاہ بہرام کا قصہ'' اسی بہرام گور والی کہانی کا عکس ہے۔ اس مجموعے کی دسویں کہانی (بھاگوان بادشاہ 154) میں بھی بادشاہ شکار کرتے ہوئے ہرن کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور اس کی مشکلات شروع ہو جاتی ہیں۔ شکار کا واقعہ لوک کہانیوں کا آفاقی جز ہے اور کتنی ہی سندھی کہانیاں اکثر شکار کے بیان سے شروع ہوتی ہیں۔ (82) آدمیوں، جانوروں اور دوسری چیزوں کی صورتیں بدل لینے کا خیال انسان کے پہلے وقتوں کے توہمات کی یادگار ہیں اور اسی لئے کہانیوں کے پلاٹ کا ایک آفاقی جز ہے۔ البتہ مرنے کے بعد دوسری جُون میں آنا، ہندو عقیدے کا جز ہے۔ اسی لئے جُون بدلنے والے جز اور خیال کی بنیاد ہند کی پیداوار ہے۔ اس مجموعے کی بارہویں کہانی (167) میں 'نینان' مختلف صورت میں نمودار ہوتی ہے اور تیرہویں کہانی (176) میں شہزادہ جدا جدا صورتیں اختیار کر لیتا ہے۔ چودہویں کہانی (185) میں مادہ چکوی پرندہ، دوسری جون میں ''کونبا بائی'' کی انسانی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اس کہانی کا پلاٹ 'جون' والے اعتقاد سے بندھا ہوا ہے اور یہ کہانی بھی تھرپارکر کے سندھی ہندو گروہ میں عام مروج ہے اور وہیں سے ملی ہے۔ دوسرے بھائیوں کے ساتھ مل کر اپنے ایک بھائی کو تکلیف دینے والا برتاؤ حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں والی بات کے ذریعے پرانے وقتوں سے ملکوں ملک مشہور ہوا، اور لوک کہانیوں اور

قصوں کا بھی آفاقی جز بن گیا۔ اس مجموعے میں پہلی (37) اور دوسری کہانی (62) کی ترتیب میں بھائیوں والا ہی برتاؤ اہم جز ہے۔ اڑتیسویں کہانی (367) میں شہزادہ لعل اپنی محبوب شہزادی لعلان کے ساتھ مدرسے میں پڑھتا ہے، جو 'لیلیٰ مجنوں' کی عشقیہ داستان کا عکس ہے۔

کتاب ''کلیلہ و دمنہ'' کے پہلے کے مجموعے کے ذریعے کہانیوں کی اندرونی ترتیب میں، بات سے بات نکلنے کا نکتہ واضح اور نمایاں ہوا جسے 'الف لیلیٰ' جیسے شاہکار نے ایک فن کے درجے پر پہنچا دیا۔ کہانی کے اسی اندرونی دلچسپ سلسلے کا اثر ملکوں ملک ہوا، اور عام کہانیوں نے بھی اس کا اثر قبول کیا۔ اس مجموعے کی پینتیسویں کہانی (351) میں دیوا پنی طرف سے تیلی اور سوداگر کی کہانی کہتا ہے۔ اٹھارہویں کہانی (227) میں طوطا اور مینا ہر اک رات باتیں کرتے ہیں اور پندرہویں کہانی (193) میں باتوں سے باتیں نکلتی ہیں یہاں تک کہ دس کہانیاں اسی ایک کہانی میں سمائی ہوئی ہیں۔ ان سلسلوں میں الف لیلیٰ کا اثر نمایاں ہے۔ چھبیسویں (263) اور ستائیسویں (281) کہانی کا پلاٹ الف لیلیٰ کے 'بغداد کا چور' والی بات سے بندھا ہوا ہے۔ ساتویں کہانی (118) کا سورما امیر حمزہ ہے اور غالباً مقامی طور اطوار سے بندھا ہوا ہے۔

کہانیوں کا پلاٹ اور واقعات کا دروبست:

لوک کہانیوں کی ترتیب آزاد اور غیر منطقی ہے۔ کیونکہ ان کا پلاٹ بنانے یا سلسلہ قائم کرنے میں کسی عالم یا ادیب کے مخصوص ارادے یا عقل کو دخل نہیں۔ البتہ اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ لوک کہانیوں کا پلاٹ بنا ہی نہیں گیا یا واقعات کی دروبست عمدہ نہیں۔ ہر اک کہانی کے شروع سے لے کر آخر تک ایک سلسلہ ہے اور اس سلسلے کی جدا جدا کڑیاں ہیں۔ لیکن نہ تو ہر کڑی ایک جتنی یا ایک جیسی ہے اور نہ ہی ہر کڑی دوسری کڑی کے ساتھ کسی خاص نمونے سے طے شدہ طریقے پر منسلک ہے۔ معنوی لحاظ سے بھی نہ تو مرکزی مضمون طے شدہ طریقے پر بنایا گیا ہے اور نہ ہی کسی سورما کا کردار کسی خاص سماجی یا نفسیاتی نظریے کے مطابق تیار کیا گیا ہے۔ لوک کہانی کی ترتیب فنی نہیں بلکہ فطری ہے۔ اس لئے کہ لوک کہانی عوام کے سادہ ذہن اور طبع کا عکس ہے اور ان کے دل بہلانے اور ہجر و فرقت کی ضرورت کو آسان سے آسان طریقے پر پورا کرتا ہے۔

سندھی لوک کہانیوں کے پلاٹ اور کردار و واقعات کی دروبست کی مجموعی طور پر حسب ذیل خصوصیات ہیں:

(الف) پلاٹ اور واقعات کی دروبست: کہانی ایک بات ہے اسی لئے ہر کہانی میں ایک پوری بات کا ہونا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بھی ذکر ایک 'بیان' ہو سکتا ہے۔ لیکن اسے کہانی نہیں کہتے۔ سادے طریقے پر مرتب کی ہوئی کہانی میں اکیلی بات ابتدا سے شروع ہو کر

اختتام تک پہنچتی ہے۔کہانی کی سادہ ترتیب کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جس میں بات کے پیچھے پیچھے پر پیش آنے والے واقعے کے عمل کا دائرہ چھوٹا ہے۔مثلاً بادشاہ شکار پر گیا اور ہرن دیکھا اور مارا۔آگے بڑھا تو پانی کا چشمہ دیکھا جہاں بیٹھ کر ہرن پکایا اور کھانا کھایا۔اس بیان میں ہرن مارنے اور اس کے بعد چشمہ پر آ کر ہرن پکانے میں،ان دونوں واقعات کا دائرہ چھوٹا ہے۔ایسی کہانی کو ہم مولیتی کے گلے میں باندھنے والے رنگین دھاگے سے تعبیر کریں گے۔یہ وہ خوبصورت بُنا ہوا دھاگہ ہے جس میں ترتیب سے خوبصورت ننھی ننھی گرہیں لگی ہوئی ہوں۔ ☆ عام چھوٹی کہانیوں یا باتوں کی ترتیب اسی قسم کی ہے۔اس مجموعے میں بھی چھٹی (106)،نویں (146)،دسویں (154)،تیئسویں (254) اور چوبیسویں (256) کہانی اسی مادہ ترتیب والی کہانیاں ہیں۔اس لئے کہ سب میں شروع سے آخر تک ایک اکیلی بات مختصر واقعات کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

سادی ترتیب والی کہانی کی دوسری قسم وہ ہے جس میں بات کے پیچھے پیچھے پر پیش آنے والے واقعے کے عمل کا دائرہ کشادہ ہوتا چلا جاتا ہے۔اس قدر کہ وہ بذاتِ خود ایک چھوٹی کہانی بن جاتی ہے۔مثلاً بادشاہ نے فقط ہرن کو دیکھا،مارا،بلکہ ہرن مرتے وقت بولا یا اُس وقت کوئی آواز ہوئی اور اس واقعے کا دائرہ بڑا ہو جاتا ہے۔اسی طرح چشمے پر پہنچنے کے وقت بادشاہ نے پریاں دیکھیں یا اس سے زیادہ کچھ اور ہوا۔ایسی بات کو مالا یا ہار سے مماثل کہتے ہیں کیونکہ مالا یا ہار میں پڑے موتیوں کا گھیرا اور مقدار بڑی ہے۔اس مجموعے میں کہانیوں کی بڑی تعداد اسی قسم کی ترتیب والی ہے۔

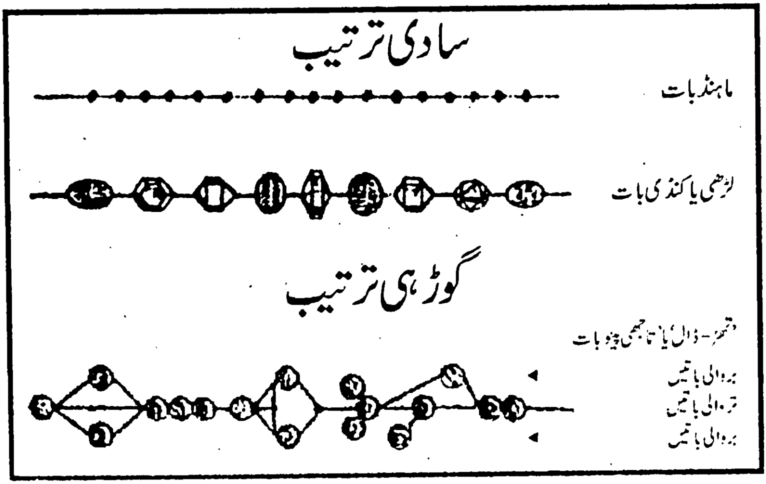

☆ 'ماہنڈ' خوبصورت گرہوں کے ساتھ ایک عمدہ بنا ہوا سونے کا دھاگہ ہے۔جسے چرواہے سجانے نکھارنے کے طور پر جانوروں کے گلے میں باندھتے ہیں۔ماہنڈ صفت کے طور پر استعمال ہوتا ہے یعنی کہ خوبصورت یا عمدہ ترتیب والا۔

گہری (یا گنجلک) ترتیب والی کہانی وہ ہے جس میں نہ صرف ایک اصلی یا پلاٹ والی بات ہو لیکن دوسری ذیلی کہانیاں بھی ساتھ ہوں۔ یعنی بنیادی تنے والی اہم یا بڑی بات سے چھوٹی باتوں کی شاخیں بھی نکلیں۔ بنیاد والی بڑی کہانی اگر 'تانے' کی مثل کہیں جس کا سلسلہ شروع سے آخر تک چلتا ہے اور دوسری فروعی باتیں اور کہانیاں اس کے 'بڑ' سے مشابہہ کہہ سکتے ہیں۔ ایسی کہانی کو ہم 'تنے- ڈال والی کہانی' یا 'تانے بانے والی کہانی' کہتے ہیں۔ اس مجموعے میں پندرہویں (193)، اٹھارویں (227) اور پینتیسویں کہانی (351) اسی قسم کی گہری ترتیب والی 'تانے بانے' یا 'تنے ڈال'، والی کہانیاں ہیں۔ پندرہویں کہانی میں پلاٹ والی اصلی بات (کہانی) سے دوسری نئی کہانیوں کی شاخیں نکلتی ہیں۔

(ب) ابتدائی یا مرکزی کہانی: سندھ میں رائج بے شمار کہانیاں عام طور پر ''بادشاہوں کی کہانیاں'' کہلاتی ہیں۔ کیونکہ اکثر اوقات ان کی ابتدا ہی بادشاہ کے ذکر کے ساتھ ہوتی ہے۔ بالکل سادہ ترتیب والی کہانیوں میں ابتدا سے آخر تک اسی بادشاہ اور اس کے کاموں اور کارناموں کا ذکر ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس مجموعے کی ''بھاگوان بادشاہ'' (154) کی کہانی میں ہے۔ عام مروج بہت ساری کہانیوں میں بالکل سادہ ترتیب والی کہانیاں بہت تھوڑی ہیں۔ اکثر 'مالا یا ہار والی' یا 'تنے ڈال' والی کہانیوں میں شامل ہیں۔ جن میں ابتدأ بادشاہ کا ذکر محض کہانی کی ابتدا یا ابتدائی بات ہے اور اصلی یا مرکزی کہانی، اس کے بعد چلتی ہے۔

ابتدائی یا مرکزی بات میں قدرے سبب اور نتیجے کا واسطہ ہے اور یہ دونوں ہی کہانی کے پلاٹ کے بڑے حصے ہیں۔ ابتدائی بات کی اہمیت یہ ہے کہ یہ کہانی کی ابتدا یا 'جڑ' یا بنیاد ہے۔ عام اصطلاح میں اسے کہانی کی 'جڑ' یا بنیاد کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ کہانی کی بنیاد رکھنا ضروری ہے۔ یہی ابتدائی والے بادشاہ کا ذکر (یا کوئی اور ذکر) گویا کہانی کی جڑ بنیاد ہے جس کی فروعات آگے آنے والا حصہ ہے۔ یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ وہ گُر جس کے ذریعے کہانی آگے بڑھائی جاتی ہے اور جس سے کہانی گنجلک ہوتی جاتی ہے۔ بڑی مرکزی کہانی گویا جڑ کی فروعات ہیں گُر کے انبار ہیں اور اسے آگے چلانے کا ڈھیر ہے۔ مرکزی کہانی سے پھر دوسری ڈالیں پھوٹتی ہیں جو 'بانے' والی کہانیاں ہیں۔ کہانی کی ترتیب میں ابتدائی کہانی اور مرکزی کہانی بہت اہم ہیں اس لئے ان کے اندرونی بڑے محرک اجزاء کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

ابتدائی کہانی کسی بادشاہ یا کسی اور شخص کے ذکر سے شروع ہوتی ہے۔ اکثر اولاد کی تمنا، شکار پر جانے، یا نئی شادی کرنے سے اس کہانی کو بڑھانے کے ابتدائی نشان ہیں۔ کسی فقیر کی دعا، کسی درویش کی طرف سے دی جانے والی آشیرباد کی اشیاء کھانے یا کوئی اور ٹونا ٹوٹکا، ابتدائی مراد پوری

ہونے کا سبب بنتا ہے۔شادی کے بعد چھوٹی بیوی کی خوبیوں یا اس کے ہاں بیٹا پیدا ہونے کے سبب اس کے ساتھ پہلے والی بیویوں کی حرص ورقابت شروع ہوجاتی ہے۔سوکنوں کے منصوبے کے تحت اس چھوٹی بیوی پر بہتان لگتا ہے اور اسے دیس نکالا دے دیا جاتا ہے۔بعض تو حاملہ ہوتی ہیں اور بعض کا چھوٹا بیٹا ہوتا ہے کہ اسے محل سے نکال دیا جاتا ہے۔بعض اوقات اس چھوٹی بیوی کا بیٹا ابھی چھوٹا ہوتا ہے کہ اس کی ماں مرجاتی ہے۔جب وہ بڑا ہوتا ہے تو سوتیلی ماؤں کے منصوبے کے باعث اس پر بہتان لگتے ہیں اور بادشاہ اسے ملک بدر کردیتا ہے یا کسی آزمایش کے پیچھے روانہ کردیتا ہے۔بعض اوقات ابتدائی کہانی والا بادشاہ یا دوسرا کوئی کردار خود کسی آزمایش کے پیچھے چل پڑتا ہے۔ابتدائی کہانی کی منزل وہاں ختم ہوجاتی ہے۔اس کے بعد چھوٹی بیوی کے مصائب، چھوٹی بیوی اور اس کے ساتھ اس کے بیٹے کی مشکلات، یا شہزادی یا بادشاہ یا کسی دوسرے کردار کی مشکلات مرکزی کہانی کا اہم حصہ بن جاتے ہیں۔اس مجموعے کی نویں (146) اور گیارہویں (159) کہانی کی ابتدائی بات اولاد کی تمنا سے شروع ہوتی ہے۔ چوتھی (82) اور دسویں (154) کہانی کی ابتدا شکار پر جانے اور راہ بھٹک جانے سے ہوتی ہے۔ پہلی (37) دوسری (62) اور تیسری (70) کہانی کی ابتدا میں سوکنوں کی رقابت کے پہلو نمایاں ہیں۔ تیرہویں (176)، اکتیسویں (316) اور چونتیسویں (346) کہانی میں سوکن کے منصوبے اور ستم کے نکات ظاہر کئے گئے ہیں کہ سوکنیں، چھوٹی بیوی کے بچوں کو مارنے اور مروادینے کی کوشش کرتی ہیں۔ سترہویں (221) اور چوبیسویں (256) کہانی میں سوتیلی ماں کا برا برتاؤ بیان کیا گیا ہے۔

ابتدائی کہانی کے مقابلے میں مرکزی کہانی، پوری کہانی کی جان ہے۔سندھی لوک کہانیوں میں عام طور پر مرکزی کہانی کا بہادر یا سورما شروع کی کہانی کے کردار سے الگ ہے۔مرکزی بات کی منصوبہ بندی میں شرط اور آزمایشیں، بعض خاص سہارے اور ترکیبیں، مصائب، مشکلات اور کوششیں اور آخر میں بہادر یا سورما کی فتح اہمیت رکھتے ہیں۔اس مجموعے میں مندرجہ ذیل آزمایشیں بعض کہانیوں کی مرکزی کہانی کی بنیاد ہیں۔خواب کی تعبیر معلوم کرنا (پہلی کہانی)، سمندری گھوڑے کا خون لانا (دوسری کہانی)، دو انار لانا (تیسری کہانی) پہیلی یا معمہ حل کرنا (گیارہویں کہانی)، سات انار لانا (پچیسویں کہانی)، کھیل میں جیت جانا (اٹھارویں اور انیسویں کہانی) سونے کی سل اور چاندی کا ورق چرانا (چوبیسویں کہانی)، بادشاہ کی بیٹی کے لئے موتی لانا اور پھولوں کا لباس حاصل کرنا (بتیسویں کہانی)، انہی شرطوں اور آزمائشوں کو پورا کرنے کے لئے بہادر یا مرکزی اہم کردار کی مشکلات شروع ہوتی ہیں۔جن میں اسے کوئی خاص مدد اور ترکیبیں ملتی ہیں۔جن کی مدد سے وہ کامیابی کی منزل پر پہنچتا ہے۔اس مجموعے کی کہانیوں میں

حسبِ ذیل بچانے والے سہارے اور خاص تراکیب سورما کی مشکلات آسان کرتی ہیں: فقیر کا دھاگا (پہلی کہانی)، پیرمرد کا تعویذ، گرڑ پرندے پر سواری، اور پریوں کے بالوں کی کمان (دوسری کہانی)، درویش کی دی ہوئی دوڈبیاں، جن کے سونگھنے سے بوڑھا یا جوان ہونا (تیسری کہانی)، جوگی کا دیا ہوا ناگ کا من (چوتھی کہانی) جانور بلی اور کتا، جو وقت پر پیغام پہنچاتے ہیں (چھٹی کہانی)، ناگ کا من جس کے ذریعے پانی جگہ دے دیتا ہے (آٹھویں کہانی)، بلی اور بچوں کی مدد سے چوپڑ کھیل میں جیت جانا (اٹھارویں اور بیسویں کہانی): انگوٹھی، نتھ، رسّی اور ڈنڈا، اور اڑن کھٹولا (تینتیسویں کہانی)، رومال جس سے ہیرے جواہرات گرتے ہیں، ٹوپی، جسے پہن لینے سے کوئی دیکھ نہ سکے، دو میوے جن میں سے ایک کو انسان کھائے تو بدل کر بکری بن جائے اور دوسرا کھائے تو بدل کر واپس اصل صورت میں آجائے (سینتیسویں کہانی)، اپنی بچانے والے سہاروں اور کرشموں کے خاص ذریعوں کے علاوہ مرکزی کہانی کی تیاری میں سورما یا اس کے ساتھیوں کی طرف سے دی گئی ذاتی نشانیاں بھی اہمیت رکھتی ہیں۔ یہ ذاتی نشانیاں اکثر تیر، تلواریں اور انگوٹھیاں وغیرہ ہیں۔ جن کا کٹ جانا یا رنگ بدل جانا، سورما کے مصیبت میں مبتلا ہونے کی خاص نشانی ہے۔ مثلاً شہزور بادشاہ اپنے ساتھی کونج والے پہلوان کو خنجر دیتا ہے اور دوسرا ساتھی ہرن والے پہلوان کو چاقو، اور کہتا ہے کہ اگر خنجر یا چاقو کالا پڑ جائے تو سمجھ لینا کہ خیر نہیں۔ (98-96) لال ملوک نے اپنے دوستوں میں سے ہر اک کو نشانی کے طور پر پھول دیا اور کہا کہ ''مجھ پر جب کبھی کوئی آفت آئے گی تو یہ پھول کمھلا جائے گا۔'' (113)۔ امیر حمزہ نے اپنے ساتھی چروا ہے کو تیر دیا اور کہا کہ ''جب تم دیکھو کہ تیر کٹ گیا ہے تو یقین کر لینا کہ میرے سر کی خیر نہیں۔'' (127)، اور چاند شہزادی اپنے بھائی سورج شہزادے کو انگوٹھی دے کر کہتی ہے کہ ''جس وقت اس کا نگ کالا پڑ جائے اس وقت سمجھ لینا کہ میری طرف خیر نہیں۔'' (240)۔

مرکزی کہانی کا بہادر یا سورما ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔ وہ انسان ہے لیکن اس کی ہمت انسان سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اس قدر کہ وہ دیووں پر یلغار کر دیتا ہے اور تن تنہا انسانی لشکروں کا مقابلہ کرتا ہے۔ بعض کہانیوں میں دیووں کی طرح سورما کی جان بھی کسی خارجی چیز میں محفوظ ہے۔ مثلاً شہزور بادشاہ (91)، لال ملوک (113) اور امیر حمزہ (131) کی جان 'تلوار' میں رکھی ہوئی ہے اور غیبی رانی کی جان ہار کے موتی میں محفوظ ہے (317)۔ یہ حفاظت اس سبب سے سوچی گئی کہ سورما کا ظاہری جسم ہر نقصان سے محفوظ رہے۔ کیونکہ سورما کو ہر حالت میں کامیاب بنانا ہے۔ مرکزی کہانی کا انجام ہمیشہ سورما کی فتح کے ساتھ ہوتا ہے۔ مثلاً بھائیوں کی گہری چالوں کے باوجود گل انداز کامیاب ہوتا ہے۔ (پہلی کہانی)۔ سوتیلی ماں کے منصوبے کے باوجود لال شہزادہ

جیت جاتا ہے (سترہویں کہانی)۔ وزیر کی یقینی گھاتوں کے باوجود شہزادہ ولایت شاہ کامیاب ہوتا ہے (پچیسویں کہانی)۔ اور باوجود آزمائشوں اور مشکلات کے، شہزادہ لال ملوک فتح مند ہوتا ہے (اٹھیسویں کہانی)۔

(ج) **مرکزی خیال:** لوک کہانیاں کسی خاص مقصد یا خیال کے ساتھ کسی نے بیٹھ کر نہیں لکھیں۔ یہ دل بہلانے یا ہجر و فراق یا حکایت کی خاطر غیر ارادی طور پر پیدا ہوئیں اور رائج ہوگئیں۔ ان کے بعض عناصر پرانے وقتوں کے ہیں اور بعض کردار کہنہ ہیں۔ مگر جیسا کہ وہ انسانی ذہن کی پیداوار اور انسانی زندگی کے تجربات کی یادگار ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی ترتیب میں عوام کے توہمات اور وساوس سے لے کر زندگی کے بعض سماجی پہلوؤں کا عکس بھی نظر آتا ہے۔ ارادی طور پر کوئی بھی کہانی نہ تو کسی خاص مقصد سے شروع ہوتی ہے اور نہ ہی کسی خاص نظریے پر ختم ہوتی ہے۔ مگر معنوی لحاظ سے، ہر کہانی میں ایک بڑا نقطہ یا مرکزی خیال سمایا ہوا ہے۔ بعض کہانیوں میں بات کے ایک سے زیادہ 'بڑے پہلو' ملتے ہیں۔ اس مجموعے میں شامل کہانیوں کو مرکزی یا 'بڑے خیال' کے لحاظ سے حسب ذیل طریقے پر تقسیم کیا جا سکتا ہے:

- ہمت و مشکلات: (کہانی نمبر 1، 2، 3، 4، 8، 15، 20، 25، 35، 36، 37 اور 38)۔
- پہلوانی اور زور آزمائی کے کارنامے: (کہانی نمبر 5، 6، 7 اور 36)۔
- چرواہے کی عقلمندی: (کہانی نمبر 11)۔
- بادشاہ کی عقلمندی: (کہانی نمبر 24)
- وزیر کی بادشاہ کو نصیحت: (کہانی نمبر 23)
- دیومالائی: (کہانی نمبر 12-13-19-28-29 اور 30)۔
- جادو فریب: (کہانی نمبر 20-21 اور 22)۔
- سوکنوں کی رقابت: (کہانی نمبر 1، 2، 3، 13، 17، 26، 31 اور 34)۔
- سوتیلی ماں کا برتاؤ: (کہانی نمبر 17)۔
- عورتوں کی خصوصیات: (کہانی نمبر 18)۔
- عورت کی عقل، خود اعتمادی اور بخت: (کہانی نمبر 33 اور 34)۔
- عورت کا اپنی عقل سے شوہر کی مدد کرنا: (کہانی نمبر 29، 31، 32)۔
- عورت کا شوہر کو سبق سکھانا: (کہانی نمبر 14، 16، 28 اور 29)۔
- حرفت اور چالاکی سے چوری: (کہانی نمبر 26 اور 27)۔
- ہنسی مذاق اور شرارت: (کہانی نمبر 9 اور 10)۔

کہانی کی ابتدا اور انجام:

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ کہانیاں پرانے زمانے میں پیدا ہوئیں اور بہت پہلے وقتوں سے رائج ہوئیں۔ اول جن شخصوں پر جو کچھ گزری، وہ انہوں نے اپنے، ساتھیوں سے بیان کیا۔ پھر سورماؤں کے کارنامے بڑوں چھوٹوں کو سنائے اور انہوں نے اپنی اولاد کو سنائے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ویسے ویسے حقائق پر حکایتوں کا رنگ چڑھتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ حقیقی مصائب و مشکلات اور کارنامے، قصے کہانی بن گئے۔ یہ کہانیاں بعد میں محض دل بہلانے کے لئے اور نصیحت کی خاطر وزیروں نے بادشاہوں سے بیان کیں اور بڑوں نے چھوٹوں کو سُنائیں۔ آخر کہانیوں کی عام مقبولیت کے سبب ایسے سگھڑ پیدا ہوئے جنھوں نے کہانی سنانے کو 'قصہ خوانی کا فن' کے درجے پر پہنچا دیا۔ سننے والوں کی تفریح کی خاطر ان کہانی سنانے والوں اور قصہ خوانوں نے اپنے بیان میں رنگینی پیدا کی اور کہانی کے آغاز اور انجام سے لے کر درمیانی حصے کے لئے خاص الفاظ اور محاورے، اصطلاحات اور جملے ایجاد اور استعمال کئے۔ کہانی شروع کرنے کے اسی فنی پہلو پر ہم نے لوک ادب کے سلسلے کی ستائیسویں کتاب ''رمزو کنائے والی کہانیاں'' کے مقدمے میں زیادہ روشنی ڈالی ہے۔

سندھ میں بادشاہوں کی کہانیوں کی ابتدا، اکثر ان عام مشہور الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں کہ ''بادشاہوں کا بادشاہ تو خود اللہ تعالیٰ ہے'' لیکن ایک زمانے کا بادشاہ تھا (37): نویں کہانی: ''کرمان اور کوری بادشاہ'' اس طرح شروع ہوتی ہے کہ ''بادشاہوں کا بادشاہ رب پاک ہے لیکن اس فانی جہان کا کوئی ایک بادشاہ تھا'' ۔الخ (146)۔ اور سینتیسویں کہانی ''دھتکارا ہوا شہزادہ'' کی ابتدا، اس طرح ہوتی ہے ''ایک تھا بادشاہ- بادشاہ تو خود اللہ تعالیٰ ہے لیکن یہ بھی ایک زمانے کا بادشاہ تھا'' الخ (362)۔ بعض مختصر لفظوں کے ساتھ کہانی شروع کرتے کہ: ''کہتے ہیں کہ'' یا ''یوں کہتے ہیں کہ'' (346)۔ کہانیاں کہتے ہوئے کہانی کے بیچ میں وقفے کے طور پر کچھ خاص جملے استعمال کرتے۔ جیسے کہ اس مجموعے کی نویں کہانی ''کرمان اور کوری بادشاہ'' کی کہانی کہتے ہوئے بیچ میں ایک خاص جملۂ معترضہ لایا گیا ہے کہ ''خیر، باتیں تو سبھی پوری ہوتی ہیں، دن اپنی مدت پر گزرتے ہیں'' (146)۔ کہانی کے ختم ہونے پر یا انجام پر اکثر کہتے ہیں کہ ''ہم نے کل ہی انہیں آپس میں خوش وخرم اور ہنستا ہوا دیکھا تھا'' مثلاً اس مجموعے کی چھتیسویں کہانی ''شیر مار شہزادہ'' کا آخر اس طرح ہوتا ہے کہ: ''کل دیکھا تھا کہ شہزادہ اور شہزادی محل کے دریچے میں کھڑے، خوش وخرم بہت قہقہے لگا رہے تھے'' (362)۔ مجموعی طور پر نویں کہانی ''کرمان اور کوری بادشاہ'' (146) فنی اعتبار سے کہانی کی ابتدا، بیچ والے وقفے اور آخر کے انجام کے اعتبار

سے نسبتاً ایک عمدہ مثال ہے۔ اٹھائیسویں کہانی: ''لعل بادشاہ اور ہیرا رانی'' (292) اسلوب بیان کے لحاظ سے ایک خوبصورت مثال ہے۔

کہانیوں کی روایت اور صحت:

سندھی کہانیاں عام طور پر، زیادہ تر سب زبانی روایتیں ہیں جو سینہ بہ سینہ چلتی چلی آ رہی ہیں۔ جیسا کہ ان کا مدار محض زبانی روایت پر ہے کسی لکھے ہوئے متن پر نہیں۔ لہٰذا جس شخص کو کوئی بھی کہانی یاد ہے تو وہ اسے اپنی زبانی بیان کرتا ہے۔ اور اپنے ہی لفظوں میں ادا کرتا ہے۔ صرف کہانی کا بنیادی خاکہ اور اس کے تانے بانے کا سلسلہ پہلے کا ہے جو بڑوں سے چھوٹوں تک پہنچا ہے۔ باقی اسلوب بیان ہر راوی کا اپنا ہے۔ سندھی لوک کہانیوں کو اکٹھا کرتے ہوئے یہ خاص احتیاط رکھی گئی ہے کہ ہر اک کہانی کے راوی کے اپنے الفاظ اور ادائیگی کی اصلیت بھی حتی المقدور قائم رہے۔

اس کتاب میں شامل کہانیاں سندھ کے علیحدہ علیحدہ حصوں سے قلم بند کی گئی ہیں۔ بعض اوقات ایک ہی کہانی کی جدا جدا روایتیں ملیں جن میں سے، جو بالکل ہی ناقص تھیں انہیں چھوڑ دیا گیا باقی جملہ پوری سے لے کر ان کی پوری روایتیں تقابل کر کے متن تیار کیا گیا۔ اس میں صرف اتنی ترمیم کی گئی کہ جملے صحیح اور آسان ہوں۔ مجموعی طور پر کہانی کی ہر مکمل روایت کو، ایک مستقل روایت کی بطور قلمبند کیا گیا ہے۔ باقی ایک جیسی یا قدرے ناقص روایتوں کو تقابل کے ذریعے ایک جامع روایت تیار کی گئی ہے۔

اس کتاب میں شامل انتالیس کہانیوں میں سے ہر ایک کہانی کی جو روایتیں جہاں سے بھی ملی ہیں ان کا حوالہ کتاب کے آخر میں شامل ''ضمیمہ'' (376-374) میں دے دیا گیا ہے۔ بعض کہانیوں کی ایک روایت اور بعض کی ایک سے زیادہ روایتیں ملی ہیں جن کا ضلعی اور تعلقہ وار خاکہ حسبِ ذیل ہے۔ دیا ہوا نقشہ کتاب میں کہانیوں کا سلسلے وار نمبر دکھا رہا ہے۔

ضلع سکھر	ضلع دادو	ضلع حیدرآباد
اوباڑو-4،7،10،35	ککڑ:28	1-5-11-15-19-29
میرپور ماتھیلو:2،13،20، 21،38	کوٹری:23	ٹنڈو الہیار:1-11
	ضلع نواب شاہ	گونی:9
پنو عاقل:5	نوشہرو فیروز:36	بدین:5،8،21،27
روہڑی:1	ضلع سانگھڑ	ضلع تھرپارکر

شکارپور:34

شہدادپور:27، 31، 32، 33، 39

سامارو:3، 6، 16، 26

ضلع لاڑکانہ

قنبر:1، 11، 18، 27

وارہ:12، 14، 29

شہدادکوٹ: 22

میروخان:17

لاڑکانہ:30

مٹھی:5

چھاچھرو:24

ضلع ٹھٹھہ

ٹھٹھہ:25، 29

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوگا کہ بعض ایک ہی کہانیاں اُتر، درمیانی سے لے کر لاڑ والے حصے تک رائج ہیں۔ مثلاً: پہلی کہانی ''گل انداز بادشاہ'' کی چار روایتیں، ہر اک روہڑی، قنبر، ٹنڈو الہیار اور تعلقہ حیدرآباد سے ملی ہیں۔ پانچویں کہانی ''شہزور بادشاہ'' کی بھی چار روایتیں، ہر ایک پنوعاقل، مٹھی، بدین اور حیدرآباد تعلقوں سے ملیں۔ انتیسویں کہانی ''شہزادہ لال ملوک'' کی تین روایتیں وارہ، ٹھٹھہ اور حیدرآباد تعلقوں سے ملیں۔ بعض کہانیوں کی مکمل روایت فقط ایک حصے میں ملی ہے لیکن ان کے بعض حصے اور واقعات دوسرے حصوں میں مختلف ناموں سے ملنے والی کہانیوں سے ملتے ہیں۔ مثلاً ساتویں کہانی ''امیر حمزہ اور کنک رانی'' فقط تعلقہ اوباوڑی میں ملی۔ مگر اس کے بعض واقعات اور سامارو تعلقہ سے ملنے والی چھٹی کہانی ''لال ملوک بادشاہ'' کے بعض واقعات آپس میں ملتے اور مزوج رہی ہیں جنہیں راویوں نے، اُتر والی کہانیاں لاڑ، اور لاڑ والی کہانیاں اُتر تک پہنچائیں۔ اگر کہانیوں کا ذوق اس قدر عام نہ ہوتا تو ہر کہانی کا دائرہ مقامی طور پر محدود ہوتا۔

جن کہانیوں کی ایک سے زیادہ روایتیں ملیں ان کے تقابل کے ذریعے کہانی کی ترتیب اور سلسلے کی صحت قائم کی گئی ہے۔ مگر جن کہانیوں کے فقط اکیلی روایتیں ملیں ان میں سے بعض میں روایت کے سُقم باقی ہیں جیسے کہ ساتویں، پچیسویں اور تینتیسویں کہانی میں، جن کی طرف ذیل میں اشارے دیئے گئے ہیں:-

ساتویں کہانی ''امیر حمزہ اور کنک (گندم) رانی'' میں دیو امیر حمزہ کی دلہن کو پکڑ لیتا ہے۔ صرف اس لئے کہ امیر حمزہ اسی بہانے اس کے پاس آئے۔ جب امیر حمزہ آیا تو دیو نے اس سے نہایت عاجزی کے ساتھ عرض کیا کہ ڈچیل دیو، اس سے کنک رانی کو چھین کر لے گیا ہے اور امیر حمزہ مہربانی کر کے اسے لا کر دے۔ امیر حمزہ کا جواب ہمدردی اور دلداری والا ہے وہ دیو سے کہتا

ہے ''اچھا یار!۔۔۔رکھ اللہ پر!'' اور اس سے رخصت لے کر، اس کے اسی کام سے چل دیتا ہے اور اپنی دلہن کو اسی کے پاس چھوڑ کر چلا جاتا ہے (124)۔ امیر حمزہ کے اسی مردانہ کردار کا فطری طور تقاضہ یہ ہے کہ کنک رانی کو آزاد کرا کے اس دیو کو پہنچائے۔ لیکن راوی کی اپنی غلطی یا اس کی سنی ہوئی غلط روایت کے سبب، جب امیر حمزہ، ڈھیل دیو کو مار کر کنک رانی کو آزاد کراتا ہے تو اس کی صحبت میں غرق ہو جاتا ہے (140)۔ نہ صرف اتنا، بلکہ جب دیو کے پاس واپس پہنچتا ہے تو باوجود اس کے، کہ دیو نہایت عاجزی و نیاز مندی کے ساتھ بات کرتا ہے لیکن پھر بھی امیر حمزہ غیرت اور غصہ میں آ کر تلوار نکالتا ہے اور ایک ہی وار سے اس کا سر تن سے جدا کر دیتا ہے (135)۔ کہانی کی ترتیب کے لحاظ سے ایسا کرنا امیر حمزہ کے کردار کے خلاف ہے اور ظاہر ہے کہ یہ روایت غلط ہے۔

پچیسویں کہانی ''ولایت شاہ'' والی کے آخر میں، ولایت شاہ کو تین خاص چیزیں، لاٹھی، منکا اور سرمہ ملتی ہیں (262)۔ کہانی کی اس ترتیب کا تقاضہ ہے کہ اور زیادہ کارنامے کر کے دکھائے اور یہ اشیاء اس کے کام آئیں یا کم از کم ان اشیاء کے کرتب بادشاہ کو دکھائے یا ان کے زور پر وزیر کو مات دے لیکن ایسا لگتا ہے کہ راوی کے پاس اس کہانی کے اس آخری حصے کی روایت تمام ہو چکی تھی، لہذا یہ اشیاء جیسی ولایت شاہ کو ملتی ہیں ویسی ہی بنا استعمال، اس کے پاس پڑی رہتی ہیں اور کہانی پوری ہو چکتی ہے۔

''شہزادہ ساعت ملوک'' والی تینتیسویں کہانی میں ساعت ملوک کو ایک فقیر ملتا ہے جو اس کے ساتھ نیاز مندی سے پیش آتا ہے اور اسے ''رسی ڈنڈا'' تحفے کے طور پر دیتا ہے۔ ساعت ملوک کی طرف سے اول اسی فقیر پر اسی ڈنڈے کا وار ہوتا ہے۔ آگے پھر دوسرا فقیر ساعت ملوک سے محبت کے ساتھ ملتا ہے اور اسے فوری طعام مہیا کرنے والا دیگچہ دیتا ہے بطور تحفہ، لیکن وہ اسے بھی رسی ڈنڈے کی مار، مارتا ہے (341)۔ ظاہر ہے کہ یہ راوی کی اپنی غلطی ہے۔ جس نے بلا سوچے سمجھے ساعت ملوک کے دوستوں پر اسی ڈنڈے کے وار کروا کر انہیں مروا دیا۔ کیونکہ آگے تیسرا فقیر ساعت ملوک کو اڑن کھٹولا، بطور تحفہ دیتا ہے لیکن وہ اسے نہیں مارتا۔

باوجود زبانی روایتوں کی ان جزوی خامیوں کے، کہانیوں کا یہ مجموعہ سندھی لوک ادب کا ایک قیمتی سرمایہ ہے جسے نہایت کوشش اور احتیاط سے جمع کیا گیا ہے اور بہت دھیان سے سنوار کر مرتب کیا گیا ہے۔

ن - ب

تراجم کی اہمیت و افادیت
اور سندھی لوک کہانیوں کے اُردو تراجم

کسی بھی زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کی ایک خاص اہمیت وافادیت ہے جسے کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اہل علم و تحقیق بخوبی جانتے ہیں کہ یہ کام، کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس میں بہت زیادہ باریک بینی اور دقت نظری کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کے لئے چند باتیں خاص طور پر ضروری اور اہم ہیں:

1۔ ترجمہ کرنے والے کو دونوں زبانوں پر بخوبی دسترس ہو۔

2۔ جس متن کو ترجمہ کرنا چاہتا ہے اس کے موضوع اور موضوع سے متعلقہ دیگر اہم اور لازمی امور کا احاطہ کرسکتا ہو، یعنی اسے اس پر عبور ہو۔

3۔ ہر زبان کے کچھ خاص محاورات، ضرب الامثال، روزمرہ اور اصطلاحات و مترادفات ہوتے ہیں، ان سے بخوبی واقف ہو۔

4۔ ہر زبان میں ایسے الفاظ ضرور موجود ہوتے ہیں جن کے اصلی معنیٰ کچھ ہوتے ہیں اور مرادی معنی کچھ اور۔ مترجم کو اس سے واقفیت ہونی ضروری ہے کہ کس مقام پر کسی لفظ کے استعمال کا اصل تناظر کیا ہے۔

5۔ جن موضوعات کا ترجمہ کیا جارہا ہوتا ہے، ان میں علمی، تنقیدی، سائنسی، تحقیقی یا تخلیقی وغیرہ کوئی بھی موضوع ہوسکتا ہے۔ موضوع کے اعتبار سے ترجمہ کرنے والے کی ذمہ داریاں اور بھی بڑھ جاتی ہیں۔ یہ بہت ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ متعلقہ مباحث کا مطالعہ ضرور رکھتا ہو۔

6۔ تخلیقی ادب کا جہاں تک تعلق ہے اس میں بے شمار موضوعات آجاتے ہیں۔ بظاہر تخلیقی ادب کا ترجمہ آسان بات معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ تخلیقی ادب، بالخصوص افسانوی ادب کو دوسری زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے بہت سی مشکلات اور دقتیں سامنے آتی ہیں۔ مثال کے طور پر:

1۔ افسانوی ادب اپنے دور کا بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر ترجمان ہوتا ہے۔

2۔ وہ اپنے معاشرے کے طرز بود و باش، روایات و اقدار، معاشی و طبقاتی کشمکش و درجہ بندیوں کا عکاس ہوتا ہے۔

3۔ وہ اپنے دور کے تہذیبی سرمائے کا امین بھی ہوتا ہے۔ اس کا رشتہ ایک طرف تو وراثتی

تہذیب اور اقدار و روایات کے ساتھ پیوستہ ہوتا ہے اور دوسری طرف مستقبل کی طرف اشارے دے رہا ہوتا ہے۔ گویا ماضی سے حال اور مستقبل تک کا مسلسل غماز ہوتا ہے۔

4۔ اس میں زبان کہیں اپنی اصل حالت میں موجود ہوتی ہے اور کہیں عوام الناس کی عام بول چال کے طریق پر، جو اگرچہ ادبی معیارات سے ہٹ کر بھی ہو سکتی ہے، لیکن اس کی اپنی ایک اہمیت ہے۔ لسانی تحقیق میں بالخصوص یہ استدلال کے ثبوت فراہم کر رہی ہوتی ہے۔ اس لئے اسے اس کی اصل حالت میں برقرار رکھنا ضروری ہے، تاکہ ثبوت مٹ نہ جائیں اور زبان کی ارتقائی صورت سامنے آنے کے بجائے پردۂ خفا میں نہ چلی جائے۔

5۔ اس زبان کے اپنے الفاظ و محاورات اور اصطلاحات و مترادفات برقرار رہنے چاہئیں یا کسی حد تک ترجمہ اس کے نزدیک ترین ہو۔

6۔ ہر داستان اپنی ذیلی کہانیوں میں، پھر ہر افسانہ اور کہانی اپنا اپنا علیحدہ عنوان و موضوع رکھتی ہے، مترجم کو اس کے عنوان، موضوع، پلاٹ، کردار، منظر نگاری، مکالمے اور وحدتِ تاثر، نیز زبان و بیان پر مکمل دسترس ہونی چاہیے تاکہ اپنی زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے حتی الامکان یہ تمام خوبیاں اور خصوصیات ترجمے میں بھی برقرار رکھ سکے۔

7۔ مندرجہ بالا تمام امور کے ساتھ ساتھ اگر مترجم کو اس زبان کے لوگوں، ان کے ماحول، تاریخ، تہذیب اور اقدار و روایات سے ذاتی واقفیت بھی ہو تو سونے پر سہاگہ۔ ایسی صورت میں وہ ایک اچھا ترجمہ کرنے کے قابل ہوگا اور ترجمہ پڑھنے والے کو وہی لطف فراہم کرے گا جو اصل کہانی پڑھ کر محسوس کرتا۔ یہ بذاتِ خود ایک بہت بڑی اور اہم خوبی ہے۔ بصورت دیگر ترجمہ اکھڑا اکھڑا، بدمزہ اور پڑھنے والے کی طبیعت اچاٹ کرنے والا ہوگا۔ اس سے وہ مقصد فوت ہو جائے گا جس کے لئے ترجمہ کیا گیا یعنی قاری میں اسے پڑھنے کا ذوق و شوق اور دلچسپی ابھاری اور بڑھائی جائے تاکہ وہ اس سے رغبت محسوس کرے اور اس ادب کو اور زیادہ پڑھنے اور جاننے میں دلچسپی لے۔

8۔ بعض صورتوں میں ایک اچھا ترجمہ، قاری کی دلچسپی اور شوق کو ایسی ترغیب و تشویق دلاتا ہے اور اسے غیر محسوس طریقے پر ایسا مہمیز کرتا ہے کہ وہ ترجمہ پڑھتے پڑھتے، اس سے آگے بڑھ کر خود اس زبان کو سیکھتا ہے تاکہ اصل زبان کے ذریعے اس کے ادب کا مطالعہ کرے۔ اگر اتفاق سے وہ اہل علم اور صاحبِ قلم ہے اور تحقیقی مزاج رکھتا ہے تو وہ اس کے اندر سے علمی مباحث اور تحقیقی موضوعات بھی نکال لاتا ہے۔ اس طرح تراجم، نہ صرف اس زبان و ادب کا دائرہ ابلاغ وسیع کرنے کا باعث ثابت ہوتے ہیں۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر نئے نئے علمی، فنی، فکری و تحقیقی مباحث بھی فراہم کرتے ہیں۔

9۔ یہ بات بھی پیش نظر رکھنی ضروری ہے کہ ترجمہ نگار کی علمی حیثیت، ادبی مرتبہ ومقام کیا ہے اگر وہ خود بھی تخلیق کار ہے تو، ترجمہ کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ کیونکہ وہ ان امور سے بہتر طور پر آگاہ ہوتا ہے جو ایک عمدہ ترجمے کی زینت ہیں۔ زبان وادب پر اس کی دسترس، موضوعات و بیان پر اس کی عمدہ گرفت اور ترجمہ کی روانی، پڑھنے والے کے لئے متاثر کن ثابت ہوتے ہیں، وہ پوری دلچسپی سے تمام کا تمام، اختتام تک پڑھ ڈالتا ہے اور اس کا شوق بڑھتا ہے کہ ایسا کچھ اور بھی پڑھے یا پڑھنے سے ایک قدم آگے بڑھ کر، وہ خود بھی ایسا کچھ کام کر دکھائے۔

10۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ترجمہ کرنا صرف ایک زبان کے الفاظ کو دوسری زبان کے الفاظ میں ڈھالنے یا بدلنے کا کام نہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ ذمہ داری، علمیت، دقت نظری، باریک بینی، معاملہ فہمی، دقیقہ رسی اور قادرالکلامی کا کام ہے۔ اس کے بغیر، صرف زبان جان لینے سے، ایک اچھا ترجمہ تیار نہیں کیا جا سکتا۔ واضح رہے کہ اچھا ترجمہ وہی ہے جو اصل زبان کے اس خاص موضوع کا دوسری زبان میں ڈھل کر، حقیقتاً نعم البدل محسوس ہو۔

سندھی لوک کہانیوں کو اُردو میں ترجمہ کرنے کا کام میرے لئے نیا نہیں تھا۔ اس لئے کہ اس سے بہت پہلے میں سندھی ادبی بورڈ ہی کے لئے سندھی لوک کہانیوں میں سے منتخب کہانیاں ترجمہ کر چکی تھی، پھر اس سے بھی بہت پہلے سے میں سندھی کے نامور افسانہ نگاروں کے منتخب افسانے بھی ترجمہ کرتی رہی تھی جو اُردو کے مختلف ادبی رسائل و جرائد میں شایع ہوتے رہے۔ اس سفر کو اور پیچھے لے جائیں تو آٹھویں کلاس کا زمانہ سامنے آتا ہے جس میں، میں نے اسکول میں باقاعدہ سندھی پڑھی۔ اس وقت مجھے ہرگز بھی تصور نہ تھا کہ کبھی میں اس زبان کے ذریعے اتنا کچھ کام کر سکوں گی۔ بس یہ معلوم تھا کہ میں ایک زبان سیکھ رہی تھی جو بہت سے دوسروں کو نہیں آتی۔ یہی بات اہم تھی۔

بعد کے سفر میں جب میں شعبۂ اُردو میں استاد مقرر ہوگئی تو میرے لکھنے پڑھنے کے تمام کام منصبی ذمہ داریوں سے منسلک ہو کر اور زیادہ بہتر سے بہتر ہوتے گئے۔ جہاں تک زبانوں کا تعلق ہے میں اُردو کے علاوہ فارسی، انگریزی، ہندی، عربی اور سندھی زبانیں جانتی ہو پنجابی کی بھی شدبدھ ہے۔ اس کے علاوہ میں نے تحقیقی، ادبی اور تنقیدی مضامین بھی لکھے۔ افسانے لکھتی رہی۔ شعر کہتی رہی۔ چنانچہ میرے دو شعری مجموعے اور ایک افسانوں کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ ''فکر اقبال کے چند پہلو'' میرا تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے جو شایع ہو چکا ہے۔ میں کیونکہ لکھنے پڑھنے کے علاوہ قصے کہانیوں سے بخوبی واقف ہوں کیونکہ ایم اے میں تحقیق اور دوسرے مضامین کے علاوہ فکشن (داستان، ناول، افسانہ، ڈرامہ) پڑھاتی چلی آ رہی ہوں۔ لہٰذا مجھے ایسے موضوعات پر اچھی دسترس ہے۔ جب سندھی لوک کہانیوں کا ترجمہ کرنے کا کام سامنے آیا تو مجھے خوشی ہوئی۔

کیونکہ میں ہمیشہ اسی طرح کام کرتی رہی ہوں کہ سندھ کیونکہ میرا پیدائشی وطن ہے۔لہٰذا اس کی دھرتی کا مجھ پر حق ہے، مجھے اس کیلئے کام کرنا چاہیے۔شاید آیندہ کبھی میں کوئی اس سے بڑا کام بھی کرسکوں۔

ترجمہ کرتے ہوئے میں نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ کہانی اپنی اصل سے ہٹنے نہ پائے اور پڑھنے والے اس زبان کا لطف بھی محسوس کریں۔ یہ رواں، سلیس، عام فہم اور دلچسپ ترجمہ ہے۔ ہر چند کہ میں اس زبان سے بخوبی مانوس ہوں لیکن پھر بھی احتیاط کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر کسی جملے، فقرے یا لفظ پر مجھے ذرا بھی شبہ ہوا کہ میں بات کی تہہ کو نہیں پہنچی تو میں نے فوراً ایک سے زیادہ اہل زبان خواتین وحضرات سے اس پر تبادلۂ خیال کیا اور جب میں خود مطمئن ہوئی تب ہی ترجمہ کیا۔ ویسے عام طور پر مجھے ترجمہ کرنے میں کوئی دقت یا تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ میرا قاعدہ ہے کہ جس تحریر کا ترجمہ کرنا ہو پہلے اسے دو ایک بار پڑھ کر اس کا مفہوم ذہن نشین کرتی ہوں، اس کی روح کو قابو کرتی ہوں، اس کے ظاہر و باطن کا جائزہ لیتی ہوں اور پھر قلم برداشتہ ترجمہ کرتی چلی جاتی ہوں، بالکل ویسے ہی جیسے میں اُردو میں کوئی طبع زاد تخلیق کر رہی ہوں۔ بذاتِ خود افسانہ نگار ہونے کے باعث مجھے اس میں بہت آسانی ہوتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ مجھے دلچسپی اور خوشی محسوس ہوتی ہے کہ میں اس سرزمین کے ادب وکلچر کو ان لوگوں سے متعارف کرانے کا باعث ہوں جو براہِ راست اس زبان سے ناواقف ہیں۔ مجھے یہ کہتے ہوئے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ میں دونوں زبانوں اور دو تہذیبوں کا سنگم ہوں یا میں گویا ایک پل ہوں جو دو تہذیبوں، ثقافتوں اور زبانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر، ایک دوسرے میں ضم کرنے کا باعث ہوں۔ تاکہ دوریاں مٹ جائیں اور اس انضمام سے تہذیب وثقافت اور زبان کی وسعت وارتقا کے نئے سوتے پھوٹیں۔ نئے نئے موضوعات اپنی دلکشی اور تنوع لئے ہوئے سامنے آئیں اور اظہار وابلاغ کے نئے نئے اسالیب اور فکر وفن کے نئے نئے سانچے دونوں زبانوں میں ڈھل کر علم وآگہی کے وسیع تر تناظر فراہم کریں۔ میں اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوں اس کا فیصلہ تو اہل ہنر ہی کریں گے۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ میری ترجمہ کی ہوئی یہ لوک کہانیاں پسند کی جائیں گی اور لوگوں میں سندھی پڑھنے، سیکھنے اور اس ادب سے براہِ راست مستفید ہونے کا جذبہ پیدا ہوگا۔ بس یہی میرا انعام ہے۔ گر قبول افتد زہے عز وشرف۔

ڈاکٹر سعدیہ نسیم

پروفیسر شعبۂ اُردو

جامعہ سندھ، جام شورو۔

پبلشر نوٹ

لوک کہانیاں ''سندھی لوک ادب'' کا ایک اہم حصہ ہیں۔ یہ کہانیاں پشت در پشت بڑے بوڑھوں سے سنتے آرہے ہیں بہت سی کہانیاں بچوں کو ان کی ماں یا دادی سونے سے پہلے سنایا کرتی ہیں۔ جن میں بادشاہوں کے قصے، جن بھوت، پریوں اور جانوروں کی باتیں ہوتی ہیں۔ لوک کہانیوں میں مقصد کو بڑی اہمیت ہے، جو کہ بڑے غیر شعوری طور پر بچوں کو متاثر کن انداز میں ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ گاؤں اور شہروں میں رات کو سوتے وقت بچوں کو کہانیاں سنائی جاتی ہیں۔ اوطاقوں، اوتاروں بیٹھکوں، چوپالوں میں کہانی سنانے والے کہانی سناتے ہیں اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

سندھی ادبی بورڈ کی جانب سے لوک ادب کا یہ سلسلہ، جس میں لوک کہانیوں کے سات جلد تیار کئے گئے ہیں۔ سب سے پہلے سن ۱۹۵۵ء سے لیکر ۱۹۵۸ء تک جمع کرنے کا سلسلہ جار رہا۔ اس کے بعد ۱۹۵۹ء سے کتابوں کی تالیف کا کام شروع کیا گیا اور کہانیوں کے سلسلے کی یہ پہلی کتاب ''لوک کہانیاں جلد اول'' شایع کی گئی۔ یہ سارا کام نامور عالم ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کے زیر نگرانی پایہ تکمیل کو پہنچا۔

طویل عرصے سے لوک ادب کی کتابوں کو اردو میں شایع کرنے کا بورڈ نے تہیہ کیا ہوا ہے۔ لوک کہانیوں کے جلد اول کے ترجمے کا کام ڈاکٹر سعدیہ نسیم آرا ''سرتاج'' کے سپرد کیا گیا، جو کہ سندھ یونیورسٹی کے شعبے اردو میں اپنی خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ انہوں نے بڑی خوشی سے اس کتاب کا ترجمہ کیا، جس میں انہوں نے اردو کے ساتھ ساتھ سندھی کے مروجہ الفاظ بھی استعمال کئے ہیں، تاکہ قارئین کرام کو اردو کے ساتھ ساتھ سندھی کے الفاظ بھی سمجھ میں آسکیں اور ذہن نشین ہوسکیں۔ بورڈ نے کہانیوں کے ساتوں جلدوں کے تراجم پروسیز میں ڈال دیئے ہیں، جو کہ

جلد پایہ تکمیل کو پہنچ جائیں گے۔ مجھے بڑی خوشی ہو رہی ہے کہ لوک ادب کے سلسلے کی یہ پہلی کتاب میری ایام کاری میں اشاعت پذیر ہو رہی ہے اور اس سلسلے کے باقی کتب بھی بہت جلد منظر عام پر آ جائیں گی۔

امید کرتا ہوں کہ چھوٹے اور بڑے اس کتاب سے بہت لطف اندازو ہونگے۔ اور اپنی آراء اور مفید مشورے بھی دیں گیں۔

جام شورو، سندھ
ہفتہ ۳- ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
بمطابق 21- اپریل 2007ع

اعجاز احمد منگی
سیکریٹری
سندھی ادبی بورڈ

فہرست

نمبر	کہانی کا نام	صفحہ
1۔	گل انداز بادشاہ	37
2۔	گل بادشاہ، شوق شہزادہ	62
3۔	محمود شاہ	70
4۔	ڈھول شہزادہ (پیارا شہزادہ)	82
5۔	شہزور بادشاہ	91
6۔	لال ملوک بادشاہ	106
7۔	امیر حمزہ اور کنک رانی	118
8۔	سنہرے بالوں والی شہزادی	136
9۔	کرمان اور کوری بادشاہ	146
10۔	بھاگوان بادشاہ	154
11۔	بادشاہ اور چرواہا	159
12۔	بامراد بادشاہ (امید بھرا بادشاہ)	167
13۔	نور شاہ بادشاہ	176
14۔	جمرو بادشاہ	185
15۔	چوبول رانی	193
16۔	انبولھ رانی	212
17۔	لال شہزادہ	221
18۔	کوڑھی بادشاہ	227
19۔	کدو شہزادہ	235
20۔	سورج شہزادہ اور چاند شہزادہ	240
21۔	شہزادہ اور فقیر	244

22۔ فقیر اور شہزادی 250
23۔ افیمی بادشاہ 254
24۔ سیانا بادشاہ 256
25۔ ولایت شاہ 259
26۔ سُورم راجا اور بیکھٹ راجا 263
27۔ شاہ بھی ہو تو چکی پیسے 281
28۔ لعل بادشاہ اور ہیرا رانی 292
29۔ شہزادہ لال ملوک 298
30۔ گنگل رانی 312
31۔ غیبی رانی 316
32۔ شہزادہ تاج الملوک 321
33۔ شہزادہ ساعت ملوک 332
34۔ گنجا فقیر اور گلشن شہزادی 346
35۔ عقلمند شہزادہ 351
36۔ شیر مار شہزادہ 357
37۔ ٹھکرایا ہوا شہزادہ 362
38۔ شہزادہ لعل اور شہزادی لعلان 367
39۔ شہزادہ اور شہزادی 371
ضمیمہ 374

☆

متن

لوک کہانیاں - ۱

(بادشاہوں اور رانیوں، شہزادوں اور شہزادیوں کی باتیں)

گل انداز بادشاہ

ایک تھا بادشاہ۔ دھن دولت اور لاؤ لشکر کی تو اس کے پاس کچھ کمی نہ تھی۔ اگر کچھ غم تھا تو صرف اتنا کہ چھ شادیاں کرنے کے باوجود اس کے یہاں کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی۔ بادشاہ دن رات اسی غم میں گھلتا رہتا۔ کرنا خدا کا کیا ہوا کہ ایک روز ایک درویش اتفاقاً اس کے دربار میں آ نکلا۔ بادشاہ نے درویش سے التجا کی:

"اے درویش! اللہ سے دعا کرو خدا مجھے اولاد عطا کرے۔"

درویش نے جواب دیا:

"اے بادشاہ! اولاد تیرے نصیب میں لکھی ہوئی ہے لیکن ہوگی تب جب تو ساتویں شادی کرے گا۔"

یہ سن کر بادشاہ کو بہت خوشی ہوئی اور اس نے وزیر سے اپنے لیے رشتے کا بندوبست کرنے کو کہا۔

اگلے روز، بادشاہ اپنے وزیر کے ہمراہ، کچھ لشکر ساتھ لے کر سیر و شکار کو نکلا۔ گھوڑے دوڑاتے دوڑاتے انہیں دوپہر ہوگئی۔ مگر شکار ہاتھ نہ لگا۔ تھکن اور پیاس سے بادشاہ کا برا حال تھا۔ وزیر نے اسے وہیں چھوڑا اور خود گھوڑے پر سوار، پانی کی تلاش میں

روانہ ہوا۔ کچھ دور جا کر، اسے ایک جھونپڑی دکھائی دی۔ وزیر گھوڑا ہنکاتا وہاں پہنچا اور دروازے پر صدا دی۔ اس کی آواز پر جھونپڑی کے اندر سے ایک نوجوان لڑکی باہر نکلی۔ وزیر نے پانی مانگا۔لڑکی نے پانی کا کٹورا بھرا اور اس میں تھوڑا سا بھوسا ڈال کر وزیر کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ وزیر پانی لے کر جلدی جلدی بادشاہ کے پاس آیا۔ پانی پینے کے بعد بادشاہ کی جان میں جان آئی تو وزیر سے پوچھا:

''پانی میں جو بھوسا تھا، اس کی کیا وجہ ہے؟''

وزیر نے پوری بات اسے سنائی اور کہا کہ اس کا سبب اگر لڑکی ہی سے پوچھیں تو بہتر۔ بادشاہ وزیر کو لے کر جھونپڑی کے دروازہ پر آیا۔ ان کی آواز پر وہی لڑکی باہر نکلی۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا:

''جب تجھے وزیر نے بتایا تھا کہ بادشاہ پانی پیئے گا، تو تو نے اس میں بھوسا کیوں ملا دیا؟''

لڑکی نے جواب دیا:

''میں نے سوچا اس قدر سخت گرمی میں بادشاہ کو پیاس لگی ہے، اگر کہیں ایک ہی سانس میں پانی پی گیا تو نقصان پہنچے گا۔ اس لیے میں نے اس میں بھوسا ڈال دیا، تاکہ تم آہستہ آہستہ پانی پیو۔''

لڑکی کی عقلمندی پر بادشاہ حیران رہ گیا اور پوچھا کہ اس کے علاوہ گھر بھر میں کوئی دوسرا موجود ہے یا نہیں؟ لڑکی بولی:

''بادشاہ سلامت! اس وقت تو کوئی بھی موجود نہیں۔ بھائی گیا ہے مٹی میں مٹی ملانے۔ اماں گئی ہے پانی سے پیسہ پیدا کرنے اور بابا گیا ہے سمندر سے کوے اڑانے۔ صبح کے گئے ہیں بس اب آتے ہی ہوں گے۔''

لڑکی کی بات، بادشاہ کے پلے نہ پڑی۔ وزیر سے پوچھا کہ لڑکی نے جو کچھ کہا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ وزیر تو بیچارہ خود ہی کچھ نہ سمجھ سکا تھا۔ بادشاہ کو کیا بتاتا۔ اس لیے بادشاہ نے لڑکی ہی سے اس کا مطلب پوچھا۔لڑکی ہنستے ہوئی بولی:

''جہاں پناہ! میرا بھائی جنازہ کو کاندھا دینے گیا ہے۔ اماں چھاچھ بیچنے گئی ہے۔ بابا، اماں کی نگرانی کو ساتھ گیا ہے کہ کہیں وہ کسی کی محبت کے جال میں نہ پھنس جائے۔''

لڑکی کی باتیں سن کر بادشاہ اس کی دانائی کا قائل ہوگیا اور اس سے، اس کا نام پوچھا۔ لڑکی نے جواب دیا: "مری ہے نہ مرے گی۔" بادشاہ یہ عجیب وغریب نام سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے وزیر کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھا۔ وزیر نے بتایا: "قبلہ! لڑکی کا نام 'جیئند ی' ہے۔"

اس روز تو بادشاہ وزیر کو ساتھ لے کر واپس لوٹ آیا۔ دوسرے روز اس نے وزیر کو حکم دیا کہ:

"تم فوراً جاؤ اور لڑکی کے والدین سے میرے لیے لڑکی کا رشتہ مانگو۔ بس یہی لڑکی میری رانی بننے کے لائق ہے۔"

لڑکی کا باپ، وزیر کی بات سن کی بھونچکا رہ گیا۔ کہنے لگا بھلا ہم کہاں، بادشاہ کہاں۔ وہ ہم سے رشتہ کیسے مانگ سکتا ہے؟ لیکن جب وزیر نے اسے یقین دلایا تو اس نے بڑی خوشی سے یہ بات منظور کرلی۔ چند ہی روز بعد بادشاہ نے اس سندر، عقلمند اور بھاگوان لڑکی سے شادی کرلی اور اس کے ساتھ ایک الگ محل میں ہنسی خوشی رہنے لگا۔

خدا کی قدرت دیکھیے، کہ جب بادشاہ نے ساتویں شادی کی تو اس کی چھؤں رانیاں پہلے ہی امید سے تھیں۔ کچھ دن بعد ساتویں رانی بھی امید سے ہوگئی۔ آخر پہلی چھ رانیوں کے یہاں چھ لڑکے پیدا ہوئے۔ لیکن ساتویں رانی کے وضع حمل میں ابھی وقت باقی تھا۔ بادشاہ کو اس کی خبر نہ تھی۔ وہ برسوں سے اولاد کا آرزومند تھا۔ اس کی آنکھوں نے جو ایک ساتھ چھ بیٹے دیکھے تو پھر سے پہلی رانیوں کے ساتھ محبت کا ناطہ جوڑ لیا اور ساتویں رانی کو بالکل بھلا بیٹھا۔ یہاں تک کہ اس کے محل کی طرف دیکھنا تک چھوڑ دیا۔ چھوٹی رانی نے بہت حیلے وسیلے کیے، مگر بادشاہ واپس نہ لوٹا۔

کچھ مدت بعد، چھوٹی رانی کے یہاں بھی خیر سے بیٹا پیدا ہوا۔ رانی اسے دیکھ کر باغ باغ ہوگئی۔ بڑے پیار سے بیٹے کا نام "گل انداز" رکھا۔ بادشاہ کیونکہ اس کی طرف سے بالکل لاپرواہ اور بے نیاز ہوگیا تھا، اس لیے رانی نے بھی اسے بیٹا پیدا ہونے کی اطلاع نہ دی۔ صبر وشکر کے ساتھ، خاموشی سے اپنے بچے کی پرورش کرنے لگی۔ جب لڑکا ذرا ہوشیار ہوگیا تو رانی نے اس کو پڑھانے اور سپہ گری و پہلوانی کا فن سکھانے کا بندوبست کیا۔ یہاں تک کہ شہزادہ جوان ہوگیا۔ لیکن اس تمام عرصے میں وہ اپنے محل سے کبھی باہر نکلا اور نہ اپنے باپ کی شکل دیکھی۔

ایک رات، بادشاہ نے ایک عجیب وغریب خواب دیکھا کہ ''چاندی کا تنا، سونے کی ڈالیاں، جواہرات کے پتے اور لعل لٹکتے ہوئے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے اور چار پریاں ہیں جو بیک وقت رو بھی رہی ہیں اور لعل بھی چن رہی ہیں۔'' بادشاہ ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا۔ بہت مغز ماری کی لیکن اس کا مطلب سمجھ میں نہ آیا۔ اسے رات بھر نیند نہ آسکی اور اسی سوچ اور فکر میں، بے چینی سے کروٹیں بدلتے، آخر صبح ہوگئی۔ بادشاہ نے دربار لگایا۔ امیروں، وزیروں، عاقلوں اور نجومیوں کو اپنا رات والا خواب سنایا۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی خواب کی تعبیر نہ بتا سکا۔ آخر ایک ضعیف نجومی نے رمل کے ذریعے حساب لگا کر بتایا کہ اس خواب کی تعبیر اگر کوئی بتا سکتا ہے تو صرف بادشاہ کا بیٹا ہی بتا سکتا ہے۔

بادشاہ کو اپنے ساتویں بیٹے کی کچھ خبر نہ تھی۔ اس نے اپنے چھ بیٹوں کو بلایا اور انہیں اس خواب کی تعبیر لانے کا حکم دیا۔ شہزادوں نے مجبوراً سفر کی تیاری کی اور بہت سا مال متاع لے کر روانہ ہوئے۔ ابھی وہ اپنے ملک کی حد بھی پار نہ کرنے پائے تھے کہ رہزنوں نے ان پر ہلہ بول دیا۔ ان کی ساری مال ملکیت چھین کر، سب کو باندھ کر ایک مکان میں قید کر دیا۔ بارہ مہینے گزر گئے۔ شہزادوں کی کوئی خبر نہ ملی۔ بادشاہ نے شہزادوں کا پتہ لگانے کے لیے چاروں طرف آدمی دوڑا دیئے۔ مگر سب کے سب ناکام لوٹے۔ آخر بادشاہ شہزادوں کی واپسی سے ناامید ہوگیا۔

خدا کی قدرت، ایک روز وہی درویش بادشاہ کے دربار میں آ نکلا۔ بادشاہ نے اسے اپنا خواب اور خواب کی تعبیر لانے کے لیے شہزادوں کی سفر پر روانگی اور گم ہونے کا سارا قصہ سنایا۔ درویش نے سارا ماجرا سن کر کہا:

''اے بادشاہ! اس خواب کی تعبیر تیرے ساتویں بیٹے کے سوا کوئی نہیں لا سکتا۔ تجھے چاہئے تھا کہ اُسی کو بلاتا۔''

بادشاہ نے حیران ہو کر کہا:

''مگر، ان چھ بیٹوں کے سوا میرا کوئی بیٹا ہے ہی نہیں۔''

درویش اس کی لاعلمی پر ہنستے ہوئے بولا:

''بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ رانیاں تو سات اور بیٹے صرف چھ؟ تیری ساتویں رانی سے بھی ایک بیٹا ہے، لیکن تو وہاں گیا ہے نہ ہی تجھے اس کی خبر ہو سکی۔''

یہ سن کر بادشاہ، چھوٹی رانی سے کی ہوئی بے وفائی پر سخت شرمندہ ہوا۔ اسے بڑا اچنبھا ہوا کہ اسے اپنے ساتویں بیٹے کی خبر کیوں نہ ہو سکی۔ اس نے درویش سے التجا کی:

''سائیں! تم خود میرے ساتھ چلو اور مجھے میرے اس بھاگوان بیٹے
سے ملاؤ۔''

درویش، بادشاہ کو ساتھ لے کر، چھوٹی رانی کے دروازے پر آیا اور بادشاہ سے کہا کہ وہ ''گل انداز'' کا نام لے کر پکارے۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ رانی نے فوراً اس کی آواز پہچان لی۔ دل میں ڈری کہ آج سالوں بعد تو بادشاہ نے ادھر کا رخ کیا ہے اور عجب یہ کہ ''گل انداز'' کا نام لے کر پکارا ہے۔ ہو نہ ہو، ضرور کسی کٹنی نے یہ کٹن پنا کیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ شہزادہ بھی مجھ سے چھن جائے۔ یہ سوچ کر اس نے شہزادے کو چھپا دیا اور بادشاہ کو اندر بلالیا۔ بادشاہ، درویش کے ساتھ اندر آیا اور آتے ہی 'گل انداز' کے متعلق پوچھا۔ رانی نے جان بوجھ کر، ٹالنے کی خاطر، انجان بنتے ہوئے کہا کون گل انداز؟ تب درویش نے رانی سے کہا:

''رانی، ہم درویشوں سے کوئی بات چھپی نہیں رہتی۔ بادشاہ کو بیٹے
کی خبر اگر اب سے پہلے ہوگئی ہوتی تو وہ پہلے ہی آتا۔ اسے میں
نے ہی گل انداز کے بارے میں بتایا ہے۔ اب گل انداز کو بُلا،
تاکہ وہ اپنے باپ سے ملے۔''

رانی نے جب دیکھا کہ ملن کے دن لوٹ آئے ہیں تو بہت خوش ہوئی۔ شہزادہ گل انداز کو لاکر بادشاہ کے سامنے کھڑا کردیا۔ شہزادہ بڑے ادب سے ملا۔ بادشاہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ درویش نے بادشاہ سے کہا:

''اے بادشاہ! یہی ہے وہ لڑکا، جو تجھے تیرے خواب کی تعبیر لاکر
دے سکتا ہے۔''

'گل انداز' کے ملنے پر بادشاہ نے کتنے ہی روز تک جشن منایا۔ پھر اس نے گل انداز کو اپنا خواب سنایا اور اس کی تعبیر لانے کو کہا۔ گل انداز نے سامانِ سفر تیار کیا اور روانہ ہوگیا۔ ابھی اس نے اپنے ملک کی حد بھی پار نہ کی تھی کہ انہی رہزنوں نے اس پر ہلہ بول دیا۔ گل انداز نے انہیں للکارتے ہوئے کہا:

''تم بھی مرد ہو اور میں بھی۔ اگر مردوں کی طرح مقابلہ کرنا چاہو تو
آؤ اور مجھ سے مقابلہ کرو۔ تم جیت گئے تو یہ سارا مال و اسباب
گھوڑے سمیت تمہارا اور اگر میں جیتا تو جو میرے دل میں آئے گا،
تمہارے ساتھ سلوک کروں گا۔''

رہزنوں نے سوچا ہم نے ان جیسے نجانے کتنوں کو مار کھپایا ہے۔ یہ ہمارا کیا بگاڑ لے گا۔ پس انہوں نے شہزادہ کی شرط قبول کر لی اور ایک ایک کر کے اس کے ساتھ مقابلہ کرنے لگے۔ گل انداز پہلوانی کے فن میں آپ اپنا جواب تھا۔ جلد ہی اس نے ان سب کو مار گرایا اور مضبوطی سے باندھ کر ایک طرف ڈال دیا اور پوچھا:

"سچ بتاؤ، اس سے پہلے تم کیا کیا ظلم کر چکے ہو اور تمہارا ٹھکانہ کہاں ہے؟"

رہزنوں نے اسے اپنا ٹھکانہ دکھایا۔ شہزادہ کے چھئوں بھائی وہیں قید تھے۔ گل انداز نے انہیں آزاد کر کے اپنے ساتھ لیا اور رہزنوں سے وعدہ لیا کہ آئندہ کسی کے ساتھ ظلم نہیں کریں گے۔

چلتے چلتے، چھئوں بھائیوں نے گل انداز سے اس کا حال احوال پوچھا۔ گل انداز نے بتایا:

"میں تمہارا چھوٹا بھائی 'گل انداز' ہوں۔ بادشاہ سلامت کے خواب کی تعبیر لانے نکلا ہوں۔ چلو اب ہم ساتوں بھائی مل کر کوشش کرتے ہیں۔"

جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ یہ ان کا چھوٹا بھائی ہے تو انہیں حسد ہوا کہ یہ کہیں ہم سے بازی نہ لے جائے۔ دل میں سوچا کسی طرح اسے ٹھکانے لگانا چاہئے۔ گل انداز کو بھائیوں کے انداز سے کچھ شبہ سا ہوا کہ ان کی نیت میں خلل آ چکا ہے۔ اس نے سارا مال ملکیت ان چھئوں بھائیوں کے حوالے کر کے اپنی جان چھڑائی اور اکیلا ہی ایک طرف کو چل دیا۔

کچھ دن کے سفر کے بعد گل انداز ایک باغ میں پہنچا۔ سارا باغ سوکھا پڑا تھا۔ باغ کے بیچوں بیچ ایک کنواں تھا، جس پر رہٹ لگا تھا۔ کچھ آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک بوڑھا ضعیف فقیر پڑا سو رہا ہے۔ گل انداز کے دل کو یقین سا ہو گیا کہ اگر میرا مقصد پورا ہونا ہے تو اسی سے ہوگا۔ اس نے سوچا جب تک فقیر جاگے، میں باغ کو پانی ہی دے لوں۔ یہ سوچ کر اس نے باغ کو پانی دینا شروع کیا۔ دو چار روز اسی طرح گزرے، مگر فقیر نے نیند سے کروٹ نہ بدلی۔ شہزادہ باغ کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ یہاں تک کہ پورا باغ سرسبز و شاداب ہو گیا۔ قسم قسم کے میوے پک کر تیار ہو گئے۔ شہزادہ یہی میوے کھا کر گزارا

کرتا رہا۔ اسی طرح چھ مہینے گذر گئے تو فقیر نیند سے جاگا۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ سارا باغ ہرا بھرا ہو رہا ہے۔ فقیر نے کہا:

''جن ہے بھوت ہے یا دنیا کا آدمی۔ جو بھی ہے سامنے آجائے ورنہ رائی برابر دانے کر ڈالوں گا۔''

شہزادہ نے جواب دیا:

''جن ہوں نہ بھوت ہوں۔ اسی دنیا کا انسان ہوں۔ ایک کام سے ادھر آنکلا ہوں۔''

اور 'گرو جی، گرو جی' کہتا فقیر کے قدموں پر گر پڑا۔ فقیر نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھالیا اور بولا: ''اگر تو نے گرو جی، گرو جی نہ کہا ہوتا تو میں تیرے رائی برابر دانے کر چکا ہوتا۔''

گل انداز نے کچھ میوے اکٹھے کیے اور فقیر کے سامنے رکھ دیے۔ فقیر میوے کھا کر خوش ہوا۔ ''بچہ، تو نے میرا باغ ہرا بھرا کیا ہے، اب مانگ کیا مانگتا ہے۔''

گل انداز نے باپ کا خواب اسے سنایا اور فقیر سے پوچھا میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہاں جاؤں، کیا کروں۔ تم ہی میری کچھ رہنمائی کرو۔ فقیر نے جواب دیا:

''بچہ، تو نے بہت کٹھن کام میں ہاتھ ڈالا ہے۔ خیر خدا بہتری کرے گا۔ سُن! یہاں سے مغرب کی طرف مہینہ بھر کی مسافت پر ایک سمندر ہے۔ اس سمندر کے اس پار 'نیند نگر' ہے۔ وہاں سینکڑوں دیو اور پریاں رہتے ہیں۔ جو چھ مہینے جاگتے اور چھ مہینے سوتے ہیں۔ جب تو نیند نگر کی طرف چلنا شروع کرے گا تو دو دن کی مسافت کے بعد تجھے بڑ کا ایک درخت نظر آئے گا۔ اس درخت پر ایک کوٹھا ہے۔ تیرے خواب کی تعبیر اسی میں ہے۔ لے یہ تعویذ، اس کی خاصیت یہ ہے کہ اسے باندھنے کے بعد کوئی دیو پری تجھے کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا۔''

گل انداز، بازو میں تعویذ باندھ کر، فقیر سے رخصت ہوا اور مغرب کی طرف چلا۔ چلتے چلتے، وہ ایک جنگل بیابان میں پہنچا۔ دیکھتا کیا ہے کہ ایک خوبصورت نوجوان جس کے سر پر سہرا بندھا ہے اور مہندی لگی ہوئی ہے۔ اپنا سر پیٹ رہا ہے اور کلیجہ پھاڑ پھاڑ کر دہائی دے رہا ہے۔ گل انداز نے اس سے حال دریافت کیا۔ اس نے بتایا:

''میں شادی کر کے بارات کے ساتھ واپس آ رہا تھا کہ اچانک اس بیابان میں ساری بارات غائب ہوگئی۔ اب میں تن تنہا اس ویرانے میں آہ و زاری کر رہا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا یہ کیا ظلم ہے۔ تو ہی بتا، اب میں کس منہ سے واپس اپنے گاؤں جاؤں۔''

گل انداز کو تعجب بھی ہوا، افسوس بھی۔ نوجوان کو وہیں چھوڑ کر وہ واپس فقیر کے پاس آیا اور ساری بات اسے سنائی۔ فقیر نے کہا:

''تو اس معاملے میں ٹانگ نہ پھنسا۔ جس کام سے آیا ہے، اسے پورا کر کے لوٹ جا۔''

لیکن گل انداز نہ مانا۔

''سائیں! وہ بے چارہ اس ویرانے میں بھٹک بھٹک کر جان دے دے گا۔ چاہے کچھ بھی ہو، اسے اپنی دلہن بارات سمیت ضرور واپس ملنی چاہئے۔''

شہزادہ کی ضد سے مجبور ہو کر فقیر نے اسے تین پھول دیتے ہوئے کہا کہ جب پہلا پھول میدان میں پھینکے گا تو گرد و غبار کا طوفان اٹھے گا۔ غبار دور ہونے کے بعد ایک قلعہ نظر آئے گا۔ جس میں کوئی دروازہ دکھائی نہ دے گا۔ دوسرا پھول تم اس قلعے سے لگانا۔ پھول لگتے ہی قلعہ غائب ہوجائے گا اور آگ بھڑک اٹھے گی۔ جب یہ آگ ٹھنڈی پڑے گی تو اس کے اندر سے ایک ہیبت ناک جادوگر نکلے گا۔ تم بے خوف و خطر آگے بڑھ کر

تلوار سے اس کا سرتن سے جدا کر دینا۔ تیسرا پھول اس الاؤ میں ڈال دینا۔ جادو کا سارا اثر غائب ہوجائے گا اور وہی جادوگر انسانی صورت میں تیرے سامنے ہوگا۔ لیکن اب اس میں پہلی والی طاقت نہ ہوگی۔ تم اسے جو کہو گے، وہ وہی کرے گا۔

شہزادہ گل انداز، تینوں پھول لے کر واپس لوٹا اور فقیر کی ہدایت کے مطابق عمل کر کے، جادوگر کو اپنے قبضے میں کیا۔ شہزادہ نے اسے حکم دیا:

''سب سے پہلے تو ہمیں وہ بارات واپس چاہئے، جو تو نے اس میدان سے غائب کی تھی۔''

جادوگر نے گل انداز کو ساتھ لے جا کر وہ دلہن اور بارات دکھائی۔ شہزادے نے دیکھا اس مکان کی دوسری کوٹھریوں میں بھی کتنے ہی لوگ اور دلہنیں قید تھیں۔ اس نے ان سب کو آزاد کر کے ان کے وطنوں کو روانہ کیا۔ ان میں دو لڑکیاں جو شاہی گھرانے کی نظر آتی تھیں اور اس دنیا میں ان کا کوئی بھی عزیز رشتہ دار باقی نہ تھا۔ گل انداز نے ان لڑکیوں کو اس دولہا کے سپرد کرتے ہوئے کہا:

''تو اپنی بارات لے کر روانہ ہوجا۔ لیکن یہ دونوں شہزادیاں تیرے پاس امانت ہیں۔ اگر میں زندہ سلامت لوٹ آیا تو تجھ سے لے لوں گا ورنہ اللہ کے اور تیرے حوالے۔ انہیں جان سے زیادہ عزیز رکھنا۔''

شہزادیوں کو ان کے حوالے کر کے گل انداز نے اپنا راستہ لیا۔

کچھ روز کی مسافت کے بعد ایک روز شہزادہ جب بہت تھک گیا تو آرام کرنے کے لیے ایک بڑے درخت کی چھاؤں تلے، گھوڑے کی زین سرہانے رکھ کر سو گیا۔ سورج سر پر آ گیا تھا کہ اچانک پرندوں کی پھڑ پھڑاہٹ سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک اژدھے کو اوپر آتا دیکھ کر چیخ پکار کر رہے تھے۔ شہزادہ سمجھ گیا کہ ناگ ضرور انہیں کھا جائے گا۔ اس نے فوراً تلوار نکالی اور اژدھے کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے، پرندے کے بچوں کے سامنے گھونسلے میں رکھ آیا۔ واپس آ کر وہ پھر سو گیا۔ یہ گھونسلا ایک عقاب کا تھا۔ جسے دو تین روز سے کوئی شکار ہاتھ نہ لگا تھا۔ صبح وہ بچوں سے کہہ کر گیا تھا کہ:

''اگر آج بھی مجھے کوئی شکار نہ ملا تو تم سب کی خیر نہیں۔''

بچے، بہت بھوکے تھے۔ اژدھے کے ٹکڑے سامنے پا کر بہت خوش ہوئے۔ کچھ خود کھایا اور کچھ اپنے باپ کے لیے رکھ چھوڑا۔ اتفاق سے عقاب کو اس روز بھی کوئی شکار

ہاتھ نہ لگا۔ وہ بھوک سے بے تاب ہوکر گھونسلے میں داخل ہوا۔ اژدھے کے ٹکڑے پڑے دیکھ کر وہ کھانے میں جُٹ گیا۔ جب خوب پیٹ بھر کر کھا پی چکا تو پکار کر بولا:

''کوئی باقی بھی بچا ہے یا میں سب کو کھا چکا ہوں۔''

بچے جو باپ کے خوف سے چھپ گئے تھے، اس کے پکارنے پر چوں چوں کرتے دوڑتے آئے۔ عقاب نے بچوں کو صحیح سلامت دیکھا تو تعجب سے بولا:

''تم سب زندہ ہو؟ پھر میں نے جو کھایا وہ کیا تھا؟''

بچوں نے ساری بات باپ کو بتادی اور شہزادہ کی طرف اشارہ کر کے بولے:

''درخت کے نیچے جو آدمی سو رہا ہے، اسی نے ہماری جان بچائی ہے۔ ورنہ آج تو ہمیں زندہ نہ پاتا۔''

یہ سن کہ عقاب شہزادہ کا بہت احسانمند ہوا۔

اب سورج ڈھلنے لگا تھا۔ جس کی وجہ سے شہزادہ پر درخت کی چھاؤں کے بدلے دھوپ کی کرنیں پڑنے لگی تھیں۔ شہزادہ نیند میں ایسا مدہوش تھا کہ اس کی آنکھ نہ کھلی۔ یہ دیکھ کر عقاب درخت سے اترا اور شہزادے کے اوپر اپنے پروں سے سایہ کر کے بیٹھ رہا۔ گل انداز کی آنکھ کھلی تو عقاب کو اپنے اوپر بیٹھا دیکھ کر خوف سے دل دہل گیا۔ عقاب نے تسلی دے کر کہا:

''خوف نہ کھا۔ تو نے میرے بچوں کی جان بچائی ہے۔ اب میں تیرا تابعدار ہوں۔ جو تو کہے گا میں کرنے کو تیار ہوں۔''

گل انداز نے کہا کہ مجھے ''نیند نگر'' پہنچنے کے لیے تیری مدد کی ضرورت ہے۔ عقاب اسے اپنے پروں پر بٹھا کر اڑا اور نیند نگر کی سرحد پر جا اُتارا۔ عقاب کو واپسی کی اجازت دے کر شہزادہ 'نیند نگر' میں داخل ہوا۔ دیکھتا کیا ہے کہ جو جہاں ہے وہیں سویا ہوا ہے۔ گھومتا پھرتا شہزادہ ایک محل میں داخل ہوا۔ محل کے دروازہ پر دیوؤں کا پہرہ تھا، لیکن تعویذ بندھا ہونے کی وجہ سے اُسے ان سے ذرا بھی ڈر نہ لگا۔ اندر جا کر دیکھا تو غسل خانے میں ایک پری نہانے کی لیے تیار بیٹھی ہے۔ اس کی باندی پانی کا لوٹا بھرے پاس ہی موجود ہے۔ دونوں کو وہیں، اسی حالت میں نیند نے آ لیا ہے۔ گل انداز، پری کو دیکھتے ہی اس پر عاشق ہوگیا۔ غسل خانے سے نکال کر اسے پلنگ پر لٹایا۔ اس کی شال خود اٹھالی اور اپنی شال اس پر ڈال دی۔ پھر اس کی انگوٹھی جس پر اس کا نام ''نیند پری'' لکھا تھا، اتار لی خود پہنی اور اپنی انگوٹھی اسے پہنادی۔ رات وہاں گزار کر، صبح شہزادے نے غسل کیا اور فقیر

کے بتائے ہوئے راستے پر آگے روانہ ہوا۔ کچھ دور چلنے کے بعد شہزادہ کو بڑ کا درخت اور اس پر کوٹھا نظر آیا۔ شہزادہ اس بالا خانے کے نیچے پہنچ کر ٹھہر گیا۔

اوپر کچھ پریاں چوپڑ کھیل رہی تھیں۔ اتفاق سے ایک گوٹ نیچے گر گئی۔ شہزادہ نے فوراً اسے اٹھا کر اپنے کیسہ میں رکھ لیا۔ پریوں میں سے ایک نے جب گوٹ کو دیکھنے کے لیے دریچہ سے سر نکال کر جھانکا تو دیکھا کہ نیچے ایک خوبصورت نوجوان کھڑا ہے۔ اس نے دوسری سہیلیوں کو بھی بلا کر دکھایا۔ کچھ دیر وہ یونہی کھڑی اسے دیکھتی رہیں، پھر صلاح مشورہ کر کے بولیں:

''اس ملک میں ایسا حسین نوجوان ہمیں خدا نے عطا کیا ہے۔ اسے ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیے۔''

انہوں نے آپس میں طے کیا کہ وہ جس کی چارپائی پر بیٹھے گا، اسی کا ہو جائے گا اور اگر سردار کی چارپائی پر بیٹھا تو پھر ہم چاروں کا ہوگا۔ یہ فیصلہ کر کے انہوں نے گل انداز کو اوپر بلایا۔ گل انداز تو خود یہی چاہتا تھا۔ جلدی سے اوپر پہنچا۔ دیکھا تو بالا خانہ بڑی خوبصورتی سے سجا ہوا تھا۔ سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کی ایسی ایسی عجیب و غریب چیزیں نظر آئیں کہ وہ کچھ دیر تو حیرت زدہ سا دیکھتا رہ گیا۔ پھر پریوں کے کہنے پر وہ ایک جگہ بیٹھ گیا۔ اتفاق سے شہزادہ سردار کے پلنگ پر بیٹھا تھا۔ اب تو چاروں پریوں نے اسے اپنا لیا۔ اس کے بعد انہوں نے راگ رنگ کی محفل سجائی اور شہزادہ لطف اٹھانے لگا۔

راگ رنگ کی محفلیں جاری رہیں اور شہزادے کو دن گزرنے کا بالکل احساس نہ ہوا۔ ایک روز بیٹھے بیٹھے شہزادہ کو اپنے باپ کا خواب یاد آیا۔ اسے بڑا فکر ہوا کہ اتنی دشواریاں سہیں، دکھ جھیلے، مشکلات اٹھائیں، مگر اب تک اپنا اصل مقصد حاصل نہ کر سکا۔ پریوں نے اسے اس طرح اداس بیٹھے پایا تو بڑی محبت سے اس کا سبب پوچھا۔ شہزادے نے اسے پورا خواب سنا دیا۔ پریاں بولیں:

''بس اتنی سی بات پر دل چھوٹا کرتے ہو۔ تم جب کہو ہم تمہیں اس کی تعبیر دکھا دیں۔''

گل انداز نے تو ساری مصیبتیں اسی ایک خواب کی تعبیر کے لیے سہی تھیں۔ جلدی سے بولا:

''اگر ایسا ہو تو پھر دیر نہ کرو۔ میں ابھی اسی وقت تعبیر دیکھنا چاہتا ہوں۔''

پریوں نے اسے ہدایت کی:

......چاندی کا تنا، سونے: کی ڈالیاں، جواہرات کے پتے اسور لعل لٹکتے ہوئے،
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اور وہی چاروں پریاں، بیک وقت رو بھی رہی ہیں اور لعل بھی چن رہی ہیں

''اچھا دیکھو، جیسا ہم کہیں تم ویسا ہی کرنا۔ اگر ذرا سی بھی چوک ہوگئی تو پھر خطا اٹھاؤ گے۔''

پھر اسے سمجھاتے ہوئے بولیں:

''نہا دھوکر اجلی سفید چادر پہنو اور ننگی تلوار ہاتھ میں سنبھال کر اس کرسی پر چوکنے بیٹھ جاؤ۔ ہم روزانہ کی طرح آج بھی تمہارے سامنے ناچیں گی۔ جب ناچتے ناچتے ہم میں سے کوئی بھی تمہارے سامنے جائے تو تم بے جھجک اس کی گردن مار دینا۔ پھر اس کے اسرار کی تمہیں خود خبر ہوجائے گی۔ لیکن یاد رکھنا! اگر تم نے اس کام میں ذرا بھی پس و پیش کی تو ایک تو خواب کی تعبیر آدھی رہ جائے گی دوسرے ہمارا اور تمہارا زندہ رہنا مشکل ہوجائے گا۔''

گل انداز نے پریوں کے کہنے پر عمل کیا اور تلوار سنبھال کر بیٹھ گیا۔ ناچ گانا شروع ہوا۔ پریاں جب پوری ترنگ میں آئیں تو ان میں سے ایک پری، دوسری پریوں سے الگ ہوکر شہزادے کے سامنے سر جھکا کر کھڑی ہوگئی۔ گل انداز پہلے سے تیار بیٹھا تھا۔ دل مضبوط کرکے ایک ہی وار میں پری کا سر تن سے جدا کردیا۔ سر کٹ کر دور جا گرا، لیکن اس کا دھڑ تھوڑے فاصلے پر چاندی کا تنا بن کر کھڑا ہوگیا۔ اسی طرح دوسری پری اس کے سامنے آئی۔ لاچار اس کا سر بھی تن سے جدا کردیا۔ دیکھا تو وہ سونے کی ڈالیاں بن کر تنے کے ساتھ جا ملی۔ تیسری پری نے بھی، پہلی دونوں پریوں کی طرح اپنا سر قربان کردیا اور اس کے دھڑ نے جواہرات کے پتوں کی شکل اختیار کی اور ڈالیوں میں جا لگے۔ اسی طرح جب چوتھی پری نے بھی اپنے سر کی بھینٹ چڑھادی۔ تب شہزادہ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو بے اختیار 'سبحان اللہ' کہہ اٹھا۔ اس نے دیکھا کہ چاندی کا تنا، سونے کی ڈالیاں، جواہرات کے پتے اور لعل لٹکتے ہوئے، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اور وہی چاروں پریاں، بیک وقت روبھی رہی ہیں اور لعل بھی چن رہی ہیں۔ یہ نظارہ دیکھتے ہی وہ بیہوش ہوکر کرسی سے گر پڑا۔ چاروں پریاں دوڑی آئیں اور اس پر گلاب کا عرق چھڑکا۔ شہزادہ نے آنکھ کھولی۔ دیکھا تو وہ درخت غائب اور پریاں اس کی خدمت میں حاضر ہیں۔ خواب کی تعبیر پالینے کے بعد شہزادہ ناچ رنگ کی محفلوں میں مگن ہوگیا۔ کئی روز بعد ایک دن پھر شہزادے کو خیال آیا کہ میں جس تعبیر کے لیے یہاں آیا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یہیں رہ

پڑا ہوں۔ وہاں بادشاہ سلامت کا کیا حال ہوگا۔ میں تو بالکل ہی اس طرف سے بے فکر ہوگیا ہوں۔ یہ سوچ کر اس نے پریوں سے کہا:

''اب میں اپنے وطن واپس جانا چاہتا ہوں۔ مگر فکر یہ ہے کہ خواب کی تعبیر جو میں نے یہاں دیکھی ہے۔ بادشاہ سلامت کے سامنے کس طرح ثابت کرسکوں گا؟''

پریوں نے جواب دیا:

''تم فکر نہ کرو۔ اب ہم تمہارے پلے بندھ چکی ہیں جب کہو، چل کر بادشاہ کو خواب کی تعبیر دکھادیں۔''

دو ایک روز بعد، چاروں پریاں گل انداز کو تخت پر بٹھا کر لے اڑیں اور ایک دن صبح سویرے کسی شہر کے باہر اُتریں اور شہزادے گل انداز کو مخاطب کرکے بولیں:

''کچھ روز یہیں آرام کریں گے۔ ہم پریاں ہیں، اس لیے شہر میں نہیں رہ سکتیں۔ تم شہر میں مکان کرایہ پر لے کر اس میں جا رہو۔ سورج غروب ہونے سے سورج ابھرنے تک روزانہ کسی بھی وقت یہاں آکر ہم سے مل لیا کرنا۔''

گل انداز شہر میں ایک بوڑھی عورت کے یہاں ٹھہرا۔ روزانہ صبح سویرے وہ شہر سے باہر جاکر پریوں سے مل آتا۔ ایک روز بڑھیا نے اسے بتایا کہ کل بادشاہ کی بڑی بیٹی اپنے لیے شوہر کا انتخاب کرے گی۔ شہزادہ نے پھٹے پرانے میلے کچیلے کپڑے پہنے اور آکر اسی مجمع میں شامل ہوگیا۔ جس میں سے شہزادی کو بر منتخب کرنا تھا۔ کرنا خدا کا کیا ہوا کہ شہزادی نے پورے مجمع سے صرف اسی کو منتخب کیا۔ دربار میں شور مچ گیا۔ بادشاہ کو بھی غصہ آگیا۔ شہزادی سے بولا:

''ایسے کنگال کو میں کس طرح اپنا داماد بنا سکتا ہوں؟ خدا جانے یہ کون ہے کہاں سے آیا ہے؟''

شہزادی نے کہا:

''بابا! اگر یہ بات ہے تو کل عام دربار منعقد کرو۔ وہاں میں خود اپنا بَر چن لوں گی۔''

بادشاہ نے یہ بات منظور کرلی اور شہر بھر میں اعلان کروادیا کہ کل شہزادی دربارِ عام میں اپنا شوہر منتخب کرے گی۔ جسے بخت آزمائی کرنی ہو وہ آکر حاضر ہوجائے۔

اگلے روز مقررہ وقت پر لوگ آ کر جمع ہوئے۔ گل انداز اس روز وہاں نہ گیا۔ شہزادی پورے دربار میں پھری اور واپس جا کر بادشاہ سے بولی ''کل دیکھا جائے گا۔'' بادشاہ ایک دم آگ بگولہ ہوگیا:

''تو نے میرا نام بدنام کردیا ہے۔ پورا ملک مجھ پر ہنس رہا ہے۔ اب اگر کل بھی تو نے اپنا بَر منتخب نہ کیا تو بھرے دربار میں ایک ہی وار سے تیرا سرتن سے جدا کردوں گا۔''

دوسرے روز گل انداز نے اپنے کپڑے تار تار کرلیے۔ ہاتھ میں ایک پرانا سا مٹی کا پیالہ لے کر اس میں چھاچھ اور روٹی کے ٹکڑے ڈالے اور پاگل دیوانوں کی طرح کھاتا، رال ٹپکاتا، دربار میں جا پہنچا۔ دربار میں جوانوں کا اژدہام تھا۔ جو عمدہ عمدہ پوشاکیں پہنے، بڑی سج دھج کے ساتھ شہزادی سے شادی کرنے کی امید میں جمع تھے۔ انہوں نے جو گل انداز کو اس حال میں آتے دیکھا تو دھکے مار مار کر باہر نکال دیا۔ شہزادہ دروازہ میں جا کر بیٹھا، جہاں سب کی جوتیاں رکھی تھیں۔ روٹی بھی کھاتا جاتا اور رال بھی ٹپکاتا جاتا تھا۔ وہاں موجود سب لوگ اس کی حالت پر ہنس رہے تھے اور اس پر فقرے کس رہے تھے۔

''لو دیکھو! یہ دیوانہ بھی آیا ہے شہزادی کو بیاہنے۔''

مقررہ وقت پر شہزادی دربار میں آئی۔ کتنے ہی شہزادے، امیر وزیر اور رئیس لوگ وہاں جمع تھے۔ پورے دربار میں خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ صرف ایک چیز دربار کی شان کے خلاف تھی کہ ایک دیوانہ مستانہ شخص، جوتیاں رکھنے کی جگہ پر بیٹھا تھا۔ شہزادی نے بھرے دربار کو چھوڑ کر، اسی مستانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ درباریوں کو سخت حیرت ہوئی۔ سب سے زیادہ دکھ بادشاہ کو ہوا۔ ایک سے ایک حسین اور دولت مند نوجوان وہاں موجود تھے، لیکن شہزادی نے ان میں سے ایک پاگل دیوانے کو شوہر بنانے کے لیے چُنا تھا۔

قصہ مختصر، اسی حالت میں گل انداز کی شہزادی سے شادی ہوگئی۔ شادی کے بعد بھی وہ اسی طرح مکر کرتا رہا اور شہزادی سے رخ دے کر بات نہ کی۔ شہزادی نے بہیتری کوشش کی لیکن وہ تل برابر اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

گل انداز اب بھی روزانہ پریوں سے ملنے جاتا تھا۔ ایک روز پریوں نے کہا:

''تم آرام سے یہاں رہو، اتنے ہم اپنے ملک کا ایک چکر لگا آئیں۔''

گل انداز نے پہلے تو انکار کیا۔ پھر سوچا کہ اگر یہ اپنی مرضی سے زبردستی بھی چلی گئیں تو میں کچھ نہ کرسکوں گا۔ لہٰذا ان کی محبت اور وفاداری کو یاد کرتے ہوئے، اس نے بخوشی انہیں جانے کی اجازت دے دی۔ جانے سے پہلے انہوں نے شہزادے کو بالوں کا گچھا دیتے ہوئے کہا:

''ان بالوں کی کمان بنا کر اپنے پاس رکھ لینا۔ جب بھی تمہیں ہماری ضرورت ہو، اس کمان کو کھینچنا، ہم فوراً حاضر ہو جائیں گی۔''

یہ کہہ کر پریاں اڑ گئیں اور شہزادہ محل میں لوٹ آیا۔ اس کی ظاہری دیوانگی میں اب تک کوئی کمی نہ آئی تھی۔ اس کا خسر اسے دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتا رہتا اور جل کر کہتا:

''ٹھیک ہے، ایسی ضدی لڑکی کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔''

لیکن اپنی محبت سے مجبور ہو کر، ہر دوسرے تیسرے روز وہ شہزادی کا حال پوچھنے آتا۔ شہزادی خود بھی گل انداز کے رویے سے عاجز آ چکی تھی۔ لیکن دل پر پتھر رکھ کر برداشت کیے جا رہی تھی۔ ایک روز اس نے بادشاہ سے بھی صاف صاف کہہ دیا:

''بادشاہ سلامت! میرا شوہر مجذوب ہے۔ پاگل ہے، جو کچھ بھی ہے بہرحال میرا شوہر ہے۔ آپ اس سے بیزار ہیں مگر میں تو بیزار نہیں۔ آئندہ اگر آپ نے اس کے بارے میں ایک لفظ بھی کہا تو میں زہر کھا لوں گی۔''

بادشاہ کو یہ سن کر سخت غصہ آیا۔ اس نے وزیر سے کہا:

''وزیر، کوئی ایسی ترکیب سوچو کہ اس پاگل سے جان چھوٹ جائے اور بدنامی بھی نہ ہو، اور شہزادی کی زندگی سے ہاتھ بھی نہ دھونے پڑیں۔ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ اسے جان سے مار دو یا شہر بدر کردو۔ پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔''

ابھی وہ یہ صلاح مشورہ ہی کررہے تھے کہ ایک باج گزار ملک کا ایلچی دربار میں حاضر ہوا۔ اس نے اپنے بادشاہ کا پیغام دیتے ہوئے کہا:

''ہم ہر سال تمہیں خراج ادا کرتے ہیں، مگر اس سال سے ہم خراج نہیں دیں گے، کیونکہ اب ہم نے آزاد رہنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اگر تم جنگ کرنا چاہو تو ہم بھی تیار ہیں۔ دوسری صورت میں ہمارا

مشورہ ہے کہ تم ہمیں خراج ادا کرو، اگر یہ منظور نہیں تو پھر ہماری
طرف سے اعلان جنگ جاری سمجھو۔''

اس اچانک افتاد پر بادشاہ پریشان ہوگیا۔ کیونکہ جنگ کرنے کی قوت نہیں تھی اور خراج ادا کرنا بے عزتی تھی۔ اتفاقاً اس وقت گل انداز دربار میں آ نکلا۔ بادشاہ کو پریشان دیکھ کر اس نے وجہ پوچھی۔ بادشاہ نے ساری بات اسے بتادی۔ جسے سُن کر وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور ایلچی کو مخاطب کر کے بولا:

''اپنے بادشاہ سے کہہ دو کہ سات دن کے اندر اندر خراج ادا کرے،
ورنہ دوسرے ہفتے ہم اس کے ملک پر چڑھائی کر دیں گے۔''

بادشاہ، امیر، وزیر اور سارے درباری گل انداز کی بات سن کر سکتے میں رہ گئے۔ اور آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ بادشاہ نے وزیر سے مشورہ کیا کہ اب کیا ہوگا؟ وزیر اطمینان سے بولا:

''ہوگا کیا؟ ہمارا کام بڑی آسانی سے بن جائے گا۔ اگر گل انداز جنگ جیت گیا تو فتح اپنی۔ اگر ہار گیا تو یا وہ مارا جائے گا یا پھر قید ہوجائے گا۔ دونوں طرح سے ہمارا ہی فائدہ ہے۔ ہمیں بآسانی اس سے نجات مل جائے گی۔''

بادشاہ کو یہ ترکیب پسند آئی۔ گل انداز کو اپنے پاس بلا کر کہا:

''بیٹا! یہ تم نے بہت بُرا کیا۔ جانتے ہو اب اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟''

گل انداز نے جواب دیا:

''بادشاہ سلامت! نتیجہ کیا نکلے گا۔ ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ایک باج گزار ملک ہم سے خراج طلب کرے، اُسے اس کی اس جرأت کی ایسی سزا ملنی چاہئے کہ عمر بھر یاد رکھے۔''

بادشاہ نرمی سے سمجھاتے ہوئے بولا:

''یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو۔ مگر ذرا سوچو تو سہی، ان کے مقابلے کی ہم میں طاقت کہاں ہے۔ تمہارے پاس تو نہ زر ہے نہ لشکر۔''

گل انداز تسلی دیتے ہوئے بولا:

''اس کی آپ فکر نہ کریں۔ بس جنگ سے ایک روز پہلے دیکھنا کہ کیا ہوتا ہے؟''

بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا کہ بھلا ہفتہ بھر میں کیا کر سکے گا؟ مگر پھر وزیر کا مشورہ یاد آیا تو خاموش ہو رہا۔ گل انداز کا اب بھی وہی پہلے جیسا حال تھا۔ شہزادی الگ پریشان تھی کہ کہیں گل انداز پر کوئی مصیبت نہ آجائے۔ جنگ سے ایک روز پہلے بادشاہ نے گل انداز کو بلا کر کہا:

''کل جنگ کا بگل بجایا جائے گا۔ دشمن کا لشکر بھی اب یہاں پہنچنے ہی والا ہے۔''

یہ سن کر گل انداز شہر سے باہر آگیا اور پریوں کے بالوں سے بنی کمان کو کھینچا۔ کمان کو کھینچنا تھا کہ پریاں فوراً آ کر حاضر ہوگئیں۔ اس نے پریوں کو سارا معاملہ بتایا۔ جسے سن کر وہ گل انداز کو ہدایت کرتے ہوئے بولیں:

''آج راتوں رات، میدان جنگ سے، میل بھر ادھر ایک ہزار تنبو لگوا دینا۔ ہر تنبو میں چارپائی اور بستر اور پانی موجود ہونا چاہیے۔ سب کو ہدایت کر دینا کہ کوئی شخص ان تنبوؤں کے پاس نہ جائے ورنہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ کیونکہ صبح دیوؤں کا لشکر یہاں پہنچ جائے گا۔ تم خود بھی ان تنبوؤں سے پرے ہی رہنا۔ صرف دور سے دیوؤں کو حکم دیتے رہنا۔''

یہ کہہ کر پریاں اڑ گئیں۔ گل انداز نے ان کی ہدایت کے مطابق ایک ہزار تنبو لگوا دئے۔ ان میں چارپائی، بستر ا اور پانی رکھوا دیا اور اعلان کر دیا کہ آدھی رات کے بعد کوئی بھی اس طرف نہ جائے ورنہ جان سے ہاتھ دھوئے گا۔ اس کی باتوں پر بادشاہ، وزیر اور دوسرے لوگوں کو بھی ہنسی آ گئی کہ یہ تو ٹھہرا پاگل، اپنے ساتھ ساتھ کہیں ہمیں بھی نہ مروا ڈالے۔ اس لیے دل ہی دل میں سوچنے لگے کہ کیوں نہ دشمن کے ساتھ صلح کر لی جائے۔

دوسرے روز دشمن کا لشکر تیار ہو کر میدان میں نکلا۔ ادھر گل انداز نے دیوؤں کو اشارہ کیا۔ اشارہ کی دیر تھی دیو بپھر کر بڑے غضبناک انداز میں دشمن کی فوج پر حملہ آور ہوئے۔ دشمن کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ دیوؤں نے منٹوں میں ساری فوج کا صفایا کر ڈالا۔ دشمن بادشاہ نے یہ عجیب و غریب منظر دیکھا تو سوچا نجانے کیا آفت لشکر پر ٹوٹ پڑی ہے۔ وہ بھی میدانِ جنگ سے جان بچا کر بھاگا۔

دوسری طرف گل انداز کا خسر جنگ کے میدان سے دو میل پرے صلح کا پرچم لیے اپنے لشکر سمیت موجود تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر گل انداز ہار گیا تو ہم صلح کر کے اپنی

جانیں بچالیں گے۔ اس نے جب جنگ کا یہ نقشہ دیکھا تو ہکا بکا دیکھتا رہ گیا۔ پریاں بھی جنگ کا نظارہ کررہی تھیں۔ گل انداز نے ان سے کہا کہ فتح تو ہماری ہوچکی، لیکن دشمن بادشاہ تو اب تک گرفتار نہیں ہوسکا۔ پریوں نے ایک دیو کو اسے گرفتار کرکے لانے کا حکم دیا۔ دیو اسے گرفتار کرکے گل انداز کے پاس لے آیا۔ فتح کے بعد، گل انداز نے اپنے خُسر کو کہلوا بھیجا:

''میرا لشکر شہر گھومنے کے لیے آرہا ہے۔ فتح کی خوشی میں ان کے لیے انعام کا بندوبست کیا جائے۔''

بادشاہ نے شہر گھومنے کی اجازت دے دی۔ دیو جونہی شہر میں داخل ہوئے لوگ اپنی اپنی دوکانیں بند کرنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورا بازار بند ہوگیا۔ ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ سب لوگ جمع ہوکر، خوف و دہشت سے لرزتے کانپتے بادشاہ کے سامنے حاضر ہوئے اور التجا کی کہ اس آفت کو شہر سے نکالو۔ بادشاہ ابھی تک بے خبر تھا۔ اس نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو ہر طرف دیو ہی دیو نظر آئے۔ وہ بھی خوف زدہ ہوگیا۔ فوراً گل انداز کو بلا کر حکم دیا کہ اس آفت کو شہر سے نکالے۔ ورنہ رعایا مارے خوف کے مرجائے گی۔ گل انداز نے کہا:

''ان میں سے ہر دیو کو دس سیر سونے کی زنجیر گلے میں پہناؤ۔ یہ واپس چلے جائیں گے۔''

بادشاہ نے شہر بھر کا سونا جمع کروالیا۔ مگر اس سے بمشکل ایک سو دیوؤں کے لیے زنجیریں بن سکتی تھیں۔ یہ دیکھ کر گل انداز نے دیوؤں کے سردار کو من بھر سونے کی زنجیر بنوا کر دی۔ تمام دیو خاموشی سے واپس اپنے ملک کو لوٹ گئے۔

ان کاموں سے فارغ ہوکر شہزادہ گل انداز محل میں آیا۔ جہاں شہزادی اور بادشاہ اس کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ اس وقت وہ پہلے جیسا گل انداز نہیں معلوم ہورہا تھا، بلکہ حقیقی شہزادہ معلوم ہورہا تھا۔ بادشاہ اس کی ہمت اور بہادری سے بہت خوش ہوا۔ شہزادی تو پہلے ہی اس پر اپنی جان نچھاور کرنے کو تیار بیٹھی تھی۔ دوسرے روز بادشاہ نے فتح کی خوشی میں جشن منانے کا اعلان کیا۔ دشمن بادشاہ کو گل انداز نے اس شرط پر معاف کردیا کہ اب وہ ہر سال باقاعدگی سے خراج ادا کرے گا۔ اس کے اس فیصلے پر ہر طرف سے واہ واہ ہونے لگی اور وہ بہت ہردلعزیز ہوگیا۔

اب گل انداز نے اپنے وطن واپسی کا ارادہ کیا۔ جب اس نے رانی پر اپنی مرضی ظاہر کی تو وہ ساتھ چلنے پر تیار ہوگی۔ شہزادہ نے بادشاہ سے رخصت کی اجازت مانگی تو وہ بہت غمگین ہوا اور بولا:

''گل انداز! میری کوئی دوسری اولاد تو ہے نہیں۔ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں۔ میری خوشی یہ ہے کہ جیتے جی اس حکومت کی باگ دوڑ تمہارے سپرد کردوں اور زندگی کے باقی دن یادِ الٰہی میں گذار دوں۔''

بادشاہ نے بہت اصرار کیا، لیکن شہزادہ اور رکنے پر رضامند نہ ہوا۔ مجبوراً بادشاہ نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔ روانگی کے وقت اس نے گل انداز کو بہت سے تحفے تحائف دئے اور اُسے رخصت کرنے کے لیے کچھ دور تک ساتھ آیا۔ یہ شاندار قافلہ چلا جارہا تھا اور پریاں اس کے اوپر اڑتی ساتھ ساتھ چلیں۔ چلتے چلتے اسے ان دوشہزادیوں کا خیال آ گیا، جنہیں اس نے جادوگر کی قید سے نجات دلائی تھی۔ سوچا کیوں نہ انہیں بھی ساتھ لے لیا جائے۔

شہزادیاں گل انداز کی یاد میں بے قرار تھیں۔ اسے دیکھتے ہی رو دیں۔ گل انداز نے ان سے پوچھا کہ اگر ان کا کوئی عزیز رشتہ دار موجود ہو تو انہیں وہاں پہنچادیا جائے۔ انہوں نے جواب دیا:

''شہزادے، تمہارے سوا اب ہمارا کوئی نہیں۔ سارے عزیز واقارب اس موذی دیو کے ہاتھوں مارے جاچکے ہیں۔ تم ہی بتاؤ تمہارے سوا اب ہم کس کے پاس جائیں؟ تمہارا ہم پر بڑا احسان ہے، اس لیے اب ایک پل بھی ہم تم سے جدا ہونے پر تیار نہیں ہیں۔''

گل انداز نے انہیں بھی اپنے ساتھ لیا اور آگے روانہ ہوا۔

کچھ دن سفر کرنے کے بعد، آرام کرنے کے خیال سے وہ ایک شہر میں ٹھہرے۔ ایک مکان کرایہ پر لیا اور اپنی رانی اور شہزادیوں سمیت گل انداز وہاں رہنے لگا۔ ایک روز تفریح کے خیال سے وہ باہر نکلا۔ راہ میں اس نے چھ آدمیوں کو دیکھا، جن کے کپڑے میلے کچلے تھے۔ داڑھیاں بڑھی ہوئی تھیں اور سروں پر لکڑی کے گٹھے رکھے تھے۔ گل انداز انہیں دیکھتے ہی پہچان گیا کہ یہ تو میرے ہی بھائی ہیں۔ اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ وہ ان سے لکڑیاں خریدنے کے بہانے انہیں گل انداز کے مکان پر لے آئے۔ گل انداز نے انہیں دھمکاتے ہوئے بولا:

''تم چور معلوم ہوتے ہو۔ اگر سچ سچ نہ بتاؤ گے کہ کون ہو تو میں تمہیں جیل بھجوادوں گا۔''

اب تو وہ بیچارے بڑے پریشان ہوئے۔ روتے ہوئے بولے:

''سائیں! خدا کے لیے ہمیں چھوڑ دو، ہم بے گناہ ہیں۔''

گل انداز نے کہا:

''اچھا، تمہیں صرف اس شرط پر معافی مل سکتی ہے کہ آئندہ تم میرے غلام بن کر رہو گے اور نشانی کے طور پر میری مہر تمہاری کمر پر لگائی جائے گی۔''

انہوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا:

''یہ سوداگر ہمارے ملک کو جارہا ہے۔ ہمیں بھی اپنے ساتھ ہی لے جائے گا۔ اپنے ملک پہنچ کر ہم آزاد ہوں گے۔ یہ ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔''

یہ سوچ کر انہوں نے گل انداز کی شرط منظور کر لی۔ گل انداز نے ہر ایک کی کمر پر اپنی انگوٹھی سے مہر لگائی اور رات کی پہریداری کا کام ان کے سپرد کر دیا۔ کچھ دن بعد گل انداز نے وہاں سے کوچ کیا تو پریوں نے کہا:

''اب ہمیں واپس جانے دو۔ اپنے وطن پہنچ کر ہمیں بلالینا۔''

شہزادہ نے انہیں الوداع کہا اور آگے چلا۔ دو تین منزلیں طے کرنے کے بعد ایک روز شہزادہ نے رانی اور شہزادیوں کو بتایا کہ یہ پہریدار میرے بھائی ہیں۔ اتفاق سے چھوں بھائیوں نے بھی یہ بات سن لی۔ دل میں جل بھن کر رہ گئے اور آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگے کہ کسی طرح شہزادہ گل انداز کو جان سے مار دیا جائے۔ دوسری رات ان سب نے مل کر گل انداز پر حملہ کر دیا۔ شہزادہ کو گہرے زخم آئے اور وہ بیہوش ہوگیا۔ بھائیوں نے سمجھا کہ وہ مرچکا ہے۔ بس وہ راتوں رات گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اپنے ملک جا پہنچے۔ اور بات بتاتے ہوئے اپنے باپ سے بولے:

''ہم آپ کے خواب کی تعبیر لے کر لوٹ رہے تھے کہ گل انداز نے ہم پر حملہ کر دیا۔ پھر خود اللہ جانے کدھر چلا گیا؟''

پھر اپنی طرف سے کچھ جھوٹی سچی باتیں بادشاہ کو سنادیں اور مطمئن ہوکر بیٹھ رہے۔

ادھر جب گل انداز کے زخم بھرے اور چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو منزل بہ منزل چلتا ہوا اپنے ملک جا پہنچا۔ وہ شہر کے باہر ہی ایک باغ میں ٹھہر گیا اور باپ کو کہلا بھیجا:

''میں خواب کی تعبیر لے آیا ہوں۔ اب صرف آپ کے حکم کی دیر ہے۔ جب حکم ہو، آپ کے سامنے تعبیر پیش کردوں۔''

گل انداز کا پیغام ملتے ہی بادشاہ خوشی سے بے قابو ہوگیا۔ فوراً اس سے آ کر ملا اور بے صبری سے بولا:

''باتیں بعد میں ہوں گی، پہلے مجھے میرے خواب کی تعبیر دکھاؤ۔''

شہزادہ ادب سے بولا:

''پہلے آپ دربار لگائیں تاکہ ہر خاص و عام اس خواب کی تعبیر دیکھ سکے۔''

حکم کی دیر تھی، دربار آراستہ کیا گیا۔ شہزادہ نے اپنے خیمے میں جا کر کمان کو کھینچا۔ چاروں پریاں حاضر ہوگئیں۔ گل انداز نے انہیں بادشاہ کے سامنے خواب کی تعبیر دکھانے کو کہا۔ پریاں تیار ہوگئیں اور پہلے کی طرح شہزادہ کو ہدایات دیں۔

ناچ گانا شروع ہوا۔ شہزادہ ننگی تلوار لیے ہوشیار ہو بیٹھا۔ جب ناچ گانا اپنے عروج پر پہنچا تو ایک پری گل انداز کے قریب آئی اور اس کے سامنے سر جھکادیا۔ گل انداز نے بے جھجک ایک ہی وار سے اس کا سرتن سے جدا کردیا۔ لوگ حیرت زدہ ہوکر سوچنے لگے کہ ایسی حسین عورت کو شہزادہ نے کیوں قتل کردیا۔ اس کے اسرار کا علم تو انہیں اس وقت ہوا جب انہوں نے دیکھا کہ پری کا جسم باغ کے بیچوں بیچ چاندی کا تنا بن کر کھڑا ہوگیا۔ اسی طرح دوسری پری کا سر الگ ہونے پر، سونے کی ڈالیاں بن کر تنے سے جا ملیں۔ تیسری پری کا سر الگ ہوا تو جواہرات کے پتے بن گئے اور چوتھی کا سر الگ ہوتے ہی لوگوں نے دیکھا کہ:

''چاندی کا تنا، سونے کی ڈالیاں، جواہرات کے پتے، لعل لٹکتے ہوئے، ٹھنڈی ہوائیں جاری ہیں اور وہی چاروں پریاں ہیں جو بیک وقت رو بھی رہی ہیں اور لعل بھی چن رہی ہیں۔''

اپنے خواب کی یہ عجیب و قریب تعبیر پاکر بادشاہ مارے خوشی کے بیہوش ہوگیا۔ گل انداز جلدی جلدی اسے ہوش میں لایا۔ ہوش میں آتے ہی بادشاہ نے کہا:

"یہ عجیب وغریب اور دلفریب نظارہ میں پھر دیکھنا چاہتا ہوں۔"

گل انداز نے جواب دیا:

"یہ تماشا تو آپ جب چاہیں دیکھ سکتے ہیں۔ یہ چاروں پریاں آپ ہی کی بہویں ہیں اور اب ہمیشہ یہیں رہیں گی۔"

بادشاہ کو اب اپنے دوسرے شہزادوں کا خیال آیا۔ اس نے انہیں بلا کر کہا کہ جو شکایت کرنی ہے گل انداز کے روبرو کرو، تاکہ اس کا ابھی فیصلہ کیا جاسکے۔ پہلے تو وہ گل انداز کو سامنے دیکھ کر بہت شرمسار ہوئے، لیکن چونکہ بادشاہ سے جھوٹی سچی شکایتیں کر چکے تھے، انہیں سچ ثابت کرنے کے لیے ایک اور جھوٹ گھڑا۔ بولے:

"یہ سب ہماری محنت کا نتیجہ ہے۔ گل انداز ہم سے دغا کرکے انہیں لے اڑا۔"

اس پر گل انداز نے بھرے دربار میں بھائیوں کی حقیقت کھول دی۔ آخر میں اس نے وہ انگوٹھی بھی دکھائی، جس سے بھائیوں کو غلامی کی مہر لگائی تھی۔ سارے بھائی شرم سے پانی پانی ہوگئے۔ سر جھکا کر خاموش کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ بادشاہ سمجھ گیا کہ گل انداز نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے۔ پھر وہ بڑی شان وشوکت کے ساتھ، شہزادہ اور اس کی ساتوں رانیوں کو لے کر شہر میں داخل ہوا۔

اب کچھ ادھر کا حال سنو۔ جب نیند پری، نیند سے جاگی تو کیا دیکھتی ہے کہ اس کی شال کے بجائے کوئی دوسری شال اس نے اوڑھی ہوئی ہے، جس پر 'گل انداز' نام لکھا ہے۔ ہاتھ منہ دھونے لگی تو اچانک ہاتھ پر نظر پڑ گئی۔ دیکھا تو انگوٹھی بھی غائب ہے۔ اس کی جگہ دوسری انگوٹھی انگلی میں پڑی ہے، جس پر 'گل انداز' لکھا ہوا ہے۔ اسے بڑا تعجب ہوا کہ یہ چیزیں اس تک پہنچیں کیسے؟ پھر اسے یاد آیا کہ نیند آنے سے پہلے وہ حمام میں غسل کرنے گئی تھی۔ وہیں اسے نیند نے آ لیا تھا۔ پھر بستر تک کیسے پہنچی؟ آخر وہ شخص ہے کون جو اپنی محبت کی یہ نشانیاں میرے پاس چھوڑ گیا ہے؟ اس نے تہیہ کرلیا کہ صرف وہی شخص میرا شوہر بنے گا۔ یہ ساری باتیں اس نے اپنے باپ کو بھی سنائیں اور کہا:

"بابا، میرا سرتاج وہی ہے جو میرے پاس اپنی یہ نشانیاں چھوڑ گیا ہے۔ میں اُس شخص کو تلاش کروں گی۔"

باپ نے اسے بہت سمجھایا کہ ہم خود اس کو تلاش کریں گے، لیکن وہ نہ مانی۔ ناچار باپ نے اسے اجازت دے دی۔

نیند پری نے قافلہ تیار کیا۔ دو چار دیو بھی ساتھ لے لیے اور گل انداز کی تلاش میں نکلی۔ جس شہر میں وہ داخل ہوتی، وہاں اعلان کر دیتی کہ:

''نیند پری اس شخص کو تلاش کرنے نکلی ہے جو 'نیند نگر' میں اپنی نشانیاں چھوڑ آیا تھا۔ جو شخص اس کا پتہ نشان بتائے گا، وہی نیند پری کا حقدار ہوگا۔''

اعلان کے بعد دو تین روز وہ اسی شہر میں گذارتی۔ مگر جب ایسا کوئی شخص ملاقات کو نہ آتا تو وہ دوسرے شہر کو چل دیتی۔ یونہی شہر شہر پھرتی، پوچھ گچھ کرتی رہی۔ آخر ایک روز گل انداز کے شہر میں جا پہنچی۔ اس کے اعلان پر بہت سے لوگ وہاں پہنچے لیکن کوئی بھی نزدیک جانے کی جرأت نہ کر سکا۔ دیوؤں کی ہیبت ناک صورت سے خوف زدہ ہو کر سب دور سے ہی لوٹ جاتے۔ ہوتے ہوتے یہ اعلان گل انداز کے کانوں تک بھی پہنچ گیا۔ اس نے 'نیند پری' کی شال اور انگوٹھی لے کر، اس کے خیمے کا رخ کیا۔ خیمے کے آگے دو دیو بیٹھے تھے۔ انہوں نے اسے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی، مگر شہزادہ بالکل نہ ڈرا۔ سیدھا نیند پری کے دروازہ پر جا پہنچا۔ نیند پری، شہزادہ کو دور سے آتے دیکھ کر ہی تاڑ گئی تھی کہ:

''ہو نہ ہو، یہی وہ شخص ہے جو دیوؤں تک سے نہ ڈرا۔ معلوم ہوتا ہے اسے اب سے پہلے بھی دیوؤں سے واسطہ پڑ چکا ہے۔ ملکوں ملک گھوم پھر کر دیکھ چکی مگر کسی کو میرے دروازے تک آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ یہ واحد شخص ہے جس کی اتنی ہمت ہوئی۔ اس لیے بلا شبہ گل انداز یہی ہے۔''

پری نے گل انداز کو اندر بلا لیا اور کہا:

''مجھے یقین ہے کہ میں جس شخص کی تلاش میں نکلی ہوں، وہ تم ہی ہو۔ مگر پھر بھی اپنے یقین کو پختہ کرنے کے لیے میں تم سے پوچھتی ہوں کہ کوئی نشانی تمہارے پاس ہو تو مجھے دکھاؤ۔''

گل انداز نے نیند پری کی شال اور انگوٹھی نکال کر سامنے رکھ دی۔ جسے دیکھ کر نیند پری کو اس کے گل انداز ہونے کا یقین ہو گیا۔

اب شہزادہ نے بڑے کروفر اور شان و شوکت کے ساتھ نیند پری سے بھی بیاہ رچایا۔ شادی کے روز تمام راستوں پر غالیچے بچھائے گئے۔ شہر کو دلہن کی طرح سنوارا گیا۔

خوب چراغاں ہوا۔ رات میں دن کا سماں معلوم ہوتا تھا۔ گھر گھر بادشاہی فرمان پہنچ گیا کہ سات روز تک کوئی بھی گھر میں آگ نہ جلائے، ہر شخص کو شاہی لنگر خانے سے گھر بیٹھے کھانے کو ملے گا۔

گل انداز کے لیے ہیرے جواہرات سے جڑا ہوا عمدہ لباس تیار کیا گیا۔ بارات روانہ ہوئی تو شہزادہ پر سونے چاندی کے پھول نچھاور کئے گئے۔ انہیں چن چن کر غریب بھی امیر ہوگئے۔ گل انداز اپنی آٹھویں رانی کو لے کر اس محل میں آ گیا جس میں اس کی سات رانیاں پہلے سے موجود تھیں۔

بادشاہ اب کافی ضعیف ہوچکا تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں تاج و تخت گل انداز کے حوالے کردیا اور خود یادِ الٰہی میں مشغول ہوگیا۔

جیسا ملاپ ان سب کا ہوا خدا کل جہان کا کرے۔

☆

گل بادشاہ، شوق شہزادہ

گل بادشاہ کی سات بیویاں تھیں۔ دوسری تمام بیویاں تو بے اولاد تھیں، لیکن ایک کا پاؤں بھاری تھا۔ یہ دیکھ کر دوسری بیویوں نے دل میں سوچا کہ اگر اس کے بیٹا پیدا ہوگیا تو بادشاہ اس کو زیادہ چاہنے لگے گا اور ہم بادشاہ کو اچھی نہ لگیں گی۔ پس انہوں نے ایک چرواہے کو لالچ دے کر اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ روز بادشاہ کا ایک گھوڑا مار کر اس کی ہڈیاں اس رانی کے محل میں دبادیا کرے۔ اس طرح بادشاہ کے گھوڑے ایک ایک کرکے مارے جانے لگے۔ ہوتے ہوتے بادشاہ کو بھی اس بات کی خبر پہنچی۔ بادشاہ اور اس کے وزیر سب سوچ میں پڑ گئے کہ گھوڑے آخر جا کہاں رہے ہیں۔ ایک دن بادشاہ کی چھوں رانیوں نے اسے صلاح دی کہ گھوڑوں کی تلاش کے لیے کسی نجومی کو بلانا چاہئے، پھر خود ہی پتہ چل جائے گا۔ بادشاہ نے وزیر کو حکم دیا کہ نجومی بلایا جائے اور نجومی بلالیا گیا۔

نجومی کو رانیوں نے پہلے ہی سمجھا دیا تھا۔ جب بادشاہ نے نجومی کو ساری بات بتائی تو نجومی نے حساب لگا کر بادشاہ کو بتایا کہ سائیں آپ کے محلات میں ایک رانی ہے، جس کا پیر بھاری ہے۔ اسی نے گھوڑے مار کر ان کا دل کھایا ہے۔ میرا علم کہتا ہے کہ گھوڑوں کی ہڈیاں اسی کے محل میں دفن ہیں۔ چنانچہ بادشاہ، وزیر اور دوسرے نوکر چاکر سب اسی رانی کے محل کی طرف گئے' نجومی کے کہنے کے مطابق زمین کھودی گئی اور سب نے دیکھا کہ وہاں ہڈیاں موجود ہیں۔ یہ دیکھ کر بادشاہ کو سخت غصہ آیا اور حکم دیا کہ اس ڈائن کو کسی جنگل بیابان میں پھینک آؤ۔ حکم کے مطابق، وزیر نے رانی کی آنکھوں پر پٹی باندھی اور بادشاہ کی حدود سے باہر کسی بیابان جنگل میں اسے پھینک آیا۔

رانی نے جب آنکھ کھول کر دیکھا تو ہر طرف جنگل بیابان۔ وہ منہ اٹھائے ایک طرف کو چل دی۔ چلتے چلتے وہ ایک درختوں کے جھنڈ میں پہنچی۔ وہاں رانی کو دردِ زہ اٹھا۔ لاچار بے بس رانی، کوئی راہ نہ پاکر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔ قدرت کی خوبی، اسی روز رانی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ رانی نے اپنا دوپٹہ پھاڑ کر بیٹے کے لیے ''باندھنا'' وغیرہ بنایا اور جنگلی میووں پر گذر بسر کرنے لگی۔ کچھ دن گذرے تھے کہ اس ملک کا بادشاہ شکار کھیلتے ہوئے ادھر آ نکلا۔ بادشاہ کا شکاری کتا، سب سے آگے چلتا، اچانک ایک جگہ کھڑا ہوکر

بھونکنے لگا۔ بادشاہ نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ دیکھو کتا کیوں بھونک رہا ہے؟ وزیر نے دیکھا تو کتا، درختوں کے ایک جھنڈ کے باہر کھڑا بھونک رہا ہے۔ وزیر جھنڈ کے اندر داخل ہوا تو اندر سے رانی نے پکار کر کہا: ''کون ہے، اندر مت آؤ۔ میں برہنہ ہوں۔''

وزیر نے جو ایسے جنگل بیابان میں عورت کی آواز سنی تو تعجب ہوا، اس نے جا کر بادشاہ سے تمام ماجرا کہا۔ بادشاہ نے فوراً ایک چادر اٹھائی اور اکیلا اس طرف چل دیا۔ وہاں پہنچ کر بادشاہ نے باہر کھڑے کھڑے پکار کر کہا:

''مائی، یہ چادر لے لو اور اسے لپیٹ کر باہر آؤ۔ میں یہاں کا بادشاہ ہوں۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ تم میری بہن ہو۔''

رانی نے چادر سے تن ڈھانپا اور باہر نکلی۔ ادب سے بادشاہ کو سلام کیا اور کھڑی ہوگئی۔ بادشاہ نے اس سے تمام حقیقت معلوم کی اور رانی نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ جسے سن کر بادشاہ کو بہت رحم آیا۔ بادشاہ نے شکار بند کیا اور رانی کو اپنے ساتھ لیے واپس محلات میں آ گیا۔

دن یونہی گذرتے گئے، یہاں تک کہ شہزادہ بڑا ہوگیا۔ وہ دوسرے شاہی بچوں کے ساتھ کھیلتا رہتا۔ کھیلتے کھیلتے وہ دوسرے بچوں سے کہتا: ''میں تمہارا بادشاہ ہوں۔'' اس پر بچے اس سے پوچھتے: ''تم کس کے بیٹے ہو، تمہارا باپ کہاں ہے؟'' کچھ عرصے تو وہ خاموش ہوتا رہا۔ ایک دن اسے غصہ آ گیا۔ جا کر ماں سے پوچھا: ''اماں میرا باپ کون ہے اور کہاں ہے؟'' رانی نے اسے ساری بات بتادی کہ:

''تیرا باپ ساتھ والے ملک کا بادشاہ ہے۔ اس کی چھ رانیوں نے ہمارے ساتھ ظلم کیا ہے اور ہمیں وہاں سے نکال باہر کیا ہے۔''

یہ سن کر اسے بڑا افسوس ہوا۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے ماں سے کہا:

''اماں مجھے ایک گھوڑا اور تلوار لے کر دو۔ میں باپ کے پاس جارہا ہوں۔''

پہلے تو اس نے بیٹے کو بہت سمجھایا، مگر وہ نہ مانا۔ مجبوراً اس نے بادشاہ سے ایک گھوڑا اور تلوار لے کر بیٹے کو دے دی۔ اس نے تلوار لی، گھوڑے پر بیٹھا اور اپنے باپ کے ملک کی طرف روانہ ہوگیا۔ آخر وہاں جا پہنچا اور جا کر دربار میں حاضری دی۔ خدا کی قدرت کہ بادشاہ سخت بیمار تھا، بیماری ہی ایسی موذی تھی کہ جس کے لیے حکیموں نے تنبیہ کی تھی کہ:

''اس کا دوسرا تو کوئی علاج نہیں، سوائے اس کے کہ اگر سمندری
گھوڑے کا خون مل جائے اور بادشاہ اس کو پی لے تو واپس صحتمند،
بھلا چنگا ہو جائے۔''

بادشاہ نے سارے شہر میں ڈونڈی پٹوادی کہ جو کوئی بھی سمندری گھوڑے کا خون لاکر دے گا، اسے مالا مال کردیا جائے گا۔ مگر کس میں ہمت تھی کہ ایسی مسافت کرے، پھر کسی کو یہ خبر بھی نہ تھی کہ 'سمندری گھوڑا' ہوتا کہاں ہے۔ ادھر بادشاہ کی کچھ رانیوں سے بھی راجا کو چھے بیٹے ہو چکے تھے۔ اس نے اپنے چھوں بیٹوں کو بلایا اور انہیں مطلوبہ گھوڑا لانے کو کہا۔ وہ خوب بن سنور کر مسافرت پر چلے۔ ادھر یہ شہزادہ آکر بادشاہ (باپ) کے پاس پہنچا۔

بیمار بادشاہ نے شہزادہ سے یونہی پوچھا:

''اے جوان! تو کون ہے اور مجھ سے کیا کام ہے؟''

لڑکے نے جواباً کہا:

''سائیں، میرا نام 'شوق' ہے اور میں گل بادشاہ کا بیٹا ہوں۔''

بادشاہ بیماری سے بہت کمزور ہو چکا تھا، لہٰذا زیادہ بحث نہ کی، مگر اتنا کہا کہ:

''اگر تم میرے بیٹے ہو تو جیسے میرے چھے بیٹے پہلے ہی روانہ ہو چکے
ہیں، اس لیے تم بھی جاؤ اور میرے لیے مطلوبہ گھوڑا لے کر آؤ۔''

یہ سن کر اس نے سوچا کہ بہادری دکھانے کا یہی موقع ہے۔ اپنے باپ کو بھی صحت یاب کرلوں گا اور میرا سر بھی اونچا ہو جائے گا۔ یہی سوچ کر اس نے اپنے بھائیوں کا راستہ پوچھا اور اسی طرف روانہ ہوگیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس نے انہیں جالیا۔ انھوں نے اس سے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' شہزادہ نے جواب دیا کہ:

''میرا نام شوق شہزادہ ہے اور تم جس کے بیٹے ہو میں بھی اسی کا بیٹا ہوں۔ میں بادشاہ سلامت کی بیماری کے علاج کے لیے سمندری گھوڑے کا خون لانے کے لیے تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔'' شہزادوں نے یہ سنا تو انہیں اس سے بڑا حسد ہوا۔ انہوں نے شوق شہزادہ سے کہا: ''تو جھوٹ بولتا ہے، لہٰذا ہمارے ساتھ نہ چل۔'' شہزادہ نے بہت کچھ کہا، مگر چھوں شہزادے اپنے گھوڑے دوڑاتے جھٹ پٹ نظروں سے اوجھل ہوگئے۔

جب چھوں شہزادے اس کی نظروں سے اوجھل ہوگئے تو شوق شہزادہ اللہ توکل پر ایک طرف کو چل دیا۔ چلتے چلتے وہ ایک باغ میں جا پہنچا۔ باغ کے اندر ایک ماڑی

دکھائی دی۔ اس نے دل میں خیال کیا کہ یہیں کچھ دن قیام کروں اور یہاں سے پتہ نشان پوچھ کر آگے چلوں گا۔ اس نے آگے بڑھ کر ماڑی (گھر) کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ جسے سن کر ایک لڑکی آئی اور دروازہ پر ایک آدم زاد کو دیکھ کر بہت حیران ہوئی۔ اس نے پوچھا: ''تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟'' شہزادے نے کہا: ''میں شوق شہزادہ ہوں۔ میں تھک گیا ہوں، اس لیے کچھ وقت آرام کروں گا۔''

لڑکی نے کہا: ''اس ماڑی میں سات دیو رہتے ہیں۔ جو ابھی آتے ہی ہوں گے۔تم اب فوراً چلے جاؤ ورنہ وہ تمہیں مار کر کھا جائیں گے۔'' شہزاد نے کہا کہ ''اس کی تو مجھے ذرا پرواہ نہیں۔ پر مجھے بھوک لگی ہے۔ اگر کچھ ہو تو مجھے کھلاؤ'' لڑکی نے اسے میوہ وغیرہ دیا۔ اس نے کھا کر شکر کیا۔ پھر باغ کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ سات دیو باغ میں آ پہنچے۔ اچانک ایک دیو کی نظر شہزادہ پر پڑی۔ اس نے شہزادہ کو للکارا اور گرز اٹھا کر اس کی طرف پلٹا۔ شہزادہ تو پہلے ہی چوکس بیٹھا تھا۔ اس نے فوراً دیو کا واز بچالیا اور ڈنڈا اٹھا کر دیو پر حملہ کر دیا۔ دیو چاروں شانے چت گرا۔ شہزادہ نے فوراً رسی اٹھائی اور دیو کو درخت کے ساتھ باندھ دیا۔ تھوڑی دیر گذری تو دوسرا دیو پہلے دیو کو ڈھونڈتے ہوئے ادھر نکلا۔ اس نے اپنے گرز سے شہزادہ پر وار کیا۔ وہ گرا اور شہزادہ نے اسے بھی درخت سے باندھ دیا۔ اسی طرح ساتوں دیوؤں کو شہزادہ نے باندھ دیا۔ اب لڑکی نے، جو دراصل ان دیوؤں کی بہن تھی، یہ حالت دیکھی تو شہزادہ سے منت سماجت کرنے لگی۔ بولی: ''ہم سب تمہارے غلام ہیں۔ جو کہو گے وہی کریں گے۔ مہربانی کر کے میرے بھائیوں کو آزاد کر دو۔'' شہزادہ نے دیوؤں سے پوچھا، دیوؤں نے بھی یہ سب قبول کیا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی قسم بھی کھائی۔ شہزادہ نے ان ساتوں کو کھول دیا۔ انہوں نے شہزادہ کی خوب آؤ بھگت کی اور مکان میں اوپر لا کر بٹھا دیا، اور شہزادہ کی خوب خدمت کرنے لگے۔ شہزادہ ایک دو دن وہاں رہا۔ ایک دن شہزادہ کھڑکی میں کھڑا تھا تو اسے دور ایک دھوئیں کی لاٹ دکھائی دی۔ اس نے دیوؤں سے پوچھا یہ کیا ہے؟'' دیوؤں نے جواب دیا کہ ''یہ ایک دیو ہے جو بارہ مہینہ سوتا ہے اور بارہ مہینہ جاگتا ہے۔ اب وہ سو رہا ہے اور یہ اس کی ناک سے نکلنے والی سانس کی وجہ سے دھوئیں کی لاٹ نظر آ رہی ہے۔ جب یہ جاگتا ہے تو انسان کو تو چھوڑو، ہم دیو بھی اس ملک کو چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔'' شہزادہ نے کہا ''مطمئن رہو۔ اب اس دیو کے دن پورے ہو چکے ہیں۔''

اگلے دن صبح کو سویرے شہزادہ نے دیوں سے کہا ''چلو اب چل کر وہ دیو مجھے دکھاؤ'' دیو اسے ساتھ لے کر چلے۔ تھوڑی دیر میں وہ وہاں جا پہنچے۔ دیکھا تو ایک نہایت عظیم الجثہ دیو وہاں پڑا سو رہا ہے۔ ساتھ ہی جھونپڑی میں ایک حسین عورت بیٹھی ہے۔ عورت نے اسے دیکھا تو کہنے لگی ''خدا کے واسطے اس آفت سے میری جان چھڑاؤ۔'' شہزادہ نے اسے بھی تسلی دی۔ کہا ''گھبراؤ نہیں'' پھر دل میں سوچا کہ سوتے کو مارنا بہادری نہیں۔ اب اس دیو کو نیند سے جگا کر حملہ کرنا چاہئے۔ اس نے یہ سوچ کر اپنی تلوار دیو کی ٹانگ میں چبھودی۔ دیو نے ذرا کروٹ بدلی، گویا کسی پسّو نے اسے کاٹا ہو۔ اس پر شہزادہ نے دوبارہ تلوار چبھوئی۔ دیو فوراً جاگ اٹھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھا، دیکھا تو ایک آدم زاد ہے جو تلوار اٹھائے کھڑا ہے۔ یہ دیکھ کر دیو کو جوش آ گیا۔ اس نے ایک پتھر اٹھا کر شہزادہ کو دے مارا۔ شہزادہ نے پتھر سے خود کو بچالیا اور اب جو تلوار سے دیو پر وار کیا تو دیو کا سر، تن سے جدا ہو کر دور جا گرا۔ پھر شہزادہ نے اس حسین عورت کو ساتھ لیا اور واپس ماڑی پر آیا۔ وہاں اس عورت نے خوشی سے شہزادہ کے ساتھ شادی کرلی۔ اب ایک روز شہزادہ نے ان دیوں سے اپنے مقصد کی بات کی، اور سمندری گھوڑے کا پتہ پوچھا۔ دیوں نے شہزادہ سے کہا: ''تم اس تخت پر بیٹھ جاؤ، ہم تمہیں وہاں لے چلیں گے۔ اس کے علاوہ تمہارے پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں۔'' اب شہزادہ اس تخت پر بیٹھ گیا اور ان میں سے ایک دیو اسے لے کر اڑا۔ سات رات دن اڑنے کے بعد ایک جگہ اس نے تخت اتارا۔ دیکھا تو وہاں ایک گھوڑا کھڑا ہے اور اس پر ایک پری چوکیدار ہے۔ مگر اس وقت پری سو رہی تھی۔ شہزادہ نے اپنا رومال اس کے منہ پر ڈالا۔ گھوڑے کی باگ پکڑی اور اچھل کی تخت پر آ بیٹھا۔ دیو تخت لے کر اڑ گیا۔ ذرا دیر گزری تھی کہ پری جاگ اٹھی۔ دیکھا تو گھوڑا غائب۔ فوراً ادھر ادھر اڑتے ہوئے گھوڑا تلاش کرنے لگی۔ اس نے دیکھا تو دور، دیو گھوڑے کو اڑائے لے جا رہا ہے۔ کوئی اور راہ نہ پا کر پری بھی ان کے پاس آ پہنچی اور یہ سب واپس، دیوں کے ملک میں پہنچے۔ وہاں شہزادہ نے اس پری سے بھی شادی کرلی۔ پھر وہ تینوں دیوں سے رخصت لے کر، خیر سے اپنے ملک روانہ ہوئے۔

منزلیں مارتے ہوئے؛ کچھ دن کے بعد، ایک شہر میں آ پہنچے۔ یہاں سے گل بادشاہ کا شہر ایک دن کی مسافت پر تھا۔ وہاں انھوں نے سوچا کہ کچھ دیر آرام کرلیں پھر آگے چلیں۔ شام کو گھومتے پھرتے وہ ایک جگہ جانکلا جہاں اس نے دیکھا کہ چھوٹوں بھائی لڑکیاں بیچ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر شہزادہ کو بہت افسوس ہوا۔ اس نے جا کر اپنی شناخت

___تخت اُٹھا کر دیو اُڑنے لگا

کرائی۔ بھائیوں نے اسے دیکھا تو بہت روئے۔ شہزادہ نے پوچھا ''اب صحیح حقیقت بتاؤ اس حال کو کیسے پہنچے!۔'' انہوں نے کہا کہ روپیہ پیسا سب ختم ہوگیا۔ اب جاتے تو کہاں جاتے۔ کھانے پینے کو بھی پیسے نہ تھے۔ پردیس میں یہ کام کرکے پیٹ پالتے ہیں!، شہزادہ نے چھٹوں بھائیوں کو ساتھ لیا اور واپس پلٹا۔ انہیں کھلایا پلایا، نہلا دہلا کر نئے کپڑے پہنائے اور ان کے پرانے کپڑے اپنے پاس رکھ لیے۔ اب وہ سب کے سب اپنے ملک روانہ ہوئے۔ راہ میں، شہزادہ کے بھائیوں نے سمندری گھوڑا اور خوبصورت رانیوں کو دیکھا۔ ان کی نیت خراب ہوگئی۔ انہوں نے موقع پا کر شہزادہ کے ہاتھ پاؤں توڑ ڈالے اور ایک طرف پھینک دیا۔ پھر اپنے ملک کو روانہ ہو گئے۔ شہزادہ کی رانیوں کو اس تمام ماجرے کی خبر نہ ہوسکی۔ جب چھٹوں بھائی رانیوں سمیت اپنے ملک پہنچے تو بادشاہ کو سمندری گھوڑا لے جا کر دیا۔ جس کا خون بادشاہ نے اپنے کام میں لیا۔ وہ بھلا چنگا چاق و چوبند ہو گیا۔ پھر اس نے ان چھٹوں بھائیوں سے حال احوال دریافت کیا۔ انھوں نے جھوٹ سچ ملا کر، بادشاہ کو اپنی بہادری کا قصہ سنایا۔ بادشاہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اور شوق شہزادہ کی دونوں رانیوں کو محلات میں ٹھہرایا۔ ادھر شہزادہ جب رانیوں کے پاس نہ پہنچا تو انہیں فکر ہوئی۔ انھوں نے شہزادہ کے بھائیوں سے شہزادہ کے بارے میں پوچھا۔ چھٹوں بھائیوں نے ٹھٹھولی کرتے ہوئے ساری حقیقت انہیں بتادی اور کہا: ''اب چپ چاپ جا کر بیٹھ رہو۔ ورنہ تمھارا بھی وہی حال ہوگا جو شہزادہ کا ہوا۔'' اب پری نے دوسری شہزادی کو تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں، میں خود جا کر شہزادہ کو جا کر تلاش کرکے لاتی ہوں۔''

پری وہاں سے اڑی اور تلاش کرتے کرتے ایک جگہ دیکھا تو شہزادہ زخموں سے چور، ایک جگہ پڑا ہے۔ پری شہزادہ سے جا ملی اور اس سے ساری حقیقت معلوم کی شہزادہ نے کہا کہ ''صبح دن میں نہ جانے کون کھانا دے جاتا ہے اور رات کو نہ جانے کہاں سے چار پریاں آتی ہیں۔ میرے ہاتھ پاؤں جوڑتی ہیں اور ہاتھ میں ساز دیتی ہیں۔ میں ساز بجانے لگتا ہوں اور وہ پریاں موج میں آکر ناچنے گانے لگتی ہیں۔ جب صبح ہوتی ہے تو پھر میرے ہاتھ پاؤں جدا کر کے واپس چلی جاتی ہیں۔ بس میں ویسا کا ویسا وہاں پڑا رہتا ہوں۔'' پری نے یہ سنا تو بولی: ''اچھا اب تم خاموشی کے ساتھ، روازانہ کی طرح جیسا کرتے ہو وہی کرنا، باقی بندوبست میں خود کرلوں گی۔'' اب پری واپس محلات کو پلٹی اور شہزادی کو بتایا کہ: شہزادہ مل گیا ہے۔ تم تسلی رکھو۔ ہم صبح آئیں گے۔'' شہزادی نے خدا کا شکر کیا اور صبح کا انتظار کرنے لگی۔ شام کو پری اڑی اور وہاں پہنچ کر چھپ کر بیٹھ گئی۔ دستور

کے مطابق چاروں پریاں آ ئیں، شہزادے کی باہیں اور ٹانگیں جوڑیں اور اس کے ہاتھ میں ساز پکڑا دیا۔ شہزادے نے ساز بجانا شروع کیا ادھر پریاں موج میں آ گئیں۔ اسی وقت یہ پری ظاہر ہوگئی اور شور مچانے لگی۔ وہ چاروں پریاں خوف زدہ ہوگئیں اور بھاگ کھڑی ہوئیں۔ اس پری نے شہزادے کو ساتھ لیا اور محلات میں پہنچی۔ یہ تینوں ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوئے۔

صبح شہزادے نے بادشاہ کے پاس جا کر سلام پیش کیا۔ بادشاہ اسے دیکھ کر تعجب میں پڑ گیا۔ کہنے لگا: ''میرے لیے سمندری گھوڑے کا خون لے آئے؟'' شہزادے نے بادشاہ سے کہا ''سائیں، وہ آپ کو نہیں ملا؟ وہ تو میرے چھ بھائی لے آئے تھے۔'' بادشاہ نے کہا: ''ہاں، وہ تو انہوں نے ہی لا کر دیا ہے۔'' اس پر شہزادے نے بادشاہ کو تمام حقیقت کہہ سنائی۔ پھر بادشاہ کو ان کے پرانے کپڑے بھی دکھائے۔ پھر اپنی ماں کی بپتا اور دوسری چھٹوں رانیوں کی دغا بازی کی تمام حقیقت بھی بادشاہ کو سنائی۔ جسے سن کر بادشاہ غصے میں آگ بگولا ہوگیا۔ اس نے چھٹوں رانیوں اور چھٹوں بیٹوں کو ملک بدر کردیا۔ پھر اپنی اس رانی کو لے کر آیا اور بقیہ تمام زندگی اس کے ساتھ مزے سے گزارنے لگا۔

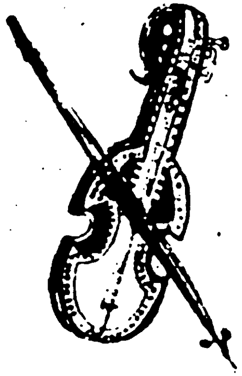

محمود شاہ

کسی وقت، ایک ملک میں ایک انصاف پسند اور عاقل بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس کا صرف ایک ہی بیٹا تھا۔ بادشاہ کا بیٹا، وہ بھی بڑی منتوں مرادوں کا، اس لیے وہ بڑا ہی لاڈلہ تھا۔ بچپن میں شہزادہ اپنے سنگی ساتھیوں کے ساتھ گھومتا پھرتا موج کرتا رہا۔ شہزادہ جب جوان ہوا تو بادشاہ نے اس کی شادی دو حسین شہزادیوں کے ساتھ کردی۔ شہزادے کو گھڑ سواری کا بہت شوق تھا۔ اس کے پاس بے شمار عمدہ گھوڑے تھے۔ پر ایک بڑی اچھی گھوڑی تھی جس سے شہزادہ کو بڑا پیار تھا۔ وہ روزانہ گھوڑے پر سوار، اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھومنے نکل جاتا۔ یا کبھی کبھی اکیلا ہی نکل کھڑا ہوتا۔

اسی شہر میں ایک ریباری رہتا تھا۔ اس کی ایک بہت حسین بیٹی تھی۔ اس کے حسن کی ہر طرف شہرت تھی۔ وہ لڑکی روزانہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ پانی بھرنے دریا پر جایا کرتی تھی۔ ایک روز شہزادہ اس وقت وہاں سے گزرا جب لڑکیاں دریا پر تھیں۔ گھوڑے کی ٹاپوں اور سوار کی تیزی نے انہیں متوجہ کیا۔ عشق کا تیر سینے میں کھب گیا اور شہزادہ اس لڑکی پر ہزار جان سے عاشق ہوگیا۔ گھر واپس لوٹا مگر آرام نصیب نہ ہوا۔ رات بھر کروٹیں

بدلتے بیقراری سے صبح کی۔ اگلے دن گھوڑے پر سوار ہو، شہزادہ لڑکی کے راستے پر جا کھڑا ہوا۔ ادھر لڑکی سہیلیوں کے ساتھ دریا پر پانی بھرتے آئی۔ شہزادہ بھی ساتھ ساتھ ہولیا۔ جب وہ پانی بھر کر لوٹیں تو شہزادہ بھی ساتھ چل دیا۔

اسی طرح روزانہ ہوتا۔ لڑکی کو یہ بات پسند نہ آئی۔ مہینہ بھر یونہی گزرا۔ آخر لڑکی عاجز آ گئی۔ اس نے سوچا کہ شہزادہ کو ایسا سبق سکھاؤں کہ زندگی بھر یاد رکھے۔ پھر اگر بادشاہ نے مجھے بلالیا تو چلی جاؤں گی۔ یہی ارادہ کر کے وہ گھر سے نکلی، بس شہزادہ بھی ساتھ چل پڑا۔ جب شہزادہ کی گھوڑی، لڑکی کے نزدیک آئی تو اس نے ایسا طمانچہ مارا کہ گھوڑی غش کھا کر گری، شہزادہ بھی دور جا گرا۔ لڑکیاں تو چلی گئیں لیکن گھوڑی نہ اٹھی، وہیں کے وہیں اس نے دَم دے دیا۔ اس بات سے شہزادہ کو بہت رنج ہوا۔ پر کرتا بھی کیا؟ گھر لوٹ تو آیا، لیکن اب دکھ کے مارے اسے کسی بات میں مزہ نہ آتا۔ چپ چاپ منہ سر لپیٹ کر اوندھے منہ محلات میں لیٹا رہا۔ کچھ سمجھ نہ آتی تھی کہ کیا کرے؟ البتہ اس نے دل میں پکا ارادہ کرلیا کہ اس لڑکی سے اس کا بدلہ ضرور لوں گا۔ اسی لیے اس نے سوچا کہ کسی طرح اس لڑکی سے شادی کرے اور پھر اسے طلاق دے دے۔ یہ تہیہ کر کے شہزادہ دھرنا دے کر بیٹھ گیا۔ نہ یار دوستوں کے ساتھ جائے نہ کسی کے ساتھ گھومے پھرے۔ نہ ہی روٹی پانی کھائے پیئے۔ سارا دن محل میں پڑا رہتا۔ جب یار دوست ملنے آتے تو اُن سے بھی سیدھے منہ بات نہ کرتا۔ دوست پوچھتے: ''کچھ بتاؤ تو سہی، خیر تو ہے ناں؟'' وہ جواب دیتا: ''ہاں سب خیر ہی ہے۔'' مگر دوست سمجھ گئے کہ بات کچھ نہ کچھ ہے ضرور، لیکن ہمیں بتا نہیں رہا۔ ہوتے ہوتے بادشاہ تک بھی یہ خبر جا پہنچی۔ بادشاہ دوڑتا ہوا آیا، بولا: ''بیٹا تمہیں کیا پریشانی ہے؟'' شہزادے نے جو دیکھا کہ باپ میری بات ماننے کو تیار ہے تو یکدم بولا: ''بابا مجھے ایک ریبارن سے محبت ہوگئی ہے۔ میری اس سے شادی کرادو۔'' بادشاہ نے اس کی بات سنی۔ اسے تسلی دی۔ شہزادہ خوش ہوگیا۔ پھر اس نے کھانے پینے کو ہاتھ لگایا۔

بادشاہ نے فوراً اپنے وزیر کو بلایا اور اسے اس معاملے کی بابت بتایا۔ بادشاہ نے اسے حکم دیا کہ ''تم ریباری کے پاس جاؤ اور اس سے رشتہ مانگو'' وزیر نے جواب دیا کہ:

> ''آپ کی سلامتی ہو قبلہ! کہاں ریباری، چھوٹی ذات، کہاں آپ بادشاہ۔ یہ شادی نہیں ہوسکتی۔ دوسرے یہ لوگ نہایت غریب بھوکے ننگے لوگ، شہزادے سے کہئے کہ اپنی ضد چھوڑ دے۔ اسی میں اس کی بھلائی ہے۔''

بادشاہ نے جواب دیا:

''میں نے تو بہت متھّا پھوڑا، پر وہ مان کر دے تب ناں۔ اب تم بھی جا کر سمجھا دیکھو۔ ہوسکتا ہے راہ راست پر آجائے۔''

وزیر نے بھی اسے بہت سمجھایا، مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ مجبوراً وزیر کو ریباری کے پاس جانا پڑا۔ اس نے اسے ساری حقیقت کہہ سنائی۔ جسے سن کر ریباری الجھن میں پڑ گیا۔ اگر رشتہ دیتا ہے تو برادری والے اسے ذات باہر کردیں گے، اگر رشتہ نہیں دیتا تو بادشاہ کے غضب کا شکار ہوگا۔ آخر کرے تو کیا کرے؟ آخر اس نے ایک ماہ کی مہلت مانگی۔ وزیر نے حامی بھرلی اور واپس لوٹا۔ آکر شہزادے اور بادشاہ کو تمام بات کہہ سنائی۔

ریباری نے اپنی بیٹی سے پوچھا: ''تمہاری صلاح کیا ہے؟'' لڑکی نے کہا:

''جو کچھ نصیب میں لکھا ہے، ہوگا وہی۔ اگر تم رشتہ نہ دو گے تو بھی وہ مجھے زبردستی اٹھوالیں گے۔ اس لیے اب اس رشتہ داری کو قبول کرلو۔''

ریباری کو یہ بات دل کو لگی اور بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ ''اسے یہ رشتہ منظور ہے۔'' آخرکار بہت دھوم دھام سے شادی ہوگئی اور شہزادہ اس کے ساتھ ایک الگ محل میں رہنے لگا۔ ریباری کی سوجھ بوجھ اور حسن کے باعث شہزادہ اپنی بات بالکل بھول گیا۔

ادھر شہزادے کی دوسری دونوں بیویاں پریشان ہوگئیں کہ شہزادے سے کیسے ملیں، جس نے انہیں بالکل بھلا دیا ہے۔ ابھی وہ اسی سوچ میں تھیں کہ دروازے پر ایک فقیر نے صدا لگائی۔ انہوں نے سوچا کیوں نہ اس فقیر کو ہی شہزادے کے پاس بھیجا جائے۔ شہزادے کو اس کی کھائی ہوئی قسم یاد دلانے کو۔ سو انہوں نے فقیر کو لالچ دے کر پکا کرلیا اور کہا:

''تم جا کر شہزادے کے در پر صدا لگانا، اگر ریباری تجھے خیرات دے تو نہ لینا اور کہنا کہ شہزادہ خود آکر اپنے ہاتھوں سے دے۔ پھر جب شہزادہ آکر تم سے اس کا سبب پوچھے تو اس سے کہنا کہ تیری ریباری بیوی پاپن ہے۔ اس نے تیری گھوڑی ماری ہے اور اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ تیری تباہی کا باعث ہوگا۔''

فقیر فوراً شہزادے کے دروازے پر پہنچا اور جیسا انہوں نے سمجھا دیا تھا، ویسا ہی کیا۔ شہزادہ کو اپنی قسم یاد آگئی اور وہ خوفزدہ ہوگیا۔ پھر اس پر شاہی مزاج! سو اُس نے فوراً اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ:

''اس بدبخت عورت کو لے جا کر جنگل بیابان میں گاڑھ دو اور ثبوت
کے طور پر اس کی آنکھیں نکال کر مجھے لا کر دکھاؤ۔''

نوکر اسے مارنے کے لیے جنگل میں لے گئے۔ وہاں پہنچ کر جب وہ اسے مارنے لگے تو ریبارن نے روتے ہوئے کہا: ''مجھے مار کر تمہیں کیا حاصل ہوگا؟ تم مجھے چھوڑ دو، میں تمہیں دعائیں دوں گی۔'' نوکروں نے کہا کہ: ''اگر ہم تمہیں چھوڑ دیں گے تو پھر شہزادے کو تمہاری آنکھیں کیسے لے جا کر دکھائیں گے؟'' سامنے ہی ایک ہرن کو دیکھ کر اس نے اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''اس ہرن کو مار کر اس کی آنکھیں نکال لو اور جا کر شہزادے کو دکھادو۔'' نوکروں نے ایسا ہی کیا، ہرن کو مار کر اس کی آنکھیں نکالیں اور جا کر شہزادے کو پیش کردیں۔

ریبارن وہاں سے چلتے چلتے آخر ایک دوسرے شہر میں جا پہنچی۔ کوئی جان پہچان کسی سے نہ تھی، جائے تو جائے کہاں! ابھی اس شش و پنج میں تھی کہ ایک سوداگر کی اس پر نظر پڑی۔ اسے اس پر رحم آیا اور جا کر اسی کا حال احوال پوچھا۔ ریبارن نے اسے تمام ماجرا کہہ سنایا۔ جسے سن کر سوداگر بولا:

''آج سے تم میری بہن ہو۔ تم چلو میرے گھر چل کر رہو۔ رازق
روزی رساں ہے۔ سب وقت گذر جائے گا۔''

سوداگر نے اسے گھر چھوڑا، بیوی کو اس کی دیکھ بھال کا کہہ کر واپس دکان پر جا بیٹھا۔

ریبارن خوشی خوشی وقت گذارنے لگی۔ وہ حاملہ بھی تھی۔ نوے مہینے اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ اس نے اس کا نام محمود رکھا۔ لڑکا آج چھوٹا کل بڑا ہوتے ہوتے سمجھ دار ہوگیا۔ محلے کے لڑکے اس کو خوب تنگ کرتے اور کہتے: ''اس کا تو باپ ہی نہیں ہے۔'' آخر ایک دن لڑکے نے ماں سے پوچھا: ''میرا باپ کون ہے؟'' ماں نے کہا: ''بیٹا ابھی تم چھوٹے ہو۔ بڑے ہوگے تو خود ہی جان جاؤ گے۔'' مگر لڑکے نے اصرار کیا: ''نہیں، تم مجھے بتاؤ کہ میرا باپ کون ہے؟'' آخر اس نے ساری بات لڑکے کو بتادی اور کہا: ''تیرا باپ بادشاہ، تیرا دادا بادشاہ، اور تم بھی کبھی نہ کبھی بادشاہ ہوگے۔'' یہ سن کر محمود بہت خوش ہوا اور اب بڑی شان کے ساتھ رہنے لگا۔

ایک روز سوداگر بیوپار کے لیے دوسرے شہر جانے کو تیار ہوا۔ ریبارن نے کہا:

''بھائی اب تمہارا بھانجا بڑا ہوگیا ہے، تم اسے اپنے ساتھ لے کر جاؤ

گے تو یہ بھی کچھ سیکھے گا۔ یہاں تو یہ سارا دن لڑتا جھگڑتا پھرتا رہتا ہے۔''

محمود کو بھی جب خبر ہوئی تو وہ بھی بہت خوش ہوا۔ دوسرے دن تیار ہوکر وہ سوداگر کے ساتھ سفر پر روانہ ہوگیا۔ چلتے چلتے کئی ملکوں کو پیچھے چھوڑتے ایک روز وہ جاوا بندرگاہ کے ایک ملک میں پہنچے۔ محمود نے اپنے ماموں سے اجازت لی اور شہر گھومنے چل دیا۔ گھومتے پھرتے وہ ایک میدان میں پہنچا، جہاں گھوڑوں کی دوڑ ہوتی تھی۔ اسے معلوم ہوا کہ یہاں ہر سال بادشاہ کے سامنے گھوڑوں پر شرطیں لگتی ہیں۔ آج بھی وہی دن تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک بلند مقام پر ایک عالیشان تخت پر بادشاہ بیٹھا ہے۔ اس نے کچھ کہا نہ سنا سیدھا جاکر بادشاہ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا: ''لڑکے تم ہو کون؟'' لڑکے نے کہا: ''میرا باپ بادشاہ، میرا دادا بادشاہ اور میں بھی کبھی بادشاہ بنوں گا۔ فی الحال تو یہاں گھومنے آیا ہوں۔''

اس کے جواب پر بادشاہ بہت خوش ہوا اور اسے اپنے پاس بٹھالیا۔ گھوڑوں کی دوڑ دیکھنے کے بعد محمود شہر کا بازار دیکھنے گیا۔ جب وہ ایک جوہری کی دوکان پر پہنچا تو دیکھا کہ جوہری ایک شخص کو ٹھگنے کی کوشش کررہا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا: ''یہ سچے موتی ہیں۔'' محمود نے جو یہ سب دیکھا تو ایکدم دوکان پر چڑھا اور بولا: ''کون کہتا ہے کہ یہ سچے موتی ہیں۔ تیری طرح یہ بھی جھوٹے ہیں۔'' جوہری کو تعجب ہوا اور غصہ بھی آیا کہ یہ ہے کون جو میرے کام میں خوامخواہ دخل اندازی کررہا ہے۔ وہ کہنے لگا: ''میاں، اگر تم ان سچے موتیوں کو جھوٹا ثابت کردو تو میں تمہیں یہ ساری دوکان دے دوں گا، لیکن اگر تم کامیاب نہ ہوئے تو تم ساری عمر میرے غلام بن کر رہو گے۔'' محمود نے کہا: ''مجھے منظور ہے۔'' جوہری نے کہا: ''اچھا اب میں گواہ لے آؤں۔'' اس نے دل میں سوچا کہ کسی کو پیسے دے کر سکھادوں گا، بس پھر میں شرط جیت جاؤں گا۔ مگر محمود بھی چالاک تھا۔ اس نے فوراً کہا: ''گواہ میں لاؤں گا۔'' یہ کہہ کہ وہ سیدھا بادشاہ کے پاس گیا اور اسے ساری بات بتائی۔ بادشاہ نے فوراً جوہری کو بلوایا اور وہی موتی شاہی جوہری کو دکھائے۔ اس نے تصدیق کی کہ موتی جھوٹے ہیں۔ پس جوہری کی دوکان بھی گئی اور شان وشوکت بھی۔ سر پیٹتا گھر جا بیٹھا اور محمود اس دوکان کا مالک بن گیا۔

ادھر جب محمود کو واپسی میں دیر ہوئی تو اس کے ماما کو فکر ہوئی۔ وہ اسے تلاش کرنے نکلا۔ بازار میں گھومتے پھرتے وہ جوہری کی دوکان کے پاس سے گذرا۔ محمود نے

اسے گذرتا دیکھا تو فوراً پکارا۔ ماموں نے محمود کو دیکھا تو بہت خوش ہوا اور اس سے حال احوال پوچھا۔ اس نے ساری بات اسے کہہ سنائی اور کہا:

''اب یہ ساری دوکان اپنی ہے۔ تم یہاں بیٹھو تو میں لوگوں کو بلالوں اور یہاں سے یہ سارا سامان اٹھوالوں۔''

ماموں کو وہاں چھوڑ کر وہ سیدھا جہاز پر پہنچا۔ وہاں سے لوگوں کو ساتھ لیا اور سامان ڈھونے لگا۔ سارا سامان اٹھا کر جہاز روانہ ہوا۔ چلتے چلتے وہ ایک بندرگاہ پر پہنچے۔ وہاں انہوں نے رات گذارنے کا فیصلہ کیا۔ محمود پہرے پر بیٹھا اور بقیہ سب سو گئے۔ ابھی تھوڑی رات ہی گذری تھی کہ محمود نے دیکھا کہ دو پرندے، ایک چھوٹا ایک بڑا، پیڑ کی ٹہنیوں پر بیٹھے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے ہیں۔ بڑے پرندے نے کہا:

''اگر کوئی میرا گوشت کھالے تو اس کے ہوش و حواس یکدم جاتے رہیں۔''

چھوٹے پرندے نے کہا:

''اگر کوئی مجھے مار کر کھالے تو بادشاہ بن جائے۔''

محمود نے یہ سن کر تیر کمان پر چڑھایا اور تیر چلاتے ہی دونوں پرندے زمین پر آ گرے۔ چھوٹے پرندے کا گوشت پکا کر اس نے خود کھایا اور بڑے کو اس نے کتوں کی طرف اچھال دیا۔ سوداگر سوتا رہا، لیکن محمود جاگتا رہا۔ آدھی رات ہوئی تھی کہ اس نے ایک روشنی دیکھی۔ پہریدار کو جگا کر محمود روشنی کی طرف چل دیا۔ چلتے چلتے وہ ایک بڑ کے درخت تک جا پہنچا۔ دیکھتا کیا ہے کہ چار پریاں بیٹھی چوپڑ کھیل رہی ہیں۔ اس نے سوچا ان میں سے ایک کو ضرور پکڑنا چاہیے۔ وہ جیسے ہی اچھل کر وہاں پہنچا، سب پریاں اڑ گئیں۔ صرف ایک پری جو چوپڑ اور پانسہ اٹھانے میں لگی تھی، اسے دیر ہوگئی، وہ پیچھے رہ گئی اور ایک پانسہ بھی پڑا رہ گیا۔ محمود نے یہی پانسہ اٹھایا اور اسی پری کے پیچھے چل دیا۔ وہ پری تھوڑی دور چل کر کھڑی ہوگئی، وہاں ایک دروازہ نظر آیا۔ وہ دروازے سے اندر داخل ہوگئی۔ داخل ہوتے وقت اس نے صرف اتنا کہا کہ: ''اگر محمود ہو تو مجھے تلاش کر کے حاصل کر لے۔''

پری کی یہ بات محمود نے سنی اور سوچا کہ اندر جاؤں۔ پر غار بہت اندھیرا اور گہرا تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے خیال کو جھٹک دیا اور واپس لوٹ آیا۔ البتہ وہاں کی نشانی ساتھ لے آیا۔

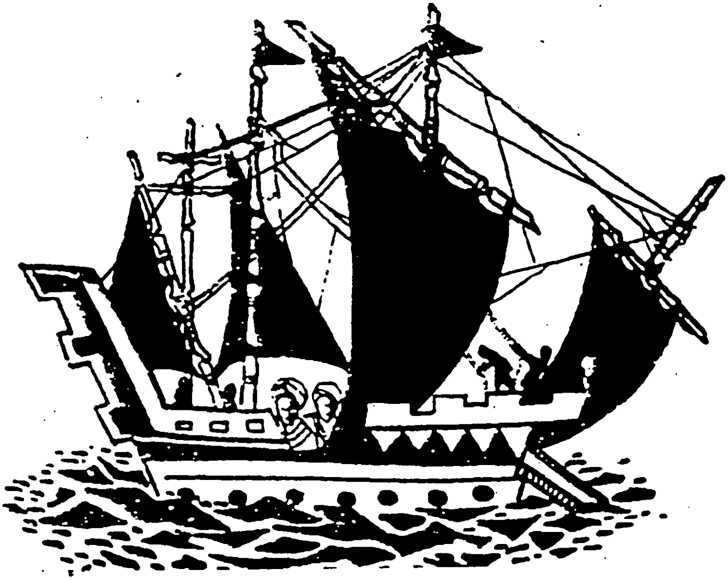

صبح سویرے قافلہ روانہ ہوا۔ کچھ دن سفر کرنے کے بعد یہ قافلہ اپنے گوٹھ کے باہر جا پہنچا۔ وہاں گوٹھ سے باہر ہی محمود کو اپنے بچپن کے دوست مل گئے۔ انہوں نے محمود سے حال احوال پوچھنے کے لیے وہیں روک لیا۔ محمود نے اپنے ماموں کو پانسہ دے کر کہلا دیا کہ: ''اماں کو یہ دے دینا اور میں ابھی پہنچتا ہوں۔'' سوداگر کو دیکھ کر ریبارن نے اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھا، اس نے کہا: ''وہ بھی آ گیا ہے۔ باہر دوستوں کے ساتھ کچہری کر رہا ہے، ابھی آتا ہے۔'' پر سوداگر نے وہ پانسہ جو محمود نے دیا تھا، ریبارن کو نہ دیا اور سوچا ہمارے کیا کام آئے گا۔ کیوں نہ بادشاہ کو دے کر اس کی خوشنودی حاصل کروں۔ پھر محمود نے بھی ماں سے اس بارنے میں کچھ نہ پوچھا۔ آخر ایک روز سوداگر نے وہ لے کر بادشاہ کو پیش کر دیا۔ اس نے رانیوں کو دے دیا۔ رانیوں نے ایک پانسے کو دیکھ کر کہا کہ ''اس ایک پانسے سے کیا ہوگا؟ ہمیں ایسے دو دوسرے پانسے بھی منگا کر دو۔'' بادشاہ نے یکدم سوداگر کو بلوایا اور کہا کہ ''جتنی جلد ہو سکے ایسے دو اور پانسے بھی لا کر دو، ورنہ پھانسی چڑھا دوں گا۔'' سوداگر بیچارہ حیران پریشان، کہ اب کروں کیا؟ آخر کچھ مہلت مانگی۔ بادشاہ نے مہلت دے دی۔ سوداگر گھر لوٹا اور اوندھی کھٹیا پر پڑ کر سو گیا۔ محمود نے سوداگر کو اس حال میں دیکھا تو پوچھا: ''ماما! کیوں یہ حالت بنائی ہے؟'' ماموں نے ساری بات بتا دی۔ محمود نے کہا:

''بس اتنی سی بات! چلو ہم چلتے ہیں اور پانسے حاصل کر کے لاتے ہیں، تم بادشاہ کے پاس جاؤ اور جا کر اس سے کہو کہ مجھے کائی کی کوٹھی اور ریشم کی رسی تیار کرا دے۔''

سوداگر کی جان میں جان آئی۔ وہ دوڑتا ہوا بادشاہ کے پاس پہنچا اور اس سے کائی کی کوٹھی اور ریشم کی رسی کا مطالبہ کیا۔ دونوں چیزیں اسے فوراً فراہم کر دی گئیں۔

یہ سامان اٹھوا کر وہ دونوں روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے وہ اسی جنگل بیابان میں پہنچے، جہاں محمود کو یہ پانسہ ملا تھا۔ پھر وہ اس غار پر پہنچے، جس کے اندر پری غائب ہوگئی تھی۔ محمود نے ماموں سے کہا کہ: ''اب میں اس کائی کی کوٹھی میں بیٹھتا ہوں اور تم مجھے نیچے اتارو، جب میں رسی کو ہلاؤں تو سمجھ لینا کہ میں منزل پر پہنچ گیا ہوں۔ پھر جب میں دوبارہ رسی ہلاؤں تو تم واپس اوپر اٹھالینا۔'' یہ کہہ کر وہ پیٹی میں بیٹھ گیا۔ یہ پیٹی دھیرے دھیرے ایک میدان میں اتری۔ باہر نکل کر اس نے رسی کو ہلایا اور آگے چل دیا۔ چاروں طرف نظر دوڑائی، مگر کچھ بھی نظر نہ آیا، اور تھوڑا آگے بڑھا تو ایک محل کی چوٹی دکھائی دی۔ تیز تیز وہ اسی طرف چل پڑا۔ یہ ایک بڑا محل تھا، جس کا ایک چھوٹا سا دروازہ تھا۔ وہ دروازے سے اندر داخل ہوا تو حیران رہ گیا۔ چاروں طرف ہرا بھرا باغ پھیلا ہوا تھا، فوارے چل رہے تھے، مگر عجیب بات یہ تھی کہ انسان ایک نہ تھا۔ چاروں طرف باڑھ لگی تھی۔ محمود آہستہ آہستہ اندر داخل ہوا تو دیکھتا کیا ہے کہ ایک حسین نوجوان لڑکی تخت پر بیٹھی ہے۔ یہ وہی تھی، جس نے اسے کہا تھا کہ اگر محمود ہو تو مجھے تلاش کر لے۔'' لڑکی نے محمود کو دیکھا تو چونک گئی۔ ڈر کر بولی: ''اے آدم زاد تم کون ہو؟ اور یہاں کیوں آئے ہو؟'' محمود نے جواب دیا: ''میں محمود ہوں اور تمہیں تلاش کرنے یہاں آیا ہوں۔ لڑکی کا منہ خوشی سے چمکنے لگا۔ دوڑ کر اس کے گلے آ لگی۔ خوشی کے مارے دونوں خاموش تھے۔ آخر محمود نے اس سے حال احوال معلوم کیا: ''تم کون ہو اور یہاں کیسے؟'' لڑکی نے کہا کہ ''میں فارس کے بادشاہ کی بیٹی ہوں اور یہاں ایک ظالم دیو کی قید میں ہوں۔ اس نے بارہ کوس کی آبادی میں ایک انسان بھی جیتا نہیں چھوڑا ہے۔ وہ صبح جاتا ہے اور شام کو واپس لوٹتا ہے۔ وہ ظالم تمہیں بھی کھا جائے گا۔ پر تم فکر نہ کرو، میں تمہیں جادو کے ذریعے طوطا بنا دوں گی۔'' محمود نے کہا: ''بھلا تمہیں کیسے پتہ چلے گا کہ دیو آ گیا ہے؟'' شہزادی نے جواب دیا

کہ: ''پہلے آندھی چلتی ہے، پھر پتھروں کا مینہ برستا ہے۔ یہ نشانی ہے دیو کے آنے کی۔'' اتنے میں آندھی چلنے لگی اور شہزادی نے محمود پر منتر پڑھنا شروع کر دیا۔ وہ طوطا بن کر پیڑ پر جا بیٹھا۔ اب پتھروں نے اڑنا شروع کیا۔ آخر دیو بھی آ پہنچا۔ آتے ہی چیخنے چلانے لگا: ''آدم بو، آدم بو۔'' لڑکی نے کہا: ''پاگل ہوگئے ہو کیا؟ یہاں آدم زاد کہاں سے آیا؟'' جب اسے کچھ نظر نہ آیا تو چپ چاپ سوگیا۔ صبح کو دیو وہاں سے اٹھ کر چلا گیا اور شہزادی محمود کو اصل شکل میں لے آئی۔ دو تین دن اسی طرح گذرے۔

ایک دن محمود نے شہزادی کو سمجھایا کہ تم دیو سے معلوم کرو کہ ''اس کی جان کس میں ہے؟'' اس نے آمادگی ظاہر کی۔ اس نے دیو کی آمد سے قبل کالے کپڑے پہنے، زیورات سے خود کو سجایا اور منہ سُجا کر بیٹھ گئی۔ دیو نے جو اسے اداس دیکھا تو پوچھا: ''سچ سچ بتاؤ، کیا بات ہے؟'' لڑکی نے کہا: ''بات کیا ہے، تم روز نہ جانے کہاں چل دیتے ہو اور میں یہاں اکیلی بیٹھی ہوں۔ اگر کوئی تمہیں مار دے تو پھر میرا کیا ہوگا؟'' یہ کہہ کر وہ رونے لگی۔ دیو ہنس کر بولا: ''تم اس کی بالکل فکر نہ کرو۔ مجھے کوئی بھی مار نہیں سکتا۔'' شہزادی نے پوچھا: ''وہ کیسے؟'' دیو نے کہا: ''میری جان میرے بدن میں نہیں۔ میری جان ایک دوسری جگہ محفوظ رکھی ہے۔'' شہزادی نے پھر پوچھا: ''ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟'' اس پر اس نے کہا: ''ہمارے محل کے شمال کی جانب ایک غار ہے، اس غار کے منہ پر ایک سومن کا پتھر رکھا ہے۔ یہ پتھر میرے سوا صرف محمود نامی شخص ہی ہٹا سکتا ہے۔ اس غار میں لوہے کا ایک پنجرہ ہے۔ اس پنجرے میں ایک بھونرا ہے۔ بس اسی بھنورے میں میری جان ہے۔ اب تو تمہیں یقین آیا کہ مجھے کوئی مار نہیں سکتا۔'' یہ سب بات سن کر شہزادی بہت خوش ہوئی اور اس کے ساتھ ہنسنے کھلکھلاتے بات کرنے لگی۔

صبح جب دیو چلا گیا تو وہ محمود کے ساتھ اس غار پر پہنچی۔ دیکھا تو واقعی وہاں ایک پتھر رکھا ہوا ہے۔ محمود نے اسے دھکیل کر پرے کیا اور اندر داخل ہوا۔ غار میں ایک پنجرہ رکھا تھا۔ پنجرے کے اندر ایک بھنورا چکرا رہا تھا۔ محمود نے فوراً بھنورے کو قابو کیا۔ ادھر دیو نے خود کو پکڑا ہوا محسوس کیا تو پلٹ کر بھاگا اور مینہ برساتا واپس اپنے محل میں پہنچا۔ جیسے ہی وہ محمود کی طرف بڑھا، اس نے بھنورے کی جھٹ سے ایک ٹانگ توڑ ڈالی۔ دیو کی بھی ایک ٹانگ غائب ہوگئی۔ پھر بھی وہ ایک ٹانگ پر اچھلتا آگے بڑھا۔ ادھر محمود

نے بھنورے کی دوسری ٹانگ بھی توڑ ڈالی۔ دیو کی دوسری ٹانگ بھی غائب ہوگئی۔ دیو اب پیٹ کے بل گھسٹتا آگے بڑھنے لگا۔ محمود نے فوراً بھنورے کی گردن مروڑ دی اور سر اچھال دیا۔ دیو کا سر بھی غائب ہوگیا اور وہ مرگیا۔ دیو کے مرنے کے بعد کچھ روز وہ وہیں آرام سے رہے۔ آخر ایک روز ویسے ہی پانسے اور دوسرے ہیرے جواہرات سمیٹ کر، کائی کی کوٹھی کے پاس پہنچا، شہزادی ساتھ تھی۔ محمود نے سارا سامان کائی کی کوٹھی میں رکھا، دیکھا تو اب اس میں صرف ایک شخص کے بیٹھے کی جگہ باقی تھی۔ محمود نے شہزادی کو اس میں بٹھادیا اور رسی ہلادی۔ اس نے شہزادی سے کہا کہ: ''اوپر پہنچ کر کوٹھی کو واپس بھیج دینا تاکہ میں بھی اوپر آجاؤں۔'' کائی کی کوٹھی جب اوپر پہنچی تو سوداگر حیران رہ گیا۔ سانس روکے اس نے دیکھا کہ پانسوں کے علاوہ بیشمار ہیرے جواہرات پڑے ہیں۔ سوداگر کے دل میں بے ایمانی آگئی۔ بس اس نے کوٹھی کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ پری نے بہت منت ساجت کی، پر اس نے نہ سنا۔ زبردستی اسے ساتھ گھر لے آیا۔

پری دن بھر محمود کی یاد میں روتی رہتی۔ ایک دن سوداگر نے پری سے کہا: ''کتنے دن روتی رہو گی، اب مجھ سے شادی کرلو......'' پری نے دیکھا کہ سوداگر ہاتھ دھوکر پیچھے پڑ گیا ہے تو اس نے کچھ وقت کی مہلت مانگی۔ سوداگر خوشی سے مان گیا۔ اسی خوشی میں سوداگر نے ایک بڑی دعوت کی اور ملک کے مشہور اور بڑے پنڈتوں کو بلایا کہ وہ شادی کی 'شبھ گھڑی' نکالیں۔ پنڈتوں نے بہت دماغ لڑایا، مگر اس کی جلد شادی کی شبھ گھڑی نہ نکال سکے۔ ادھر سوداگر کو بہت جلدی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں محمود یہاں نہ آنکلے۔

ادھر محمود انتظار کرتے کرتے بالآخر سمجھ گیا کہ سوداگر نے دغا کی ہے، وہ بہت حیران ہوا۔ وہ آہستہ آہستہ دیو کے محل کی طرف چل دیا۔ وہاں دیکھا تو پاڈے جتنے پرندے دیو کو کھانے میں لگے ہیں۔ محمود نے کیا کیا، چھپتے چھپاتے جاکر ایک پرندے کی ٹانگ سے لپٹ گیا۔ پرندہ اڑنے لگا۔ یہ بھی پرندے کے ساتھ اڑنے لگا۔ پرندہ ایک پیڑ پر جاکر بیٹھا۔ محمود پیڑ سے اتر کر پیدل ہی ایک طرف کو چل دیا۔ دور اسے ایک جھونپڑی دکھائی دی۔ وہ تیز تیز قدم رکھتا اُدھر بڑھا۔ جھونپڑی میں داخل ہوا۔ دیکھا تو وہاں ایک درویش بیٹھا ہے۔ وہ بڑے ادب کے ساتھ ملا۔ درویش نے اسے کھانا کھلایا۔ کچھ دن

بعد جب محمود نے درویش سے رخصت کی اجازت چاہی تو درویش نے اسے دو ڈبیاں دیں اور کہا:

''اس بڑی ڈبیا میں جو پھول ہے، اسے سونگھنے سے انسان، بوڑھا شخص بن جائے اور چھوٹی ڈبیا میں پڑا پھول سونگھنے سے وہ واپس جوان ہوجائے گا۔ یہ میری طرف سے تحفہ سمجھو۔ ایک نہ ایک دن یہ ضرور تمہارے کام آئے گا۔''

محمود نے درویش کا شکریہ ادا کیا اور اپنے گوٹھ کا راستہ پوچھ کر روانہ ہوا۔

چلتے چلتے آخر ایک دن وہ اپنے گوٹھ پہنچ گیا۔ راستے میں محمود نے بڑا پھول سونگھا اور وہ سچ مچ بوڑھا ہوگیا۔ گوٹھ میں پہنچ کر وہ سیدھا ایک کمہارے کے گھر پر جا کھڑا ہوا۔ کمہار سمجھا کہ شاید یہ کوئی بڑا درویش ہے۔ اس نے اس کی مہمانی کی پیش کش کی۔ محمود نے خوشی سے اس کا مہمان بننا قبول کرلیا۔ کھانا کھانے کے بعد اس نے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔ کمہار نے بتایا: ''یہاں ایک سوداگر ولایت سے ایک نہایت حسین شہزادی لے کر آیا ہے۔ اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے، پر کوئی شبھ گھڑی نکل نہیں رہی۔'' محمود نے کہا: ''میں بڑا پنڈت ہوں۔ جا کر اسے بتادو کہ میں شبھ گھڑی نکال دوں گا۔'' کمہار اٹھا اور جلدی جلدی سوداگر کے پاس پہنچا۔ جا کر سارا حال اسے بتایا۔ سوداگر نے فوراً ایک عالیشان سواری بھیجی، محمود اس پر سوار ہوکر پہنچا، دیکھا تو محفل سجی ہوئی ہے، جس میں بادشاہ بھی بیٹھا ہے اور دغاباز ماما بھی بیٹھا ہے۔ اس نے فوراً اپنی پوتھی کھولی اور بیٹھ گیا۔ بڑی دیر بعد اس نے بتایا: ''آج رات کا لگن ہے۔ پر صبح سورج ابھرنے سے ذرا آگے شبھ چار گھڑی ہے۔ جب وقت آئے گا تو میں تمہیں بتادوں گا۔'' سب لوگ خوش ہوگئے۔ چھوٹوں نے اسے بوڑھا مرد دیکھ کر اس سے پوچھا: ''درویش سائیں، تم نے تو بڑی دنیا دیکھی ہوگی۔ اس دورنگی دنیا کا کوئی تجربہ ہمیں بھی سناؤ۔'' محمود نے جواب دیا: ''ہاں بیٹا! کچھ سال ہوئے کہ اس ملک پر ایک مشہور بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ وہ بادشاہ ایک دن ایک ریبارن پر عاشق ہوگیا۔ پر ریبارن نے اسے پسند نہ کیا۔ آخر ایک دن بادشاہ نے زبردستی اس سے شادی کرلی۔'' بادشاہ تو وہیں بیٹھا تھا، اس کے کان کھڑے ہوئے، بات یاد آگئی۔ پھر محمود نے محفل میں ساری بات بیان کردی کہ کس طرح بادشاہ نے ریبارن کے

قتل کا حکم دیا، کس طرح وہ موت سے بچی، کس طرح محمود پیدا ہوا اور کس طرح ماما نے محمود کے ساتھ دغا کی۔ سوداگر کے تو اوسان خطا ہو گئے۔ حواس باختہ، لال پیلا ہوتا رہا۔ بات ختم ہو چکی تھی۔ بادشاہ نے پوچھا: ''اب محمود ہے کہاں؟'' محمود نے کہا: ''وہ یہیں موجود ہے۔ تلاش کرلو۔'' پر بادشاہ کو بھلا کیا معلوم! وہ کیا بتاتا۔ آخر کہنے لگا: ''مجھے پتہ نہیں چل رہا، تم ہی بتاؤ کہ محمود کون سا ہے؟'' محمود نے کہا: ''ریبارن کو بلاؤ۔ وہ خود ہی اپنے بیٹے کو پہچان جائے گی۔'' ریبارن آئی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھنے کے بعد، ایکدم جا کر اس پر ہاتھ رکھ دیا۔ کہنے لگی: ''خدا نہ بھلائے تو میرا بیٹا محمود تو ہی ہے۔'' اس پر محمود نے چھوٹی ڈبیا والا پھول سونگھا اور خود کو اپنی اصلی حالت پر لے آیا۔ ریبارن نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو گلے سے لگالیا۔ بادشاہ اور سوداگر دونوں اپنے اپنے کئے پر بہت پچھتائے۔ آخر بادشاہ ریبارن کو ساتھ لے کر محل میں آیا۔ محمود نے بھی شہزادی سے شادی کرلی۔ سوداگر کو بادشاہ نے معافی دے دی اور محمود نے بھی اسے معاف کردیا اور سب ہنسی خوشی رہنے لگی۔

جیسا ملاپ ان سب کا ہوا، سارے جگ جہان کا ہو۔

☆

ڈھول شہزادہ (پیارا شہزادہ)

ایک تھا بادشاہ۔ بادشاہ تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن یہ زمین کے کسی ٹکڑے پر حکومت کرتا تھا۔ سورج ابھرتا تو وہ گھوڑے پر زین رکھتا اور دن بھر شکار کھیلتا پھرتا۔ پھر کہیں شام ڈھلے تاروں کی چھاؤں میں آ کر پلنگ پر گر جاتا۔ یہی اس کا روز کا مشغلہ تھا اور اس سے کوئی دن خالی نہیں تھا۔ ایک روز جب وہ شہر سے نکل کر جنگل میں پہنچا تو اس کو ہرن کا ایک بچہ دکھائی دیا۔ اس نے جھٹ کمان اٹھائی اور تیر جو چلایا تو بس ہرن کا بچہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ بادشاہ گھوڑے سے اترا اور جیسے ہی اس نے تکبیر پڑھنے کو چاقو نکالا تو دیکھتا کیا ہے کہ وہی ہرن کا بچہ ایک گبرو جوان بن گیا! بادشاہ بڑا حیران ہوا۔ لڑکے کی چیخ وپکار سن کر ایک غار میں سے ایک بوڑھا فقیر باہر نکلا۔ بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر فقیر کو جلال آ گیا اور بادشاہ سے کہا: ”ہمیشہ کے لئے پتھر کے ہوجاؤ گے!“ بادشاہ نے دیکھا کہ فقیر کوئی اللہ والا ہے۔ پس وہ فقیر کے پیروں پر گر گیا اور بولا: ”سائیں! مجھ سے بھول ہوگئی، مجھے معاف کردو۔ میں تمہارے لڑکے کو کیسے پہچانتا۔ میں تو سمجھا کہ یہ ہرن کا بچہ ہے۔“ فقیر بولا: ”اندھے بادشاہ! کہتے ہیں

کہ بادشاہوں کے پاس سات ولیوں کی کرامت ہوتی ہے، تیرے پاس تو کوڑی بھر بھی نہیں۔ اب جا۔ تیرا نصیب پھوٹ گیا۔ جا کر بیٹے کے نصیب کا کھا۔"

بادشاہ کے ہاں اولاد تو تھی ہی نہیں۔ اس لیے فقیر کی بات پوری طرح اس کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ وہ فکر میں پڑ گیا۔ اسی فکر میں گھلتا جب وہ گھر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ شاہی خزانہ جل کر خاک ہو چکا ہے۔ گھر کی جس شے کو بھی ہاتھ لگایا وہ اسی وقت جل کر خاک ہوگئی!

بادشاہ نے جب دیکھا کہ تقدیر بدل چکی ہے تو رانی سے کہنے لگا: "اب ہمارا نصیب ہمیں دھوکا دے گیا ہے، چلو اب چل کر کوئی اور ملک بسائیں۔" دیس مزدوری پردیس بھوک۔" لیکن ہم سے تو دیس میں مزدوری بھی نہ ہوگی۔ باقی رہا پردیس، وہاں نہ کوئی ہمیں جانتا ہے نہ پہچانتا ہے۔ بھیک مانگ کر پیٹ تو پال لیں گے!" رانی نے کہا: "سائیں! باندی کی کیا مجال جو سائیں کا حکم نہ مانے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔ جہاں چاہو چلو۔" آخر دونوں رات کے اندھیرے سناٹے میں ملک چھوڑ کر کسی طرف چل دیے۔

بادشاہ کو رانی نے صلاح دی کہ:

"تمہارے یار دوست کتنے ہی ہیں کیوں نہ کسی کے پاس چلے چلیں۔ ہوسکتا ہے انہی کے نصیب سے کوئی ٹکڑا کھالیں!"

بادشاہ نے یہ بات قبول کر لی اور اسی حالت میں بڑھ کر ایک دوست بادشاہ کے پاس پہنچے۔ بادشاہ کی جو یہ حالت دیکھی تو اس کا دوست بہت رنجیدہ ہوا۔ اس کے پوچھنے پر بادشاہ نے ساری حقیقت کہہ سنائی۔ اس شخص نے چہرے پر کوئی تاثر نہ آنے دیا لیکن دل میں غوطے کھانے لگا کہ

"بدبخت جس درخت کے نیچے بیٹھتا ہے اسے بھی سکھا دیتا ہے۔
کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی بھلائی میں میرے ہی ہاتھ جل جائیں۔
جس پر اللہ کا غضب اسے بندہ کیسے پناہ دے سکتا ہے؟"

لیکن دنیا کی شرم کو، کھانا تیار کر کے منگوالیا۔ بادشاہ اور رانی جس پلنگ پر بیٹھے وہ بھی جل کر خاک ہو چکا تھا پھر جو کھانے کو ہاتھ لگایا تو وہ بھی خاک! بادشاہ کے دوست نے جو یہ حالت دیکھی تو بادشاہ کے پیروں کو ہاتھ لگایا اور بولا: "سائیں! خیر سے اب چل دو۔ اپنا تو اجاڑ آئے ہو کہیں دوسرے کو بھی برباد کرو۔"

بادشاہ اور رانی نے جو یہ حالت دیکھی تو اٹھ کر آگے روانہ ہوئے۔ اسی طرح وہ کتنے ہی دوستوں کے پاس گئے مگر کچھ بات نہ بنی۔

آخر بادشاہ تمام دوستوں میں گھوم پھر لیا۔ بہت سوچنے پر اسے یاد آیا کہ ابھی ایک یار باقی ہے۔ چنانچہ وہ ادھر چل دیے۔ دو ایک روز کے بعد جب وہاں پہنچے تو ان کی حالت دیکھ کر اس بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بادشاہ نے اپنا حال بتاتے ہوئے اپنے ان سب یار دوستوں کے سلوک کا بھی ذکر کیا۔ اس سچے یار نے جب بادشاہ کی دکھ بھری داستان سنی تو کہنے لگا: ''ادا، رکھ اللہ پر، اگر قسمت بگڑی ہے تو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ تم دو تھے تو اب ہم چار ہیں۔ اور کیا؟ اس نے فوراً کھانے اور کپڑوں کا بندوبست کیا۔ اللہ کی قدرت، ان کے حال پر اللہ کو رحم آ گیا اور اس بار کھانے اور کپڑوں کو آگ نہ لگی۔ اس پر بادشاہ اور رانی کو بھی کچھ اطمینان ہوا۔ پس وہ وہیں رہنے لگے۔

بادشاہ کو وہاں رہتے ابھی تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ ایک رات رانی نے بادشاہ سے کہا: ''میں امید سے ہوں۔'' بادشاہ کو فقیر کی یہ بات کہ ''جا اپنے بیٹے کے نصیب کا کھا۔'' تو ذہن سے اتر گئی تھی۔ وہ دکھوں میں ایسا غلطاں تھا کہ اسے اس بات کا خاص خیال ہی نہ رہا تھا۔

صبح جب دونوں دوست شکار پر گئے تو انہیں ایک ہرن کا بچہ نظر آیا۔ تیر مارتے ہوئے اسے فقیر کا بیٹا یاد آ گیا اور اس کے ساتھ فقیر کی بددعا بھی۔ اسے یاد آیا کہ گزری رات رانی نے بھی اسے بتایا تھا کہ ''وہ دوجی سے ہے۔'' یہ یاد کر کے وہ اپنے دوست سے بولا: ''ادا، شاید اب ہماری تقدیر واپس اپنی جگہ پر آ جائے۔'' پھر اس نے اسے فقیر کی بددعا اور رانی کے حاملہ ہونے کے بارے میں بتایا اور اس سے اپنے ملک لوٹ جانے کی اجازت لی۔ دوست نے پہلے تو منع کیا پر آخر اجازت دے دی۔ جاتے وقت اس نے بتایا کہ اس کی اپنی رانی بھی امید سے ہے۔ اس پر دونوں دوستوں نے آپس میں وعدہ کیا کہ ''اگر ایک کے ہاں بیٹا اور دوسرے کے بیٹی ہوئی تو دونوں کی آپس میں شادی کر دیں گے۔''

بادشاہ جب اپنے ملک واپس آیا تو اس کی رعایا بہت خوش ہوئی۔ وہ سارا خاک شدہ خزانہ پھر سے واپس اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ رب نے دکھ دور کیے اور تھوڑے عرصے بعد اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام 'ڈھول شہزادہ، (پیارا شہزادہ) رکھا۔

پیارا شہزادہ آج چھوٹا کل بڑا، جب جوان ہوا تو یہ بھی اپنے باپ کی طرح شکار کا شوقین ثابت ہوا۔ بلکہ اپنے باپ سے بھی چار قدم آگے تھا۔ باپ تو تیر کمان سے شکار کرتا تھا لیکن یہ ہرن کو گھوڑے کے سُم سے مارتا تھا۔ یعنی گھوڑا دوڑا کر جب ہرن پر پہنچ جاتا تو سُم اس کی پیٹھ پر مارتا تھا۔

شہزادہ کی ایک دوسری عادت یہ بھی تھی کہ صرف نَر ہرن مارتا تھا۔ اسی لیے ہوتے ہوتے نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس ملک میں کوئی ایک نَر ہرن بھی نہ بچا۔ ایک ہرنی تھی، وہ امید سے تھی۔ اس نے سوچا کہ اگر میرا بچہ پیدا ہوا تو ڈھول شہزادہ، اسے بھی مار ڈالے گا لہٰذا یہی مناسب سمجھا کہ اس ملک کو چھوڑ کر کسی دوسرے بادشاہ کی بادشاہی میں چلی جائے۔ یہ سوچ کر وہ اٹھی اور چل پڑی۔ چلتے چلتے ایک روز شام کو وہ ایک باغ کے نزدیک جا پہنچی۔ جب رات ہوئی تو باغ میں جا کر چرنے لگی۔ وہیں اس کو درد شروع ہوا اور اس نے بچھڑے کو جنم دیا۔ جب صبح ہوئی تو مالی نے ہرنی کو دیکھا اور جا کر بادشاہ کی بیٹی کو، جو اس باغ کی مالکن تھی، اطلاع دی۔ وہ ملوک زادی فوراً باغ میں آئی اور ہرنی کے بچے کو دیکھ کر اسے اٹھانے لگی۔ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں ہر شے بولتی تھی، سو ہرنی بھی ملوک زادی سے بولی: ''ڈھول شہزادے کے خوف سے تو بچ کر یہاں آئی تھی پر جان یہاں بھی نہ بچی۔'' ملوک زادی نے ڈھول شہزادے کا نام سنا تو ہرنی سے اس کے بابت پوچھنے لگی۔ ہرنی نے ڈھول شہزادے کی صورت اور اس کی زیادتیوں کی ساری بات ملوک زادی کو سنادی۔ ملوک زادی بولی: ''کسی صورت میں وہ یہاں آ سکتا ہے؟'' ہرنی نے جواب دیا: ''اس پٹھے کی خدمت کرو تو یہی اسے یہاں لے آئے گا۔''

یہ ملوک زادی وہ ہی تھی جس کے باپ سے ڈھول شہزادے کے باپ کی دوستی تھی اور دونوں نے ایک دوسرے کا رشتہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ ملوک زادی نے اس ہرنوٹے (ہرن کے بچے) کو اچھی طرح پالنا شروع کیا۔ پہلے باغ کے باہر ایک دس ہاتھ کا حصار بنوایا۔ اس حصار کا دروازہ بند کر کے ہرن کو باغ میں کھلا چھوڑ دیا۔ جہاں سے ایک دن وہ چھلانگ مار کر باہر نکل گیا۔ شہزادی کی باندی وہاں سے اسے گھیر گھار واپس لے آئی۔ اب شہزادی نے یکدم حصار کو ہاتھ بھر اور اونچا کرادیا۔ یونہی کرتے کرتے جیسے جیسے شہزادی نے حصار کو ایک ایک ہاتھ بڑھانا شروع کیا ویسے ویسے ہرن کی چھلانگیں بھی اونچی سے اونچی ہوتی گئیں۔ جب حصار بیس ہاتھ اونچا ہوگیا تو شہزادی کو یقین ہوگیا کہ ہرن اب کافی طاقتور ہو چکا ہے تو اس نے ہرن سے کہا: ''اب تو ڈھول شہزادے کی بادشاہی میں جا اور اسے یہاں لے آ۔''

ہرن اپنی ماں سے اجازت لے کر چل دیا۔ جب وہ ڈھول شہزادے کی حد میں پہنچا تو دیکھا کہ ہرنیوں کا ایک بڑا ٹولہ کھڑا ہے۔ ہر اک ہرنی کہنے لگی ''یہ میرا شوہر ہے۔'' ان میں جو سب سے بڑی تھی اس نے کہا: ''ذرا ٹھہرو میں فیصلہ کرتی ہوں۔'' پھر اس سے بولی: ''ایک ایک رات ہر اک کے پاس رہو اور کبھی کبھی مجھ غریب کو بھی یاد کر لیا کرنا'' اس نے ان ہرنیوں سے کہا: '' مجھے بادشاہ کا باغ دکھا دو اور تم سب بے فکر ہو کر وہاں چلو اور کھاؤ پیو۔'' وہ سب خوش خوش اس کے پیچھے چل پڑیں۔ رہی بوڑھی ہرنی، تو وہ اس کے آگے آگے چلی۔ جب رات ہوئی تو سب ہرنیاں باغ میں آ گئیں اور باغ کا ستیا ناس کر ڈالا۔ صبح سویرے اس نے سب ہرنیوں سے کہا ''اب تم سب یہاں سے چل دو!'' اس پر سب ہرنیاں وہاں سے چلی گئیں۔ اب یہ ہرن خوش باش ہو کر، باغ میں بیٹھا رہا۔

صبح مالی نے آ کر جو باغ گھوم پھر کر دیکھا تو سارا برباد ہوا پڑا ہے۔ البتہ ایک سونے کے سینگوں اور سونے کی جھانجھنیں پہنے ہرن دکھائی دیا، اس نے چاہا کہ ''یہ سونا اس ہرن سے اتارلوں اور کے بعد جا کر بادشاہ کو اطلاع دوں۔،، مالی دوڑ کر بیوی کو بھی بُلا لایا۔ اسے دروازے پر کھڑا کر کے کہنے لگا: '' بانہیں پھیلا کر مضبوط ہو کر کھڑی رہ تو میں ہرن کو ادھر ہانکتا ہوں۔'' مالی کے ہنکانے پر ہرن نے دروازے کی طرف چھلانگ لگائی اور مالن کی ٹانگوں کے بیچ سے، بچ کر نکل گیا۔ مالن بیچاری گر گئی۔ مالی منہ بسورتا سیدھا ڈھول شہزادے کے پاس گیا اور اسے ساری بات کہہ سنائی۔

ڈھول شہزادہ گھوڑے پر سوار ہوا، نیزہ ہاتھ میں لیا اور روانہ ہوگیا ہرن کے پیچھے۔ گھوڑا دوڑا کر وہ فوراً اس کے قریب پہنچ گیا۔ ہرن نے قلانچیں بھرنی شروع کردیں اور شہزادے نے بھی گھوڑے کو لگائی ایڑھ۔ کافی راستہ یونہی گھنٹوں میں طے ہوگیا۔ پھر گھوڑا بالآخر تھک گیا۔ شہزادہ بھی اکتا گیا تھا لیکن ہرن تھا کہ نزدیک آنے ہی نہ دیتا تھا۔ آخر ڈھول شہزادے نے سوچا کہ: '' خدا جانے کتنی دور نکل آیا ہوں۔ اب گھر واپسی کا راستہ ملے گا بھی یا یونہی بھٹک کر مرجاؤں گا!'' پس اس نے کاندھے سے کمان اتاری اور ایسا تیر چلایا کہ جا کر ہرن کی ٹانگ میں لگا۔ ہرن کھڑا کا کھڑا رہ گیا اور ڈھول شہزادے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا: '' اندھے شہزادے! باقی صرف ایک منزل کا فاصلہ تھا۔ پھر میں تمہیں لے جا کر تمہاری منگیتر کا منہ دکھاتا!''

ڈھول شہزادہ پوری بات سمجھ گیا۔ یکدم گھوڑے سے اُترا، اپنا پٹکا پھاڑا، اور ہرن کے زخم پر باندھ دیا، وہ بہت ہی پچھتایا اور ہرن سے معافی مانگنے لگا۔ پھر ہرن سے کہا: ''تو صرف راستہ دکھاتا چل، میں تجھے گھوڑے پر لے چلتا ہوں۔'' لیکن ہرن بولا: '' تم فکر نہ کرو۔ اب بھی تمہارا یہ گھوڑا مجھ تک پہنچ نہ سکے گا!''

آخر دونوں چلتے چلتے اس ملک میں پہنچے۔ ہرن نے دیکھا کہ اس کی مالکن نے اس باغ کی دیوار کو دس ہاتھ مزید اونچا کرادیا ہے اور اس کے اوپر لوہے کی سنخس بھی لگوادی ہیں۔ ہرن نے ڈھول شہزادے سے کہا: ''یار! اگر تم نے ٹانگ زخمی نہ کی ہوتی تو یہ پار کرنا کچھ بات ہی نہ تھی مگر اب بس اللہ پر توکل ہے۔'' یہ کہہ کر زور سے چھلانگ لگائی لیکن پچھلی ٹانگ ساتھ نہ دے سکی، وہ سیخ میں ٹنگا رہ گیا اور وہیں ختم ہوگیا۔

ملوک زادی نے جو ہرن کو ٹنگا ہوا دیکھا تو دوڑی آئی۔ پھر جب دیکھا کہ اس کی پچھلی ٹانگ زخمی ہے تو اسے بہت افسوس ہوا بولی: ''ناحق میں نے یہ سنخس لگوائیں، خیر اب جو ہونا تھا ہو چکا۔'' پھر ہرن کو وہاں سے اُتروایا اور اس کے اوپر چھجا بنوادیا۔

ڈھول شہزادہ جب اپنے سسر کے پاس پہنچا تو اس نے اس کی تلوار دیکھی جس پر دونوں دوستوں کا وعدہ لکھا ہوا تھا۔ تلوار دیکھنے کے بعد ڈھول شہزادے کی شادی ملوک زادی کے ساتھ کر دی۔

ڈھول شہزادہ شادی کے شوق میں اتنا مشغول ہو گیا کہ ماں باپ کو بھی بھلا بیٹھا۔ ایک رات خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ اس کے ماں باپ بھیک مانگتے پھر رہے ہیں۔ وہ چونک گیا اور کلمہ پڑھتا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بیوی نے پوچھا: ''کیا ہوا؟ خیر تو ہے؟'' شہزادے نے خواب کی بات اسے بتادی۔ صبح ہوئی تو ڈھول شہزادے نے اپنے وطن واپس لوٹنے کی اجازت مانگی۔ سسر نے خوشی سے اجازت دے دی۔

ڈھول شہزادہ جانے کے لئے تیار ہوا تو بیوی بھی اس کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوگئی۔ ڈھول شہزادے نے اسے بہتیرا کہا کہ راستے میں تکلیف کا سامنا ہوگا لیکن وہ نہ مانی۔ بہن کو جاتا دیکھ کر ڈھول شہزادے کے سالے نے بھی ساتھ جانے کی تیاری کر لی اور لاکھ سمجھانے پر بھی نہ مانا کہنے لگا: ''میں آٹھ دن بھی پیاس برداشت کر سکتا ہوں، لہٰذا میں ضرور ساتھ جاؤں گا!''

خیر سے تینوں اجازت لے کر روانہ ہوئے۔ ابھی دو ایک پہر کا سفر طے کیا ہوگا کہ ڈھول شہزادے کے سالے کو پیاس نے ستایا۔ ڈھول شہزادے نے ہنستے ہوئے کہا: ''تم نے تو آٹھ دن تک پیاس برداشت کرنے کا کہا تھا؟ اب تو جان تیرا کام!'' پر ملوک زادی کے خون نے جوش مارا، کہنے لگی: ''کسی بھی طرح میرے بھائی کو بچاؤ۔''

ڈھول شہزادے نے انہیں وہیں چھوڑا، اور خود پانی تلاش کرنے نکلا۔ ایک جگہ دیکھا کہ ایک ہری بھری بیری ہے۔ اسے خیال آیا کہ یہاں پانی ضرور ہوگا۔ وہ آگے بڑھا، دیکھا تو ایک پانی کا تالاب ہے۔ پانی کی مشک بھر کر جب وہ بیری کے نیچے پہنچا تو سوچا کیوں نہ یہ ہرے بھرے بیر بھی چن لوں۔ وہ وہیں بیر کی ٹھنڈی چھاؤں تلے بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی اسے نیند کی گھمیر آ گئی اور وہ وہیں سو رہا۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ وہاں ایک زہریلا سانپ رہتا تھا اس نے ڈھول شہزادے کے منہ میں زہر اگلا اور اسے مار ڈالا۔

جب ڈھول شہزادے کے سالے اور ملوک زادی نے دیکھا کہ شہزادہ واپس نہیں پلٹا تو وہ اس کے پیروں کے نشانات پر چلتے تالاب پر آ پہنچے۔ ڈھول شہزادے کا سالا تو ٹوٹ پڑا پانی پر اور ملوک زادی اپنے شوہر کو اٹھانے میں لگ گئی۔ اسے تو ایسی گہری نیند نے آلیا تھا بھلا وہ کیسے اٹھتا؟ وہ بیچاری زار و قطار دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ ڈھول

شہزادے کے سالے نے تو بہن کی طرف دیکھا تک نہیں، بس پانی پیتے ہی گھر کی طرف منہ کر کے بھاگ کھڑا ہوا۔ ملوک زادی بیچاری ایک تو اکیلی، دوسرے شوہر کا دکھ! پریشان ہوگئی۔ اتنے میں دو جوگی اس تالاب پر آئے۔ پانی پی کر جب وہ چھاؤں میں بیٹھنے کے لئے بیری کر طرف آئے تو ملوک زادی کو دیکھ کر حیرت مین پڑ گئے۔ ان کے پوچھنے پر ملوک زادی نے انہیں سارا قصہ کہہ سنایا۔ جوگیوں نے ڈھول شہزادے کو دیکھا تو سمجھ گئے کہ اسے ناگ کے زہر نے مارا ہے۔ انہوں نے یکدم 'من' کے زور پر اس کے اندر سے زہر کھینچ لیا۔ اب شہزادے نے بھی کروٹ لی اور ذرا رک کر، کلمہ پڑھتا اٹھ بیٹھا۔

جب ملوک زادی نے اسے سارا قصہ بتایا تو اس نے جوگیوں کو بہت سارا انعام دیا اور اللہ کا شکر ادا کرتا، ملوک زادی کو ساتھ لے کر آگے روانہ ہوا۔

کچھ دن کے بعد بالآخر اپنے ملک آ پہنچا۔ ڈھول شہزادے نے دل میں سوچا کہ: ''سال ہوگئے ہیں۔ ملک کی خدا جانے کیا حالت ہوچکی ہوگی۔ لہٰذا فی الحال پتہ کرنا چاہئے۔ پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔'' یہ سوچ کر وہ شہر کے باہر ہی ٹھہر گیا۔ ڈھول شہزادے نے ملوک زادی کو ایک جگہ چھپادیا اور خود شہر میں داخل ہوا۔ اسے ایک آدمی ملا تو اس نے پوچھا: ''اس بادشاہی کا بادشاہ کون ہے؟ اور وہ کس مزاج کا ہے؟'' تو اس شخص نے بتایا کہ: '' بھائی، کیا بتاؤں۔ تم شاید کوئی پردیسی ہو۔ ورنہ ہر شخص جانتا ہے کہ یہاں ایک انصاف پرور بادشاہ رہتا تھا۔ اچانک اس کا بیٹا ڈھول شہزادہ شکار کرتے ہوئے گم ہوگیا۔ بادشاہ نے اسے بہت تلاش کرایا پر وہ نہ مل سکا۔ آخر اس کے غم میں رو رو کر بادشاہ اندھا ہوگیا۔ پھر وزیر نے بادشاہت چھین لی اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ اس نے بادشاہ اور اس کی رانی کو بھی محل سے باہر نکال دیا۔ بادشاہ تو خدا جانے کہاں جا پڑا، البتہ اس کی رانی بیچاری بھیک مانگتی پھرتی ہے۔ تین دن پہلے جو برسات ہوئی تو مینہ سے بچنے کے لئے ایک دیوار تلے بیٹھی تھی کہ اچانک وہ دیوار اس پر آگری اور وہ مرگئی۔ اس ظالم بادشاہ کو جب خبر ملی تو اس نے حکم دیا کہ: ''بیلوں کا جوڑا ہنکا دو اور زمین جوتنے کا آلہ رانی کے منہ میں ڈال کر کھلیان میں پھینک دو۔'' پس ایسا ہی کیا گیا، اب نہیں معلوم اس کی لاش کہاں گئی!'' ڈھول شہزادے نے اس شخص سے پوچھا: ''اگر ڈھول شہزادہ واپس آجائے تو؟'' اس نے جواب دیا: ''تیرے منہ میں گلاب! مگر اب وہ آئے گا کہاں سے! اگر آجائے تو ساری رعایا اس وزیر کو لعنتیاں دے دے کر، قتل کر ڈالے گی۔''

اگلے دن ڈھول شہزادے نے شہر کی بوڑھی عورتوں کو خرچی دے کر کہا کہ وہ شہر کے ہر گھر میں یہ اطلاع خفیہ طور پر دے دیں کہ: ''ڈھول شہزادہ آ گیا ہے اور کل شام شہر میں آئے گا۔'' اس طرح یہ بات گھر گھر مشہور ہوگئی۔ صبح کے وقت جو شخص جہاں سے نکلا لٹھ، ڈنڈا، لوہے کے سرے والی لکڑی، چھڑی، کلہاڑی، ہاتھ میں لیے نکلا۔ آخر شام ہوتے ہوتے ساری خلقت شہر کے دروازے پر جمع ہوگئی۔ انہوں نے ظالم وزیر کو قتل کر ڈالا اور ڈھول شہزادے کو تخت نشین کر دیا۔ اگلے دن ایک دائی نے آ کر شہزادے کو بتایا کہ:

''تمہارا باپ میرے پاس چھپا ہوا ہے۔ آج جب وہ ظالم خبیث وزیر مر چکا ہے، تو میں یہ بات ظاہر کر رہی ہوں۔'' ڈھول شہزادے نے باپ کو بُلوایا اور گلے لگ کر بہت رویا اور اس دائی کا گھر سونے سے بھر دیا۔

☆

شہزور بادشاہ

اگلے وقتوں کی بات کرتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا جو بہادری میں اپنی مثال آپ تھا۔ ایسا دوسرا شاذ و نادر ہی ہوگا۔ اس کا نام شہزور تھا۔ وہ روزانہ کیا کرتا کہ صبح سویرے اٹھتا، تیر کمان اٹھاتا اور اپنی بیوی کے پاس جاتا، اس سے کہتا کہ: ''تم اپنی نتھ کو ناک پر سیدھی کر کے پکڑو تا کہ میں اس کے بیچ سے تیر گزاروں!'' پھر کمان کھینچ کر تیر اس نتھ کے اندر سے گزارتا اور رانی کی ناک کو ذرا بھی گزند نہ پہنچتی۔ پھر بیوی سے پوچھتا کہ: ''کیوں؟ دنیا میں مجھ جیسا کوئی پہلوان ہوگا؟'' بیوی کہتی: ''نہیں۔'' رانی بیچاری اسی غم میں گھلتی جارہی تھی کہ: ''کہیں اس تیر سے مر ہی نہ جاؤں، ایک روز اس کی ماں اس کے پاس آئی اور پوچھنے لگی: ''کیوں بیٹی! روز بروز گھلتی جارہی ہو؟'' رانی نے کہا: ''اماں! میرا شوہر روزانہ میری نتھ سے تیر گزارتا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ کسی دن اگر تیر مجھے لگ گیا تو مر ہی جاؤں گی۔ بس اسی فکر میں گھل رہی ہوں۔'' اس پر ماں نے کہا: ''اب جب وہ تیر چلائے اور تجھ سے پوچھے کہ 'مجھ جیسا کوئی دوسرا شہزور ہے؟'' تو تم کہنا کہ: ''کمال کی تو کوئی حد ہی نہیں، پھر وہ خود ہی کہے گا کہ میں جارہا ہوں حد کمال دیکھنے۔ اس طرح تم اس روز روز کی موت سے بچ جاؤ گی۔''

دوسرے دن دستور کے مطابق تیر چلانے کے بعد جب شہزور نے رانی سے پوچھا کہ: ''مجھ جیسا کوئی دوسرا پہلوان ہے؟'' تو رانی بولی: ''کمال کی تو کوئی حد ہے ہی نہیں!'' اس پر شہزور کو غصہ آ گیا اور بولا: ''اگر ایسا ہے تو میں جارہا ہوں کمال کی حد دیکھنے۔'' بیوی اور والدین نے اسے بہتیرا روکا لیکن اس نے کسی کی ایک نہ سنی۔ تیار ہوا اور اٹھ کر روانہ ہوگیا۔

شہزور بادشاہ کو چلتے چلتے رات ایک بیابان میں ہوئی۔ اس رات وہ وہیں ٹھہرا۔ اگلے دن وہ اٹھا اور پھر سے چل کھڑا ہوا۔ ابھی بمشکل کچھ دور ہی چلا ہوگا کہ دیکھا ایک نوجوان شخص آسمان پر دیکھ رہا ہے اور اِدھر اُدھر دوڑ رہا ہے۔ اتنے میں اوپر سے ایک کونج آ کر گری جو اس نے دوڑ کر اٹھالی۔ شہزور بادشاہ نوجوان کی یہ بہادری دیکھ کر تعجب میں پڑ گیا اور اس کے پاس جا کر بولا: ''دوست! تجھ جیسا پہلوان تو دنیا میں مشکل سے ہوگا۔'' اس پر اس کونج مار شخص نے کہا: ''یار! بہادر تو ہے شہزور بادشاہ جس سے میں نے غائبانہ طور

پر دوستی کر لی ہے!'' اس پر شہزور بادشاہ نے کہا: ''وہ تو میں ہوں۔'' اس پر کونج مار شخص نے اسے لپٹا لیا اور کہا: ''اگر وہ تم ہو تو پھر اب جہاں تم وہاں میں۔'' تب شہزور نے کہا: ''اگر ایسا ہے تو پھر چلو۔ جیسی تمہاری مرضی۔'' پھر دونوں دوست ساتھ ساتھ آگے چل دیے۔

ابھی کچھ ہی آگے گئے تھے کہ ایک چرواہا جس کے کاندھے پر ببول کا درخت ہے، پیٹھ پر بندھی جھولی میں بکریوں کا ریوڑ ہے اور ہاتھوں میں پٹ سن کے گولے ہیں۔ وہ بڑے مزے سے چلا آرہا ہے۔ جب وہ ان کے نزدیک پہنچا تو شہزور بادشاہ نے کہا: ''میاں! تجھ جیسا پہلوان تو دنیا میں مشکل سے ہی ملے گا۔'' اس پر چرواہے نے جواب دیا: ''بھائی! پہلوان تو شہزور بادشاہ ہے۔ جس کی شہرت سن کر اسی کی طرف جارہا ہوں۔'' تب شہزور نے کہا: ''وہ تو میں ہوں۔'' یہ سن کر چرواہے نے کہا: ''بھائی! اگر وہ تم ہی ہو تو پھر میں بھی تمہارے سنگ، جہاں تم وہاں ہم!'' اس طرح تینوں یار ساتھ ساتھ آگے چل دیے۔

کچھ راستہ طے کیا ہوگا کہ انہوں نے ایک عجیب واقعہ دیکھا۔ دیکھا کہ ایک نوجوان ہے جو سو گز گہرے کنوئیں میں پھاوڑا چلا کر تلے کی مٹی ہاتھوں میں بھر کر جلدی جلدی باہر پھینک رہا ہے۔ شہزور کو بہت عجیب لگا اور کہنے لگا: ''دوست تُو تو بڑا بہادر دکھائی دیتا ہے!'' اس پر اس نوجوان نے جواب دیا: ''بھائی! بہادر تو ہے شہزور بادشاہ جن کی میں نے غائبانہ دوستی قبول کی ہے۔'' اس پر اسے بھی بتایا: ''وہ شہزور بادشاہ میں ہی ہوں۔'' اس پر اس نوجوان نے بھی جواباً کہا: ''اگر وہ بادشاہ تم ہو تو پھر میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔'' پھر یہ چاروں ساتھ ساتھ آگے روانہ ہوئے۔

آگے چل کر انہیں ایک پہاڑی میں پناہ لینی پڑی۔ وہاں ایک لوہار رہتا تھا۔ اس کا نام تھا ''ٹکرٹا کو لوہار'' یہ لوہار دو پہاڑیوں کے بیچ میں بیٹھا ایک تلوار تیار کررہا تھا۔ لیکن اس پر پہاڑیاں بھی حملہ آور تھیں، لوہار انہیں ٹھوکوں سے پرے دھکیلے جاتا اور تلوار بھی تیار کیے جارہا تھا۔ یہ واقعہ دیکھ کر شہزور بادشاہ اور اس کے ساتھیوں کو بڑا تعجب ہوا۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر اس کے نزدیک پہنچ کر سلام کیا اور شہزور بادشاہ بولا: ''بیلی! تیرا جیسا پہلوان تو مشکل سے ہی ملے گا۔'' اس پر ٹکرٹا کو لوہار نے کہا: ''بھائی! پہلوان تو ہے شہزور بادشاہ! جو روزانہ اپنی رانی کی نتھ کے اندر سے تیر گزارتا ہے اور میں اسی کے لیے یہ تلوار تیار کررہا ہوں۔'' یہ سن کر شہزور بادشاہ بہت خوش ہوا اور کہنے لگا: ''تو بیشک پہلوان ہے۔ تجھے اچھے والدین نے جنم دیا ہے۔ وہ شہزور بادشاہ جس کی تو تعریف کررہا ہے، وہ میں ہی ہوں۔

اب یہ امانت جو تُو نے میرے لیے تیار کی ہے، مجھے دے دے۔'' لوہار نے فوراً تلوار اٹھا کر شہزور کے حوالے کی اور خود بھی اس کے ساتھ سفر کے لیے تیار ہوگیا۔

اب پانچوں دوست ساتھ ہولیے۔ چلتے چلتے تھوڑی دور پر انہیں ایک دوسرا عجیب منظر دکھائی دیا۔ دیکھا کہ ایک نوجوان پانچے چڑھا رہا ہے۔ اس سے پوچھا: ''تم کیا کررہے ہو؟'' بولا: ''میں ہاتھوں سے ہرن پکڑتا ہوں۔ ابھی ابھی میں نے کچھ ہرن تاڑے ہیں۔'' یہ کہہ کر اچانک وہ دوڑ گیا۔ اور تھوڑی ہی دیر بعد دیکھا کہ وہ دو ہرن پکڑے آغوش میں لیے چلا آرہا ہے۔ ہرن دیکھ کر شہزور بہت خوش ہوا۔ پھر اسے بھی وہی حقیقت سنائی اور اس کو بھی اپنے ساتھ لے چلا۔

چلتے چلتے، راستے طے کرتے ایک جگہ انہیں رات ہوگئی۔ سب کو بھوک بھی بہت لگی تھی۔ شہزور بادشاہ نے کہا: ''اب تم میں کوئی جائے اور کسی نزدیکی بستی سے انگارے لے آئے تاکہ کھانے کا کوئی بندوبست کریں۔'' ویسے تو ہر کوئی اپنے فن میں قابل اور پہلوان تھا لیکن پہلے کونج مار ساتھی کو انگارے لینے بھیجا۔ جب وہ جوان اس بستی میں پہنچا تو دیکھا کہ انگاروں کا الاؤ دہک رہا ہے اور ایک بوڑھا فقیر وہاں بیٹھا ہے۔ کونج مار ساتھی آتے کے ساتھ ہی ہاتھوں سے انگارے اٹھانے لگا۔ تب اس پیر مرد نے کہا: ''بیٹا یہ چمٹا پڑا ہے اس سے انگارے اٹھاؤ!'' کونج مار جوان نے سوچا کہ بوڑھا ٹھیک کہہ رہا ہے لہٰذا مڑ کر چمٹا اٹھانے لگا۔ فقیر نے فوراً گردن میں ہاتھ ڈال اسے گھٹنوں تلے دبالیا۔

جب کونج مار جوان واپس نہ پلٹا تو انہوں نے سمجھا کہ اس نے دوستی نہیں نبھائی اور سنگت چھوڑ کر بھاگ گیا۔ لہٰذا چرواہے کو انگارے لینے بھیجا۔ لیکن وہ بھی واپس نہ لوٹا۔ اس کے بعد دوسرے والے ساتھی کو بھیجا۔ اس کے ساتھ بھی فقیر نے وہی حالت کی۔ اس کے تھوڑی دیر بعد لوہار گیا لیکن وہ بھی واپس نہ لوٹا۔ جب لوہار بھی واپس نہ لوٹا تو شہزور بادشاہ سمجھ گیا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ سو، ہرن والے ساتھی کو وہیں بٹھا کر خود انگارے لینے روانہ ہوگیا۔ شہزور بادشاہ جب وہاں پہنچا تو فقیر کو وہاں بیٹھا دیکھا۔ شہزور بادشاہ سمجھ گیا کہ یہ کھیل اسی فقیر کا رچایا ہوا ہے۔ چنانچہ جاتے ہی بغیر کچھ بولے چالے پیٹھ موڑے انگارے اٹھانے لگا۔ فقیر نے دوسروں کی طرح اسے بھی کہا: ''بیٹا! اس طرح ہاتھ جل جائیں گے۔ یہ چمٹا اٹھاؤ۔ اس سے انگارے اٹھالو۔'' شہزور ایک تو بادشاہ دوسرے پہلوان، تیسرے اسے خدا نے عقل بھی کافی دی تھی سو ٹیڑھی آنکھ سے فقیر کو بھی جانچنے لگا اور دوسری طرف ہاتھ بڑھا کر چمٹا بھی اٹھانے لگا۔ فقیر بھی ہاتھ کی صفائی دکھانے کو تیار تھا۔

پس جیسے ہی ہاتھ بڑھا کر شہزور کو پکڑنے لگا اس نے بڑی پھرتی سے اٹھتے ہوئے زناٹے کا ایسا تھپڑ دیا کہ فقیر ساٹھ قدم دور جاگرا، اور شہزور کے سب ساتھی ایک ایک کر کے فقیر کے گھٹنوں تلے سے نکل کر شہزور کے پاس آ کر جمع ہوگئے۔ فقیر جب ہوش میں آیا تو سیدھا آ کر شہزور کے قدموں پر گرا، اور بولا: ”تو نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا کہ تو شہزور ہے۔ میں تو غائبانہ طور پر تمہارا دوست ہوں۔ اگر یہ مجھے بتادیتے کہ ہم شہزور کے ساتھی ہیں تو میں ان کے بال تک کا نام نہ لیتا۔ لیکن اب مجھے معاف کردو، اور مجھے اپنا دوست سمجھو۔ میں ابھی پکانے کھانے کا سامان لے آتا ہوں، پھر پکا کر تم بھی کھاؤ اور مجھے بھی کھلاؤ۔“

یہ فقیر دیوؤں کا سردار تھا جو شہزور کی تلاش میں انسانوں کی صورت میں فقیر بن کر یہاں آ بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کے پاس جو مشک کی ڈبیا تھی اسے کھولی تو بھانت بھانت کے دیو آ کر اکھٹے ہوگئے اور پلک جھپکنے میں جانے کہاں سے چاولوں کی بوریاں اور گھی، مرچ مصالحہ، اور دوسرا کھانے کا سامان لاکر جمع کردیا۔ شہزور نے بھی ایسا ایسا لذیذ کھانا تیار کیا کہ وہ دیوؤں کا سردار جو کئی دن کا بھوکا تھا اس نے خوب جی بھر کر سیر ہو کر کھایا۔ اس رات وہ وہیں رہے اور دوسرے دن صبح اس فقیر کو ساتھ لے کر، شہزور بادشاہ ساتھیوں سمیت اٹھ کر روانہ ہوگیا۔

چلتے چلتے ایک نئے شہر میں آ نکلے۔ اس روز اتفاق سے اس شہر کے بادشاہ کا بیٹا مر گیا تھا۔ لیکن اس کی لاش کو جو بھی کاندھا دیے قبرستان تک گئے واپس نہ پلٹے۔ لیکن لاش تھی کہ ہر بار واپس پلٹ آتی تھی۔ لہٰذا بادشاہ کا حکم تھا کہ جو بھی باہری آدمی آئے، لاش اس سے اٹھوا کر قبرستان پہنچوادی جائے۔ سو یہ ساتوں دوست فقیر سمیت، سورج غروب کے وقت جیسے ہی اس شہر میں پہنچے تو بادشاہ کے آدمیوں نے انہیں پکڑ لیا، لے جا کر بادشاہ کے سامنے پیش کردیا۔ جس نے انہیں فوراً لاش تھمادی اور قبرستان کی طرف ان کے کاندھوں پر روانہ کردی۔ جب شہزور بادشاہ اور اس کے ساتھی وہاں پہنچے تو وہاں انہیں رات ہوگئی۔ شہزور بادشاہ اور اس کے دوسرے ساتھی تو سو گئے البتہ پہلے پہر لوہار پہرہ دینے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ایک جوگی آیا جس نے آتے ہی مرلی بجانی شروع کردی۔ مرلی کی آواز پر لاش کے منہ میں جھاگ آگئے اور آہستہ آہستہ اس کے بدن سے ایک کالا ناگ نکلا جو مرلی کی تان پر ناچنے لگا اور شہزادہ کلمہ پڑھتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ لوہار نے یہ سارا منظر دیکھا، اس نے موقع پا کر تلوار چلائی اور ناگ کو مار ڈالا۔ پھر گڑھا کھودا اور ناگ کو اس میں دفن کردیا۔ پھر اپنا پہلا پہر پورا کر کے ہرن والے ساتھی کو اٹھایا اور خود آرام سے سوگیا۔

ہرن والے ساتھی کو پہرہ دیتے ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ تین پریاں اتر آئیں اور ایک چوپڑ سیدھی کر کے بیٹھیں اور کھیلنا شروع کر دیا۔ ہرن والے ساتھی نے موقع پا کر ایک ہی وار سے تینوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ پھر اس نے چوپڑ اٹھا کر جیب میں رکھی پھر اپنا پہرہ پورا کر کے فقیر یعنی دیووں کے سردار کو اٹھا دیا اور خود سو گیا۔

فقیر کو پہرہ دیتے ابھی کچھ وقت ہی گزرا تھا کہ دیکھا کوئی شے ہے جو قبرستان میں کھڑی شور کر رہی ہے۔ قریب جا کر دیکھا تو ایک ڈائن ہے جو کسی تازہ مرے ہوئے شخص کا دل نکال کر کھا رہی ہے اور چیخ رہی ہے۔ فقیر نے چھپتے چھپاتے اس پر ایسا وار کیا کہ ڈائن کا سانس، نہ تم نے دیکھا نہ میں نے دیکھا، جیسے تھا ہی نہیں! آخر فقیر بھی اپنے پہرے کا وقت پورا کر کے شہزور کو جگا کر خود سو گیا۔

شہزور بادشاہ کو بھی ابھی گھڑی بھر مشکل ہی سے گزری ہوگی کہ سارے قبرستان سے چلانے کی آوازیں آنے لگیں۔ شہزور بادشاہ نے فوراً تلوار ہاتھ میں اٹھائی اور ان آوازوں کی طرف چل دیا۔ جب نزدیک پہنچا تو دیکھا کہ چھوٹے بچوں کا ہجوم لگا ہے، سب چیخ پکار کر رہے ہیں شہزور نے لڑکوں سے پوچھا: ''تمہارے ساتھ کیا مصیبت درپیش ہے جو چلّا رہے ہو؟'' تو لڑکوں نے کہا: ''ابھی تھوڑی ہی دیر میں سات سروں والا راکھشس آئے گا پھر جسے ہم میں موٹا تازہ دیکھے گا اسے کھا جائے گا۔ خدا کے لیے ہماری جان بچاؤ!'' اتنے میں سات سروں والا راکھشس بھی آ پہنچا۔ شہزور بادشاہ ایک طرف ہو کر کھڑا ہو گیا اور ایک ہی وار سے اس راکھشس کے ساتوں سر گرا کر اسے مار ڈالا۔ اس کے کان اور پونچھ کاٹے، اپنے پاس رکھے اور جا کر سو گیا۔

آخر صبح ہوئی۔ شہزور بادشاہ اور اس کے ساتھی بادشاہ کے بیٹے کو صحیح سلامت لیے واپس پلٹے۔ جب بادشاہ کے پاس پہنچے تو بادشاہ سے کہا: ''اگر ہم آپ کا بیٹا بالکل بھلا چنگا کر کے آپ کو دیں تو ہمیں کیا انعام دو گے؟'' بادشاہ نے کہا: ''اگر تم میرا بیٹا مجھے بھلا چنگا کر کے دو گے تو میں تمہیں آدھا راج اور آدھا بھاگ دوں گا، اور اپنی بڑی بیٹی بھی تم سے بیاہ دوں گا۔'' سبھی نے یہ بات منظور کر لی اور شہزور بادشاہ کے مشورے سے اس شہزادے کا ہاتھ بادشاہ کے ہاتھ میں دیا اور بادشاہ کی شہزادی کونج والے پہلوان سے بیاہی، پھر شہزور بادشاہ نے اپنا خنجر نشانی کے طور پر اسے دیا، چرواہے کو اس کی خدمت کے لیے چھوڑا اور خود آگے روانہ ہوئے۔

چلتے چلتے انہیں رات ہوگئی۔ لیکن وہ چلتے چلتے بالآخر ایک دوسری بادشاہی میں پہنچے اور ایک جگہ ٹھہر گئے۔ فقیر کو حکم دیا کہ: ''تو کہیں سے سامان لے آتا کہ کھانا تیار کریں۔'' تھوڑی ہی دیر میں فقیر نے سامان لادیا اور ہرن والے ساتھی نے کھانا تیار کر دیا۔

اتفاق سے وہاں کوئی دوسرا راکھشس رہتا تھا۔ اس ملک کا بادشاہ اسے روزانہ ایک گاڑی بھر چاول، ایک موٹا تازہ بھینسا، ایک آدمی اور ایک حوض پانی دیتا تھا۔ اس لیے اس مصیبت سے بچنے کے لیے، بادشاہ نے ہر طرف اپنا فرمان پھرادیا تھا کہ: ''جو بھی اس بلا کو مارے گا اسے آدھا راج، آدھا بھاگ اور ساتھ ہی بڑی بیٹی بھی بیاہ دوں گا۔'' پس جب ہرن والے ساتھی نے کھانا تیار کر کے رکھا تو وہ راکھشس بلی پر چڑھ کر آیا اور ہرن والے کو باندھا، سارا کھانا کھا کر چل دیا۔ جب اس سے پوچھا: ''کھانا کہاں ہے؟'' تو ہرن والے نے کہا کہ: ''کھانا میں نے کھالیا ہے۔'' اس پر سب نے کہا: ''بھائی یہ اچھا کیا۔'' دوسری رات دوسرے کو بٹھایا۔ اس کے ساتھ بھی یہی گزری۔ اسی طرح بوڑھے فقیر تک سب کی یہی حالت ہوتی رہی۔ لیکن اصل بات کسی نے بھی نہ بتائی۔ آخری رات جب شہزور بادشاہ کی باری آئی تو وہ بھی کھانا تیار کر کے بیٹھ گیا۔ پھر کسی وقت ہر طرف گھنگھروؤں کا شور مچ گیا۔ شہزور بدحواس ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اتنے میں وہی راکھشس کھانے کے برتن سے ڈھکنا ہٹانے لگا۔ شہزور ایکدم چھلانگ لگا کر کھڑا ہوگا اور پکار کر پوچھا: ''کون ہے؟'' اس پر اس بلی سوار نے کہا: ''میں راکھشس ہوں۔ میرے ساتھ شور نہ کر۔ اگر اپنی خیر چاہتا ہے تو چپ کر کے بیٹھ جا۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی تجھ جیسا جوان میرے ہاتھوں مرے!'' شہزور بادشاہ نے کڑک کر کہا: ''لیکن میں تو چاہتا ہوں کہ تجھ جیسا منحوس میرے ہاتھوں مرے!'' یہ بات سن کر وہ راکھشس غصے سے آگ بگولا ہوگیا اور اٹھتے ہی شہزور پر وار کیا۔ لیکن شہزور تو پہلے ہی مانا ہوا پہلوان تھا اس نے اس کی کمر میں بازو ڈال کر ملھ کے دو چار داؤ جو آزمائے تو وہ چُور ہوکر زمین پر آ گرا، شہزور بھی چھلانگ لگا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور تلوار نکال کر مارنے ہی لگا تھا کہ راکھشس کہنے لگا: ''یار! تو نے مجھے دغا بازی سے داؤ کر کے گرایا ہے۔ یہ بات ٹھیک نہیں ہے!'' لیکن شہزور بادشاہ نے تلوار کے وار سے اسے فوراً ہی ہلاک کر دیا۔ پھر اس کے کان اور پونچھ کاٹے، سیدھے بادشاہ کے پاس پہنچ کر ثبوت کے طور پر پیش کیے۔ پھر اس سے آدھا راج آدھا بھاگ لیا اور ہرن والے کو دے دیا۔ بادشاہ کی بیٹی بھی اسی سے بیاہ دی۔ کنوئیں والے

ساتھی کو اس کی خدمت کے لیے مقرر کیا اور آگے روانہ ہونے لگا۔ چلتے وقت ہرن والے کو ایک چاقو نشانی کے طور پر دیا اور کہا: ''اگر یہ چاقو کٹ جائے تو سمجھنا میری خیر نہیں۔''

چلتے چلتے انہیں ایک بیلے میں رات ہوگئی۔ رات گزارنے کے لیے مجبوراً، انہیں وہیں رہنا پڑا۔ اس بیلے میں ایک آفت رہتی تھی۔ جس کے خوف سے شیر، شیر خدا کے بھی بیلا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اس بیلے میں ایک شہمیر نامی ڈاکو بھی رہتا تھا۔ جس نے شہر سے ایک شہزادی اغوا کر کے اس بیلے میں رکھی ہوئی تھی۔ اس رہزن کے پاس کچھ بھینسیں اور ایک کتا بھی تھا۔ جن کے ذریعے وہ خود کو اس آفت سے بچائے بیٹھا تھا۔ جب شہزور بادشاہ اور اس کے ساتھی لوہار اور فقیر بیلے میں چلنے لگے تو انہیں یہ جگہ دکھائی دی جس میں وہ رانی رہتی تھی۔ اس وقت وہ ڈاکو بھینس چرانے جنگل کو گیا ہوا تھا اور رانی اکیلی اس گھر میں بیٹھی تھی۔ یہ سیدھے اس گھر میں گھس گئے اور اس عورت سے بولے: ''ہم مسافر ہیں اور بہت بھوک لگی ہے۔ اگر ہمیں کھانا کھلاؤ گی تو تمہیں ثواب ملے گا۔'' رانی نے انہیں کھانا اس شرط پر کھلایا کہ کھانا جھولی میں لے کر کھاتے چلے جاؤ اور بھاگتے جاؤ۔ اس لیے کہ اس شہمیر بدمعاش کے پاس جو کتا ہے وہ بارہ میل کے اندر کسی بھی مسافر کو جیتا نہیں چھوڑتا۔''

شہزادہ تو کافی عقلمند تھا وہ فوراً یہ راز سمجھ گیا کہ ضرور بدمعاش اس شہزادی کو کہیں سے زبردستی اٹھا لایا ہے اور یہ معصوم زبردستی اپنی جوانی درد میں جلا رہی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد شہزادی نے کھانا تیار کر کے انہیں دیا اور انہیں بھاگنے کے لیے ہوشیار کیا۔ شہزور بادشاہ کھانا لیے ایک دو میل چلا، اپنے ساتھیوں کو بلا کر صلاح کی کہ: ''اس شہزادی کو اس آزار سے رہائی دلانے کے بعد آگے چلیں گے۔'' یہ صلاح کر کے سبھی ایک ساتھ ایک درخت پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔

سورج غروب ہونے کے بعد شہمیر بدمعاش بھی مال لیے گھر کو لوٹا۔ کتے نے آتے ہی جو اجنبی لوگوں کے پاؤں دیکھے تو پیر سونگھتے ہوئے اسی طرف رخ کیا جدھر شہزور بادشاہ گیا تھا۔ شہمیر ڈاکو نے بھی یہ رنگ دیکھا تو گُرز اٹھائے کتے کے پیچھے چلنے لگا۔ چلتے وقت رانی پر بھی ناراض ہوا کہ اجنبی لوگوں کو گھر میں کیوں گھسنے دیا۔

خیر قصہ کوتاہ، کتا پیر سونگھتا وہاں آ پہنچا جہاں شہزور بادشاہ اور اس کے ساتھی درخت پر چڑھے بیٹھے تھے۔ کتے نے آتے ہی درخت پر چھلانگ لگانی شروع کر دی لیکن درخت پر چڑھ نہ سکا اور وہیں نیچے بیٹھ کر ہانپنے لگا۔ شہزور بادشاہ کے ساتھیوں کے تو خون

خشک ہو چکے تھے البتہ شہزور بادشاہ چوکنا ہوکر سب رنگ جانچ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اب کتا ہانپنے لگا ہے لیکن تھکان دور ہوتے ہی پھر سے شروع ہوجائے گا۔ ابھی اسی سوچ میں تھا کہ اچانک اس کی نظر شہمیر پر پڑی جو دور سے گرز اٹھائے چلا آرہا تھا۔ اس نے سوچا یہ ضرور ہمیں مار دے گا۔ پس اس نے کیا کیا کہ ابھی شہمیر بمشکل درخت کے نیچے پہنچا ہی تھا کہ اس کے اوپر اپنی سامان کی گٹھڑی پھینک دی۔ گٹھڑی کے گرنے سے کتا سمجھا کہ اوپر سے کوئی آدمی گرا ہے۔ پس وہ چھلانگ لگا کر گٹھڑی پر چڑھ گیا اور شہمیر کی آنت اوجھڑیاں نکال ڈالیں۔ شہمیر بیچارہ وہیں تڑپ کر مرگیا اور کتا واپس وہیں جا کر بیٹھ گیا۔ شہمیر بادشاہ کی مرضی تو یہ تھی کہ یہ بدمعاش مرے تو موقع پاکر چھلانگ لگا کر نیچے اترے اور شہمیر والا گرز اٹھا کر کتے کو جو دے کر مارے تو کتا بس وہیں ڈھیر ہو کر رہ جائے۔

اس وقت رات ہوچکی تھی اس لیے یہ درخت پر ہی بیٹھے رہے۔ ابھی تھوڑی رات ہی گزری تھی کہ ایک بلی جیسی آفت اس درخت کے نیچے آنکلی اور انہیں درخت پر بیٹھے دیکھ کر وہ آفت درخت پر چڑھنے لگی۔ شہزور بادشاہ نے جب آفت کو درخت پر چڑھتے دیکھا تو جھپ کر گرز کا وار کیا۔ لیکن گرز کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ صرف اتنا ہوا کہ اوپر چڑھنے سے رک کر کھڑی ہوگئی۔ آفت جب مزید اوپر نہ چڑھ سکی تو اس درخت کی جڑیں کھودنی شروع کیں۔ قدرت سے، جب جڑیں پوری کھود ڈالیں اور باقی ایک جڑ رہ گئی تو جیسے ہی زور دے کر نکالنے لگی تو درخت بھی زوردار انداز میں اس آفت کے اوپر گرا، اور وہ آفت وہیں اس درخت تلے دب کر مرگئی۔ اس رات تو وہ تینوں بیچارے اس درخت کی اوٹ میں چھپے بیٹھے رہے۔ لیکن صبح جب انہوں نے دیکھا کہ آفت اس درخت کے تلے مری پڑی ہے تو بہت خوش ہوئے۔ پھر شہزور بادشاہ نے اس کے کان پونچھ کاٹ کر ساتھ لیے اور تینوں دوست ایک ساتھ، شہزادی کی طرف چل دیے۔

تھوڑی ہی دیر میں یہ تینوں اس شہمیر والی شہزادی کے پاس پہنچ گئے اور شہزور بادشاہ نے اسے کتے شہمیر اور آفت کے مرنے کا سارا قصہ سنایا اور یہ بھی بتایا کہ: ''میرا نام شہزور بادشاہ ہے!'' رانی نے انہیں بتایا کہ: ''میں بھی ایک ولایت کے بادشاہ کی بیٹی ہوں۔ لیکن بدقسمتی سے اس شہمیر بدمعاش نے مجھے لاکر یہاں جھنگ میں پھینک دیا۔ لیکن پھر بھی خدا کا شکر ہے کہ تمہاری مدد نے مجھے اس ڈاکو کی مصیبت سے چھڑادیا ہے۔''

شہزور بادشاہ نے اسی وقت اپنے ساتھیوں کو تیار کیا اور خود بھی تیار ہوا، شہزادی کو ساتھ لیا اور اس ولایت میں پہنچا اور وہاں کے بادشاہ کے حوالے اس کی بیٹی کو کیا اور باقی

سب حقیقت بھی بتادی۔ پھر اپنی بہادری کے ثبوت کے طور پر آفت کی کٹی ہوئی پونچھ اور کان دکھائے۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور تمام محل میں عالیشان جشن کیا۔ اس خوشی کے موقع پر وہ شہزادی بھی شہزور بادشاہ کو عطا کردی۔ جس نے اس شہزادی کو اپنے دوست لوہار سے بیاہ دیا۔ پھر لوہار کو وہاں چھوڑا، فقیر کو ساتھ لیا اور آگے روانہ ہوا۔

یہ دونوں دوست چلتے گئے۔ صحرا پہاڑ طے کرتے ایک ایسے بیابان میں جا نکلے جہاں کسی انسان کی تو بو ہی نہ تھی۔ اس بیابان کے ساتھ ہی ایک شہر تھا جس کے چاروں طرف قلعہ تھا۔ اس قلعہ کا سومن وزنی ایک دروازہ تھا جو سورج غروب ہونے کے بعد بند ہوجاتا تھا اور پھر صبح کھلتا تھا۔ شہزور بادشاہ نے فقیر کو باہر کھڑا کیا اور خود جب اس شہر میں داخل ہوا تو دیکھتا کیا ہے کہ حلوائیوں کی دوکانیں تازہ مٹھائیوں سے بھری پڑی ہیں۔ کپڑوں کی دوکانیں کپڑوں سے بھری پڑی ہیں۔ میووں کی دوکانیں تازہ میووں سے بھری ہوئی ہیں لیکن سارے شہر میں کوئی آدمی موجود نہیں۔ اسے بہت عجیب لگا لیکن وہ آگے بڑھتا گیا۔ تھوڑا اور آگے بڑھا تو ایک عالیشان محل نظر آیا۔ وہ بسم اللہ کر کے محل میں داخل ہوگیا۔ دیکھتا کیا ہے کہ ایک حسین عورت گہری نیند میں سوئی پڑی ہے۔ وہ خاموشی سے ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ اچانک ہی اس کی نظر کھڑکی پر ابھرے ایک منتر پر پڑی۔ اصل بات یہ تھی کہ یہ منتر پڑھ کر ایک دیو اس رانی کو نیند میں سلا جاتا تھا۔ جب شہزور بادشاہ نے یہ منتر پڑھ کر رانی پر پھونکا تو رانی فوراً اٹھ بیٹھی۔ پہلے تو ناراض ہوئی کہ: ''کون ہو تم، اور یہاں کیوں آئے ہو؟'' لیکن پھر اپنے جیسے انسان کو سامنے کھڑے دیکھ کر یکدم نرم پڑ گئی، دوسرے شہزور بادشاہ کے حسن نے بھی اس کے دل پر اثر کیا چنانچہ ذرا ہی دیر میں وہ دونوں گھل مل گئے اور ایک دوسرے سے اپنا اپنا احوال سنانے لگے۔ کچھ دیر بعد رانی نے شہزور بادشاہ سے کہا: ''اب دیو کے آنے کا وقت ہوگیا ہے۔ اس لیے تم کہیں چھپ جاؤ!'' پر شہزور بادشاہ نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا: ''تم ڈرو نہیں۔ اللہ بہتر کرے گا۔ تم بس دیو کو آلینے دو۔'' پھر وہ بیٹھ کر آپس میں پیار محبت کی باتیں کرنے لگے۔ آخر جب دیو کے آنے کا شور ہوا تو رانی نے شہزور بادشاہ کو ایک پیٹی میں چھپادیا۔

جب دیو آیا تو رانی کو اٹھایا۔ ادھر ادھر دیکھنے لگا اور بولا: ''آدم بو، آدم بو!'' شہزادی بیچاری پہلے تو دکھی ہوگئی پھر بولی: ''یہاں تو میں ہی ایک آدم زاد ہوں۔ مجھے ہی کھا لو۔ باقی دوسرا تو یہاں کوئی ہے ہی نہیں۔'' اس پر دیو دانت نکال کر ہنسنے لگا پھر آ کر شہزادی سے پیار بھری باتیں کرنے لگا۔ رانی بھی شہزور بادشاہ کے کہنے کے مطابق بے دلی سے ناز

نخرے کرنے لگی اور بولی: ''ساری عمر مجھ پر بھروسہ کیا پر آج مجھ پر شک کر کے بے عزت کر دیا ہے۔'' اس پر دیو شرمسار ہو کر رانی سے معافی مانگنے لگا۔ مگر رانی مکر کر کے رونے لگی۔ پھر جب دیو نے اسے پرچانے کے لیے آ کر آغوش میں لیا تو کہنے لگی: ''اس سنسان جگہ تیرے سوا میرا اور کون ہے؟ رشتے ناطے سب گئے۔ باقی میں ہوں یہاں اکیلی۔ خدا خیر کرے تم بھی ہر روز باہر چلے جاتے ہو۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اگر کوئی تمہیں مار ڈالے تو پھر میں تو یہاں در بدر ہو جاؤں گی۔''

کہتے ہیں مرد جو جبل کی چوٹی پر بھی جا چڑھے تو بھی ایک عورت انگلی کے اشارے سے اتار سکتی ہے۔ لیکن اگر عورت کی جنس پتھر پر چڑھ بیٹھے تو مرد کتنی ہی کوشش کرے لیکن عورت کو اتار نہیں سکتا۔ چنانچہ بیوقوف راکھشس بھی رانی کی اوپری دل سے کی گئی بات پر مفتون ہو گیا اور سمجھا کہ: ''اب رانی مجھ سے سچ مچ پیار کرتی ہے۔'' اس لیے کہنے لگا: ''جانی! تو دل جائی کر۔ مجھے مارنا کوئی آسان نہیں۔ اس لیے کہ میری جان یہاں سے سو میل پرے الہندی طرف ایک غار ہے جس کے اوپر سو من کی سل رکھی ہے۔ اس غار میں ایک پنجرہ ہے جس میں ایک طوطا بیٹھا ہے۔ اس طوطے میں میری جان ہے۔ جب تک وہ طوطا نہ مرے گا تب تک میں بھی نہیں مروں گا۔ لیکن اگر کوئی مجھے مارے بھی تو میرا بھی قول ہے کہ اس کو اسی کے خون میں ڈبو کر ماروں گا۔ مجھے صرف شہزور بادشاہ ہی مار سکتا ہے باقی اور کسی کے بس کی بات نہیں۔'' شہزادی یہ باتیں سن کر بہت خوش ہوئی اور شہزور بادشاہ کا نام سن کر تو اور بھی خوش ہوئی۔ لیکن پھر بھی ظاہری طور پر دیو کو لپٹنے اور چومنے اور چاٹنے لگی اور بولی: ''میرے محبوب! اب مجھ کو یقین ہو گیا کہ تم مجھے دل سے چاہتے ہو۔''

خیر قصہ کوتاہ، صبح ہونے پر راکھشس تو روزانہ کی طرح چلا گیا پھر شہزادی نے شہزور بادشاہ کو پیٹی سے نکالا اور رات والی ساری حقیقت بتا دی۔ شہزور بادشاہ ساری بات سنتے ہی غار کی طرف جانے کو تیار ہو گیا۔ جاتے وقت اس نے شہزادی کو ایک انگوٹھی نشانی کے طور پر دی اور کہا: ''اگر کہیں یہ انگوٹھی کالی پڑ جائے تو سمجھنا کہ شہزور مر چکا ہے۔''

شہزادی کو الوداع کہہ کر شہزور بادشاہ نے غار کا رخ کیا اور چلتے چلتے، منزلیں طے کرتے آخر اس غار تک پہنچ گیا۔ پہلوان تو پہلے ہی تھا پس خدا کو یاد کر کے سو من کی سل کو اٹھا کر جو پھینکا تو سل سو قدم پر جا کر گری۔ پھر اندر ہاتھ ڈال کر پنجرے کو یکدم کھینچ کر باہر نکال لیا اور پنجرہ اٹھائے واپس رانی کی طرف رخ کیا۔

ادھر دیو کو جو خبر ہوئی کہ اس کی جان کسی کی مٹھی میں آ گئی ہے تو وہ تیزی سے آیا۔ شہزور بادشاہ بھی آ کر رانی کے پاس پہنچا۔ وہاں پہنچتے ہی طوطے کو نکالا اور اس کی ایک ٹانگ توڑ دی۔ راکھشس کی بھی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ پھر بھی دیو ایک ٹانگ پر، اسے مارنے کے لیے چلتا آیا۔ اب شہزور بادشاہ نے طوطے کی دوسری ٹانگ بھی توڑ ڈالی۔ دیو اب پیٹ کے بل گھسٹتا اس کے قریب آنے لگا۔ اب شہزور بادشاہ نے طوطے کا پہلے ایک بازو پھر دوسرا پھر آخر میں گردن مروڑ کر فرش پر پھینکا۔ دیو بھی ڈھیر ہو گیا اور وہیں گر پڑا۔ پر اس کا خون چاروں طرف فوارہ کی طرح بہنے لگا۔ اب شہزور بادشاہ اور شہزادی دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے۔ تین دن بعد جب دیو کا خون سوکھ گیا تو یہ دروازہ کھول کر باہر نکلے۔ شہزور نے فوراً فقیر کو اپنے پاس بلایا۔ جب فقیر شہزور کے پاس پہنچا تو اس نے اسے محل پر پہرہ دینے کے لیے چھوڑا۔ لیکن فقیر جو، اصل میں دیو تھا اس کی چھ ماہ کی نیند کا وقت آ گیا تھا لہٰذا شہزور بادشاہ سے اجازت لے کر بے سدھ ہو کر سو گیا۔ سوتے وقت اس نے شہزور سے کہا: ''اگر کبھی کوئی مشکل آ پڑے اور میری مدد کی ضرورت ہو تو یہ لوہے کے دو گولے میری ناک میں ڈال کر ٹھوکنا تو میں جاگ جاؤں گا۔ اس لیے کہ پھر میرا سانس آ جائے گا۔ لیکن جس وقت میں اٹھوں اس وقت میرے منہ سے دور رہنا کیونکہ اٹھتے ہی مجھے چھینک آئے گی جس کی وجہ سے یہ گولے زور سے ناک سے نکلیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ تم میں سے کسی کو لگ جائیں اور وہ مر جائے۔''

قصہ کوتاہ، فقیر تو سو گیا۔ باقی رانی اور شہزور بادشاہ اپنے محل میں مزے سے دن گزارنے لگے۔ قدرت سے، اس شہر کے ساتھ بھی ایک شہر تھا اور وہاں کا بادشاہ پہلے ہی اس شہزادی پر عاشق تھا۔ لیکن جب اس شہزادی کو دیو اٹھا کر لے گیا تو یہ مجبوراً خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ لیکن جب سے اسے یہ خبر ملی کہ اب اس دیو کو کسی راہگیر شخص نے مار کر رانی کو اپنے قبضے میں کر لیا ہے تو اسے پھر سے رانی کو حاصل کرنے کا خیال آیا۔ آخر بہت سوچ بچار کے بعد اس نے ایک کٹنی رانی کی طرف بھیجی تا کہ وہ جا کر رانی کو حاصل کر لائے۔

وہ کٹنی بھی کوئی بڑی استاد تھی۔ سو اس نے آتے ہی باتوں ہی باتوں میں رانی کو اپنا بنا لیا اور وہیں رانی کے پاس رہ کر نوکری کرنے لگی۔ کچھ دن بعد، کٹنی نے رانی سے کہا: ''تم اپنے شوہر شہزور سے پوچھو کہ اس کی جان کس میں ہے۔'' اس پر رانی ہنس کر بولی: ''جان ہوگی پیٹ میں، اور بھلا کس میں ہوگی؟'' اس پر کٹنی نے کہا: ''پاگل! تجھے خبر نہیں، پہلوانوں کی جان ہمیشہ کسی دوسری شے میں ہوتی ہے۔ اگر تیرا شوہر تجھے دل سے

چاہتا ہوگا تو یہ بات تجھ سے کبھی نہ چھپائے گا۔'' کہتے ہیں کہ عورت کی نسل، سو یکدم اس نے کٹنی پر اعتبار کرلیا۔

جب رات ہوئی تو رانی کالے کپڑے پہن کر، اوندھی کھاٹ کیے سو رہی۔ شہزور نے جب رانی کو اس حالت میں دیکھا تو پوچھا: ''آخر بات کیا ہے؟ جو یکدم اپنا ایسا حال کرلیا ہے؟'' اس پر رانی نے روتے ہوئے کہا: ''اگر تم مجھے چاہتے ہو تو مجھے بتاؤ تمہاری جان کس میں ہے؟'' شہزور بادشاہ سمجھ گیا کہ یہ عقل اسے ضرور کسی دشمن نے دی ہے۔ سو رانی سے پوچھا: ''یہ عقل تمہیں کس نے دی ہے؟'' رانی نے بتایا کہ: ''بوڑھی نوکرانی نے۔'' اس پر شہزور کٹنی کی ساری چالاکی سمجھ گیا لیکن شہزادی کو دلاسہ دیتے ہوئے بولا: ''میری پیاری رانی! اگر میری محبت سچی ہے تو کوئی بھی ہمارا بال بیکا نہیں کرسکتا۔ لیکن میری یہ نصیحت یاد رکھنا کہ اس بڑھیا سے پرے رہو، رہی میری جان تو وہ اس تلوار میں ہے۔''

شہزادی نے یہ بات کسی طرح کٹنی کو بتادی جس نے اس دن سے اُپلے چُننا شروع کردیے۔ اور دو چار دن میں ایک کوٹھری اُپلوں سے بھردی۔ آخر ایک رات شہزور کو سوتا دیکھ کر اس کی تلوار اٹھالی اور اس اپلوں والی کوٹھری میں آگ لگادی پھر تلوار کو اس کے اندر اچھال دیا۔ پس شہزور جیسے سو رہا تھا ویسے ہی سوتا رہ گیا، پھر نہ اٹھ سکا۔ فقیر تو پہلے ہی چھ ماہ کی نیند میں سویا پڑا تھا۔ سو اس کٹنی نے زبردستی رانی کو عذاب میں مبتلا کردیا۔ اور اس طرح اسے لے جاکر دوسرے بادشاہ کے حوالے کردیا۔

بادشاہ رانی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور کٹنی کو بہت سا انعام و اکرام دے کر خوش کردیا اور روانہ کیا۔ پھر رانی سے آکر کہا کہ: ''شادی کے لیے فوراً تیار ہوجاؤ۔'' اس پر رانی نے اس سے کہا: ''ہمارے ہاں جس کا شوہر مر جاتا ہے وہ بارہ مہینے عدت میں بیٹھتی ہے۔ تم اور نہیں تو کم از کم چھ مہینے مجھے چھوڑ دو۔ پھر میں تم سے شادی کرلوں گی۔'' بادشاہ نے سوچا کہ: ''اب اس کا کون حمایتی ہے جو آکر اسے چھڑائے گا۔'' لہٰذا خوشی سے اسے چھ مہینے کی مہلت دے دی۔

دوسری طرف کونج والے ساتھی کو بھی اپنے ساتھیوں سے بچھڑے بارہ مہینے ہوچکے تھے دوسرے اس نے دیکھا کہ اس کے یار کی دی ہوئی نشانی بھی کالی پڑ چکی ہے۔ وہ ڈر گیا اور اٹھ کر ان کی تلاش میں نکلا۔ چلتے چلتے بالآخر ہرن والے ساتھی تک پہنچا۔ اپنے ساتھی کو اس حال میں آتا دیکھ کر پہلے تو وہ الجھن میں پڑ گیا لیکن پھر آؤ بھگت کر کے، اسے بٹھایا اور حال احوال پوچھنے لگا۔ کونج والے نے بتایا کہ: ''شہزور کا یہ نشانی کے

طور پر دیا ہوا خنجر کالا دیکھ کر میں سمجھا کہ وہ کسی مصیبت میں ہے۔ سو اُس کی مدد کو نکلا ہوں۔ باقی سب خیر۔'' اس پر ہرن والے ساتھی نے بھی دوڑ کر شہزور بادشاہ کے دیے ہوئے چاقو کو پیٹی سے نکال کر دیکھا، تو وہ بھی کالا ہو چکا تھا۔ پھر تو دونوں دوست اٹھ کر بھاگے۔ چلتے چلتے لوہار کے پاس پہنچے۔ لوہار انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا لیکن جب انہوں نے اسے حقیقت بتادی تو وہ بھی فکر میں پڑ گیا۔ اس نے اندر جا کر دیکھا کہ انگوٹھی جو شہزور نے دی تھی وہ بھی کالی پڑ چکی ہے پھر تو رونگٹے کھڑے ہوگئے اور اسی وقت تینوں دوست نکل کھڑے ہوئے سفر کو!

چلتے چلتے آخر وہاں آپہنچے جہاں شہزور اور فقیر سو رہے تھے۔ انہوں نے شہزور کو اٹھانے کی کوشش کی لیکن جب وہ نہ اٹھا تو لوہار کو کچھ شک ہوا اور وہ فوراً پیٹیاں کھول کر شہزور کی تلوار تلاش کرنے لگا۔ جب وہ نہ ملی تو اپنے ساتھیوں سے کہا کہ: ''پہلے کسی بھی طرح تلوار تلاش کرو۔'' پھر تو سب تلوار کی تلاش میں لگ گئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک کوٹھری ساری اُپلوں کی راکھ سے بھری ہوئی ہے۔ اس نے فوراً اس میں گھس کر ہاتھوں سے ڈھونڈنا شروع کیا یہاں تک کہ تلوار ہاتھ آ گئی۔ پھر وہ اسے صاف کرنے بیٹھ گیا۔ تلوار کا جب ایک پاسہ صاف ہوگیا تو شہزور نے کروٹ لی، پھر جب تلوار دوسری طرف سے بھی صاف ہوگئی تو وہ یکدم کلمہ پڑھتا اٹھ بیٹھا اور اپنے ساتھیوں کو وہاں دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ پھر وہ چھلانگ مار کر اٹھا اور ان سے گلے ملنے لگا۔ پھر اپنی ساری بپتا ساتھیوں کو بتائی۔ اس پر لوہار نے کہا: ''تم نے تو بیوقوفوں جیسا کام کیا کہ یہ راز رانی کو بتادیا۔ لیکن خیر! اب اس فقیر کو اٹھاؤ تاکہ رانی کو تلاش کریں۔'' شہزور نے ان سے کہا: ''یہ لوہے کے دونوں گولے اس کی ناک میں ٹھونک دو!'' پھر انہوں نے وہ دو گولے فقیر کی ناک میں ٹھونک دیے۔ وہ یکدم چھلانگ لگا کر اٹھ بیٹھا، پھر جو چھینک لی تو گولے اس کی ناک سے آواز کے ساتھ باہر نکلے اور سامنے والی دیوار کو چیرتے ہوئے باہر جا گرے۔ فقیر نے ان سے کچی نیند سے اٹھانے کا سبب پوچھا۔ شہزور بادشاہ نے اسے ساری حقیقت بتادی اور کہا کہ: ''اب رانی کی تلاش کا بندوبست کرو۔'' پھر تو فقیر اسی وقت اٹھ کر رانی کی تلاش میں روانہ ہوا۔

چلتے چلتے فقیر آخرکار اسی ملک میں پہنچ گیا جہاں رانی قید تھی۔ پھر ہاتھ میں ایک کشکول لیا اور در در خیرات مانگتا رانی کے محل کے دروازے پر آ کھڑا ہوا۔ جب وہاں خیرات مانگنے کے لیے صدا لگائی تو رانی نے اسے پہچان لیا اور آ کر پوچھا: ''تم یہاں کیسے آئے؟'' فقیر نے کہا: ''میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ لیکن اب تم ایسی ترکیب کرو کہ بادشاہ

سے کہو کہ تم سے شادی کرے۔ پھر شادی کے دن جب بادشاہ کی تمام عزیزیں وغیرہ آ کر محل میں جمع ہو جائیں گی تو میں محل کو سر پر اٹھاؤں گا اور سیدھا لے جا کر شہزور بادشاہ کے پاس پہنچا دوں گا۔" رانی کو یہ بات بہت پسند آئی۔ وہ فقیر سے بات طے کر کے سیدھی گئی بادشاہ کے پاس۔

رانی نے بادشاہ سے آ کر کہا: "اب میں تم سے شادی کے لیے تیار ہوں!" بادشاہ کی اللہ نے سنی، وہ فوراً اٹھ کر تیاری میں لگ گیا اور سارے شہر میں جشن کا حکم دیا۔ آخر شادی کی رات بادشاہ کی عزیزیں اور وہ کٹنی سب آ کر بادشاہ کے سجے سجائے محل میں اکٹھی ہو گئیں۔ فقیر نے ہم کہا نہ تم، یکدم محل کو سر پر اٹھا لیا اور گھڑیوں میں شہزور بادشاہ کے سامنے محل لا کر رکھا۔ جب بادشاہ نے سنا کہ اس کا محل اور سب عزیزیں سب غائب ہیں تو اوپر سے ایسا نیچے گرا کہ پھر نہ اٹھا۔

شہزور بادشاہ اپنی رانی کو صحیح سلامت اپنے پاس دیکھ کر بہت خوش ہوا اور دوڑ کر ایک دوسرے کو گلے لگا لیا۔ کٹنی کو اسی وقت اس دیو کے ساتھ بیاہ کر روانہ کیا اور کٹنی کے ساتھ آئے اس سارے لشکر کو بھی فقیر کے حوالے کر کے خود واپس لوٹا۔

شہزور بادشاہ راستے میں اپنی رانی کو ساتھ لیے، دوسرے ساتھیوں کو ان کی بادشاہیوں میں چھوڑتا واپس اپنے وطن آ پہنچا۔ اس کی پہلی رانی تو اس کی جدائی میں بہت عرصہ گزرا، مر چکی تھی۔ البتہ اس کے ماں باپ اپنے بیٹے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ پھر تو ملک میں ہر طرف جشن اور خوشیاں منائی جانے لگیں، خیر خیرات ہونے لگی۔ شہزور بادشاہ اور شہزادی باقی عمر سکھ اور سکون کے ساتھ، مزے خوشی میں بے فکر ہو کر گزارنے لگے۔

☆

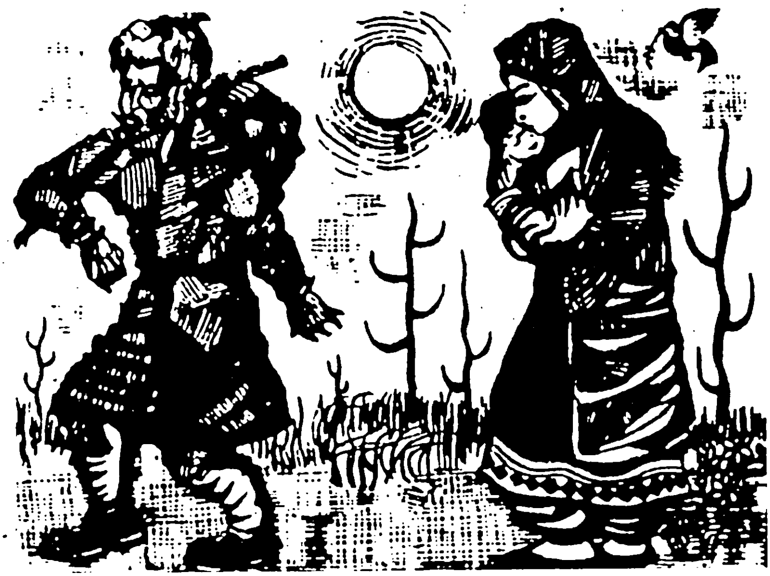

لال ملوک بادشاہ

ایک گوٹھ میں ایک غریب شخص رہتا تھا۔ ایک سال ملک میں قحط پڑا۔ سب لوگ کسی دوسرے آباد ملک کی طرف بھاگ گئے۔ تب اس غریب شخص نے بھی وہاں جانے کا ارادہ کیا اور گھر سے اپنی بیوی اور بیٹے سمیت تیار ہوکر روانہ ہوا۔ راستے میں اسے بھوک لگی۔ غریب شخص نے دل میں خیال کیا کہ:

''اناج کا تو دانہ بھی نہیں۔ کیوں نہ لڑکے کو کاٹ کر کھالوں اور چلنے کے لائق ہو جاؤں۔''

اس نے یہ بات اپنی بیوی سے کی۔ اس نے پہلے تو منع کیا، لیکن کہتے ہیں کہ بھوک حواس کھودیتی ہے اور جیخ دیوانہ کردیتی ہے۔ اس لیے بیوی نے بھی حامی بھری۔ غریب شخص نے لڑکے کو لیا اور دور ایک جگہ پہنچا۔ لڑکے کو سلا کر کاٹنے ہی والا تھا کہ اتنے میں نزدیک پڑے ایک مرے ہوئے ہرن پر نظر پڑی۔ جسے کسی شیر نے مار کر ادھ کھایا چھوڑ دیا تھا اور بقیہ آدھا وہیں پڑا رہ گیا تھا۔ اس نے لڑکے کو چھوڑ دیا اور اس ہرن کو

اٹھانے چلا۔ واپس آ کر دیکھا تو لڑکا وہاں تھا ہی نہیں! وہ سمجھا کہ اسے وہی شیر اٹھا لے گیا ہوگا، جس نے ہرن کو مار کر وہاں چھوڑ دیا تھا۔ پھر اس نے کیا کیا کہ ہرن کی کھال اُتاری، کچھ گوشت پکا کر خود کھایا اور کچھ بیوی کے پاس لے آیا۔ بیچاری بیوی اسے دیکھ کر بولی:

''ہائے افسوس! یہ میرے بچے کا گوشت ہے؟ میں نہیں کھاؤں گی۔''

غریب شخص نے جواب دیا:

''یہ گوشت لڑکے کا نہیں ہے۔''

اس پر بیوی نے پوچھا:

''پھر کس کا گوشت ہے؟ اور میرا بچہ کہاں ہے؟''

غریب شخص نے کہا:

''دور پہاڑی کی اوٹ میں بچے کو سلا کر کاٹنے ہی والا تھا کہ پاس ہی مرا ہوا ہرن دیکھا۔ لڑکے کو وہاں چھوڑ کر اسے اٹھانے گیا تو اسی دوران لڑکے کو کوئی شیر اٹھا لے گیا اور میں اس ہرن کا گوشت یہاں لے آیا۔''

بیوی نے وہ گوشت پکا کر کھایا اور اپنے شوہر سے کہا:

''مجھے لے جا کر وہ جگہ دکھاؤ۔ ضرور اس پہاڑی میں کہیں ادھر ادھر شیر کا غار ہوگا۔''

دونوں ساتھ ساتھ وہاں پہنچے۔ تلاش کرتے کرتے انہوں نے شیر کا غار دیکھا، لیکن لڑکا نہ ملا۔ لڑکے کی پیٹھ کے نشانات تو تھے اور ساتھ ہی شیر کے پنجوں کے نشانات بھی، جن سے یقین ہوگیا کہ شیر لڑکے کو گھسیٹ کر اندر لے گیا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ دونوں کوئی راہ نہ پا کر، نا امید ہوکر چل دیے ور بولے: ''اب جو نصیب لڑکے کا۔'' بیوی اور میاں نے سمجھا کہ شیر نے لڑکے کو کھالیا ہوگا، لہٰذا نا امید ہوکر روانہ ہوگئے۔

اس غار میں ایک شیرنی اپنے بچوں کے ساتھ رہتی تھی۔ وہ اس لڑکے کو بھی دودھ پلانے لگی، جس کی وجہ سے شیرنی کے ننھے بچے بھی اس کے ساتھ رل مِل گئے۔ تھوڑے بہت دن بعد جب شیرنی کے یہ بچے اور لڑکا بڑے ہوگئے تو غار سے باہر نکل کر شکار کرنے جانے لگے۔ وہ بادشاہ کے بکریوں کے ریوڑ پر دھاوا بولتے اور روزانہ وہاں سے بکریاں شکار کر لاتے۔ کچھ دن بعد جب بادشاہ کو خبر ہوئی کہ شیر کے بچے رات کو باڑھ

میں بکریوں کو مار کر اٹھا لے جاتے ہیں تو بادشاہ نے باڑھ کے چاروں طرف ایک بڑا لوہے کا حصار بنوادیا۔ باڑھ کا اوپری حصہ کیونکہ کھلا ہوا تھا، اس لیے شیر کے بچے اور لڑکا چھلانگ لگا کر اس حصار کو پھلانگ جاتے اور ہر روز بکریاں لے جاتے۔ بادشاہ نے سوچا کہ لوہے کے حصار کے باوجود بھی بکریوں کا بچاؤ نہ ہوسکا۔ پس اس نے کیا کیا کہ حصار کے چاروں طرف گہری کھائی کھدوادی۔ رات کو شیر کے بچے تو کھائی پھلانگ گئے، لیکن لڑکا پھلانگ نہ سکا۔ وہ کھائی میں گر گیا اور باہر نہ نکل سکا۔ صبح بادشاہ کے آدمی آئے تو دیکھا کہ کھائی کے اندر ایک لڑکا پڑا ہے، جو شیر کی طرح غرا رہا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر وہ سب ڈر گئے اور بولے: ''یہ انسان کا بچہ شیر کی طرح کیوں دھاڑ رہا ہے؟'' انہوں نے یہ حقیقت بادشاہ کو جا کر بتائی۔ بادشاہ نے کہا:

> ''ایک ڈھول، کپڑے اور رسیاں لے جاؤ، ڈھول بجا کر اس آدمی کے بچے کو ڈراؤ۔ اس پر وہ کھائی سے نکلنے کے لیے اچھل کود کرے گا، چھلانگیں لگائے گا۔ پھر جب چھلانگیں لگاتے لگاتے بے حال ہوکر گر جائے تو کپڑوں سے ڈھانک کر، رسیوں سے باندھ کر، قابو کر کے لے آؤ۔''

نوکروں نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی۔ اس کو باندھ کر سنبھال کر بادشاہ کے پاس لے آئے۔ بادشاہ نے اسے ایک کوٹھری میں بند کرا کے تالا لگوادیا۔ اس کوٹھری میں

ایک کھڑکی تھی، جہاں سے اس کو کھانا پانی دے دیتے۔ اس طرح کچھ دن کے بعد، لوگوں کی باتیں سن سن کر وہ بھی بولنا سیکھ گیا اور ایک روز ان لوگوں سے کہنے لگا:

''دوست! مجھے کپڑے دو کہ میں پہنوں۔ میں بچپن میں جنگل میں رہتا تھا۔ مجھے ایک شیرنی اٹھا کر لے گئی، اس کے بچوں کے ساتھ پرورش پائی اور جانوروں والے طور طریق سیکھا، لیکن میں تم جیسا ہی انسان ہوں۔''

اس پر شاہی نوکروں نے اسے کپڑے دے دیے۔ اسی شہر میں ایک سوداگر رہتا تھا۔ جس کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ جب اس نے اس لڑکے کی بابت سنا تو وہ بادشاہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''یہ لڑکا مجھے دے دو اس لیے کہ میرے ہاں کوئی اولاد نہیں ہے۔''

بادشاہ نے یہ لڑکا سوداگر کے حوالے کر دیا۔ وہ اسے اپنے گھر لے گیا اور دونوں میاں بیوی اسے بڑے لاڈ پیار سے پالنے لگے۔ اس کا نام 'لال ملوک' رکھا۔ پھر خاص نوکر چاکر رکھ دیے اور ایک بڑی جگہ اس کے رہنے کا بندوبست کر دیا۔ کچھ دن کے بعد سوداگر سے بیوی نے کہا: ''اب تم لڑکے کو لے آؤ تو میں بھی دیکھوں۔'' سوداگر اگلے دن لڑکے کو گھر لے آیا۔ پھر وہ وہیں گھر میں رہنے لگا۔ اسی طرح لال ملوک جوان ہو گیا۔ لال ملوک کی جوانی اور حسن کو دیکھ کر سوداگر کی بیوی کی اس پر نیت خراب ہو گئی اور اسے وہ بہت تنگ کرنے لگی۔ لال ملوک نے کہا:

''تم نے مجھے اپنا بیٹا بنا کر پالا ہے، اس رشتے سے تم میری ماں ہو۔ مجھ سے ایسا برا کام کبھی نہ ہوگا۔'' جب سوداگر کی بیوی تمام حیلے بہانے کر کے تھک گئی تو اسے دھمکاتے ہوئے بولی: ''بہتر یہی ہوگا کہ میرا کہا مان لو، ورنہ سوداگر سے کہہ کر تمہیں بدنام کر کے مروا دوں گی۔''

لال ملوک بولا: ''مجھے مروا دو گی تو بھلے مروا دو۔ میری نظر میں تو تم وہی میری ماں ہو۔'' سوداگر کی بیوی نے دیکھا کہ اس سے اور کچھ کہنا بے کار ہے۔ پس اس نے کیا کیا کہ جب سوداگر گھر آیا تو اپنا برا حال کر کے سوداگر سے بولی:

''تم نے گھر میں باگ پالا ہے۔ اس حیوان کو نمک کی قدر بھی نہیں۔ کتنے عرصے سے مجھ پر بدنظر لگائے بیٹھا ہے۔ اتنے دن میں نے تم سے کچھ نہیں کہا۔ اسے کتنا ہی سمجھایا، لیکن وہ نہیں سمجھتا۔ اسی لیے مجبوراً آج تمہیں بتا رہی ہوں۔''

سوداگر تھا سیانا، دل میں سوچا کہ اگر لڑکے کو نکال دیا، یا ماردیا تو ملک میں بدنام ہوجاؤں گا اور مجھ سے شکایت بھی ہوگی۔ لہٰذا کوئی ایسی ترکیب کروں کہ وہ خودبخود مرجائے اور میں آزار سے چُھوٹوں۔ یہ سوچ کر ایک دن لڑکے کو بلاکر کہا:

''بیٹا! مجھے پیٹ میں درد ہوگیا ہے، آج پتہ چلا ہے کہ شیرنی کا دودھ ملے تو اسے پینے سے درد ختم ہوجائے گا۔ اب تم کہیں سے بھی شیرنی کا دودھ لے کر آؤ۔''

سوداگر نے سوچا کہ شیرنی کا دودھ لانا بہت مشکل کام ہے، لہٰذا یہ لڑکا ڈر کر خود ہی بھاگ جائے گا یا اسے شیر ماردے گا۔ اس طرح ہم خواری سے بچ جائیں گے اور اس سے جان بھی چھوٹ جائے گی۔

لڑکے نے یہ بات سنی تو سوداگر سے بولا: ''مجھے ایک گھوڑا اور لوٹا دے دو۔'' سوداگر نے اسے گھوڑا اور لوٹا دے دیا اور وہ اسے لے کر روانہ ہوگیا۔

لال ملوک جس دن سے شیرنی کے بچوں سے جدا ہوا تھا، اس دن سے وہ اس لال ملوک کی جدائی اور فراق میں غمگین رہا کرتے تھے۔ جب لال ملوک گھوڑے پر چڑھا غار کے نزدیک پہنچا تو شیرنی کے بچوں نے دور ہی سے دیکھ کر ماں سے کہا: ''اماں! آج بھائی آرہا ہے۔'' شیرنی نے کہا: ''بچو! وہ بھلا کہاں سے آئے گا؟ تمہیں بھول ہوئی ہے۔ یہ کوئی اور ہوگا۔''

اتنے میں لال ملوک بھی آ پہنچا۔ اس نے ایک پتھر سے گھوڑا باندھا، بچوں نے دوڑ کر اس کو گلے لگایا اور ہنسنے لگے۔ پھر بڑی محبت سے اسے بٹھایا اور حال احوال پوچھا۔ لال ملوک نے ساری بات کہہ سنائی اور کہا: ''آج میں دودھ لینے آیا ہوں۔'' بچوں نے کہا کہ: ''بھائی، دودھ کونسی بڑی بات ہے۔ تمہیں اگر ہمارا سر بھی چاہئے تو حاضر ہے۔''

جب لال ملوک شیرنی کا دوددھ دوہ کر لوٹا بھر کر رخصت ہونے لگا تو بچے بولے کہ: ''ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں گے۔'' لال ملوک نے کہا: ''بھائی، چلو بیشک۔ لیکن جیسا میں کہوں ویسا ہی کرنا۔'' بچوں نے ایسا کرنے کی حامی بھرلی۔ لال ملوک نے کہا: ''میں گھوڑے پر سوار ہوکر چلوں گا اور تم پیچھے غراتے ہوئے چلو۔ لیکن جب شہر کے نزدیک پہنچیں گے تو ہم سبھی غراتے ہوئے چلیں گے۔'' آخر سب ایک ساتھ روانہ ہوئے۔ جب شہر کے نزدیک پہنچے تو شیرنی کے بچوں اور لڑکے نے ایک ساتھ دھاڑنا شروع کیا۔ لوگ ڈر گئے اور شیرنی کے بچوں کو دیکھ کر ڈر کے مارے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ لال ملوک شیرنی

کے بچوں سمیت شہر پہنچ چکا تھا اور بھاگتے ہوئے لوگوں کی دلداری کرتے ہوئے اس نے کہا: ''تم لوگ بالکل بھی نہ ڈرو، اور نہ بھاگو۔ تمہارا کوئی نام بھی نہ لے گا۔'' تب لوگوں کو تسلی ہوئی اور بھاگنا بند کیا۔ لال ملوک نے دودھ لاکر سوداگر کو دیا۔ یہ دیکھ کر سوداگر نے سوچا کہ لڑکا اس طریقے سے مرا ہی نہیں تو مجبوراً لال ملوک سے کہنے لگا: ''ہمیں تمہاری ضرورت نہیں۔ اب جہاں سے آئے ہو، خاموشی سے وہیں چلے جاؤ۔'' لال ملوک شیرنی کے بچوں سے بولا: ''اب بھلے ہی تم چلے جاؤ واپس۔'' وہ سب اجازت لے کر چل دیے۔ ان کے جانے کے بعد وہ خود بھی اس شہر کو چھوڑ کر ایک طرف روانہ ہوا۔

چلتے چلتے لال ملوک نے راستے میں دیکھا کہ ایک آدمی تیر کمان سے کونج مار رہا ہے۔ یہ دیکھ کر لال ملوک نے کہا: ''یار! تم نے تو انصاف کر دیا ہے کہ ایک ہی وار سے اتنی اونچی اور اتنی تیز اڑنے والی کونج ماردی ہے۔'' اس پر اس آدمی نے جواب دیا کہ: ''بھائی! یہ کون سی بڑی بات ہے۔ میں نے صرف ایک کونج ماری ہے، لیکن شاباش ہے لال ملوک کو، جو شیر کے بچوں کے ساتھ گھومتا ہے۔''

لال ملوک نے کہا: ''وہ تو میں ہی ہوں۔'' اس پر اس نے کہا کہ: ''اگر لال ملوک تم ہو تو پھر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔'' لال ملوک نے کہا: ''بھلے چلو۔'' دونوں آگے ساتھ چلے تو دیکھا کہ ایک آدمی نے دوڑ کر ہرن کو پکڑلیا۔ نزدیک جاکر انہوں نے کہا: ''تم تو کوئی بڑے افلاطون ہو کہ دوڑ کر ہرن کو پکڑلیا۔'' اس آدمی نے جواب دیا کہ: ''بھائی، یہ کونسی بڑی بات ہے۔ شاباش تو ہے لال ملوک کو، جو شیر کے بچوں کے ساتھ گھومتا ہے۔'' اس پر لال ملوک نے کہا: ''وہ تو میں ہی ہوں۔'' ہرن مار بولا: ''پھر تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔'' لال ملوک بولا: ''بھلے ساتھ چلو۔''

آخر تینوں روانہ ہوئے۔ آگے چل کر دیکھا کہ ایک بڑھئی ہے جو کہنی سے درخت چیر پھاڑ رہا ہے۔ اس پر لال ملوک نے کہا: ''تجھ جیسا جوان مرد ہے کوئی دوسرا! کہ کہنیوں سے درخت کاٹ رہا ہے۔'' بڑھئی نے کہا: ''بھائی، یہ کونسی بڑی بات ہے۔ شاباش تو ہے لال ملوک کو، جو شیر کے بچوں کے ساتھ گھومتا ہے۔'' لال ملوک بولا: ''وہ تو میں ہی ہوں۔'' تب بڑھئی نے کہا: ''تو پھر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔'' آخر چاروں ایک ساتھ وہاں سے روانہ ہوئے۔ آگے چل کر دیکھا کہ ایک دیو ہے جو ہاتھوں کے بل چلا جا رہا ہے۔ نزدیک جاکر انھوں نے پوچھا: ''اس طرح کیوں چل رہے ہو؟ اٹھ کر کیوں نہیں چلتے۔'' اس دیو نے کہا کہ: ''اگر کھڑا ہوکر چلوں تو میرا قدم ہے بڑا۔ ایک پیر یہاں تو

دوسرا پیر انتہائی حد سے بھی پرے چلا جاتا ہے۔ لیکن مجھے یہاں قریب ہی کام ہے۔ اس لیے اس طرح سے چل رہا ہوں۔'' لال ملوک نے کہا: ''تم تو بڑے حیرت انگیز جوانمرد ہو کہ قدم ہی اتنا بڑا رکھتے ہو۔'' دیو نے کہا: ''بھائی یہ کونسی بڑی بات ہے۔ شاباش تو لال ملوک کو ہے کہ شیر کے بچوں کے ساتھ گھومتا ہے۔'' لال ملوک بولا: ''وہ تو میں ہی ہوں۔'' اس پر دیو نے کہا: ''پھر تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔''

پھر یہ پانچوں یار اکٹھے آگے روانہ ہوئے۔ آگے چل کر ایک شہر نظر آیا، لیکن اس میں کوئی آدمی نہ تھا۔ اس شہر میں ایک آنکھ کا جن رہتا تھا۔ جو شہر کے تمام لوگوں کو کھا کر ختم کر چکا تھا۔ صرف ایک حسین لڑکی بچی تھی جسے اس نے اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔ وہ جن اس لڑکی کو دن میں اکیلی چھوڑ جاتا اور کہیں باہر نکل جاتا، پھر رات کو وہ واپس لوٹ آتا۔ آخر گھومتے پھرتے جب وہ اس گھر کے نزدیک پہنچے، جہاں وہ لڑکی رہتی تھی، تو لال ملوک لڑکی کے پاس گیا۔ لڑکی نے اسے دیکھا تو بولی: ''اے آدم زاد تو یہاں کیسے آ گیا؟ بھاگ جا، ورنہ ایک آنکھ کا جن تجھے دیکھ لے گا اور رائی جیسے دانے کر ڈالے گا۔''

لال ملوک نے اسے تسلی دی اور بولا: ''تو بالکل فکر نہ کر۔ صرف اتنا بتا کہ وہ جن کس وقت آتا ہے؟'' لڑکی بولی: ''وہ جن سورج غروب ہونے کے وقت آتا ہے۔'' سورج غروب ہوا تو ایک آنکھ کا جن بھی آ گیا اور انہیں دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا کہ: ''یہ

کون ہیں کہ اتنی ہمت ہے۔ میں تو شکار کی تلاش میں باہر گیا تھا، لیکن یہ تو گھر بیٹھے ہاتھ آ گئے۔" دل میں یہی بات سوچ کر اس نے چاہا کہ انہیں مار ڈالے۔ اتنے میں لال ملوک نے اپنے طویل قدم دوست دیو کو اشارہ کیا اور پلک جھپکنے میں لڑائی شروع ہوگئی۔ آخر لال ملوک کے دوست دیو نے اس جن کو پکڑ کر باندھا اور پنجے مار مار کر اسے ختم کر ڈالا۔ پھر ان سب نے مل کر اسے تیل کی جلتی کڑھائی میں ڈال دیا، جہاں وہ جل جل کر کوئلہ ہوگیا۔ پھر وہ سب دوست ایک ساتھ وہاں رہنے لگے۔ لال ملوک نے اس لڑکی کے ساتھ شادی کر لی۔

کچھ وقت گذرنے کے بعد وہ تمام دوست ایک ساتھ لال ملوک کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ: "وطن کی یاد آ رہی ہے۔ اب ہم رخصت لیں گے۔" لال ملوک نے انہیں گلے لگایا، ہاتھ میں ہاتھ دے کر سب کو اجازت دی اور ہر ایک دوست کو ایک ایک پھول دیا اور کہا: "مجھ پر جب کبھی کوئی آفت آئے گی تو یہ پھول کُملا جائے گا اور تم سمجھ لینا کہ میں کسی بڑی مصیبت میں ہوں اور پھر اگر یار ہو تو اس وقت آ کر میری خیر خبر لینا۔" بڑھئی نے لال ملوک کو خالی ہاتھوں سے ایک تلوار تیار کر کے دی، جس میں لال ملوک کا سانس رکھا تھا اور کہا کہ: "اس تلوار کو نہ آگ میں ڈالنا اور نہ پانی میں اور نہ ہی کسی دوسرے شخص کو دینا۔ جس وقت تک یہ سلامت رہے گی، تمہارے سر پر کوئی مصیبت نہ آئے گی۔" اس کے بعد یہ چاروں دوست اجازت لے کر روانہ ہوئے اور لال ملوک اپنی بیوی سمیت وہیں رہا۔

لال ملوک کی بیوی بہت خوبصورت تھی۔ اس کی جوتی پر سونے کی بھرت اور ہیروں کا جڑاؤ کام تھا۔ وہ ہر روز صبح دریا پر نہانے جاتی تھی۔ لال ملوک کے ہاں ایک کتا اور ایک بلی بھی پلے ہوئے تھے۔ ایک دفعہ جب اس کی بیوی نہانے کے لیے دریا پر گئی تو جیسے ہی جوتی پہننے لگی تو ان میں سے ایک جوتی دریا میں جا گری۔ اسے بہت تلاش کیا گیا، لیکن ہاتھ نہ آئی۔ (دراصل یہ جوتی کا اوپری جڑاؤ حصہ تھا) قضا سے یہ حصہ ایک مچھلی نگل گئی۔ وہ ایک مچھیرے کے جال میں پھنس گئی۔ اس نے یہ مچھلی بازار میں بیچنے کے لیے رکھی۔ جسے ایک ساہوکار نے خرید لیا۔ گھر جا کر اسے کٹوایا تو اندر سے جوتی کا یہ حصہ نکلا۔ ساہوکار کے بیٹے نے جب یہ حسین شے دیکھی تو سوچا: "جس لڑکی کی جوتی ہی ایسی ہے وہ خود تو نجانے کس قدر حسین ہوگی!" بس غائبانہ طور پر اس پر عاشق ہوگیا اور دل میں تہیہ کر لیا کہ اس لڑکی کو تلاش کروں گا اور اسی کے ساتھ شادی کروں گا، پھر وہاں سے اٹھ کر سیدھا باپ کے پاس پہنچا اور کہا: "ابا اگر میری شادی کرنی ہے تو اس جوتی والی لڑکی کے

ساتھ کرانا۔'' باپ کو بیٹے سے بہت محبت تھی اور اسے پیسے کی تو کوئی پرواہ ہی نہ تھی اور پیسے کے ذریعے کیا نہیں کیا جاسکتا! لہٰذا لڑکی کے بارے میں پوچھ گچھ کے لیے چاروں سمتوں میں آدمی اور کٹنیاں دوڑادیں اور کہا: ''کوشش کر کے اس لڑکی کو حاصل کرو۔ اگر نہیں تو بھی پوچھ گچھ کر کے پتہ نشان معلوم کرو کہ وہ کون ہے اور کہاں کی رہنے والی ہے۔ جو بھی خبر لائے گا، اسے میں بہت سا انعام دوں گا۔''

ایک کٹنی ملکوں مُلک گھومتی، دیہہ پار کرتی آخر ایک دن لڑکی والے شہر میں جا پہنچی۔ جہاں پوچھنے پر بالآخر لال ملوک کے گھر کا پتہ مل گیا۔ کچھ دن وہ وہاں رہی، واقفیت حاصل کی اور تب کہیں جا کر وہ لڑکی تک پہنچی۔ لڑکی کی خوشامد کرتے ہوئے کہنے لگی: ''میں تمہاری نانی ہوں۔ تمہیں دیو اٹھا کر لے گیا تھا۔ تمہارے ماں باپ تمہاری جدائی میں مر گئے اور میں بھی پوچھتے پوچھتے اللہ جانے کتنی مشکلات کے بعد آج یہاں پہنچی ہوں۔ اللہ نے تمہارا جیتا جاگتا منہ مجھے دکھایا!'' آخر وہاں رہ کر کٹنی لڑکی کے ساتھ ایسی گھل مل گئی کہ سوچنے لگی، ''اب لڑکی کو کس طرح یہاں سے نکالا جائے۔'' آخر کسی طرح اسے خبر لگی کہ لال ملوک کی جان ایک تلوار میں ہے۔ جسے وہ دن رات اپنے ساتھ لگائے گھومتا ہے۔ پس اس نے سوچا کہ ''وہ تلوار کسی طرح حاصل کروں اور لال ملوک کو مار کر پھر اس لڑکی کو لے جاؤں، لیکن یہ تلوار لال ملوک کسی بھی وقت خود سے جدا نہ کرتا تھا۔ لیکن کہتے ہیں کہ شکاری کو جب تک صبر ہے تو شکار کبھی نہ کبھی خود ہی آ کر اس کی جھولی میں گرے گا۔ چنانچہ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ لال ملوک تلوار گھر میں چھوڑ کر خود کسی کام سے باہر چلا گیا۔ کٹنی نے دیکھا کہ آج تو خوب موقع ملا، پھر یہ موقع ہاتھ نہ آئے گا۔ پس اس نے کیا کیا کہ فوراً تلوار اٹھائی، چھپائی اور ساتھ والے دریا میں پھینک دی۔ دوسری طرف لال ملوک جہاں گیا تھا، اسی گھڑی وہیں مر گیا۔ اسی وقت ساتھیوں کو دیے ہوئے لال ملوک کے پھول اچانک کُھلا گئے۔ ساتھیوں نے سوچا کہ: ''آج لال ملوک پر کوئی آفت آئی ہے۔'' پس ہر کوئی جہاں تھا، وہاں سے اٹھ کر روانہ ہوا۔ دن رات ایک کرتے آخر کار سب ساتھی لال ملوک کے گھر آ پہنچے۔ آ کر دیکھا تو وہاں لال ملوک ہے نہ اس کی بیوی۔ ہر طرف سناٹا لگا پڑا ہے۔ دوستوں میں اور تو سب آئے، لیکن دیو نہ آیا۔ لہٰذا سب دوڑ کر اس کے پاس پہنچے۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ وہ گہری نیند میں سو رہا ہے۔ تب انہوں نے بکریوں کا ریوڑ ہانک کر اس کے نتھنوں میں پہنچایا۔ وہ جاگ کر اٹھ بیٹھا۔ پھر اسے بھی لال ملوک اور اس کی بیوی کی ساری بات سنائی۔

بات یہ تھی کہ لال ملوک جب گھر سے نکلا تو واپس نہ لوٹا۔ اس پر اس کی بیوی کو بہت الجھن ہوئی، لیکن کٹنی نے اس کو تسلی دیتے ہوئے کہا: ''تم بالکل فکر نہ کرو۔ کسی کام سے باہر کہیں آس پاس گیا ہوگا، خود ہی واپس آ جائے گا۔ تم کیوں غم کرتی ہو؟'' آخر ایک دن کٹنی نے لڑکی سے کہا: ''آؤ چلو پاس کے دریا پر گھوم پھر آئیں۔'' لڑکی اسے اپنی نانی سمجھتی تھی، اس لیے اس کے ساتھ گھومنے کو باہر نکلی، اور دونوں دریا پر آ پہنچیں۔ وہاں پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق شاہوکار کے آدمی بیڑے سمیت تیار کھڑے تھے۔ لڑکی کو زبردستی بیڑے پر سوار کیا اور روانہ ہو گئے اور سیدھے منزل مقصود پر جا پہنچے۔ لڑکی کو بہت کچھ لالچ دیا، آخر میں دھمکی دی کہ: ''شاہوکار کے بیٹے سے شادی کر، ورنہ تجھے کوٹھی میں دفن کر دیں گے۔'' لڑکی نے ان کی ایک نہ مانی، لیکن وہ بھی اسے روز ستانے لگے۔ لڑکی نے دیکھا کہ: ''ان سے اب کیسے جان چھڑاؤں۔'' پس ایک دن اس سے کہا: ''جن کے شوہر مر جاتے ہیں وہ بھی بارہ مہینے بیٹھتی ہیں۔ میرا شوہر تو زندہ ہے، کم از کم مجھے بھی تو چھ مہینے مہلت دو، پھر میں شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' اس کا خیال تھا اور امید تھی کہ چھ مہینے کے اندر لال ملوک ضرور میرے پیچھے آئے گا اور یہاں سے جان چھوٹ جائے گی۔ ساہوکار نے سوچا کہ چھ مہینے تو ابھی کے ابھی گذر جائیں گے، لہٰذا بڑی خوشی سے اسے مہلت دے دی۔

لال ملوک کے ساتھ اور دیو بھی پوچھتے آخر آ کر اسی دریا کے کنارے پر پہنچے۔ وہاں لال ملوک کے پالتو کتا اور بلی پہلے ہی بیٹھے تھے۔ جنہیں انہوں نے لڑکی کو تلاش کرنے بھیجا تھا۔ کہتے ہیں کہ 'کتے بلیوں سے کوئی گھر چھپا ہوا نہیں۔' پس تلاش کرتے کرتے آخر لال ملوک کا کتا اور بلی جا کر اسی شہر میں پہنچے اور ساہوکار کا گھر تلاش کر لیا۔ لڑکی کو آنکھوں سے دیکھ کر تسلی کی اور لال ملوک کے ساتھیوں کو آ کر سب حقیقت بتا دی۔

دوسری طرف لال ملوک کے دوست کتے اور بلی کو روانہ کر کے وہیں انتظار کرتے رہے، جب تک کہ کتا اور بلی واپس لوٹ آئیں۔ ایک روز سب ساتھی اسی دریا میں نہانے لگے۔ کہتے ہیں 'تقدیر بدلتے دیر نہیں لگتی۔' پس بڑھئی کو نہاتے نہاتے پیر میں کچھ لگا اور جب اس نے جھک کر ہاتھ سے اٹھا کر باہر نکالا، دیکھا تو وہی لال ملوک کی تلوار، جو خود اس نے اپنے ہاتھوں سے بنائی تھی۔ تلوار دیکھ کر سبھی ساتھیوں کو یقین ہو گیا کہ لال ملوک کے ساتھ دغا ہوئی ہے۔ پھر تلوار کو رگڑ رگڑ کر خوب صاف کی اور ایسی چمکا دی جیسے بجلی۔ ادھر تلوار صاف ہوتی گئی اور ادھر لال ملوک جہاں اتنے دن سے پڑا تھا،

وہیں کروٹ لے کر جاگا اور پھر تازہ دم ہوکر اٹھ بیٹھا۔ پھر اسی وقت چلتا ہوا وہ اپنے گھر پہنچا۔ دیکھتا کیا ہے کہ سارا گھر سنسان پڑا ہے۔ دیکھتے دیکھتے پتہ چلا کہ اس کے سب دوست دریا کے کنارے پر ہیں اور اس کی اور اس کی بیوی کی تلاش میں لگے ہیں۔ پھر لال ملوک ایکدم دوڑ کر دوستوں سے ملا اور اس نے اپنے اور ان کے حال احوال کا تبادلہ کیا۔ تینے میں کتے اور بلی نے لال ملوک کی بیوی کی خبر انہیں دی۔ لال ملوک نے دوستوں سے صلاح کی اور کتے بلی کے ذریعے اپنی وفادار بیوی کو پیغام بھیجا کہ: ''تم بالکل فکر نہ کرو۔ ساہوکار سے کہہ دو کہ میں شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔ پر اس شرط پر کہ شادی سات دن کے اندر ہو۔'' پھر جب شادی کی پوری طرح تیاری ہوجائے تو شہر کی تمام عورتوں سے کہنا کہ اپنے بچوں سمیت سب ایک کمرے میں بیٹھ کر گیت گائیں۔ جب وہ اس میں مشغول ہوجائیں تو باہر نکل کر گھر کو تالا لگانا اور پھر تالی بجادینا۔ ہم بھی وہیں نزدیک کھڑے ہوں گے اور فوراً تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ پھر اسی وقت تمہیں واپس لے چلیں گے۔ اب ان تمام باتوں کو طے کرکے ہمیں جواب بھیجو۔''

کتا اور بلا، جو بیحد سیانے تھے۔ لال ملوک کا پیغام لے کر ایکدم دوڑ کر لڑکی کے پاس حاضر ہوئے اور سارا پیغام تمام جزئیات سمیت اسے پہنچادیا۔ جس نے انہیں فی الحال اپنے پاس روک کر رکھا۔ پھر اس نے ساہوکار کو کہلا بھیجا کہ: ''اب میں شادی کے لیے تیار ہوں۔ لیکن اس شرط پر کہ شادی آج سے ٹھیک ساتویں دن ہو!'' ساہوکار تو پہلے ہی اتاولا ہورہا تھا۔ اس نے جب یہ بات سنی تو خوشی سے یوں اچھلنے کودنے لگا کہ لوگ سمجھے کہ اس کے دماغ کے ساتھ کچھ معاملہ ہوگیا ہے۔ بس اس نے فوراً شادی کی تیاری کا حکم دیا اور شادی کی تیاریاں زور شور سے شروع ہوگئیں۔ چاروں طرف دعوتیں دے دی گئیں۔ بکرے تیار ہوئے، دیگیں چڑھادی گئیں۔ دعوتی آکر سوداگر کے گھر جمع ہونے لگے۔ لڑکی نے سارا احوال کُتے کے کان میں کہا اور لال ملوک کی طرف روانہ کردیا۔ جب کُتا لال ملوک کے پاس پہنچا تو ساری حقیقت معلوم کرکے سب خوش ہوئے اور فوراً وہاں جانے کے لیے تیار ہوکر کھڑے ہوگئے۔

وعدے کے مطابق تیسرے دن شادی کی تیاریاں پوری ہوگئیں۔ رات کو شہر کی بڑی چھوٹی عورتیں بچوں سمیت آکر جمع ہوگئیں۔ لڑکی نے کہا: ''مہربانی کرکے سب اس کمرے میں بیٹھ کر گیت گائیں۔'' جب تمام عورتیں اس میں لگ گئیں اور بچے سوگئے تو لڑکی اٹھی، اس کمرے کو کُلف لگایا، باہر نکلی اور تالی بجاکر کھڑی ہوگئی۔ تالی کی آواز پر لال

ملوک اور اس کے دوست جو بھیس بدل کر آئے تھے، سب ظاہر ہوئے۔ پھر لال ملوک کے دوست دیو نے عورتوں والا کمرہ اٹھایا اور فوراً دریا کے دوسرے کنارے پر رکھ دیا۔ پھر واپس آ کر ظالم ساہوکار تو کیا، بلکہ تمام آدمیوں کو جو ایسے ظالم کو شہر میں کھلا چھوڑے بیٹھے تھے اور ہمیشہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوتے تھے، مار کر ختم کر دیا۔ پھر سارے شہر کو آگ لگا کر بھسم کر دیا اور واپس آ گیا اپنے دوسرے ساتھیوں کے پاس۔

کمرے کو کھول کر دیکھا تو سبحان اللہ! اندر تو کتنی ایسی حسین حوریں بیٹھی ہیں کہ بات ہی نہ پوچھو! پھر سب ساتھ ساتھ لال ملوک کے گھر پہنچے۔ جہاں لال ملوک نے سبھی دوستوں کی دو دو، چار چار، من چاہی شادیاں کرائیں۔ پھر انہوں نے خیر خوشی کے کچھ دن وہاں گذارے ایک دن ان ساتھیوں نے لال ملوک سے کہا: ''یار اب رخصت لیں گے۔ وطن یاد آ رہا ہے۔'' لال ملوک بہت دکھ کے ساتھ دوستوں سے جدا ہوا اور خود سوداگر کے شہر کی عورتوں اور بچوں کو لے کر، اپنی حسین خوبصورت بیوی سمیت آ کر یہ شہر بسا کر بیٹھ گیا، جسے ایک آنکھ کے جن نے تباہ کر کے نابود کر دیا تھا۔ جسے خود اسی نے بعد میں جلتے تیل کی کڑاہی میں ڈال کر کوئلہ کر ڈالا تھا اور ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا تھا۔

ہاں سائیں! لال ملوک کی کون سی باتیں کریں، کون سی باتیں ہوں۔ جیسا تھا اس کا نام ویسا ہی بے شک تھا جوانمرد لال ملوک!

امیر حمزہ اور کنک رانی

کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ کے سات بیٹے تھے، جن میں سے چھے تو بے عقل اور بے ہمت تھے، البتہ جو سب سے چھوٹا تھا، وہ بہت بہادر اور عقلمند تھا۔ اس کا نام تھا امیر حمزہ! بادشاہ کی خواہش تھی کہ ساتوں بیٹوں کو ایسے گھر میں بیاہے، جہاں ساتوں کنواریاں آپس میں بہنیں ہوں۔ غریبوں میں تو ایسے بہت رشتے تھے جو اسے مل سکتے تھے، لیکن ان سے رشتہ جوڑنا مشکل تھا۔ آخر بادشاہ نے اپنے وزیر سے کہا کہ:

''خدا کی خدائی بڑی وسیع ہے۔ جاکر تلاش کرو۔ جہاں بھی کسی بادشاہ کی سات بیٹیاں ہوں، ان سے جاکر رشتے کر آؤ۔''

وزیر مال و اسباب سے خرزینیں بھر کر روانہ ہوگیا۔ چلتے چلتے کتنی ہی بادشاہتوں سے گذرا۔ کہیں چار، کہیں پانچ اور کہیں چھ کنواریاں بھی ملیں، مگر جس کا نام سات ہے وہ ملے ہی نہ!

آخر پوچھتے پوچھتے ایک روز وہ ایک شہر میں جا پہنچا۔ وہاں رات ایک بوڑھی دائی کے گھر مہمان ہوا۔ جب رات ہوئی تو بڑھیا سے باتیں کرتے کرتے اسے اپنے بال

بچے یاد آ گئے اور وہ رونے لگا۔ بڑھیا کے پوچھنے پر اس نے ساری بات بتادی۔ دائی کی ہنسی چھوٹ گئی۔ وزیر کو عجیب بھی لگا، مگر آدمی عقلمند تھا۔ وہ سمجھا کہ شاید اب کوئی راہ نکل آئے۔ لہٰذا بڑھیا سے ہنسنے کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا:

''ابھی گذشتہ رات ایک وزیر یہاں ٹھہرا تھا۔ وہ اپنے بادشاہ کی سات بیٹیوں کے لیے بَر ڈھونڈنے نکلا تھا! آج صبح ہی تو وہ فلاں شہر کو روانہ ہوا ہے۔''

وزیر نے یہ بات سنی تو جیسے تیسے کر کے رات گذاری اور صبح ہوتے ہی اس شہر کا رخ کیا! چار دن کا سفر دو ہی دن میں پورا کیا، مگر اسے بتائے ہوئے حلیے کا شخص کہیں بھی نہ ملا۔ وزیر نے وہاں بھی ایک دائی کا گھر تلاش کیا اور وہاں اپنے رہنے کا بندوبست کیا۔ گھوڑا وہیں باندھ کر وہ خود شہر کے باہر دروازے پر بیٹھ گیا اور سامنے کے راستے پر نظر جمادی۔

دو ایک دن کے انتظار کے بعد وہ نا امید ہونے ہی والا تھا اور دائی کے گھر جانے کی تیاری کر رہا تھا تو اس نے سڑک پر دھول اڑتے دیکھی۔ وہ کھڑا ہوگیا گھڑی بھر بھی نہ گزری تھی کہ ایک گھڑسوار آ کر دروازے پر اُترا۔ وزیر نے بتاتے ہوئے حلیے سے شناخت کر لیا کہ یہ تو وہی شخص ہے جو دائی نہ بتایا تھا۔ چنانچہ کچھ پوچھنے کے بجائے، اس سوار کی پیچھے ہولیا۔ سوار بھی پوچھتا اسی دائی کے گھر جا ٹھیرا جہاں وزیر پہلے ہی ٹھرا ہوا تھا۔ جب رات ہوئی تو اس وزیر نے آئے ہوئے مہمان سے نزدیک ہو کر کہا: ''میں سات کنواریوں کی تلاش میں نکلا ہوں۔'' اس پر اس سوار نے جو خود بھی وزیر تھا کہا:

''بھائی! میں خود ایسے سات شہزادوں کی تلاش میں ہوں۔ جن کے ساتھ میرے بادشاہ کی ساتوں شہزادیوں کا رشتہ ہو جائے۔''

بس تو پھر وہ اس وزیر کے ساتھ شہزادیوں کے ملک کو چل دیا۔ وہاں کے بادشاہ سے بات پکّی کر کے شادی کی تاریخ مقرر کی اور واپس اپنے بادشاہ کے پاس پہنچا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔

مقرر تاریخ پر بادشاہ ایک بڑی بارات لے کر ساتوں دولہاؤں سمیت روانہ ہوا۔ جب شہر سے باہر نکلا تو امیر حمزہ بادشاہ کے پاس آیا اور بولا:

''قبلہ! اگر بعد میں کوئی دشمن چڑھائی کر دے تو اس سے مقابلہ کون کرے گا؟ بہتر یہی ہے کہ ہم میں سے ایک یہیں رہے۔''

سب نے کہا کہ: ''یہ بات سولہ آنے ٹھیک ہے۔ مگر یہاں رُکے گا کون؟''
ہر کوئی چاہتا تھا کہ میں ضرور جاؤں۔ آخر امیر حمزہ نے کہا: ''آپ سب جائیں۔ میں یہاں ٹھہرتا ہوں۔ میری دلہن کی شادی میرے تیر کے ساتھ کر دینا۔''
پھر چلتے وقت انہیں تاکید کی کہ:

''راہ میں ایک جگہ کنواں ہے۔ اس کے نزدیک بڑ کا ایک عالیشان درخت ہے۔ جس کے نیچے ستانے کے لیے جگہ بھی بہت دل بھانے والی ہے۔ پر اس جگہ ایک دیو رہتا ہے۔ لہٰذا اس جگہ ہرگز نہ رُکنا!''

یہ سن کر سب نے حامی بھری۔ بارات روانہ ہوگئی اور امیر حمزہ واپس گھر لوٹ آیا۔
چلتے چلتے جب بارات اس کنوئیں کے پاس پہنچی تو رات ہوگئی۔ سبھی بہت تھکے ہوئے تھے۔ رات گزارنے کے لیے جگہ بھی بڑی سہانی تھی لیکن دیو کے خوف سے وہاں سے آگے بڑھ گئے اور دوسری جگہ رات گزاری۔ اسی طرح منزلیں کرتے بالآخر ایک دن اس بادشاہی میں جا پہنچے جہاں رشتہ داری کی تھی۔ شادیاں خیر سے پوری ہوئیں۔ ہر شخص انعام واکرام پاکر خوش تھا۔ امیر حمزہ کی دلہن کو اس کے تیر کے ساتھ بٹھایا گیا۔ آخر کار اجازت لے کر، کنواریوں کو ساتھ لیا اور اپنی بادشاہت کو روانہ ہوئے۔ اٹھتے، بیٹھتے، راستہ طے کرتے جب اس دیو والے کنوئیں پر پہنچے تو پھر رات ہوگئی، بعض لوگوں نے کہا کہ آگے چلیں، لیکن شہزادوں نے کہا کہ:

''ساری بارات تھک کر چُور ہوگئی ہے۔ خدا جانے دیو ہے بھی یا صرف وہم ہے۔ کیوں خود کو تکلیف میں ڈالیں۔ لیکن اگر دیو ہوگا بھی تو ہم اتنے سارے لوگوں کے سامنے اس کی کیا دال گلے گی؟ امیر حمزہ پہلوان ہے تو ہم بھی اس سے گئے گزرے نہیں، خود مقابلہ کریں گے۔''

رات کو سب نے کھایا پیا اور سو گئے۔ صبح کے قریب دیکھتے کیا ہیں کہ چاروں طرف کالا حصار ہے سبھی ڈر گئے۔ جب سورج ابھرا تو دیکھا کہ ایک بہت بڑا زہریلا اجگر کالا ناگ ہے۔ جو بارات کو چاروں طرف سے گھیرا ڈالے ہوئے ہے۔ اپنی دُم موڑ کر اس نے اپنے منہ میں ڈالی ہوئی ہے۔ نکلنے کی کوئی راہ ہی نہیں۔ پھر ہر کوئی منہ سر پیٹنے لگا۔

امیر حمزہ کے بھائی بیچارے تو منہ چھپا کر بیٹھ گئے۔ آخر امیر وزیر جا کر ناگ سے التجا کرنے لگے کہ: ''ہمیں کسی حیلے حوالے راستہ دو''۔ ناگ نے جواب دیا کہ:

''امیر حمزہ میرا یار ہے۔ مجھے اس کا دیدار کرنے کی بہت خواہش ہے۔ ویسے تو وہ یہاں ہرگز نہیں آئے گا لیکن اگر اس کی دلہن یہاں چھوڑ جاؤ تو وہ ضرور اسے لینے آئے گا۔ بس اسی بہانے میں اپنے یار کو دیکھ لوں گا۔ اب اگر امیر حمزہ کی دلہن کو میرے پاس چھوڑتے ہو تو پھر تم سب کو اجازت ہے۔ ورنہ سب کے سب بھلے یہیں بیٹھے رہو۔''

وزیر نے ناگ سے کہا: ''دوسری جو بھی عورتیں کہو تمہیں دیدیں، البتہ دلہنوں کی بات نہ کر۔'' ناگ نے یہ سن کر اپنی دُم سکیڑنی شروع کی، گھیرا چھوٹا ہوتا گیا لوگ ایک دوسرے پر چڑھ گئے۔ اس پر سب لوگوں نے بادشاہ سے عرض کی: ''سائیں! اب جیسے بھی ہو ہمیں اس مصیبت سے نجات دلائیں۔'' بادشاہ خود ناگ کے پاس پہنچا اور اس سے بولا: ''میرے دوسرے چھنوں بیٹوں میں سے جس کی دلہن پسند ہو روک لو، لیکن امیر حمزہ کی دلہن کو نہ روکو۔'' مگر ناگ کا کہنا وہی ایک بات: ''دو تو امیر حمزہ کی دلہن۔ ورنہ تم سب کی ہڈیاں چور چور کر ڈالوں گا۔'' یہ کہہ کی اس نے دم کو مزید کھینچنا شروع کیا۔ جب لوگ ایک دوسرے کے اُوپر چڑھ گئے تو بادشاہ سے بولے: ''سائیں! ایک کے لیے سب مرجائیں

گے۔ زیادہ آپ جانیں۔" آخرکار بادشاہ نے مجبور ہوکر امیر حمزہ کی دلہن ناگ کے حوالے کردی۔ تب ناگ نے اپنی دم منہ سے نکالی اور امیر حمزہ کی دلہن کو لے کر کنوئیں میں چلا گیا۔ باقی بارات روتی پیٹتی اپنے ملک کو روانہ ہوئی۔

امیر حمزہ روزانہ شہر کے باہر کھڑا بارات کا انتظار کیا کرتا تھا۔ ایک دن وہ جب شہر کے باہر کھڑا بارات کا انتظار کر رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ بارات آرہی ہے۔ لیکن نہ ڈھول، نہ باجے، نہ راگ گانے، بلکہ آہ و زاری اور ماتم کی صدائیں! اسے یقین ہوگیا کہ یہ ضرور رات کنوئیں پر ٹھہرے ہوں گے! جب وہ نزدیک پہنچے تو پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ایسا ہی ہوا ہے اور ناگ نے اس کی دلہن کو روک لیا ہے! یہ سن کر وہ اسی وقت گھوڑے پر سوار ہوا، ایک نوکر ساتھ لیا اور کنوئیں کی طرف روانہ ہوگیا۔ بادشاہ نے بہتیرا ہی پکارا پر وہ واپس نہ پلٹا۔ آخر سب اس کی زندگی کا آسرا چھوڑ کر، ماتم کرتے ہوئے شہر کو چلے۔ امیر حمزہ جب کنوئیں پر پہنچا تو سوچا کہ گھوڑے اور نوکر کو دور ہی کھڑا کرے، بھلے اپنا سر جاتا ہے جائے، مگر ان بیچاروں کا کیا قصور! یہ سوچ کر اس نے گھوڑا دور ایک درخت سے باندھ دیا اور نوکر کو وہیں کھڑے رہنے کا حکم دیا۔ نوکر بھی اپنا گھوڑا لیے تیار کھڑا ہوگیا۔ بولا: "کون سا وقت کیسا! تو لگاؤں گھوڑے کو ایڑھ"۔

امیر حمزہ نے کنوئیں پر پہنچ کر دیکھا کہ اس کا دشمن نیند میں بے خبر پڑا سو رہا ہے اور اس کی دلہن ایک طرف گھبرائی ہوئی بیٹھی ہے۔ ایک دل کہتا تھا کہ سوئے کا ہی کام تمام کر دوں۔ پھر سوچا کہ دلہن کہے گی بزدل تھا جو سوتے دشمن پر وار کیا۔ یہ سوچ کر اس نے للکارا، جس پر دیو جاگ گیا اور ہاتھ باندھ کر امیر حمزہ سے عرض کیا کہ:

> "سائیں! تمہارے دیدار کی بڑی تمنا تھی سو وہ نصیب ہوگیا۔ اب یہ تمہاری دلہن حاضر ہے، بھلے اسے لے جاؤ، پر میری ایک عرض ہے کہ کنک رانی ایسی حسین ہے کہ سات پردوں میں بھی اس کا چہرہ ایسا چمکتا ہے کہ سارا محل رات کو بھی دن کی طرح روشن اور چمکدار لگتا ہے۔ اسے ڈیچیل دیو مجھ سے چھین کر لے گیا ہے۔ وہ تم ہی لاکر دے سکتے ہو۔ میں تمہارا اور اللہ کا آسرا کرکے، اس کنوئیں میں پڑا ہوا ہوں۔ اب میری مدد کرو۔"

امیر حمزہ نے دل میں کہا کہ: "یار! یا تو مدد نہ مانگی ہوتی، اگر مانگی ہے تو اب مرد کا کام نہیں ہے کہ دل توڑنے والا جواب دے۔" اس لیے دیو سے بولا: "اچھا یار! ہمارا

اللہ پر توکل ہے۔ اگر جیتا رہا تو واپس آ کر دلہن لے لوں گا اگر مر گیا تو یہ بھی تجھے دی"۔

دیو نے کہا: "سائیں! یہ تو تیری ہی ملکیت ہے۔ میں اسے ہر طرح آرام دوں گا۔ تم صرف مجھے میرا حق دلا دو۔" امیر حمزہ نوکر کے پاس پلٹ آیا اور اس سے بولا:

"اب تجھے چھٹی ہے۔ جا کر میرے عزیزوں کو میرا سلام دینا اور کہنا کہ میں دیووں کے منہ میں جا رہا ہوں، زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔"

یہ کہہ کر اللہ کے بھروسے پر روانہ ہوا۔

ابھی بمشکل ایک دن کی راہ طے کی ہوگی کہ اسے ایک چرواہا نظر آیا۔ جو من بھر کا کلہاڑا کاندھے پر رکھے، بکری کے سو بچے کمبل کی جھولی میں رکھے، ان کے لیے سر پر سوکھی جھاڑیاں لیے چلا جا رہا تھا۔ امیر حمزہ اس کی پہلوانی پر حیران رہ گیا۔ نزدیک جا کر سلام کیا اور اس شخص سے کہا: "یار! تو ہے تو بڑا جوان!" چرواہے نے جواب دیا: "سائیں! میں کونسا بڑا جوان ہوں۔ جوان تو ہے امیر حمزہ، جس کی دھرتی پر دھاک ہے"۔ امیر حمزہ نے جواباً کہا: بھائی ایک امیر حمزہ تو میں بھی ہوں۔" چرواہے نے کہا کہ: "سائیں! اگر امیر حمزہ تم ہو تو آ گا تمہارا پیچھا میرا۔" یہ کہہ کر بکریاں وہیں چھوڑیں اور امیر حمزہ کے ساتھ چل دیا۔

دونوں چلتے گئے۔ ایک جگہ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بھینس چرانے والا ہے جو ندی کے کنارے بھینس چرا رہا ہے اور بھینس کے کٹڑے کو بغل میں لیے چھلانگ لگاتا ہے تو ندی کے اُس پار جا پہنچتا ہے، وہاں سے چھلانگ لگاتا ہے تو اس کنارے آ کر پہنچتا ہے۔ اسے دیکھ کر دونوں حیران رہ گئے۔ نزدیک آیا سلام کیا۔ امیر حمزہ نے کہا: "یار تو تو کوئی بڑا جوان لگتا ہے۔" بھینسوں کے چرواہے نے جواب دیا: "بھائی میں کیا جوان ہوں۔ بڑا جوان تو امیر حمزہ ہے جس کی دھرتی پر دھاک ہے۔" امیر حمزہ نے کہا: "ایک امیر حمزہ تو میں بھی ہوں"۔ اس پر اس چرواہے نے کہا: "سائیں! اگر امیر حمزہ تم ہو تو میں بھی تمہارے پیچھے، بھینسیں چھوڑیں رب کے حوالے"۔ یہ کہہ کر وہ بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔

آگے چلے تو دیکھا کہ ایک لوہار ہے جو بیٹھا تیر بنا رہا ہے اس کے دونوں طرف دو پہاڑیاں ہیں جب وہ آہستہ چلتی ہوئی ایک دوسرے کے نزدیک آتی ہیں تو انہیں ایک ٹھوکا دیتا ہے تو وہ دور ہٹ جاتی ہیں۔ اس وقت وہ دونوں پہاڑیاں بھی نزدیک آ گئیں اوپر سے امیر حمزہ، بکریوں کے چرواہے اور بھینسوں کے چرواہے نے آ کر سلام کیا۔ لوہار نے پہلے تو ٹھوکا دے کر انہیں پیچھے ہٹایا۔ پھر وعلیکم السلام کہا اور ان سے ملاقات کی۔ یہ

تینوں بڑے حیران ہوئے۔ امیر حمزہ نے کہا: ''دوست! تم تو کوئی بڑے جوان دکھائی دیتے ہو۔'' لوہار نے جواب دیا: ''بھائی! میں کیا بڑا جوان ہوں، بڑا جوان تو ہے امیر حمزہ! جس کی دھرتی پر دھاک ہے۔'' اس پر امیر حمزہ نے کہا: ''ایک امیر حمزہ تو میں بھی ہوں۔'' لوہار بولا: ''سائیں! اگر امیر حمزہ تم ہو تو پھر میں بھی تمہارے پیچھے ہوں۔'' یہ کہہ کر دوکان چھوڑ چھاڑ کر امیر حمزہ کے ساتھ چل پڑا۔

ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ انہیں ایک آدمی نظر آیا۔ جو کھڑا تو میدان میں تھا مگر اس کی آنکھیں آسمان میں تھیں۔ سلام کے بعد امیر حمزہ نے پوچھا: ''بھائی تم کیوں اوپر آنکھیں لگائے کھڑے ہو؟'' اس نے جواب دیا: ''سائیں! چھ ماہ ہوگئے کہ میں نے ایک کونج پر تیر مارا تھا۔ میں اتنی زور سے تیر چلاتا ہوں کہ وہ پانچ مہینے میں اوپر جاتا ہے اور ایک مہینہ اسے واپس آنے میں لگے گا۔ آج اس کے گرنے کا دن ہے۔ لہٰذا اسی انتظار میں ہوں۔'' ابھی اس نے اپنی بات پوری بھی نہ کی تھی کہ تیر کونج سمیت آکر نیچے گرا۔ یہ دیکھ کر وہ سب حیران رہ گئے۔ امیر حمزہ نے کہا: ''بیلی، تم جیسا بڑا جوان تو دیکھا نہ سنا۔'' اس نے جواب دیا: ''سائیں! میں کونسا بڑا جوان ہوں۔ جوان ہے تو امیر حمزہ ہے، جس کی دھرتی پر دھاک ہے۔'' امیر حمزہ نے کہا: ''ایک تو امیر حمزہ میں بھی ہوں۔'' اس نے کہا: ''سائیں اگر تم امیر حمزہ ہو تو میں بھی تمہارے پیچھے ہوں۔'' اس طرح یہ پانچواں یار بھی ان سے مل گیا۔

کونج دیکھ کر سب کو کھانے کا خیال آیا۔ وہ سوچنے لگے کہ کہیں آگ نظر آئے تو کونج پکا کر کھائیں۔ چنانچہ بکریوں کے چرواہے سے کہا: ''کسی درخت پر چڑھ کر دھوئیں کا پتہ کرو۔'' وہ فوراً ایک درخت پر چڑھ گیا اور دیکھا کہ ایک سمت دھوئیں کی ایک پتلی لکیر دکھائی دے رہی ہے۔ نیچے اتر کر اس نے سب دوستوں کو بتایا۔ سب نے کہا: ''آگ دیکھی بھی تو نے ہے، اب تو ہی لے کر آ۔'' اس مرد نے بھی حامی بھری اور چل دیا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ ایک دیو ہے جو لیٹا ہوا ہے۔ اس کی آنکھوں کے پپوٹے بڑھ کر گھٹنوں پر پڑے ہیں۔ بکریوں کے چرواہے نے کہا کہ اس کو چھیڑنے کی ضرورت نہیں، آگ اٹھا کر چل دوں۔ پھر سوچا کہ بلا اجازت چیز اٹھانا مردوں کو زیب نہیں دیتا، لہٰذا پکار کر کہا: ''ماما! یہاں سے لکڑیاں جلالوں؟'' دیو نے کہا: ''بابا بھلے۔ مگر پہلے مجھے ہاتھ کے سہارے سے اٹھا کر بٹھا دو۔ کافی دیر تک سوتے رہنے کی وجہ سے کروٹ اکڑ گئی ہے۔'' چرواہے نے جیسے ہی بڑھ کر دیو کو ہاتھ لگایا ویسے اس نے اسے گھٹنوں تلے دبا لیا۔ وہ وہیں محفوظ ہو رہا۔

ادھر امیر حمزہ اور ساتھیوں نے کافی دیر تک چرواہے کا انتظار کیا۔ پھر سمجھے کہ اسے اپنے بکری کے بچے یاد آ گئے تو اس نے رخصت کی اجازت کی ضرورت بھی نہ سمجھی۔ چنانچہ بھینس چرانے والے سے کہا: ''بھائی! تم جاؤ اور آگ لے آؤ۔'' اس نے چرواہے کے قدموں کے نشانات دیکھتے چلنا شروع کیا اور اسی جگہ جا پہنچا۔ دیو کو جو دیکھا تو دہل گیا مگر ہمت کر کے آگ سے لکڑی جلانے لگا تو دیو پکارا: ''اے شخص! مجھ بوڑھے کو کروٹ بدلے عرصہ گزر گیا ہے، بھلائی کر، مجھے ہاتھ لگا کر اٹھا تو سہی۔'' پھر جیسے ہی اس نے آگے بڑھ کر دیو کا ہاتھ تھاما، ویسے ہی دیو نے فوراً اسے بھی پکڑ کر گھٹنے تلے دبا لیا۔

بہت وقت اس چرواہے کی واپسی کا انتظار کیا لیکن وہ لوٹا نہ لوٹا۔ امیر حمزہ نے کہا: ''بھائی! اُسے بھی اپنی بھینسیں یاد آ گئیں۔ جاتے ہوئے کہا بھی نہیں۔ اب تم میں سے کوئی جائے۔'' یہ سن کر لوہار تیار ہوا اور اٹھ کر چل دیا۔ لیکن جاتے ہوئے انہوں نے اس سے کہا: ''یار بھائی! اگر تمہیں بھی اپنی دوکان پر جانا ہو تو ابھی بتا دو۔'' لوہار نے کہا: ''اگر دوکان کی ایسی ہی فکر ہوتی تو یہاں آتے ہی کیوں؟'' یہ کہہ کر وہ روانہ ہو گیا۔ جب دھوئیں پر پہنچا تو دیو کو دیکھ کر اسے کچھ شک سا ہوا۔ لیکن دل مضبوط کر کے بولا: ''ماما! لکڑیاں جلانے کی اجازت ہے؟'' لیکن دیو نے اسے بھی اسی طرح اس کے دوسرے ساتھیوں کے پاس جمع کر دیا۔

جب لوہار بھی واپس نہ پلٹا تو امیر حمزہ نے اپنے اور ساتھی کو کہا: ''بھائی! وہ سب تو اپنے اپنے گھر پہنچ کر آسودہ ہو گئے تم بھی ساتھ چھوڑتے ہو تو ابھی بتا دو۔'' اس پر اس نے کہا: ''سائیں! جنہیں جانا تھا چلے گئے۔ لیکن میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' اتنا کہہ کر وہ بھی پیروں کے نشانات پر روانہ ہوا۔ لیکن وہاں پہنچنا تھا کہ دیو نے اس کے ساتھ بھی وہی کچھ کیا۔

جب امیر حمزہ اپنے یاروں کے لوٹنے سے مایوس ہو گیا تو خود اٹھ کر انہی پیروں کے نشانات پر چل کھڑا ہوا۔ جا کر دیکھتا کیا ہے کہ خدا کی پناہ! ایک آفت جیسا دیو پڑا سو رہا ہے! اسے شک ہوا کہ اسی نے میرے دوست گم کیے ہیں۔ ابھی وہ اسی سوچ میں تھا کہ اسے چار لکڑیاں بھی دھوئیں کے ساتھ پڑی نظر آئیں اب تو اسے پورا یقین ہو گیا کہ کام اسی دیو کا ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر پوچھا: ''سائیں! آگ لے لوں۔'' دیو نے اسی طرح جواباً کہا: ''ہاں بابا! بھلے۔ لیکن مجھ بوڑھے کو ہاتھ لگا کر اٹھا کر بٹھا دو۔'' امیر حمزہ تو اسے پہچان ہی چکا تھا اس نے ہاتھ لگا کر ایسی پٹخنی دی کہ دیو میل بھر پرے جا گرا، لیکن

دیکھتا کیا ہے کہ اس کے دوست کیڑے مکوڑوں کی طرح اٹھ رہے ہیں! امیر حمزہ اپنے دوستوں سے مل کر بہت خوش ہوا، اور ان سے قید ہونے کے بارے میں پوچھا۔ تب ان سب نے ایک ہی بات بتائی۔ تبھی دیو لمبے لمبے ڈگ بھرتا نزدیک آ پہنچا۔ لیکن ڈرا سہا تھا۔ اس پر امیر حمزہ نے اس سے کہا: ''اے شخص! تو کوئی بڑا جوان ہے کہ میرے چار بہادر دوست ایک ہی گھٹنے تلے دبالیے!'' دیو نے ہاتھ باندھے عرض کی: ''سائیں! میں کیا پہلوان ہوں، بڑا جوان مرد تو امیر حمزہ ہے، جس کی دھرتی پر دھاک ہے''۔ امیر حمزہ نے کہا: ''ایک امیر حمزہ تو میں بھی ہوں''۔ دیو نے ہاتھ باندھ کر کہا: ''سائیں! اگر امیر حمزہ تم ہو تو آ گا تمہارا پیچھا میرا۔'' یہ کہہ کر وہ بھی امیر حمزہ کے ساتھ ہو گیا۔

ابھی کچھ دور چلے ہوں گے کہ دیو نے پوچھا: ''سائیں! آخر کدھر جانے کا ارادہ ہے؟'' امیر حمزہ نے اسے بتایا کہ: ''میں جارہا ہوں ڈھیل دیو کی قید سے کنک رانی کو چھڑانے۔ تجھے معلوم ہے کہ وہ کونسی جگہ ہے؟'' دیو نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا: قبلہ! یہ خیال بھول جائیں۔ وہ ایسی بلا ہے کہ ہم بھی اس کے خوف سے بھاگتے ہیں۔ سات بادشاہیاں چھوڑ کر یہاں اتنی دور دھونی جلا کر آیا بیٹھا ہوں۔ کوئی بھی دیو اس کے ملک میں نہیں رہتا۔ بھلا تم اکیلے آدم زاد وہاں کیا کر سکتے ہو؟ بہتر یہی ہوگا کہ کسی اور طرف کا رخ کرو۔ جس بادشاہی کی جو بھی حسین عورت پسند آئے تو میں لا کر تمہارے سامنے پیش کروں گا۔ لیکن اس نامراد دیو کے نزدیک نہ جاؤ۔'' یہ سن کر امیر حمزہ نے کہا: ''اے یار! میں نے اپنے ایک دوست سے وعدہ کیا ہے۔ لہٰذا واپس نہ لوٹوں گا، تمہیں چلنا ہو چلو ورنہ ہم جاتے ہیں۔'' یہ سن کر دیو ان کے ساتھ چلنے پر رضامند ہو گیا، اور بولا: ''یہ تو ایک سر ہے، اگر دس بھی ہوتے تو بھی دوستوں پر قربان کر ڈالتا۔''

دیو اس ملک سے واقف تھا چنانچہ انہیں وہاں پہنچنے میں کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ شام کو وہ ایک شہر تک پہنچے۔ امیر حمزہ نے چاروں یاروں کو ایک ایک روپیہ دیا کہ وہ شہر میں جاکر گھومیں پھریں اور کھانے کا کوئی سامان بھی لے آئیں۔ باقی رہا دیو، سو اس کو ایک سو روپے دیے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کا پیٹ تھوڑے میں نہیں بھرے گا۔ دوسرے تو سب پیسوں سے سامان خرید کر کھانے لگے لیکن دیو نے روپیہ دکانداروں کے منہ پر اچھال دیا۔ جب روپیوں سے جان چھڑالی اور آزاد ہو گیا تو پھر جہاں سے جو کچھ اچھا لگا کھانے لگا۔ پھر آخر میں جتنا سامان اٹھا سکتا تھا اٹھا کر امیر حمزہ کے پاس لے آیا۔ شہر کے لوگوں نے جاکر بادشاہ کو اس کی اطلاع دی۔ بادشاہ لشکر تیار کر کے مقابلے پر آ گیا۔ امیر حمزہ نے دیو

سے کہا: ''تم نے ناحق کیا ہے۔ اب کون انہیں منہ دے گا؟'' دیو نے ہم کہا نہ تم، ساتھ والی چٹان سے بڑے بڑے پتھر لشکر پر اچھالنے لگا۔ کافی لشکر تباہ کر دیا۔ بادشاہ آگے آیا اور صلح کی شرطوں میں آدھی بادشاہی اور بیٹی کا رشتہ دیا۔ امیر حمزہ نے یہ رشتہ چرواہے کو دے دیا اور آدھی بادشاہی بھی اس کو دی پھر اسے ایک تیر دے کر آگے روانہ ہوا۔ جاتے ہوئے بولا: ''اسے اپنے پاس سنبھال کر رکھنا۔ جب دیکھو کہ تیر پر خراش آ گئی ہے تو سمجھ لینا جان کی خیر نہیں ہے۔''

جب دوسرے شہر کے پاس پہنچے تو امیر حمزہ نے دونوں تینوں دوستوں کو ایک ایک روپیہ خرچی دی پھر دیو کو وہی سو روپے دیے، ساتھ ہی نصیحت کی: ''بیکار کے جھگڑے سے کیا فائدہ! اپنے پیسے دے کر جو چاہو کھا لینا۔'' لیکن دیو کا پھر وہی کام! جا کر شہر میں ہنگامہ کر دیا۔ بادشاہ کے پاس شکایت پہنچی۔ اس نے اس بلا سے مقابلے کے لیے لشکر روانہ کیا۔ دیو نے بھی ایک درخت جڑوں سمیت اکھاڑا اور لشکر کی طرف رخ کیا۔ کتنے ہی سپاہی مار ڈالے۔ آخر اس بادشاہ نے بھی آدھی بادشاہت اور لڑکی کا رشتہ دے کر جان چھڑائی۔ امیر حمزہ نے یہ رشتہ اور بادشاہت بھینسوں کے چرواہے کے حوالے کی اور جاتے وقت اسے بھی ایک تیر دیا اور اسے سمجھا دیا کہ: ''اگر تیر کو کٹا ہوا دیکھو تو سمجھنا میری خیر نہیں۔''

اب یہ چاروں روانہ ہوئے۔ رات کو یہ شہر کے باہر جا پہنچے۔ صبح کو شہر گھومنے کے لیے لوہار اور اس کا ساتھی روپیہ، روپیہ لیے روانہ ہوئے۔ دیو کو امیر حمزہ نے اب دو سو روپے دیے اور کہا کہ: ''یار! اب رہے سہے، ہم چار باقی بچے ہیں، تم خوامخواہ کا کھڑاگ کیوں کرتے ہو؟'' دیو نے وعدہ کر لیا کہ: ''اب کچھ بھی نہیں کروں گا۔'' مگر جیسے ہی اس نے شہر میں قدم رکھا تو پھر وہی دنگا فساد شروع۔ لوٹ مار شروع کر دی۔ ایک شادی کے لیے کھانے تیار ہوئے۔ لذیذ کھانے دیکھ کر اس کا دل رہ نہ سکا۔ آلتی پالتی مار کر کھانے بیٹھ گیا۔ لوگ اس کی ہیبت سے پہلے ہی اٹھ کر بھاگ چکے تھے۔ بس یہ بے فکر ہو کر اپنا اوجھ بھرنے لگا۔ شہر میں غل مچ گیا۔ لوگوں نے جا کر بادشاہ سے شکایت کی۔ اس نے اپنے بیٹے کو ہاتھی پر روانہ کیا۔ دیو بھی کھانا کھا کر شہر سے باہر نکلا ہی تھا کہ شہزادہ آ پہنچا۔ دیو شہزادے کو ہاتھی سمیت اٹھائے امیر حمزہ کے پاس پہنچا۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے کو آزاد کرانے کے لیے اپنے وزیر کو بھیجا۔ اس سے بھی امیر حمزہ نے آدھا راج پاٹ اور بیٹی ملنے پر معاملہ طے کیا، شہزادے کو وزیر نے اس طرح آزاد کرایا۔ امیر حمزہ نے یہ رشتہ اور بادشاہی لوہار کے حوالے کی۔ اسے بھی ایک تیر نشانی کے طور پر دے کر آگے روانہ ہوا۔

جب دوسری بادشاہی میں پہنچا تو وہاں بھی دیو کی شرارت کے سبب وہاں کے بادشاہ نے جنگ کی، بار کھائی اور امیر حمزہ کو بیٹی کا رشتہ اور آدھی بادشاہی دے دی۔ امیر حمزہ نے یہ رشتہ اپنے اگلے ساتھی کے ساتھ کردیا، بادشاہی کا حصہ بھی اسے بخشا، دوسرے کی طرح اسے بھی ایک تیر نشانی کے طور پر دیا اور خود آگے روانہ ہوا، اب صرف دیو ہی اس کے ہمراہ رہ گیا تھا۔ منزلیں کرتے ہوئے وہ کنک رانی کے محل کے نزدیک پہنچ گئے۔ جب دیو کی آنکھ ڈچیل دیو کے محل پر پڑی تو اس نے امیر حمزہ کے پیروں پر ہاتھ رکھ دیے۔ اس سے رخصت لی، بولا: ''سائیں! اگر دیو کو مات دے دی تو واپس آ ملوں گا نہیں تو اللہ حوالے!''

امیر حمزہ جب نزدیک پہنچا تو دیکھا سارا محل چمک رہا ہے۔ کسی نے بھی اسے نہیں دیکھا اور وہ محل میں داخل ہوگیا۔ اندر جا کر دیکھا کہ ایک ملوک زادی سات برقعوں میں منہ چھپائے بیٹھی ہے۔ اس نے بڑھ کر برقعے اتارے۔ ملوک زادی اس کے حسن پر حیران رہ گئی اور یہ بھی اس کے حسن کا متوالا ہوگیا۔ آخر پوچھا کہ: ''تیرا نام کیا ہے اور یہاں کیسے رہتی ہو؟'' ملوک زادی نے بتایا کہ: ''اے شہزادہ! میرا نام کنک رانی ہے۔ مجھے یہ دیو میرے باپ کی بادشاہی سے زبردستی اٹھا لایا ہے۔ دن کو وہ شکار پر چلا جاتا ہے اور شام کو واپس لوٹتا ہے۔ یہ دیو سب دیووں سے بڑھ کر خراب ہے۔ تمہیں یہاں دیکھے گا تو مار ڈالے گا۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ تم یہاں سے فوراً چلے جاؤ'' امیر حمزہ نے کہا: ''رانی! میں تو آیا ہی تمہاری تلاش میں ہوں۔ یا تو میں آیا ہی نہ ہوتا، جب آ ہی گیا ہوں تو اب مردوں کی طرح مقابلہ کروں گا۔''

سارا دن انہوں نے باتیں کرتے گزار دیا۔ جب شام ہوئی تو پہلے تیز ہوا چلی اور آسمان پر غبار چھا گیا۔ کنک رانی نے امیر حمزہ کو بتایا کہ: ''یہ اس دیو کے چلنے کے سبب ریت اڑی ہے۔ اب سمجھو کہ وہ آ گیا۔ لہٰذا بھاگ کر کہیں چھپ جاؤ'' لیکن امیر حمزہ بیٹھا ہی رہا۔ تھوڑی دیر بعد مینھ کی آواز آنے لگی۔ اس پر کنک رانی نے اسے بتایا کہ: ''اب وہ بالکل نزدیک ہے''۔ لیکن تب بھی امیر حمزہ نے سنی ان سنی کردی۔ ذرا دیر نہ گزری تھی کہ دیو ''آدم بو، آدم بو'' کرتا آ پہنچا۔ امیر حمزہ بھی دیو سے مقابلے کے لیے محل سے باہر نکل آیا۔ دیو نے اپنے محل کے سامنے ایک آدم زاد کو دیکھا تو غصے سے سیاہ ہوگیا اور ایک چٹان اٹھا کر امیر حمزہ پر دے ماری۔ امیر حمزہ نے ڈھال کے ذریعے اسے ایسا دھکیلا کہ جا کر کنوئیں میں گری۔ دیو نے دیکھا کہ: ''مار! یہ تو کوئی بڑی آفت ہے!'' تب اس نے

قریب آ کر کہا: ''ہتھیار پھینک دو اور خالی ہاتھ ہو کر مقابلہ کرو۔'' امیر حمزہ نے تلوار پھینک دی اور دو بھوکے ایک دوسرے پر پل پڑے۔ پہلے دیو نے امیر حمزہ کو گھما کر فرش پر دے مارا، وہ گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ امیر حمزہ نے خود کو وہاں سے آزاد کیا اور اسے پکڑ کر اوپر اٹھایا، پھر اسے گھما گھما کر اتنی زور سے زمین پر دے مارا کہ وہ کمر تک زمین کے اندر دھنس گیا۔ دیو بڑے غصے میں بھر کر وہاں سے نکلا۔ اب جو اس نے امیر حمزہ کو گھما کر زمین پر دے مارا تو وہ سینے تک مٹی میں دھنس گیا۔ اب امیر حمزہ نے خود کو چھڑایا۔ پھر جوش میں آ کر دیو کو ایسا گھما کر زمین پر دے مارا کہ وہ گردن تک زمین میں دفن ہو گیا۔ اس نے بہت کوششیں کیں لیکن وہاں سے نکل نہ پایا۔ پھر امیر حمزہ نے ایک ہی وار میں اس کو ختم کر ڈالا۔

امیر حمزہ کے دوست دیو نے دور سے جو یہ تماشہ دیکھا تو اڑتا ہوا آیا، امیر حمزہ کو کاندھے پر اٹھالیا اور سارے شہر پر گھما پھرا کر اسے محل پر اتار دیا۔ اس کے بعد امیر حمزہ سے اس نے کہا: ''سائیں! میں اسی دیو کے ڈر سے بارہ مہینے گزرے سو نہیں سکا ہوں اب اجازت ہو تو ذرا آنکھ لگالوں...... مگر چھ مہینے تک مجھے نہ اُٹھانا۔'' پھر امیر حمزہ آ کر کنک رانی سے ملا جو پہلے ہی دروازے پر کھڑی تھی۔ دونوں مل کر بہت خوش ہوئے۔

امیر حمزہ نے گھوم پھر کر شہر دیکھا تو سارا شہر ویران پڑا تھا۔ آدم نہ آدم زاد کوئی بھی نہیں۔ البتہ کھانے خوراک کی کوئی کمی نہ تھی۔ وہ تو اپنے ملک کو ہی بھلا بیٹھا۔ رات دن شکار کے شوق اور کنک کی محبت میں غرق تھا۔ ایک روز جب کنک رانی محل کے نیچے بہنے والی ندی میں غسل کر رہی تھی تو اس نے کنگھی کر کے اپنے بال جو کنگھی میں ٹوٹ کر پھنس گئے تھے، نکال کر لپیٹے اور ندی میں پھینک دیے۔ ایک سینگاری مچھلی نے وہ بال کھا لیے۔ کنک رانی کے بال سونا تھے۔

ایک دن ساتھ والی کسی دوسرے بادشاہت میں ایک مچھیرے نے اپنا جال ڈالا۔ اتفاق سے وہی سینگاری مچھلی اس جال میں پھنس گئی جس کے پیٹ میں کنک رانی کے سونے کے بال تھے۔ اس روز جال میں یہ ایک ہی مچھلی پھنسی تھی۔ اب مچھیرے نے سوچا کہ مجھے تو اپنے بچوں کی فکر ہے لیکن اس میں ان کا پیٹ کہاں بھرے گا۔ لہٰذا انعام کے لالچ میں اسے سوغات کے طور پر بادشاہ کے پاس لے آیا۔ بادشاہ نے مچھلی کا تحفہ قبول کر لیا اور مچھیرے کو انعام دے کر رخصت کیا۔ باندی نے مچھلی کو چیرا تو دیکھا کہ اندر سونے کے بالوں کی ایک بنڈی پڑی ہے۔ باندی یہ سونے کے بال لیے سیدھی بادشاہ کے

پاس پہنچی۔ بادشاہ سونے کے بال دیکھ کر کنک رانی کا ان دیکھے عاشق ہوگیا۔ اس نے فوراً شہر بھر میں ڈونڈی پٹوادی کہ: ''جو شخص بھی مجھے یہ رانی لاکر دے گا اسے لڑکی کا رشتہ اور آدھی بادشاہت دوں گا''۔

یہ سن کر ایک بڑھیا بادشاہ کے پاس پہنچی۔ آ کر کہنے لگی: ''اے بادشاہ! یہ کام میں کروں گی۔ لیکن پہلے مجھے وہ مچھیرا بلا کردو''۔ مچھیرے کو بلایا گیا۔ بڑھیا نے اس سے پوچھا: ''اس موسم کی مچھلی پوربی یا پچھمی؟'' مچھیرے نے جواب دیا: ''پچھمی'' بڑھیا نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے ایک کشتی چار مچھیروں سمیت دیں اور ان کے لیے چھ مہینے کا کھانا خوراک بھی دو۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ: ''بڑھیا جو کچھ بھی مانگے اسے فوراً دے دو''۔ آخر بڑھیا نے کشتی لی اور دریا میں روانہ ہوگئی۔

کشتی پانی کے بہاؤ کے سمت چلتی ہوئی جب کنک رانی کے محل کے قریب آئی تو اس نے مچھیروں کو کشتی روکنے کو کہا۔ جب کشتی کنارے سے آ لگی تو بڑھیا محل میں جانے کے بجائے شہر چلی گئی۔ اس نے گھوم پھر کر شہر کو دیکھا تو ویران پڑا تھا۔ اس نے سوچا یہاں ضرور کسی دیو کا بسیرا ہے۔ یہ سوچ کر اس نے محل کی راہ لی۔ چپکے چپکے وہ محل کو بھی دیکھتی گئی۔ کنک رانی جب گھومتی پھرتی آ کر ایک دریچے میں کھڑی ہوئی تو اس کے سنہرے بال دیکھ کر بڑھیا کو یقین ہوگیا کہ یہ وہی رانی ہے جس کی تلاش میں آئی ہوں۔ اس پرمکار بڑھیا نے کیا کیا کہ ایک تیل کے مٹکے میں بیٹھی اور فوراً باہر نکل آئی۔ پھر اسی حالت میں کنک رانی کے محل میں داخل ہوگئی۔ کنک رانی اسے دیکھ کر حیران رہ گئی اور اس سے پوچھا: ''اے بڑی بی! تم کون ہو اور کہاں سے آئی ہو؟'' بڑھیا نے جواب دیا: ''بادشاہوں پر پڑتی ہے نادان نہیں سمجھتے۔ میں اس شہر کے بادشاہ کی ماں تھی۔ جب یہ موا دیو اس شہر پر آ گرا۔ اُس نے اور سب کو تو کھا ڈالا لیکن میں تیل کے ایک مٹکے میں جا چھپی۔ تیل کی بُو کے سبب اسے میری بو نہیں آئی اسی وجہ سے بچ گئی۔ اب جب میں نے دیکھا کہ دیو مارا جاچکا ہے تو ادھر آبادی جان کر چلی آئی ہوں۔ اللہ کے دیے ہوئے میں سے کوئی دانہ دے دو تو واہ، نہیں تو اللہ خوش رکھے'' کنک رانی کو اس پر رحم آ گیا۔ اس نے کہا: ''ماسی! بیٹھی کھاؤ۔ میں اکیلی ہوگئی ہوں اب ایک سے دو ہو جائیں گے''۔

جب شام ہوئی اور امیر حمزہ لوٹ کر آیا تو بڑھیا کو دیکھ کر چونک گیا۔ کنک رانی سے اس نے اس کی بابت پوچھا۔ کنک رانی نے ساری بات سنائی۔ امیر حمزہ نے کہا: ''اب خیر نہیں۔ اس مکار بڑھیا نے جھوٹ بولا ہے۔ اس میں بھلائی نہیں ہوگی۔ بہتر یہی ہے کہ

اسے نکال باہر کرو"۔ لیکن کنک رانی نے کہا: "۔ بڑھیا کھوسٹ، اپنے ہی سانسوں میں مری جارہی ہے۔ بھلا ہمیں کیا نقصان پہنچائے گی"۔ کنک رانی کی ضد کے باعث، بڑھیا وہیں رہ پڑی۔

خدا کا کرنا کیا ہوا کہ ایک دن بڑھیا نے باتیں کرتے ہوئے کنک رانی کہا: "عورت کتنی ہی سچی کیوں نہ ہو مگر مرد اس پر اعتبار نہیں کرتا"۔ کنک رانی نے کہا: "میرا مرد تو مجھ پر پورا اعتبار کرتا ہے"۔ بڑھیا نے کہا: "تم اپنے دل میں چاہے کتنی بھی خوش ہولو۔ لیکن سچی بات وہی ہے جو میں نے بتائی ہے"۔ آخر کافی جھک جھک کے بعد بڑھیا بولی: "اب تم میری بات کو آزما دیکھو۔ جب امیر حمزہ واپس آئے تو اس سے پوچھنا کہ اس کی جان کس شئے میں ہے؟" یہ بات طے ہوگئی رات کو امیر حمزہ کھانا کھا کر جب سونے لگا تو کنک رانی نے پوچھا: "اے شہزادے! یہ تو بتاؤ کہ تمہاری جان کس شئے میں ہے؟" امیر حمزہ کے جیسے دل کو دھکا سا لگا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ کام اسی بوڑھی ڈائن کا ہے۔ پھر کچھ سوچ کر بولا کہ یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے! سب کی جان ان کے جسم کے اندر ہوتی ہے۔ اور بھلا کس میں؟" مگر یہ بھی پکی پڑھائی ہوئی تھی بھلا کہاں ماننے والی تھی! آخر کار اس نے امیر حمزہ کو منا ہی لیا، اس نے کہا "مہینے بھر بعد میں تمہیں بتادوں گا"۔

صبح ہوئی تو بڑھیا نے رانی سے پوچھا۔ اس پر اس نے بتادیا کہ: "مہینے بھر کا وعدہ کیا ہے"۔ بڑھیا بھی بہت پہنچی ہوئی تھی۔ اس نے کیا کیا کہ ایک دھاگا لیا اور اس میں ایک گرہ لگادی۔ جب دوسرا دن ہوا تو دوسری گرہ لگادی۔ اسی طرح ہر روز ایک گرہ لگا دیتی۔ جب مہینہ پورا ہوگیا تو اس نے پھر رانی سے کہا: "رانی، آج رات مہینہ پورا ہوگیا۔ اب دوبارہ پوچھنا"۔ رات ہوئی تو کنک رانی نے پھر امیر حمزہ سے کہا: "اب تم اپنا وعدہ پورا کرو"۔ امیر حمزہ سمجھا تھا کہ عورت کی ذات ہے، بات بھول جائے گی مگر یہ تو جیسے کی بڑے ملا کی پڑھائی ہوئی تھی۔ چنانچہ مجبور ہوکر بتانا پڑا کہ: "میری جان اس تلوار میں ہے"۔

ابھی بمشکل صبح ہوئی تھی کہ بڑھیا اس کے پاس پہنچ گئی۔ کنک رانی نے بھی اسے ساری سربستہ بات سنادی۔ اگلے دن بڑھیا شہر گھومنے کے بہانے جا کر کشتی کے ملاحوں سے طے کر آئی کہ "کل فلاں جگہ کشتی لاکر لگا دینا۔ اگلے دن اس نے کنک رانی سے کہا:

''بیٹی چلو تیل کی مالش کر کے ندی میں نہا آئیں''۔ کنک رانی نے بھی حامی بھرلی۔ جب یہ دونوں ندی پر پہنچیں تو اس نے ملاحوں کو اشارہ کر دیا جنہوں نے کنک رانی کو اٹھا کر کشتی میں ڈال دیا اور وہ روانہ ہوگئی۔ ابھی ذرا ہی دور گئے تھے کہ بڑھیا کو امیر حمزہ یاد آ گیا۔ وہ فوراً محل کو لوٹی اور کیا کیا کہ امیر حمزہ کی تلوار دوسری تلوار سے بدل دی۔ پھر اسے کپاس کی بوری میں لپیٹا، اس پر تیل چھڑکا اور آگ لگادی۔ پھر واپس جا کر کشتی میں سوار ہوئی اور کشتی روانہ ہوگئی اپنے ملک کو!

امیر حمزہ اس وقت شکار کر رہا تھا کہ اچانک ہی اس کے کپڑوں میں آگ لگ گئی۔ وہ ساری بات سمجھ گیا۔ سو یکدم گھوڑے پر چڑھ کر محل کو واپس لوٹا۔ لیکن تب تک اس کا سارا جسم جل چکا تھا۔ آخر وہ بیہوش ہوکر پلنگ پر گر گیا اور دم دے دیا۔ اس لیے کہ اس دوران تلوار پوری جل کر کالی ہو چکی تھی۔

جب کنک رانی کو بادشاہ کے پاس لایا گیا تو وہ بہت خوش ہوا اور وعدے کے مطابق بڑھیا کے پوتے کو اپنی بیٹی کا رشتہ اور آدھی بادشاہت دے دی۔ اس کے بعد وہ کنک رانی کے ساتھ شادی کے لیے تیار ہوا۔ مگر کنک رانی نے اسے جواب دیا کہ: ''جس کا شوہر مر جاتا ہے وہ بھی چار مہینے عدت کرتی ہیں، لیکن میں تو شوہر کو چھوڑ کر آئی ہوں لہٰذا مجھے بارہ ماہ مہلت دو۔ اس کے بعد تمہاری مرضی''۔ بادشاہ نے یہ بات قبول کر لی۔ اسے ندی کنارے ایک الگ محل بنوا دیا۔ جس میں کنک رانی کالے کپڑے پہن کر امیر حمزہ کے غم میں بیٹھ گئی۔

امیر حمزہ کے چار یار ایک دن جب فجر کے وقت اٹھے تو ان کے تیر کھلے ہوئے تھے۔ ان کے دل کٹ کر رہ گئے۔ بکریوں کا چرواہا دوڑا ہوا گیا بھینسوں کے چرواہے کے پاس۔ وہ تو پہلے ہی تیار بیٹھا۔ لوہار بھی حال احوال جان کر ان کے ساتھ ہو لیا آگے بڑھے تو ان کا چوتھا ساتھی بھی اپنے تیر کمان کے ساتھ تیار تھا چاروں باتیں کرتے جب امیر حمزہ کے محل کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ محل کے نیچے دیو سویا پڑا ہے۔ اس کے خراٹوں کی آواز گونج رہی تھی۔ اس کو انہوں نے جگایا۔ لیکن اس نے کروٹ بھی نہ بدلی۔ آس پاس میں انہوں نے صلاح کی کہ اسے جگانا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ بانسوں کے گٹھے اٹھا کر اس کے اوپر لگائے اور تیلی دکھادی۔ آگ کی تپش سے وہ اوں اوں، کرتا اٹھ بیٹھا۔ یاروں پر

ناراض ہوکر بولا: ''ابھی بمشکل آنکھ لگی ہی تھی کہ آ کر مجھے جگا دیا''۔ اس پر انہوں نے بتایا کہ: ''خدا خیر کرے۔ امیر حمزہ کا خدا جانے کیا حال ہے کہ ہمارے تیر کٹ گئے ہیں۔ آخر دیو اٹھا۔ وہ سب محل کے اندر پہنچے۔ دیکھا تو امیر حمزہ سارا کا سارا جل کر کالا ہوا پڑا ہے۔ انہیں بڑا تعجب ہوا کہ اور کوئی کپڑا لتا نہیں جلا تھا نہ سامان، تو آخر یہ جوان کیونکر جلا؟ لوہار تھا سیانا۔ اس نے سارے سازو سامان اور بوریاں بستر دیکھنے شروع کیے۔ دیکھا تو جو چیز جہاں تھی وہیں ہے باقی ایک تلوار تھی جو جل گئی تھی۔ اسے یقین ہوگیا کہ سارا معاملہ اسی تلوار کا ہے۔ بس اس نے ٹھیکرے لیے اور تلوار کو گھسنے لگا۔ ابھی اسے ایک طرف سے ہی صاف کیا تھا کہ امیر حمزہ نے کروٹ بدلی۔ پھر دوسری طرف سے تلوار صاف کی تو امیر حمزہ نے پھر کروٹ لی اور کلمہ پڑھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اٹھتے ہی اس نے پوچھا: ''کنک رانی کہاں ہے؟'' کسی بھی طرح کنک رانی کو تلاش کرو''۔ دیو طوطا بن کر کنک رانی کو تلاش کرنے کے لیے اڑتا ہوا روانہ ہوگیا۔ طوطے سے، وہ بھی دیو طوطے سے کوئی بات کیسے چھپ سکتی تھی۔ چنانچہ چاروں طرف ہی اس نے کھنگال ڈالا اور رانی کو تلاش کر لیا اور دور بیٹھ کر رانی کو غور سے دیکھنے لگا۔

کنک رانی نے طوطے کو اپنی طرف اس طرح دیکھتے ہوئے پایا تو کہنے لگی: ''اگر میرے ہو تو میری طرف آؤ''۔ طوطا خوش ہوکر اس کے پاس جا بیٹھا اور اسے جا کر سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آخر انہوں نے صلاح کی کہ کنک رانی بادشاہ سے کہے کہ وہ شادی کے لیے تیار ہے۔ اگلے دن کنک رانی نے بادشاہ سے یہی کہہ دیا۔ بادشاہ سن کر بہت خوش ہوا۔ رات کو شہر کی خوبصورت اور معتبر خواتین اسی مکار بڑھیا کے ساتھ کنک رانی کو مہندی لگانے آئیں۔ جب سب محل میں پہنچ گئیں تو دیو نے اس محل کو اٹھا کر ہتھیلی پر رکھا اور جیسا کا تیسا، پلک جھپکتے امیر حمزہ کے سامنے حاضر کر دیا۔ امیر حمزہ کنک رانی سے مل کر بہت خوش ہوا، اور دوسروں کو دوستوں کے حوالے کر دیا۔ دیو نے کہا: ''سائیں یہ بڑھیا تو مجھے دے دو''۔ امیر حمزہ نے وہ اسے دے دی، جس نے جانگھ پر جانگھ رکھ کر بڑھیا کو چیر ڈالا۔

اب امیر حمزہ کو خیال آیا کہ اپنے ملک کو لوٹوں۔ یاروں سے اجازت لی۔ دیو سے کہا کہ: ''ہمیں فوراً اس کنوئیں پر پہنچا دو جس میں دیو رہتا ہے''۔ دیو کے سامنے دیر کی کیا بات۔ جھٹ پٹ وہاں پہنچا دیا۔ امیر حمزہ نے دیکھا کہ واہ یار، وہ دیو ابھی سو ہی رہا

ہے اور اس کی دلہن اسی طرح لپٹی لپٹائی اس کے پہلو میں بیٹھی ہے۔ اسے بڑی غیرت آئی لیکن غصہ پی گیا۔ پھر اسے پکار کر جگایا۔ دیو نے امیر حمزہ کو دیکھا تو غمزدہ ہوگیا۔ امیر حمزہ نے کہا: ''میں کنک رانی کو لے آیا ہوں اور تمہارے دشمن کو بھی مار آیا ہوں۔ اب مجھے میری دلہن دے دو!'' دیو نے کہا: ''سائیں تمہاری ملکیت ہے - لے جاؤ - اور کنک رانی مجھے دے دو''۔ امیر حمزہ کو بڑا غصہ آیا، تلوار کا وار جو کیا تو اس کا سر دھڑ سے الگ ہو دور جا گرا۔ پھر اپنی دلہن لی اور کنک رانی بھی ساتھ لیے خیر سے گھر پہنچا۔ اس کے ماں باپ اس کے غم میں رو رو کر اندھے ہو چکے تھے۔ انہوں نے جب سنا کہ امیر حمزہ آ گیا ہے تو پہلے تو اعتبار ہی نہ کیا لیکن جب امیر حمزہ کی باتیں سنیں تو بہت خوش ہوئے۔ بس پھر تو ملک بھر میں خوشیاں منائی گئیں اور بادشاہ نے اپنے جیتے جی بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا۔ جیسا ملن ان کا ہوا ویسا جگ جہان کا ہو۔

☆

سنہرے بالوں والی شہزادی

کسی ملک کے بادشاہ کا ایک اکلوتا بیٹا تھا۔ لیکن وہ بہت ضدی اور خودسر تھا۔ شہزادے کی زور زبردستی کے باعث رعیت بھی بہت تنگ تھی۔ آخر بہت فریادوں اور شکایتوں کے سبب بادشاہ نے غصے میں آکر شہزادے کو دیس نکالا دے دیا اور ملک بدر کردیا۔ شہزادے کے تین دوست تھے۔ ایک برہمن، دوسرا سنار اور تیسرا بڑھئی۔ شہر چھوڑنے سے پہلے جب شہزادہ ان سے رخصت لینے پہنچا تو دوستوں نے کہا: ''شہزادے! جو تمہارا راستہ، اسی پر ہم بھی ساتھ چلیں گے۔ دوست وہ جو دوست پر جان نچھاور کرنے والا ساتھی بنے۔'' آخر یہ چاروں دوست عمدہ گھوڑوں پر سوار ہوکر، وطن کو پیٹھ دے کر دور دیس کو روانہ ہوئے۔

چلتے چلتے وہ ایک جنگل تک پہنچے تھے کہ سورج غروب ہوگیا اور رات ہوگئی۔ اب شہزادے نے اپنے دوستوں سے پوچھا: ''یارو! تمہیں کیا کیا ہنر آتا ہے؟'' برہمن نے کہا: '' بھائی، میں تو فقیروں کی اولاد ہوں۔ مجھے اور تو کچھ نہیں آتا، البتہ اگر کبھی کوئی لاش

دیکھوں تو اللہ کا نام لے کر اس پر چار الٹے چار سیدھے منتر پڑھ دوں تو مالک کی مہربانی سے وہ مردہ کوئی بھی ہوا ور کبھی بھی مرا ہو، بھلا چنگا ہو اٹھے گا۔'' یہ سن کر شہزادے نے کہا: ''یہ ہُنر تو بہت عمدہ ہے۔'' اس کے بعد سُنار نے کہا: ''بھائی! میرا باپ سنار تھا۔ میں نے اسی سے یہ دھندا سیکھا ہے۔ لیکن میں نے دوکان پر بیٹھ کر جو بڑی بات سیکھی وہ یہ ہے کہ کوئی بھی شخص میرے کسی دوست واقف کار سے کبھی بھی اور کہیں بھی بولا چالا ہوگا تو میں جب اس شخص کو دیکھوں گا یا باتیں کرتے سنوں گا تو فوراً بتادوں گا کہ یہ میرے فلاں دوست واقف کار سے ضرور گفتگو کر چکا ہے۔ میں تو ابھی بس یہی ہُنر جانتا ہوں۔'' یہ سن کر سب نے کہا: ''بھائی! یہ ہنر تو لاجواب ہے۔'' اس کے بعد بڑھئی کے بیٹے نے کہا: ''بھائی! مجھے بابا نے بڑھئی کا ایسا ہنر سکھایا ہے جس کا کوئی مقابلہ ہی نہیں، اگر مجھے اچھی لکڑی اور اوزار مل جائیں تو میں کاٹھ کی گھڑیاں بنا کر اس میں ایسا ہنر رکھ دوں کہ وہ لکڑی اڑن کھٹولے کی طرح اُڑنے لگے۔'' یہ سُن کر سب نے واہ واہ کی اور کہا: ''یہ تو واقعی ایک عجیب ہنر ہے۔ وقت پڑنے پر بہت اچھا کام دے گا۔'' پھر جب شہزادے کی باری آئی تو اس نے کہا: ''بھائی! تم سب کے ہنر بڑے ہیں! میرا کام ہے حیوانی، میں بادشاہی اولاد، جنگ میں ماہر، تیر چلانے میں ہوشیار، تلوار چلانے میں طاق (ماہر)، اگر کبھی کوئی بھی مشکل سر پر آپڑے تو پیٹھ دکھانے کے بجائے اس کے سامنے سینہ سپر ہوجاؤں گا۔ پھر مروں گا یا ماروں گا۔ پہلے تو میں اسی حیوانی بہادری کے سبب اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتا تھا لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ لڑ جھگڑ تو کتا بھی سکتا ہے۔ یہ لڑنا جھگڑنا آدمی کا کام نہیں ہے۔ آپ تینوں کے کام اعلیٰ ہیں۔'' اسی طرح دیر تک باتیں کرتے کرتے انہیں نیند آگئی اور وہ سوگئے۔

صبح وہ اٹھے اور ساتھ ساتھ ایک طرف کو چل دیے اور ایک جنگل میں جا پہنچے۔ وہاں ایک شیر مرا پڑا تھا۔ اسے دیکھ کر شہزادے نے برہمن سے کہا: ''بھائی! تمہاری آزمائش کا وقت تو پہلے ہی آگیا۔ اب یہ شیر مرا پڑا ہے۔ یہ ہمیں اٹھا کر دکھاؤ۔ تاکہ ہمارے دل کو یقین ہوجائے۔'' جواب میں برہمن نے کہا: ''یہ شیر، خدا کا شیر ہے۔ اٹھے گا تو ہمیں چیر پھاڑ کر رکھ دے گا۔ اس بات کو جانے ہی دو۔'' دوسرے دوستوں نے بھی برہمن کی بات کی تائید کی۔ پر شہزادہ ضد پر اڑ گیا کہنے لگا: ''اس سے تم بری الذمہ ہو۔ شیر کو مارنا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اس سے تم کیوں ڈرتے ہو؟'' یاروں نے کہا: ''شہزادے، ہوش کے ناخن لو، یہ شیر اٹھے گا۔ تم تو اس سے لڑ جاؤ گے پر ہم لوگ ڈر کے مارے اٹھ کر بھاگ جائیں گے۔ جن کے سبب ہم بچھڑ جائیں گے، کچھ تو سوچو!'' پر

شہزادہ نہ مانا۔ آخر برہمن نے دو چار الٹے سیدھے منتر پڑھے، مالک منان سے سوال کیا، اور تھوڑی ہی دیر میں شیر دہاڑتا ہوا، اٹھ کھڑا ہوا۔ دوسرے ساتھی شیر کو دیکھ کر، اٹھ بھاگے۔ پر شہزادہ شیر کے سامنے ڈٹا رہا۔ آخر بادشاہ کا بیٹا تھا۔ شیر اور شہزادہ سارے دن لڑتے رہے۔ آخر بیچ میں شیر بیزار ہوگیا اور اٹھ کر بھاگا، شہزادے نے پیچھا کیا پر شیر اس سے بچ کر بھاگ گیا۔ اب جو دیکھتا ہے تو! مار! نہ یار نہ ساتھی! اکیلا تن تنہا! افسوس کرنے لگا کہ: ''یاروں نے سچ کہا تھا، اب یاروں سے بھی بچھڑ گئے، ماں باپ تو پہلے ہی چُھٹ گئے تھے، اب یہ ہوا۔''

آخر سوچتے سوچتے رات ہوگئی۔ جنگلی جانوروں اور مرنے کے خوف سے وہ ایک بڑے درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ بھلا جو ریشمی بچھونوں پر سوتا ہو اسے کس طرح ایسی جگہ اکیلے پڑے نیند آتی! گرنے کا خوف اس کے علاوہ! پس شہزادہ اکڑوں ہوکر درخت پر بیٹھا رہا۔ نیند اس پر غلبہ کرتی تو خود کو چٹکیاں بھرتا اور جگائے رکھتا۔ اسی طرح خود کو ہوشیار کر کے جاگتا رہا۔ آدھی رات کو پیٹھ پھیر کر جو دیکھا تو کیا دیکھتا ہے ایک اجگر ناگ ہے جو اپنے منہ میں انگارہ اٹھائے چلا آرہا ہے۔ یہ دیکھ کر اسے حیرت ہوئی کہ ناگ جلتا کیوں نہیں؟ مگر پھر اسے یاد آیا کہ کہتے ہیں کلادری ناگن کے سر پر من، ہوتا ہے، بلا شبہ یہ بھی کلادھاری ناگ ہے۔ یہ روشنی اسی 'من' کی ہے۔ اتنے میں ناگ بھی اسی درخت کے نیچے آ پہنچا۔ ناگ نے ایک جگہ یہ 'من' رکھ دیا اور ناچنے لگا۔ 'من' کی روشنی سے پورا جنگل چمکنے لگا۔ کتنے ہی چرند پرند جانور اس روشنی پر آکر اکٹھے ہوگئے۔ جب ناگ ناچتے ناچتے تھک گیا تو یہی جانور مارے، شکار سے پیٹ بھرا، 'من' اٹھایا اور چل دیا۔ کلادھاری ناگ کے بارے میں شہزادے نے اُس 'من' کو حاصل کرنے کا پکا ارادہ کرلیا۔

شہزادے کو ڈر خوف کے باعث ساری رات نیند نہ آئی اور جاگتے جاگتے صبح کردی۔ صبح درخت سے اتر کر شہزادہ ساتھ والے شہر میں گیا اور ایک لوہار سے بولا: ''لوہے کا دو تین سیر کا ایک چھلا بناؤ، اس میں اُسترہ جیسی دھار ہونی چاہئے، یہ دھارا ایسی تیز ہو کہ جو بھی اس کے پاس جائے وہ فوراً کٹ کر دو ٹکڑے ہوجائے۔'' لوہار نے شہزادہ سے خرچہ لیا اور اس کے کہنے کے مطابق شہزادے کو اُسترے جیسی تیز دھار والا چھلا بنا کر دے دیا۔

شہزادے نے یہ چھلا ایک چھوٹی پیٹی میں رکھا اور لے کر واپس اُسی درخت پر جا بیٹھا۔ اور چھلے کے سوراخ میں سن کی ڈور باندھ کر ناگ کا انتظار کرنے لگا۔ آخر ناگ

اپنے وقت پر، من مُنہ میں لیے، اسی راستے سے چلتا ہوا، اسی درخت کے نیچے پہنچا جس پر شہزادہ چھپا بیٹھا تھا۔ ناگ نے منہ سے من نکالا، اسی پہلی والی جگہ پر رکھا اور پہلے ہی کی طرح ناچنے لگا۔ جیت جناور سب پہلے ہی کی طرح آ کر اکھٹے ہوئے۔ شہزادہ نے موقع پاتے ہی آہستہ آہستہ ڈور میں بندھا چھلا لٹکایا کہ من اس کے بیچ میں آ گیا۔ ناگ نے من کے آگے کوئی شے دیکھی تو چھلے پر ٹکر لگائی۔ اس کی زبان او رمنہ استرے کی دھار پر لگا، اور زخمی ہوگیا۔ ناگ یکدم غصے میں آ گیا۔ اس نے پھر سے چھلے پر حملہ کیا۔ مگر جیسے ہی وار کیا اس کا سر کٹ کر دور جا گرا۔ پھر تو ناگ تڑپنے لگا اور تڑپ تڑپ کر وہیں مر گیا۔

اب شہزادہ درخت سے اترا، اس نے 'من' پر قبضہ کیا اور جدھر سے ناگ آیا تھا اسی طرف چل دیا۔ ناگ کی لکیر چلتے چلتے پانی سے بھری ایک نہر میں داخل ہوئی۔ شہزادہ بھی نہر میں اترنے کو تیار ہوگیا۔ اسے حیرت ہوئی کہ جیسے ہی وہ نہر کی طرف بڑھا تو اس کا پانی شہزادہ سے دور ہٹتا گیا۔ اس پر اسے خیال ہوا کہ شاید یہ 'من' کی کرامت ہے۔ اس پھر نہر میں جگہ ملتی گئی اور شہزادہ اس میں نیچے اتر گیا۔

چلتے چلتے، نہر کے تلے میں شہزادہ کو ایک محل کی کھڑکی دکھائی دی۔ وہ یکدم اس میں داخل ہوگیا۔ شہزادہ نے ایک عمدہ عالیشان محل دیکھا، حیران رہ گیا۔ محل میں گھومتے پھرتے ایک جگہ دیکھا کہ ایک نہایت حسین شہزادی، جس کے بال سنہری ہیں، ہار سنگھار کیے پلنگ پر بیٹھی ہے۔ اجنبی شخص کو محل میں دیکھ کر وہ حیران ہوگئی اور شہزادے سے بولی: ''اے بدنصیب انسان! تیرا اس دوزخ میں کیسے آنا ہوا؟ جیسے آئے ہو ویسے ہی یہاں سے بھاگ جاؤ! یہاں ایک کالا دھاری ناگ رہتا ہے، بس ابھی آیا کہ آیا۔ تمہیں دیکھتے ہی مار ڈالے گا۔ تم جیسے حسین خوبصورت انسان کو میرے سامنے مارا جائے، یہ مجھ سے نہ دیکھا جائے گا۔ اپنی جوانی پر رحم کرو اور فوراً یہاں سے بھاگ جاؤ'' شہزادے نے جواب میں کہا کہ: ''تیرا ناگ مجھ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ میں اسے ختم کرسکتا ہوں۔ تم کیوں اتنا ڈر رہی ہو؟'' شہزادی نے جواب دیا کہ: ''اے انسان! تمہیں اس مردود ناگ کی خبر نہیں۔ اس زمین پر ایک شہر ہے۔ جہاں میرے باپ کی حکومت تھی۔ اس نامراد ناگ نے خدا جانے کیسے مجھے دیکھ لیا اور مجھ پر عاشق ہوگیا۔ پھر میرے باپ اور بھائیوں کو مار کر، مجھے یہاں لا کر قید کر دیا۔ اس کے بعد یہ روزانہ اس شہر میں جاتا رہا اور تھوڑے تھوڑے کر کے وہاں کے تمام لوگوں کو اس نے مار ڈالا۔ اس طرح وہ سارا شہر برباد ہوگیا۔ میرے عزیز رشتہ دار بھی ناگ نے مار دیے اور میں یہاں قید میں پڑی ہوں۔ بہت عرصے کے بعد تم جیسے

حسین انسان کو دیکھا، میرے دل کو کچھ تسلی ہوئی مگر پھر یہ سوچتی ہوں کہ ناگ بے رحم، تمھیں بھی مار ڈالے گا۔ اپنی جان بچانا انسان پر فرض ہے۔ لہٰذا تم کیوں خوامخواہ میری خاطر اپنی جان دیتے ہو؟ اسی لیے تم سے منت کرتی ہوں کہ مجھے میری قسمت پر چھوڑ دو اور تم اپنی جان بچاؤ!''

شہزادے نے اس کی باتیں سنیں تو غم زدہ ہوگیا۔ مگر وہ دل میں بہت خوش بھی ہوا کہ اچھا ہی ہوا کہ ایسے ظالم ناگ کو میں نے ختم کر ڈالا۔ شہزادے کو خاموش دیکھ کر شہزادی سمجھی کہ شاید وہ ناگ سے ڈر گیا ہے۔ لہٰذا کہنے لگی کہ: ''اے نوجوان! اب میں تمھیں اکیلے مرنے نہیں دوں گی۔ پہلے میں اس کے بعد تم! میں بھی اب قید میں پڑے پڑے اپنی جان سے بیزار ہوگئی ہوں۔ تو کیوں نہ ایک ساتھ ناگ کو مارنے کی کوشش کریں، اگر مر گئے تو بھی اس مصیبت سے رہائی ملے گی۔ اب ناگ کی آمد کا وقت ہے۔ ابھی آیا کہ آیا۔ لہٰذا تم اس پلنگ کے نیچے پیٹی میں چھپ کر بیٹھ جاؤ۔ ناگ آئے اور جیسے ہی 'من' منہ سے نکال کر پلنگ پر بیٹھے، اس وقت تم فوراً پلنگ کے نیچے سے نکل کر تلوار سے وار کر کے اسے مار ڈالنا۔ پھر میں اور تم! جہاں کہو گے چلے چلیں گے۔''

اتنا سننا تھا کہ شہزادے نے سنہری بالوں والی شہزادی کو ناگ کے مارے جانے کی ساری روداد سنادی اور 'من' نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

شہزادی ناگ کے مرنے اور 'من' ہاتھ آنے پر بہت خوش ہوئی اور شہزادے سے بولی: ''اے نوجوان! خدا نے دکھوں کے دن گزار دیے اور تم جیسے بہادر اور خوبصورت شہزادے سے اللہ نے مجھے ملایا۔ اب میں تمہاری ہوں۔ کیوں نہ اسی محل میں کچھ دن آرام سے رہیں!'' شہزادہ بھی اپنے عزیز یاروں سے بچھڑا ہوا، اور دکھوں کا ستایا ہوا تھا لہٰذا اس نے شہزادی کی خواہش قبول کرلی۔ پھر وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ وہاں عیش و عشرت کے ساتھ دن گزارنے لگے۔

شہزادی کے پاس ایک بولنے والا طوطا پنجرے میں بند تھا جس سے وہ تنہائی میں باتیں کر کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرلیا کرتی تھی۔ مگر شہزادے کے ملنے کے بعد وہ طوطے کو بالکل بھول ہی بیٹھی۔ طوطا بیچارہ اپنی مجبوری پر راضی اور شہزادی کی آزادی پر خوش، اپنے آپ ہی بیٹھا بیٹھا بولیاں بولتا رہتا۔ آخر ایک روز شہزادی کو طوطا یاد آگیا اور شہزادے کو لے جا کر مٹھو خوش کلام سے ملاقات کرائی اور بولی: ''اے شہزادے! میرا یہ مٹھو بہت عقلمند ہے۔ یہ دنیا کی ہر بات جانتا ہے۔'' شہزادہ مٹھو کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

خیر، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک روز شہزادہ اور شہزادی، دونوں، من لے کر دریا پر آئے اور نہا دھو کر صاف ستھرے ہوئے۔ سر دھوتے ہوئے شہزادی کے سونے کے بالوں میں سے ایک بال دریا میں گر گیا اور وہ بیٹھ کر رونے لگی۔ اس پر شہزادے نے سمجھایا کہ: ''بیوقوف! ایک بال کے لیے بیٹھ کر رو رہی ہو!'' شہزادی نے جواب دیا کہ: ''شہزادے! بال جانے کا دکھ نہیں ہے مگر مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بال ہم پر کوئی مصیبت لے آئے اور ہمارے درمیان جدائی ڈال دے۔'' اس پر شہزادے نے سمجھایا کہ: ''جس رب نے اب تک موت سے بچایا ہے آگے بھی اسی پر بھروسہ ہے۔ تم دلگیر مت ہو۔'' شہزادے کے سمجھانے پر شہزادی چپ ہوگئی اور وہ دونوں ساتھ محل میں آئے۔

ادھر سونے کا بال پانی میں بہتا بہتا، ایک مچھلی کے منہ میں چلا گیا اور وہ اسے نگل گئی۔ خدا کی قدرت، بال کا مچھلی کے پیٹ میں جانا تھا کہ مچھلی کا رنگ سنہری ہوگیا۔ یہ سنہری مچھلی تیرتی ہوئی کسی دوسری بادشاہی میں جانکلی۔ ایک غریب مچھیرا، اللہ کی آس پر، بچوں کے گذر بسر کے لیے دریا میں جال ڈالے بیٹھا تھا، مچھلی جاکر اس جال میں پھنس گئی۔ مچھیرے نے سنہری مچھلی دیکھی تو دل میں بہت خوش ہوا۔ خدا کا شکرانہ بجا لایا کہ: ''آج مالک مہربان ہوگیا ہے کہ ایسی عجیب مچھلی ہاتھ لگی ہے۔ کیوں نہ اسے بادشاہ کو تحفے کے بطور پیش کیا جائے اور شاہی انعام حاصل کروں تاکہ زندگی کے دو چار دن سکھ سے گزر جائیں۔ یہی سوچ کر وہ سنہری مچھلی لے کر بادشاہ کے دربار میں پہنچا۔ بادشاہ نے اسے اچھا انعام دے کر رخصت کیا اور مچھلی شاہی باورچی کے حوالے کردی۔ جب باورچی نے مچھلی کو چیرا تو اس کے پیٹ میں سے سونے کا بال نکل آیا۔ اس نے لے جاکر بادشاہ کے دربار میں پیش کیا۔ اس وقت دربار میں امیروں وزیروں کے ساتھ بادشاہ کا بڑا بیٹا، جو آنکھ سے کانا تھا، وہ بھی تخت کے پاس بادشاہ کے پاس بیٹھا تھا۔ بادشاہ اور سب درباری سونے کا بال دیکھ کر حیرت میں پڑ گئے، لیکن کانے شہزادے نے جو سونے کا بال دیکھا تو یکدم اس کا دل مچل گیا، باپ سے کہنے لگا کہ: ''بابا! میں شادی اسی عورت سے کروں گا جس کے سر کا یہ سنہری بال ہے۔''

امیروں وزیروں اور خود بادشاہ نے کانے شہزادے کو سمجھایا کہ: ''اس ضد سے باز آجاؤ۔'' مگر کانے شہزادے نے کسی کی ایک نہ مانی۔ آخر بادشاہ نے اعلان کرادیا کہ: ''جو بھی شخص، شہزادے کو یہ سونے کے بال والی عورت لاکر دے گا، اسے میں اپنا آدھا راج پاٹ دے دوں گا۔''

ایک روز ایک بوڑھی جادوگرنی بادشاہ کے دربار میں آئی۔ بادشاہ سے وعدہ لے کر اس سونے کے بالوں والی شہزادی کی تلاش میں چلی۔ اس نے اپنا چھکّا چلا کر شہزادی اور اس کے رہنے کی جگہ تلاش کی اور اسی محل تک جا پہنچی جہاں یہ دونوں رہتے تھے۔ بڑھیا موقع پا کر محل میں داخل ہوگئی۔ شہزادے اور شہزادی کو اس نے اپنی جھوٹی کہانی سنائی اور ان دونوں نے رحم کھا کر رکھ لیا۔ مگر طوطے نے جو اس بوڑھی کو دیکھا تو بہت رنجیدہ ہوا اپنی بولی میں اسے بھگانے لگا۔ اس پر شہزادے اور شہزادی نے کہا: ''صرف تمہاری ہمیشہ نہیں چلے گی۔ یہ ہماری بوڑھی نانی ہے۔ تم خوامخواہ بیزار نہ ہو۔'' یہ سن کر طوطا خاموش ہو کر بیٹھ گیا لیکن دل میں سوچنے لگا کہ: ''عجیب اسرار ہے۔ دشمن گھر میں ہے اور میرے مالک اسے عزیز سمجھے بیٹھے ہیں۔ دشمن اور دوست کی انہیں کوئی پہچان نہیں۔ خیر خود ہی بھگتیں گے۔'' چالاک بڑھیا نے تھوڑے ہی دنوں میں اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے شہزادے اور شہزادی کا دل جیت لیا۔

مہینے ڈیڑھ مہینے بعد ایک دن یہ بڑھیا شہزادی کو نہانے کے بہانے دریا پر لے آئی۔ جب شہزادی سر میں ملتانی مٹی لگا کر سر دھونے لگی تو یہ کٹنی بولی کہ: ''شہزادی! میں کنگھی لانا تو بھول ہی گئی۔ تم ذرا 'من' مجھے دینا کہ میں جلدی سے دریا سے گزر کر محل سے جا کر لے آؤں۔'' شہزادی نے 'من' اٹھا کر دے دیا۔ اس کٹنی نے کیا کیا کہ محل میں جا کر سوتے ہوئے شہزادے کو تلوار سے ہلاک کیا اور 'من' اٹھا کر باہر نکل آئی۔ پھر شہزادی کو اسی کشتی میں سوار کرایا جو وہ خود لے کر آئی تھی۔ شہزادی سے کہنے لگی کہ: ''یہ کشتی تمہارے باپ کی ہے۔ ناگ نے جس وقت تمہارے ملک کو برباد کیا اس کے بعد سے، اب تم نے اس پر پاؤں رکھا ہے۔'' شہزادی بہت خوش ہوئی۔ بڑھیا کے ساتھ کشتی پر بیٹھ گئی اور اپنے ماں باپ کو یاد کر کے افسوس کرنے لگی۔ ادھر بوڑھی جادوگرنی نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا جنہوں نے کشتی چلانی شروع کردی۔

ذرا ہی دیر میں شہزادی نے جو دیکھا کہ کشتی بیچ سمندر میں چلی جارہی ہے۔ پھر تو بڑی گڑگڑائی، فریاد کی، پر اس کٹنی نے کہا: ''اے شہزادی، آہ و فریاد سے کچھ بھی نہ ہوگا، اب چپ ہوکر بیٹھ!'' رانی بیچاری قسمت کو کوستی، کانے شہزادے کے ملک میں آکر پہنچی۔ کانے شہزادے نے آکر دیکھا تو باغ باغ ہوگیا۔ آخر شہزادی دوسری کوئی راہ نہ پاکر کانے سے بولی: ''جن کا شوہر مرجاتا ہے وہ بھی سارا سال سوگ میں بیٹھتی ہیں لیکن میں تو اپنا شوہر زندہ چھوڑ کر آئی ہوں لہٰذا مجھے بھی سال بھر اجازت دو اور ان بارہ مہینوں میں

ملک میں خیر خیرات کرو، کھانے پکواؤ غریب غربا اور آنے جانے والوں کو کھلاؤ۔ اس کے بعد جو میرا نصیب ہو مجھے قبول ہے۔'' کانے شہزادے نے اس کٹنی سے پوچھا: ''اس کے پیچھے کوئی وارث وسیلہ ہے؟'' کٹنی نے جواب دیا کہ: ''صرف شوہر تھا، میں اسے بھی مار آئی ہوں۔'' یہ سن کر کانے شہزادے نے اسے سال بھر کے لیے خوشی سے اجازت دے دی اور خاص و عام کے لیے کھانے پلانے کو لنگر جاری کر دیا، جس سے ہر آتا جاتا کھاتا تھا۔

ادھر شہزادے کو جب اس کٹنی نے مارا، اسی وقت طوطا چیختا چلاتا پنجرے سے نکل آیا اور شہزادے کی لاش پر بیٹھا، اس کے حال پر آنسو بہاتا رہا۔

خدا کی قدرت، کہ شہزادے کے بچھڑے دوست سنار، برہمن اور بڑھئی، کچھ دن بعد، چلتے پھرتے، اسی شہر میں آئے۔ جس میں دعوت عام کا اعلان تھا ہر آتا جاتا، امیر سے غریب تک ہر وقت وہاں سے کھا پی کر جاتا۔ شہزادی کا دستور تھا کہ جب تک لنگر چلتا رہتا تب تک وہ محل کی کھڑکی میں بیٹھی رہتی اور جو بھی کھانا کھانے آتا اسے خوب اچھی طرح دیکھتی۔ شہزادے کے ان تینوں دوستوں کو بھی بھوک لگی چنانچہ وہ بھی اس عام لنگر میں چلے آئے۔ کھانا کھا کر جب یہ تینوں دوست شہزادی کے سامنے سے گزرے اس وقت سنار نے شہزادی کو دیکھا اور یاروں سے کہنے لگا: ''بھائی، اللہ نہ بھلائے تو یہ شہزادی اپنے دوست شہزادے سے ضرور گفتگو کر چکی ہے۔'' دوستوں نے کہا: ''چپ رہ! کہیں شہزادی سن نہ لے۔ ورنہ مصیبت میں پڑ جائیں گے!'' مگر اس نے کہا: ''بھائی کہتا تو سچ ہوں۔'' یہ ساری حالت شہزادی دیکھ رہی تھی۔ اس نے فوراً حکم دیا کہ: ''ان تینوں مسافروں کو یہاں بلاؤ۔'' فوراً تینوں دوستوں کو شہزادی کے سامنے حاضر کر دیا گیا۔ شہزادی نے پوچھا کہ: ''آپ کون ہیں؟'' انہوں نے جواب دیا کہ: ''ہم ہیں ایک سنار، دوسرا برہمن تیسرا بڑھئی۔'' شہزادی نے یقین کیا کہ میرے شوہر نے جن یاروں کا ذکر کیا تھا وہ یہی ہیں۔ پھر وہ ان سے بڑی اپنائیت سے ملی اور ساری حقیقت اپنے بارے میں بتائی۔ چاروں نے آپس میں صلاح کی۔ اگلے دن شہزادی نے کانے شہزادے کو کہلوادیا: 'شادی کی تیاری کر، میں تیار ہوں۔'' کانے نے خوش ہو کر شادی کا بندوبست کیا۔ اگلے دن شہزادے کے دوستوں نے شہر میں مشہور کر دیا کہ: ''ہم اڑن کھٹولا بنا سکتے ہیں۔'' شہزادی نے کانے کو کہلوادیا کہ: ''تم اڑن کھٹولا بنواؤ، ہم اسی میں شادی کریں گے۔'' کاریگر بلائے گئے اور تھوڑے دنوں میں اڑن کھٹولا تیار ہو گیا۔ کانے شہزادے نے سونے کے بالوں والی شہزادی کے ساتھ ایک سنارن، ایک برہمن، ایک بڑھنی، اور بوڑھی جادوگرنی کو بلا کر اڑن کھٹولے میں بٹھایا۔ ادھر وہ

تینوں کاریگر بھی اڑن کھٹولے کے ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ تھوڑے اشارے پر، اڑن کھٹولے نے فرش چھوڑا اور آسمان پر اڑنے لگا۔ ادھر بیچارہ کانا شہزادہ واویلا ہی کرتا رہ گیا۔ آسمان پر پہنچنے کے بعد سنار، برہمن، اور بڑھئی بھی باہر نکل آئے۔ بوڑھی مکار جادوگرنی نے پوچھا: ''یہاں تم لوگ کیسے پہنچے؟ باہر نکلو۔'' مگر وہ سنتے ہی نہ تھے۔ بوڑھی جادوگرنی کی عادت تھی کہ 'من' ہمیشہ ساتھ رکھا کرتی تھی۔ شہزادی نے کیا کیا کہ اس کٹنی کو چوٹی سے پکڑا اور بولی: ''من باہر نکال۔ ورنہ دیتی ہوں اڑن کھٹولے سے نیچے دھکا۔ پرزے پرزے ہو جاؤ گی۔'' اس پر کٹنی نے من نکالا اور شہزادی کو دے دیا اور کوڑھی کتے کی طرح کا منہ بنا کر منہ لپیٹ لپٹا کر پڑ رہی۔

اڑن کھٹولا، اڑتے اڑتے، جا کر اسی محل پر اُترا جس میں شہزادہ قتل ہوا پڑا تھا۔ شہزادی کی اسے دیکھ کر چیخ نکل گئی۔ بولی: ''یہ قہر کس کا؟'' طوطے کی نظر جو اس مکار کٹنی پر پڑی تو اس پر ٹوٹ پڑا، اسے ٹھونگیں مارنے لگا اور اسے خونم خون کر ڈالا۔ شہزادی نے اٹھ کر مٹھو کو پکڑا اور بولی: ''تھوڑا صبر کرو، تیری فریاد کا فیصلا بھی ہوا جاتا ہے۔'' شہزادے کے دوستوں نے جب شہزادے کا یہ حال دیکھا تو برہمن سے کہا: ''بھائی دعا کرو۔ یہی صحیح وقت ہے۔'' پھر برہمن نے شہزادے پر دو چار جنتر منتر پڑھے اور اللہ سے دعا کی کہ شہزادہ کلمہ پڑھتا اٹھ بیٹھا۔ اپنے یار وفادار دیکھے تو حیرت میں پڑ گیا۔ کہا: ''بھائی تم نے مجھے نیند سے اٹھا کر کھڑا کر دیا۔'' اس پر دوستوں نے اسے ساری حقیقت کہہ سنائی اور وہ سمجھ گیا کہ طوطے کا کہنا صحیح تھا۔ سنارن، بڑھینی اور برہمنی بھی یہ سارا قصہ سن کر حیران رہ گئے۔ پھر سنارن کی سنار سے، بڑھتی کی بڑھئی سے، اور برہمنی کی برہمن سے شادی ہو گئی۔ شہزادی خوشی کے آنسو بہاتی شہزادے سے ملی۔ کتنی ہی دیر وہ دونوں ایک دوسرے کو چپ چاپ بیٹھے دیکھتے رہے۔ پھر سب دوستوں کو واپس گوٹھ جانے کا خیال آیا۔ بوڑھی کٹنی کو اکیلا محل میں بند کیا اور خود طوطے سمیت اڑن کھٹولے پر بیٹھ کر واپس وطن پہنچے۔ سب اپنے اپنوں سے ملے پھر تو عید

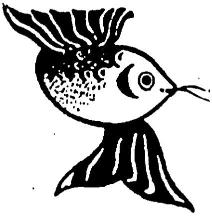

کرمان اور کوری بادشاہ

بادشاہوں کا بادشاہ تو رب پاک ہے لیکن اس فانی جہان میں ایک تھا بادشاہ! جسے مال ملکیت کی تو کوئی پرواہ نہ تھی مگر اولاد کا خواہشمند ضرور تھا۔ یہ بادشاہ ذات کا، کوری تھا۔ ایک دن اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس نے اپنے سارے امیروں وزیروں سے صلاح مشورہ کیا کہ: ''اگر کہیں میں مر گیا تو میری رعیت ساری کی ساری دربدر ہوجائے گی! میرے بعد کون ہے جو ان کی خیر خبر لے گا، اللہ تعالیٰ نے ویسے تو مجھے سبھی کچھ دیا ہے مگر اس ریوڑ کا رکھوالا نہیں دیا۔ اب یہ رعیت ہی سچ مچ میری اولاد ہے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ میں اپنی ساری مال ملکیت اپنے جیتے جی اپنے ہاتھوں سے اپنی اس اولاد کو دے ڈالوں اور انہیں کہہ دوں کہ یہ ملکیت ویسے تو ساری تمہاری ہی ہے، اچھی طرح سنبھال کر اپنے پاس رکھنا، البتہ جب تک میں زندہ ہوں تب تک اسے ہاتھ نہ لگانا، میرے مرنے کے بعد تم اپنے کام میں لانا۔ پھر ان کا وقت اچھا گزر جائے گا۔''

وزیروں اور عقل کے بیریوں کو بادشاہ کی اس بیوقوفی پر ہنسی بھی آئی مگر کسی کی بھی ہمت نہ پڑی کہ کچھ پوچھ سکے! آخر ایک پیرسن وزیر، دل مضبوط کر کے، ہاتھ باندھ کر سر جھکائے بادشاہ سے کہنے لگا: ''بادشاہ سلامت کے سر کی سدا خیر ہو، جس کی حکومت میں شیر بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں۔ جس کے عدل و انصاف کی ہر طرف دھوم ہے۔ ہم سب کو بادشاہ سلامت کے بے اولاد ہونے کا بہت دکھ اور افسوس ہے۔ لیکن اللہ کا سچا بندہ وہی ہے جو مرنے کے وقت تک اللہ پاک کی مہربانیوں سے ناامید نہ ہو۔ کل ہمیں پتہ چلا ہے کہ اپنے شہر سے دس کوس کے فاصلے پر پہاڑ کے ایک غار میں ایک اللہ لوک درویش رہتا ہے۔ جو ہر وقت خدا کی عبادت میں ہی لگا رہتا ہے۔ زیادہ تر وہ کسی بنی بشر کے ساتھ بات نہیں کرتا۔ میں نے سنا ہے کہ اس کے چہرے سے بہت نور برستا رہتا ہے۔ بات چیت وہ کسی سے نہیں کرتا۔ سارا وقت آنکھیں موندے تسبیح پھیرتا رہتا ہے لب بند ہوتے ہیں جو کچھ پڑھتا ہے، سو دل ہی دل میں۔ حضور سائیں سے عرض ہے کہ اس درویش سے بھی چل کر درخواست کی جائے، دعا مانگ کر دیکھو! ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس ولی کی عزت رکھتے ہوئے سیر مٹی کی مہربانی کرے!'' (یعنی اولاد دے دے)

بادشاہ نے وزیر کو جواب دیا:''اے عقل کے اکابر وزیر! میں تمہاری اس نیک رائے میں شامل ہوں۔ فوراً سواری کا بندوبست کرو تاکہ چل کر درویش کو دیکھیں۔'' حکم کی دیر تھی، بادشاہ سلامت اور اس کے ساتھ جانے والے وزیروں امیروں کی سواری کا فوراً بندوبست کردیا گیا۔ دربار برخواست ہوگیا، وہ روانہ ہوئے اور منزل بہ منزل کوچ کرتے گئے یہاں تک کہ دن گرم ہوگیا جس کی وجہ سے راستے میں ایک گھنے درخت تلے پڑاؤ کیا۔ ساتھ میں بنے پانی کے جوہڑ سے گھوڑوں کو پانی پلایا اور کچھ وقت آرام کیا ساتھ کھانا لائے تھے سو کھایا پیا اور آگے روانگی کی تیاری کی۔ سورج ڈوبتے دیکھ کر بادشاہ نے کوچ کرنے کا حکم دیا۔ پس فوراً انہوں نے کوچ کیا اور درویش کے پاس جا پہنچے۔ درویش بھی اس وقت غار سے باہر نکل کر، اپنی صاف ستھری ٹیکری کے بیچ میں دہکائی ہوئی دھونی کے پاس آلتی پالتی مارے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا اور تسبیح پڑھ رہا تھا۔ بادشاہ جیسے ہی دھونی کے نزدیک پہنچا اسی وقت بادشاہ نے اپنے دوسری سمت میں بچھی گدڑی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اس سے پوچھا:''بادشاہ سلامت کو آج ہم غریبوں کی یاد کیسے آگئی جو اس قدر تکلیف اٹھائی ہے۔''

بادشاہ نے فقیر سے کہا کہ:''اللہ کا دیا میرے پاس اور تو سب کچھ ہے، سیرمٹی کا طالب ہوں۔ بس اسی کے غم میں مبتلا ہوں۔ اسی سبب سے آج میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ آپ درویش کو اللہ نے بڑا مرتبہ دیا ہے۔ آپ کی کھری کمائی پر رب راضی ہے۔ اس لیے مجھ بے اولاد بندے کے حق میں اللہ کے دربار میں دعا کر کے سیرمٹی لے دو (یعنی اولاد)، جس کا میں بہت ترسا ہوا اور دکھیارا ہوں!''

درویش نے بادشاہ کی ساری حقیقت سنی تو فکر میں پڑگیا۔ تھوڑی دیر صبر اختیار کیا، ہنسا، اور بولا:''بادشاہ سلامت! آپ کے لیے اولاد تو مجھے لکھی نظر ہی نہیں آتی، میں نے بھی تمہارے بارے میں بہت تلاش و جستجو کی۔ جب تمہارے مقدر میں اولاد لکھی ہی نہیں گئی تو اس صورت میں یہ گناہگار بندہ کیا کرسکتا ہے؟''

اس پر، پتہ بتانے والے وزیر نے ہاتھ باندھ کر عرض کی:''سائیں! اگر ہمارے بادشاہ سلامت کی پشت مضبوط کرنے کو سیرمٹی کا لکھا ہوتا تو ضرور اسے مل جاتا، لیکن اب کیونکہ لکھا ہوا ہی نہیں ہے تبھی تو آپ کی قدم بوسی کو حاضر ہوئے ہیں!''

اس پر بادشاہ نے بیچ میں کہا:''لکھا ہوا تو سب کو ملتا ہے لیکن کامل بزرگ تو وہی ہے کہ ان لکھا ہوا بھی اللہ سے دعا مانگ کر دلوادے۔''

اس پر درویش کی لال مشعل جیسی آنکھیں کھل گئیں اور دہشت سے بولا: ''بابا اس بات سے ہاتھ اُٹھا لو۔ خدا کے رازوں میں کسی کو بھی ہاتھ ڈالنے کی طاقت نہیں ہے۔ اس لیے چپ چاپ جہاں سے آئے ہو، واپس چلے جاؤ!''

بادشاہ نے تمام ترمنتیں کرتے ہوئے کہا: ''درویش سائیں! ہونی تو ہوچکی۔ لیکن اب ایسے دربار سے خالی لوٹے تو خود کو طعن تشنیع اور شرمساری سے کیونکر بچائیں گے۔ لہٰذا عرض ہے کہ آپ خود کو پہچانیں، دعا کر کے ہماری آرزو پوری کریں تاکہ ہم شکر گزار ہو کر واپس پلٹیں۔''

یہ سن کر فقیر پھر سے فکر میں پڑ گیا۔ کچھ دیر بعد سر جھکائے، تھوڑا مسکراتے ہوئے اس نے کہا: ''بادشاہ سلامت! آپ کو مبارک ہو۔ اللہ پاک کے دربار میں، عرض گزار ہوا ہوں۔ جلد ہی تمہارے ہاں دو بچے پیدا ہوں گے۔ اول لڑکی اور اس کے بعد بیٹا۔ جب بیٹی بڑی ہوگی اور بلوغت کو پہنچے گی تو ساتھ والے بادشاہوں میں تم سے دشمنی پیدا ہوگی اور وہ لڑائی کے لیے میدان میں اتریں گے۔'' فقیر پھر سوچ میں پڑ گیا اور کچھ دیر بعد بولا: ''مگر بالآخر فتح تمہاری ہوگی۔''

یہ حقیقت سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور ساتھ لائے ہوئے تمام تحفے درویش کے سامنے بطور نذرانہ رکھے۔ درویش سے ملا دودھ کا پیالہ پیا اور اس سے رخصت لے کر اپنے شہر تخت گاہ کو روانہ ہوا اور خیر وسلامتی کے ساتھ اپنے شہر پہنچ گیا۔ وہاں ساتھیوں نے بادشاہ کو اس کے محل میں چھوڑا اور واپس اپنے اپنے گھر لوٹ کر آرام کیا۔

خیر، ہونے والی باتیں ہوئیں، وقت اپنی رفتار پر گزرا۔ تھوڑے عرصے بعد بادشاہ کی دو رانیاں امید سے ہوگئیں۔ بادشاہ نے خوشی میں خزانے لٹادیے۔ غریبوں نے بھی شاہی انعام سے اپنے گھر بھر لیے۔ آخر کار، مدت پوری ہونے پر ایک رانی کے بیٹی پیدا ہوئی اور مہینے دو مہینے بعد دوسری رانی کے بیٹا پیدا ہوا۔ بادشاہ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور نجومی سے بچوں کی قسمت کے بارے میں پوچھا جس نے خود درویش والی بات دیکھی اور کھول کر صاف صاف بیان کردی۔ کہا: ''بادشاہ سلامت کے دونوں بچوں صاحبزادی اور صاحبزادے کی قسمت بہت تیز ہے۔ باقی تھوڑی رکاوٹ ہے۔ اگر بادشاہ جہاں پناہ ہماری جان بخشی کریں تو ہم وہ بھی بیان کردیں۔'' بادشاہ نے ان سے وعدہ کیا کہ: ''آپ بلا خوف حقیقت بیان کریں۔'' اس پر وہاں آئے ہوئے نجومیوں میں سے ایک بوڑھے نجومی نے جس کے کانوں کی لویں مڑ چکی تھیں، ہاتھ باندھ کر کہا: ''بادشاہ سلامت! جس وقت

"۔۔۔جس وقت شہزادی بالغ ہونے کو ہوگی، اُس وقت حکومت کو کچھ دھچکا لگے گا۔۔۔"

آپ کی صاحبزادی، ہم رعایا کی شہزادی، بلوغت کو پہنچے گی تو حکومت پر کچھ بار پڑے گا یہی دکھائی دے رہا ہے۔ پر جلد ہی فتح و کامیابی ہمارے بادشاہ کو ملے گی۔ اور جو بھی چڑھائی کرے گا وہ ہار کر بھاگے گا اور ان سب کا جنگی مال و اسباب بھی بادشاہ سلامت کے ہاتھ لگے گا۔''

خیر دنوں کی مدت بالآخر پوری ہوئی۔ شہزادی بھی بلوغت کے نزدیک آ پہنچی۔ اس کے حسن کی ہر طرف دھوم مچ گئی۔ چاروں سمتوں سے دوسرے بادشاہوں کے قاصد، کوری بادشاہ کے پاس اس کی بیٹی کا رشتہ مانگنے آنے لگے۔ بادشاہ بھی سب کو دوٹوک جواب دیتا رہا۔ دوسرے بادشاہوں نے تو خیر خاموشی اختیار کر لی لیکن ایک فساد پسند بادشاہ جس کا نام 'کرمان' تھا، اور دماغ کا بڑا ٹیڑھا تھا، اس نے دل میں سوچا کہ: ''یہ کوری کا بیٹا پیدا کب ہوا کہ میرے بیٹے کے ساتھ رشتہ پر حکم عدولی کر رہا ہے! اس کی حکومت ہے کتنی! میں اگر اپنی والی پر آ جاؤں تو اپنی حکومت کے کچھ ڈاکو بھیج کر ہی اس کی حکومت ہتھیا سکتا ہوں۔ میرے اپنے بڑے لاؤ لشکر کے سامنے تو اسے دم مارنے کی مجال نہ ہوگی؟''
ساری رات کرمان بادشاہ کو یہی سب سوچتے کروٹ بدلتے گزری۔ صبح کرمان بادشاہ نے ساری رات اپنے اوپر گزرنے والی حقیقت اپنے وزرا سے بیان کی اور ان سے ان کی صلاح لی، ان سب نے بادشاہ کی ہاں میں ہاں ملائی مگر ایک بوڑھا وزیر خاموش ہی رہا۔ اس پر بادشاہ نے کہا: ''بوڑھے وزیر! تم کچھ کیوں نہیں بولتے؟ کیا تمھیں ہماری رائے پسند نہیں ہے؟'' بوڑھے نے ہاتھ باندھ کر کہا: ''بادشاہ سلامت کے سر بخت کی خیر ہو سدا، حضور نے جو کچھ فرمایا سچ ہے برحق ہے، لیکن میری رائے ہے کہ حضور پھر بھی اسے ایک خط لکھیں جس میں اسے ساری بات صاف صاف لکھ دیں کہ، جس طرح سے تم نے میرے بیٹے کا رشتہ ٹھکرایا ہے اور رشتہ دینے سے انکار کردیا ہے، اس کے جواب میں شاہی قاعدے قانون کے مطابق جنگ کرنا ہی ہوگی، اب یا تو رشتہ دو یا پھر جنگ کرو! بس وہ ڈر جائے گا اور رشتہ دے دے گا۔'' بادشاہ اور دیگر وزرا کو بوڑھے کی یہ صلاح پسند آئی۔ چنانچہ کرمان بادشاہ نے اس بادشاہ کو اپنے خاص کاتب سے خط لکھوادیا، اس پر شاہی مہر لگائی اور بوڑھے وزیر کے ہاتھوں کوری بادشاہ کو بھیج دیا۔ بوڑھا وزیر کوری بادشاہ کے دربار میں ادب سے حاضر ہوا، اور بادشاہی خط کو ایک سونے کی تھالی میں رکھا، دوسری سونے کی تھالی سے ڈھکا، اور بادشاہ سلامت کے سامنے پیش کیا۔ کرمان بادشاہ کے بھیجے ہوئے ہیرے جواہرات بھی تحفے کے طور پر اسے پیش کیے۔

کوری بادشاہ نے اپنے اکابر وزیر سے خط پڑھوایا اور جنگ کی دھمکی سن کر آگ بگولا ہوگیا۔ خط پھاڑ کر جلا دیا گیا اور آئے ہوئے ہیرے جواہرات اٹھا کر پھینک دیے۔ پھر آئے ہوئے بوڑھے وزیر سے کہا: ''تیرے بڑھاپے پر مجھے رحم آتا ہے اور خدا کا خوف دامنگیر ہے لہٰذا تجھے، سلامت واپس لوٹنے دے رہا ہوں اب تمہارے لائے ہوئے خط کا جواب یہ ہے جو اپنے مغرور بادشاہ کو جا کر پہنچا دو کہ: ''جنگ کی دھمکی نہ دے، لڑائی لڑنی ہے تو اتر آ میدان میں، تا کہ تجھے پتہ چل جائے۔''

بوڑھا وزیر بادشاہ کا زبانی پیغام لے کر اپنے کرمان بادشاہ کے پاس پہنچا اور لفظ بہ لفظ جا کر اسے بتادیا۔ کرمان بادشاہ ساری بات سن کر آگ بگولا ہوگیا اور یکدم جنگ کرنے کے لیے تیار ہونے کا حکم دیا۔ طبل بج گیا۔ جنگ کے لیے سارا سامان ہتھیار وغیرہ جمع ہوگئے۔ ایک شاہی لشکر تیار ہوگیا۔ آخر کار بادشاہ نے اپنے گھوڑوں اور لاؤ لشکر سمیت، کوری بادشاہ کے دارالحکومت سے آدھ میل کے فاصلے پر خیمے گاڑ دیے اور کوری (جولاہا) بادشاہ کو کہلوا بھیجا کہ: 'میں جنگ کے لیے فوج لے کر آ گیا ہوں، تو بھی اپنی فوج لے آ اور جنگ کر یا اپنی لڑکی کی شادی میرے بڑے لڑکے سے کردے تو پھر میں واپس چلا جاؤں گا!''

کوری بادشاہ کے پاس پیغام پہنچتے ہی اس نے اپنا لشکر تیار کر کے، اپنے بڑے وزیر کی ماتحتی میں کرمان بادشاہ سے لڑنے بھیجا۔ بڑے وزیر کی جب کرمان بادشاہ پر نظر پڑی تو سپہ سالار اندر ہی اندر ڈر گیا اور بادشاہ کو پیغام بھیجا کہ: ''کرمان بادشاہ کے ساتھ ایسا عظیم لشکر ہے کہ اس کے سامنے اپنا لشکر کچھ بھی نہیں۔ اس لیے میری عرض ہے کہ ناحق خونریزی کرنے اور لشکر کٹوا کر خون کی ندیاں بہانے سے کچھ حاصل نہیں، بہتری یہی ہے کہ آپ اپنی بیٹی کا رشتہ کرمان بادشاہ کے صاحبزادے کو دے دیں۔ ایسا کرنے سے ایک تو دونوں کی عزت ایک دوسرے میں مل جائے گی اور دوسرے دونوں بادشاہوں کے مابین اتنی محبت بڑھ جائے گی کہ دوسرا کوئی بھی دشمن آپ دونوں بادشاہوں پر حملہ نہ کر سکے گا۔''

کوری بادشاہ کو جب اپنے وزیر کا یہ پیغام ملا تو اسے بہت غصہ آیا اور وہ یہی سمجھا کہ: ''ہمارا لشکر یا تو ڈر گیا ہے یا پھر دشمن کے لشکر کے ساتھ جا ملا ہے۔'' لہٰذا اپنے لشکر کو سبق سکھانے اور کرمان بادشاہ سے دوبدو بات کرنے کے لیے ایک سرکش گھوڑا تیار کرایا؛ اس پر سوار ہو کر گھوڑے کو ایڑھ جو لگائی تو پلک جھپکنے میں گھوڑے نے بادشاہ کو اس کے لشکر میں لا پہنچایا۔ بادشاہ کے گھوڑے نے جو کرمان بادشاہ کے گھوڑے کو دور کھڑے

دیکھا تو فوراً ہی اس کی طرف رخ کیا۔ کوری بادشاہ نے گھوڑے کو بہیترا ہی روکا مگر گھوڑا اس کے بس سے باہر ہوگیا۔ جس کی وجہ سے بادشاہ کے دل میں اپنے گرجانے کا خوف پیدا ہوگیا۔ گھوڑا ایسا ہی بھاگتا ہوا، دشمن کے لشکر کی طرف بڑھتا گیا۔ کوری بادشاہ بالآخر گرنے سے بچنے کے لیے، ایک درخت سے لپٹ گیا۔ گھوڑا جو سرپٹ بھاگتا جارہا تھا اس کی وجہ سے درخت اکھڑ کر بادشاہ کے کاندھے پر آ گیا۔

کرمان بادشاہ کے لشکر نے جو دیکھا کہ: ''مار! کوری بادشاہ کی فوج تو اللہ جانے کہاں ہے! اس کی فوج کا ایک عام سپاہی بھی ایسی بے جگری اور بہادری سے اپنا گھوڑا دوڑاتا درخت جڑ سے اکھاڑ کر کاندھے پر لیے ہم پر چڑھائی کرنے چلا آرہا ہے اور ہمارے لشکر کو چیرتا سیدھا بادشاہ سلامت کے خیمے کی طرف دوڑتا چلا جارہا ہے!'' چنانچہ ڈر گئے اور بدحواس ہوکر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

کوری بادشاہ کے سر میں لگی تھی، وہ زور سے چلاتا جارہا تھا ''کہاں آ گرا'' لیکن کرمان بادشاہ اور اس کا لشکر سمجھا کہ کوری بادشاہ للکارتا ہو آرہا ہے کہ: ''کہاں ہے کرمان!'' جب کرمان بادشاہ کے کانوں میں یہ آواز پہنچی تو خیمے سے باہر نکلا، کیا دیکھتا ہے

کہ اس کی فوج تو ساری بھاگ چکی ہے اور بے شمار لوگ سرکش گھوڑوں کے پاؤں تلے آ کر، ان کے سُموں سے کچلے گئے ہیں۔ چنانچہ پاس کھڑے گھوڑوں میں سے ایک گھوڑی پر وہ سوار ہوا اور وہاں سے بھاگ لیا۔ مگر اس کی ایسی مت ماری گئی تھی کہ گھوڑے کی دم کھولنا بھول گیا جس کی وجہ سے اس کی پچھلی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اسی وقت کوری بادشاہ کا گھوڑا بھی اس کے سر پر آ پہنچا اور جیسے ہی کھڑے ہوئے گھوڑے سے لڑنے کے لیے اگلی دونوں ٹانگیں اٹھائیں ویسے ہی بادشاہ کے کندھے پر پڑا درخت نیچے گرا اور کرمان بادشاہ کو جا لگا اور کرمان بادشاہ اس کے نیچے دب کر مر گیا۔ ادھر کوری بادشاہ بھی پھسل کر زمین پر آ رہا اور پیروں پر کھڑا ہو گیا۔ کوری بادشاہ نے اپنے ساتھ اللہ کی مدد دیکھی، بہت خوش ہوا اور کرمان بادشاہ کا ملک اور اس کے ساتھ، آئے ہوئے لشکر کے ہتھیار اور سامان پر قبضہ کیا اور پہلے سے بھی زیادہ عدل وانصاف کے ساتھ اپنی بادشاہت چلانے لگا۔

بھاگوان بادشاہ

ایک تھا بادشاہ۔ اس نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ: ''کل شکار پر چلیں گے۔ جس کے سامنے شکار آ جائے وہی اس کے پیچھے جائے!'' اگلے دن صبح، بادشاہ اپنے ساتھیوں اور سازو سامان سمیت جنگل کو روانہ ہوا۔ اچانک ہی ایک ہرن پیڑوں کے جھنڈ سے نکلا اور بادشاہ کے سامنے سے گزرتا آگے نکل گیا۔ بادشاہ نے بھی ہرن کے پیچھے گھوڑا دوڑا دیا۔ آگے ہرن، پیچھے بادشاہ، وہ ایک ایسی جگہ جا پہنچا جہاں آدم نہ آدم زاد، جنگل بھی یہاں گھنا تھا۔ ہرن نے چھلانگ لگائی اور جنگل میں غائب ہوگیا۔ بادشاہ حیران پریشان کھڑا رہ گیا۔ بالآخر بادشاہ نے پھر گھوڑا دوڑایا مگر بہت دوڑ دھوپ کے بعد بھی اسے کوئی آبادی نظر نہ آئی۔ گھوڑا ابھی تمام دن بھوک پیاس میں دوڑتا رہا تھا وہ بھی تھکا ماندہ ہوگیا تھا اور تھوڑی دور چلنے کے بعد آگے چلنے سے انکاری ہو کر کھڑا ہوگیا تھا۔ بادشاہ نے غصے میں آ کر گھوڑے کو دو چار چابک لگائے، گھوڑے کو کچھ ایسی کاری ضرب لگی کہ یکدم وہ گرا اور مر گیا۔ اب تو بادشاہ بہت پریشان ہوا۔ آخر توکل کا پٹکا باندھ کر، پیدل ہی آگے روانہ ہوا۔ سورج بھی غروب ہوگیا تھا اور بھوک پیاس سے بادشاہ بے حال ہوگیا تھا۔ اتنے میں اچانک ایک جگہ چمک سی دکھائی دی۔ اس کے چہرے پر کچھ رونق آ گئی اور وہ ہمت باندھ کر ادھر روانہ ہوا۔ ہوسکتا ہے یہ چمک کسی تالاب کی ہو! جیسے تیسے بادشاہ وہاں جا پہنچا، اس نے پانی پیا اور فوراً ہی بے سدھ ہو کر سو گیا۔

دوسرے دن صبح بادشاہ نیند سے اٹھا۔ ادھر ادھر نظر ڈالی تو بیابان ہی بیابان ہے نہ راستہ نہ پگڈنڈی۔ اس نے سوچا کہ: ''اس بیابان میں یہ ایک ہی تالاب ہے۔ ضرور پھر کوئی نہ کوئی جانور یہاں آتا ہوگا۔'' پس وہ گہری گھاس میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر نہ گزری تھی کہ ہرنوں کا ٹولہ پانی پینے کے لیے وہاں آیا۔ پانی پی کر وہ پاس ہی چرنے لگے۔ جب ایک ہرن بادشاہ کے نزدیک آیا تو بادشاہ نے یکدم اس کی ٹانگ پکڑی، لٹایا، تکبیر پڑھ کر ذبح کر ڈالا، لکڑیاں جلائیں، گوشت پکایا اور پیٹ بھر کر کھایا۔ اسی طرح وہ روزانہ گزارہ کرتا۔ اس دوران بادشاہ کی حالت بالکل جنگلیوں جیسی ہوگئی تھی۔ کپڑے بھی پھٹ چکے تھے۔ جنگل میں گھوم پھر کر اس نے ایک پگڈنڈی تلاش کی۔ پھر پہلے کی طرح ایک ہرن پکڑا، اسے لے کر، ایک طرف روانہ ہوگیا۔ دو چار کوس چلنے کے بعد ایک شہر

دکھائی دیا۔ شہر میں داخل ہوا تو دیکھا ایک بڑھئی بیٹھا کام کر رہا ہے۔ بادشاہ اس کے پاس پہنچا سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا: ''یار! ہرن بیچتے ہو کیا؟'' بادشاہ نے کہا کہ: ''یا تو یار نہ کہا ہوتا، اگر 'یار' کہہ دیا تو پھر مول کیا پوچھتے ہو! اگر تمہیں چاہیے تو حاضر ہے۔'' اس نے بہتیرا ہی زور دیا کہ وہ پیسے لے لے مگر بادشاہ نے منع کر دیا۔ جب بادشاہ جانے لگا تو اس نے کہا: ''بھائی خدا نے چاہا تو کوئی مصیبت نہ پڑے گی لیکن اگر کسی وقت کچھ مشکل پیش آ جائے تو میں فلاں پاڑے میں رہتا ہوں، پکارو گے تو فوراً حاضر ہو جاؤں گا۔''

بادشاہ واپس اسی تالاب پر لوٹ آیا۔ اگلے دن اس نے پھر ہرن پکڑا اور سوچا کہ آج شہر میں دوسری طرف جا کر ہرن بیچوں اور کپڑے لتے خریدوں۔ یہی سوچ کر وہ شہر میں دوسری طرف جا نکلا۔ دیکھا تو ایک ملنگ بیٹھا ہے۔ بادشاہ نے ملنگ کو سلام کیا، جس نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا: ''یار، اگر ہرن بیچنا ہو تو قیمت بتاؤ!'' بادشاہ نے جواب دیا کہ: ''فقیر سائیں، یا تو یار نہ کہتے پر جو یار کہا ہے تو پھر مول کیا پوچھتے ہو! اگر ضرورت ہو تو ہرن حاضر ہے۔'' یہ کہہ کر بادشاہ نے ہرن فقیر کو دے دیا اور خود چلنے لگا، فقیر نے کہا: ''بابا اللہ کرے گا تم کو مجھ سے کوئی کام نہ پڑے گا لیکن اگر پڑ جائے تو اسی دھونی پر چلے آنا!''

پھر تیسرے دن بھی بادشاہ نے اسی طرح ہرن پکڑا، اور شہر کی ان دو سمتوں کو چھوڑ کر تیسری سمت کی طرف چلا۔ آگے اسے ایک سوداگر ملا۔ بادشاہ نے اسے سلام کیا، اس نے جواب دیتے ہوئے کہا: ''یار، مجھے بتاؤ ہرن بیچتے ہو کیا؟'' بادشاہ نے کہا: ''یاروں سے کیسا مول، لو یہ ہرن تم لے جاؤ!'' جب وہ واپس چلنے لگا تو سوداگر نے کہا: ''خدا کرے گا تمہیں کوئی کام تو نہیں پڑے گا لیکن اگر کسی وقت پڑے تو میں حاضر ہوں، میرا نام فلاں ہے۔''

چوتھے دن پھر وہی۔ اس بار بادشاہ کو وہاں کے بادشاہ کا بیٹا ملا۔ جس نے اسے یار کہہ کر ہرن لے لیا اور خود کو اس کا دوست بنا کر چل دیا۔ بادشاہ واپس تالاب پر آ کر لیٹ گیا۔ ابھی سورج بھی نہ نکلا تھا کہ ایک تعاقب کرنے والا پیروں کے نشانات پر چلتا ہوا وہاں آ پہنچا (کیونکہ یہاں پہنچ کر نشانات گم ہو گئے تھے)، اس نے بادشاہ سے کہا: ''تو خون کر کے یہاں آ کر چھپ گیا ہے!'' بادشاہ بیچارے نے اس امر کو اللہ کی طرف سے سمجھا اور وہ چپ چاپ اس کے ساتھ چل دیا۔ جب وہ بادشاہ کو لے کر اسی بادشاہی میں پہنچا جہاں وہ ہرن دے کر جاتا رہا تھا تبھی اسے یاد آیا کہ تعاقب کرنے والے نے انہی نشانات کا تعاقب کیا ہے جن سے وہ ہرن دے کر واپس جاتا رہا تھا۔ آخر بادشاہ کو لے جا کر شہر کے بندی خانے میں بند کر دیا گیا اور اسے بتایا کہ: ''تجھے کل پھانسی چڑھا دیا جائے گا۔'' بادشاہ حیران و ششدر ہو گیا، گریہ و زاری، منت سماجت کرنے لگا۔ زور زور سے دعائیں مانگنے لگا۔ اتفاق سے قید خانے کے پاس سے وہاں کے بادشاہ کا گزر ہوا۔ اس نے جو اس بادشاہ کی آہ و فریاد سنی تو کیا کیا کہ وہ جیل میں داخل ہو گیا اور داروغہ سے کہنے لگا: ''مجھے فلاں قیدی کے پاس لے چلو!'' داروغہ نے فوراً اسے قیدی بادشاہ کے پاس پہنچا دیا۔ اس کے سامنے بادشاہ نے خود کو جیل کا داروغہ ظاہر کیا اور کہا: ''اگر تمہیں اپنے کسی یار دوست سے ملنا ہو تو بتاؤ، تاکہ اسے بلوادوں۔'' قیدی بادشاہ نے کہا کہ: ''مجھ پردیسی کو

یہاں کوئی نہیں جانتا۔ ہاں البتہ شہر کے فلاں سمت میں ایک ملنگ فقیر بیٹھا ہے۔ اسے بلا دو۔" بادشاہ نے فوراً فقیر کو بلا دیا اور اسے قیدی بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ فقیر کو دیکھ کر اس نے کہا: "یار! اپنا تو حال یہ ہو گیا ہے!" ملنگ نے اپنے یار کی یہ حالت دیکھی تو سب کچھ سمجھ گیا اور کہنے لگا: "یار خدا نے چاہا تو کل بادشاہ تجھے چھوڑ دے گا لیکن اگر نہ چھوڑا تو شہر میں بھی غرق کر ڈالوں گا۔ اب تم مزے سے رات گزارو۔"

پھر قیدی نے بادشاہ سے پوچھا کہ: "اگر کوئی اور یار بھی ہو تو اسے بھی لا دیا جائے!" اس نے بڑھئی کا نام لیا۔ بڑھئی کو فوراً اس کے سامنے حاضر کر دیا گیا۔ اسے دیکھ کر اس نے کہا: "یار ہمارا تو اب اللہ ہی مالک ہے۔ کل بادشاہ پھانسی پر چڑھا دے گا میں نے سوچا کہ یار سے رخصت لے لوں۔" بڑھئی نے کہا کہ: "یار! خدا چاہے تو بادشاہ کل تمہیں چھوڑ دے گا اگر نہیں تو محل کے کھمبے میں نے بنائے ہیں، اس میں ایک ایسی ہتھی لگی ہوئی ہے کہ اگر اسے نکال لوں تو بادشاہ کا تمام محل زمین بوس ہو جائے، اب تو اللہ کو یاد کر، کل ہم تم سے پہلے وہاں ہوں گے!" اتنا کہہ کر بڑھئی چلا گیا۔

قیدی بادشاہ سے پھر پوچھا گیا کہ: "اور کوئی یار ہو تو بتاؤ!" اب اس نے سوداگر کا نام بتایا۔ جسے جبھی کے جبھی لا کر اس کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ سوداگر نے یار کی یہ حالت دیکھی، حیران رہ گیا۔ اس سے خیر خبر لی۔ آخر قیدی بادشاہ نے سوداگر سے کہا کہ: "یار میں نے سوچا کہ اب مرنے والا ہوں سو یار سے الوداع کر لوں۔" سوداگر نے جواب دیا کہ: "ہم تمہارے یار آخر کس لیے ہیں، اب تم بالکل فکر نہ کرو۔ کل میں دنیا دے ڈالوں گا، اگر بادشاہ اس پر بھی راضی نہ ہوا تو میں ان دو گھوڑوں کو بھی دے ڈالوں گا جن پر بادشاہ عاشق ہے، پر اگر وہ اس پر بھی راضی نہ ہوا تو میں اپنی بیوی سے ہاتھ اٹھا لوں گا۔ اس پر بادشاہ عاشق ہے۔ لیکن اگر اس پر بھی راضی نہ ہوا تو پھر اللہ مالک ہے۔" یہ کہہ کر سوداگر بھی چلا گیا۔

قیدی بادشاہ سے پھر پوچھا گیا کہ: "ہے کوئی اور بھی یار دوست، تو اسے بھی بلا دیا جائے!" اس پر اس نے شہزادے کا نام بتایا۔ فوراً شہزادے کو بلا دیا گیا۔ شہزادے نے اپنے دوست کی یہ حالت دیکھی تو بہت دکھ کا اظہار کیا اور کہا: "یار! خدا نے چاہا تو بادشاہ کل تجھے چھوڑ دے گا۔ اگر نہ چھوڑا تو پھر میرا ہاتھ بھی بادشاہ پر ہے، پھر نصیب یاوری کرے۔" یہ کہہ کر شہزادہ بھی چلا گیا۔

جب صبح ہوئی تو بادشاہ نے دربار لگایا اور قیدی بادشاہ کو بھی بلوایا۔ کچھ دیر نہ گزری تھی کہ سوداگر دو گھوڑے لیے دربار کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ ایک گھوڑی پر سونے سے

بھری خرزینیں تھیں اور دوسرے پر اس کی نہایت حسین و جمیل بیوی بیٹھی تھی۔ دوسری طرف بڑھئی بھی محل کا ایک کونہ سنبھالے بیٹھا تھا۔ ادھر شہزادہ بھی اپنا لشکر لیے تیار کھڑا تھا۔ دوسری طرف ملنگ اپنے ہاتھ کھرپی کی طرح زمین میں گاڑے بیٹھا تھا۔

شہر کے بادشاہ کو تو پہلے ہی ساری بات کی خبر تھی۔ باقی صرف بھاگوان بادشاہ کا نصیب آزمانا تھا۔ سوداگر نے بادشاہ سے عرض کی: ''یہ خونی سونے کے بدلے مجھے تول دو۔'' بادشاہ نے انکار کردیا۔ پھر سوداگر نے اپنے گھوڑے پیش کیے، پر بادشاہ نے انکار کردیا۔ اس پر اس نے اپنی بیوی پیش کردی، پر بادشاہ نے یہ بات بھی نہ مانی۔ پھر بڑھئی کو بلوایا، لیکن اس نے وہیں سے چلا کر کہا: ''بادشاہ سلامت! پہلے میرے یار کو آزاد کرو تو پھر میں اٹھوں، ورنہ محل آیا زمین پر!''

ان باتوں اور بحث مباحثہ کے بعد، بادشاہ نے بھاگوان بادشاہ کو آزاد کردیا، سوداگر سے بغلگیر ہوا، اور سوداگر کی بیوی کے سر پر چادر اڑھا کر بہن بنالیا اور بولا: ''واقعی میری نیت خراب تھی لیکن آج کے بعد تم میری بہن ہو۔'' اس کے بعد فقیر سے معافی مانگی، بڑھئی کو انعام دیا۔ اس کے بعد اپنے بیٹے کو گلے لگایا اور کہا: ''بیشک! تو حلال کی اولاد ہے۔''

اس کے بعد بھاگوان بادشاہ کا اپنی بیٹی کے ساتھ بیاہ کردیا۔ جب دولہا دلہن سج کر بیٹھے تو بھاگوان بادشاہ نے اپنی دلہن کو بتایا کہ: ''شہزادی! میں یہاں صرف آج کی رات ہوں۔ کل میں اپنے وطن جاؤں گا، اگر تم میرے ساتھ میرے وطن چلو تو بہتر، ورنہ ہمارا اللہ مالک ہے۔'' شہزادی پہلے تو حیران ہوگئی اور پھر بولی: ''ٹھیک ہے، میں تمہاری باندی ہوں، جہاں تم وہاں میں بھی تمہارے پیچھے۔'' اس پر بھاگوان نے کہا: ''شہزادی! میں خود بھی بادشاہ ہوں، تمہارا باپ میرا باج گزار ہے! تم فکر نہ کرو، قسمت کا لکھا مجھے یہاں لے آیا، ورنہ ایسے کون آتا ہے!''

صبح بھاگوان بادشاہ نے اپنے سسر کو بھی ساری بات بتائی۔ وہ بھی سن کر بہت خوش ہوا اور بادشاہ اور شہزادی کو بڑی خوشی سے اپنے وطن لوٹنے کی اجازت دے دی۔

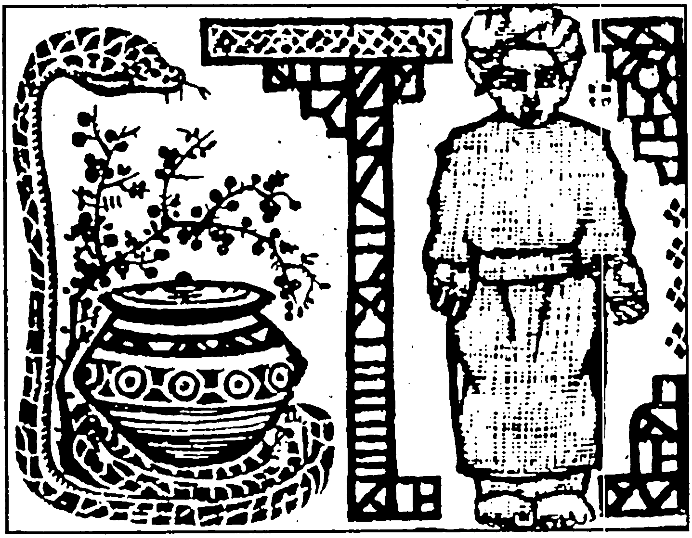

بادشاہ اور چرواہا

کسی زمانے میں ایک بادشاہ تھا۔ جس کے پاس اور تو کسی شے کی کوئی کمی نہ تھی البتہ اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ آخر بڑی خیر خیرات اور منتوں مرادوں کے بعد، کسی فقیر کی دعا سے اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ بادشاہ کا بیٹا، آج چھوٹا کل بڑا، آخر ہوتے ہوتے جوان ہوگیا۔ ایک تو بادشاہ کا بیٹا، دوسرے ترس ترس کر ملا تھا، پس شہزادہ آزادانہ اِدھر اُدھر گھومتا پھرتا۔ وہیں ایک چرواہا بھی رہتا تھا۔ بادشاہ کے بیٹے کی اس کے ساتھ بہت زیادہ دوستی ہوگئی۔ چرواہا اپنا ریوڑ لے کر جنگل کو نکل جاتا تو شہزادہ بھی جا کر اس کے ساتھ شامل ہوجاتا۔ بادشاہ کو جب یہ خبر ملی تو بہت ناراض ہوا۔ اسے یہ بات بالکل پسند نہ تھی کہ اس کا بیٹا، چرواہے کی دوستی میں جنگل کی خاک چھانتا پھرے۔ مگر لاڈ پیار کے باعث اسے کچھ کہہ بھی نہ سکا۔

ایک روز دونوں دوست دریا کے کنارے کھڑے تھے اور بکریوں کو پانی پلا رہے تھے۔ دیکھا تو ایک کشتی آ کر پہنچی۔ جس پر ایک چاند سی حسین، پری پیکر انسانی روپ میں جلوے دکھا رہی تھی۔ اس کے حسن کی تجلی نے شہزادے کا من موہ لیا اور وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھنے لگا۔

عشق کے تیر نے دونوں کو گھائل کر دیا۔ ایک ہی وار میں دونوں نشانہ بن چکے تھے۔ ادھر شہزادی بھی شہزادے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دم بخود بیٹھی تھی۔

باندی، جو یہ تمام نظارہ کھڑی دیکھ رہی تھی، اس نے شہزادی کو ہوش دلایا اور بولی: ''پردیسی سے پریت لگانے کا مطلب ہے اپنے آپ کو برباد کرنا۔ کون جانے یہ کہاں کی بلا!'' شہزادی نے کہا کہ: ''حیلا تو میں بھی کروں گی، وسیلہ خود بخود ہو جائے گا!'' یہ کہہ کر شہزادے کے دیکھتے دیکھتے ایک تھال اٹھایا اور اس پر ایک سپاری رکھی۔ پھر وہ سپاری اٹھا کر تھال کے بیچوں بیچ رکھ دی۔ وہاں سے اٹھا کر اپنی چوڑی پر رکھی۔ وہاں سے اٹھا کر اپنے دانتوں پر رکھی۔ پھر وہاں سے اٹھا کر آنکھوں پر رکھی اور دریا میں اچھال دی۔ اس نے پیٹھ پھیری اور دیکھتے ہی دیکھتے، شہزادے کی آنکھوں کے سامنے سے کشتی آگے روانہ ہوگئی۔

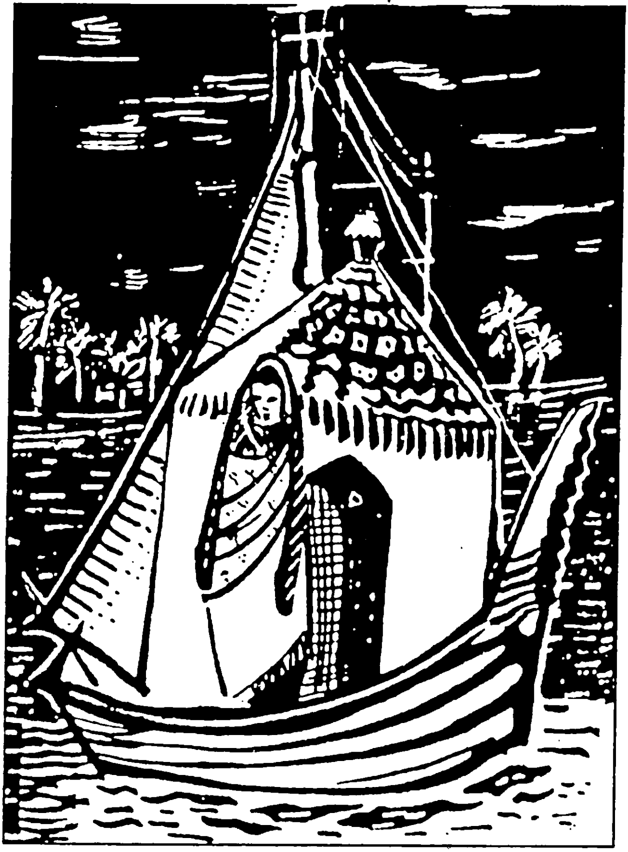

یہ سارا تماشہ چرواہا بھی دیکھ رہا تھا۔ شہزادے نے اس سے پوچھا: ''ان اشاروں کا مطلب کیا ہے؟'' چرواہے نے دل میں سوچا کہ وہ ساری حقیقت جو میں سمجھا ہوں اگر شہزادے کو بتادوں تو شہزادے کو صبر ہی نہ آئے گا، اور کہے گا کہ ''ابھی کے ابھی اس کے پیچھے چلو!'' اسی لیے اس نے جواب دیا کہ: ''میں جاہل چرواہا، مجھے کیا خبر کہ اس نے کیا کہا؟ گونگوں کا اشارہ گونگے سمجھیں یا سمجھیں گونگوں کے ماں باپ!''

خیر، کشتی تو چلی گئی مگر شہزادہ اس حسینہ کے فراق میں روز بروز گھلنے لگا۔ آخر کار شہزادے کی پریشانی کی خبر بادشاہ کو جا پہنچی۔ جس نے کچھ سوچا نہ تامل کیا، کہنے لگا: ''یہ سب چرواہے کی صحبت کا اثر ہے۔ اسی کی وجہ سے میرے بیٹے کی زندگی برباد ہو رہی ہے۔'' پس اس نے حکم دے دیا کہ چرواہے کو دیس نکالا دے دو۔ دیہہ دور ملکوں پرے! کسی ایسی جگہ پھینک آؤ کہ جہاں سے کبھی واپس ادھر کا رخ نہ کر سکے!''

حاکم کا حکم سر آنکھوں پر۔ غریب کی کیا مجال کہ پوچھ گچھ کر سکے۔ سو چرواہا بیچارہ اس شہر کو چھوڑ کر کسی اور طرف چل دیا۔ پر شہزادہ تھا کہ روز بروز اس کی حالت ابتر ہوتی جارہی تھی۔ بالآخر بادشاہ نے اس سے اس طرح گھلنے کا سبب پوچھا۔ اس پر شہزادے نے پہلے تو بتانے سے انکار کیا، مگر پھر زارو قطار روتے ہوئے اس نے ساری حقیقت بیان کردی۔ بادشاہ نے اپنے وزیروں اور امیروں کو بلایا، شہزادے کی پہیلی حل کرنے کو کہا مگر ان میں سے کوئی ایک بھی اس کا مطلب بتا نہ سکا۔ اب تو بادشاہ کو شہزادے کی زندگی کی فکر پڑ گئی چنانچہ اس نے حکم دیا کہ کسی طرح چرواہے کو تلاش کر کے لاؤ۔ ویسے بھی وہ شہزادے کا دوست ہے، ممکن ہے اس معمے کا مطلب اسی کے ذریعے ہاتھ آئے۔''

حکم کی دیر تھی، بادشاہ کے کارندے چاروں طرف دوڑ گئے اور آخرکار چرواہے کو ڈھونڈ کر لے آئے۔ بادشاہ نے اسے شہزادے کے بارے میں تمام احوال سنایا اور کہنے لگا: ''اب وہ موت کے کنارے آلگا ہے، اگر اس کا کوئی علاج تمہاری سمجھ میں آتا ہو تو یہی صحیح وقت ہے کہ بتادو۔ مجھے بتاؤ کہ آخر یہ بات ہے کیا اور کیسے؟'' چرواہے نے بادشاہ سے کہا: ''بادشاہ سلامت! بات بہت آسان ہے۔ میں نے شہزادے کو صرف اس لیے نہیں بتائی کہ اگر وہ اسی وقت سن لیتا تو یکدم وہاں جانے پر تیار ہو جاتا اور جہاں پناہ کا غصہ و عتاب ناحق مجھ غریب پر نازل ہوتا!''

پھر چرواہے نے بادشاہ کو بتایا کہ ''شہزادی نے جس وقت تھال اٹھایا تو اس سے یہ مطلب نکلتا ہے، کہ شہزادی تھالبار، شہر کی ہے۔ سپاری، تھال کے بیچ میں رکھنے کا مطلب

یہ ہے کہ اس کا محل شہر کے بیچوں بیچ ہے اور اس کے دروازے پر سپاری کا درخت ہے۔ چوڑی پر سپاری رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ چوڑی والے کی دوکان بھی نزدیک میں وہیں کہیں ہے۔ پھر سپاری کو دانتوں پر رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ڈاندار، بادشاہ کی بیٹی ہے۔ پھر سپاری آنکھوں پر رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم وہاں آؤ گے تو میری آنکھوں میں جگہ پاؤ گے! آخر میں سپاری کو دریا میں اچھال دینے کا مطلب یہ ہے کہ: ''یہ بات یونہی سن کر، سپاری کی طرح کم تر جان کر، دل سے نکال، بھلا نہ دینا!''

چرواہے کی بات سن کر بادشاہ اور اس کے امیر وزیر پہلے تو حیران رہ گئے لیکن پھر وہ بہت خوش ہوئے۔ بادشاہ نے اس سے کہا: ''اب یہ تمام کام تمہارے حوالے ہے۔ میرے بیٹے کی زندگی اب تمہیں ہی بچانی ہے۔'' یہ کہہ کر شہزادے اور چرواہے دونوں کے سفر کا بندوبست کرنے کا حکم دیا۔ حکم کے مطابق تمام تیاریاں کھڑے کھڑے ہی کر دی گئیں۔ اگلے دن شہزادہ اور چرواہا پردیس جانے کے لیے تیار ہو کر باہر نکلے۔ دو عمدہ گھوڑے، دھن دولت کی خرزینوں سے بھرے انہیں دیے گئے، ان گھوڑوں پر سوار ہو کر، اسی وقت دونوں روانہ ہو گئے۔

تھوڑے عرصے میں، منزل پر منزل طے کرتے، دیکھتے بھالتے، پوچھتے گچھتے کرایہ پر مکان لیا، گھوڑوں کو وہاں باندھا اور دونوں شہر گھومنے نکل گئے۔ گھومتے پھرتے انہوں نے دیکھا کہ شہر کے بیچوں بیچ ایک محل ہے۔ جس کے آگے سپاری کا درخت کھڑا ہے اور چوڑی والا بھی وہاں نزدیک ہی دوکان جمائے بیٹھا ہے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ یہی وہ محل ہے جس کے لیے اتنی تکلیفیں اٹھا کر یہاں تک پہنچے ہیں۔ اسی طرح اور بھی بہت سے ملکوں سے متعلق معلومات لے کر، کافی وقت گزارنے کے بعد واپس اپنی رہنے کی جگہ پر لوٹے۔ پھر وہ دیر تک دیکھی سنی باتوں پر بحث مباحثہ کرتے، لے دے کرتے، بالآخر سو گئے۔

دوسرے دن صبح سویرے اٹھتے ہی، ناشتے سے فارغ ہو کر چرواہا گیا اور ایک بوڑھی عورت کو پکڑ لایا۔ اسے روپیہ پیسہ دیا، اور سمجھا بجھا کر پکا کر دیا، دونوں نے اسے بالکل اپنا بنا لیا۔ کہتے ہیں کہ: '' نہ بوہ ماسی، پیسے سے ہر کوئی ماسی۔'' اب یہ دونوں اسے ماسی، ماسی پکارنے لگے۔ پھر اس سے بولے کہ: ''تو محل میں جا اور شہزادی سے فقط اتنا کہہ دو کہ تم نے جسے بلایا وہ آیا۔ بس تیری چھٹی۔'' بوڑھی ماسی پہلے تو ڈری مگر پیسوں کے لالچ نے دل مضبوط کر دیا، شہزادی کے پاس پہنچی اور بولی: ''تو نے جسے یاد کیا وہ آیا۔'' شہزادی

یہ سنتے ہی باغ باغ ہوگئی۔ پہلے ماسی کو کچھ انعام دیا پھر ایک تھال لا کر دیا جس میں آٹے کے قبے بنے ہوئے تھے ان میں سے ایک قبہ چوٹی پر سے ٹوٹا ہوا تھا۔ اس کے بعد شہزادی نے اسے اچھی طرح مارا پیٹا اور دھکے دے کر اپنے پاس سے روانہ کیا۔ بولی: ''ناہنجاز! تیری ایسی کی تیسی! آئی نا محرم مردوں کے پیغام پہنچانے۔۔۔۔ نکل میرے سامنے سے۔۔۔ ورنہ تیری کھال میں بُھس نہ بھروادوں۔'' بوڑھی ماسی نے تھال نکال کر چرواہے کو دیا جو اسی وقت سارے معمے کو سمجھ گیا۔ پھر یہ دونوں شہر میں چاروں طرف چکر لگانے لگے۔ بالآخر انہوں نے دیکھا کہ شہزادی نے جو اشارے اپنی پہیلی کے ذریعے بھیجے تھے انہی نشانیوں والے قبے شہر کے باہر موجود تھے۔ چرواہے نے موقع پا کر شہزادے کو ٹوٹی چوٹی والے قبے میں بٹھادیا۔ کچھ ہی دیر بعد شہزادی بھی وہاں آ پہنچی۔ اس طرح شہزادے اور شہزادی کی پہلی ملاقات ہوئی۔ پھر اسی جگہ پر روزانہ ملنے کا وعدہ کر کے شہزادی فجر کے وقت، جیسے آئی تھی ویسے ہی واپس روانہ ہوگئی۔

اگلی رات، وعدے کے مطابق شہزادی مقررہ وقت پر محل سے باہر نکلی۔ مگر اتفاق ایسا ہوا کہ ابھی وہ شہر کی گلیوں میں بمشکل پہنچنے پائی تھی کہ کسی چوکیدار نے اسے دیکھ لیا۔ اس نے دور ہی سے پکارا، اور ڈگ بھرتا شہزادی کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ شہزادی بھی آواز سن کر گھبرا گئی اور جہاں تھی وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ چوکیدار نے قریب پہنچ کر اس سے اس وقت محل سے نکلنے کا سبب پوچھا۔ اس پر شہزادی نے ڈھٹائی کے ساتھ جواب دیا کہ: ''میں نے فلاں پیر کی منت مانی تھی، سو وہیں جارہی ہوں۔'' چوکیدار خاموش ہوگیا۔ پھر شہزادی چوکیدار کو کچھ دے دلا کر اسی وقت مقررہ جگہ پر پہنچی۔ جہاں رات کا بقیہ حصہ شہزادے کے ساتھ باتیں کرتے گزرا۔ پھر پچھلی رات کی طرح شہزادی فجر سے پہلے واپس محل کو رخصت ہوئی۔

تیسری رات کیا ہوا کہ شہزادی وعدے کے مطابق ابھی بمشکل قبوں تک پہنچی ہی تھی کہ مجاور نے اسے دیکھ لیا۔ جب وہ قبے کے اندر چلی گئی تو وہ باہر بیٹھ کر کنسوئیاں لینے لگا۔ چرواہے نے سوچا کہ اس وقت عزت رہ جائے تو بہتر، ورنہ خیر نہیں۔ یہی سوچ کر مجاور کے پاس پہنچا اور کہنے لگا: ''میں دور سے پیدل چلتا آ رہا ہوں، مجھے صرف یہاں زیارت کرنی ہے، میں قبے کے اندر جاؤں گا!'' پہلے تو مجاور نے اجازت دینے سے انکار کیا مگر جب اسے چرواہے سے نذرانہ ملا تو اس نے راضی ہوکر اجازت دے دی، کہنے لگا: ''میاں جیتے جاگتے ولیوں کی زیارت میں کیا روک ٹوک۔'' چرواہا بہت خوش ہوا اور اندر جا کر انہیں

(شہزادے، شہزادی کو) ساری بات بتائی۔ پھر صلاح کی کہ یہاں سے جلدی نکل جانا چاہیے۔ شہزادی نے کہا کہ کل سورج غروب ہوتے، اندھیرا پھیلتے ہی گھوڑا تیار کر کے یہاں پہنچ جانا، پھر ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔" پھر شہزادی نے چرواہے کا پٹکا باندھا اور اس کی جوتیاں پاؤں میں پہنیں، قبے کے باہر نکل چلی۔ کافی دیر گزر گئی۔ اب مجاور نے دروازے پر دستک دی تو شہزادہ اور چرواہا باہر نکل آئے۔ انہوں نے اسے نذرانہ پیش کیا، صدق دل سے دعائیں مانگیں پھر دونوں واپس پلٹ کر اپنے گھر پہنچے اور آرام کیا۔

شہزادے اور چرواہے نے، دوسرے دن سامان سفر تیار کیا، تمام دن آرام کیا اور رات کو مقررہ وقت پر بتائی ہوئی جگہ پر جا پہنچے۔ جب تک شہزادی آ کر پہنچے، چرواہا نزدیک میں اِدھر اُدھر چکر لگانے لگا تا کہ اچانک خطرے کا بچاؤ کر سکے۔ وہیں ایک جادوگرنی رہتی تھی۔ جو اس وقت اپنی نوکرانی سے باتیں کرنے میں لگی ہوئی تھی۔ چرواہے نے جو آواز سنی تو کان لگا کر ان کی باتیں سننے لگا۔ جادوگرنی اپنی نوکرانی سے کہہ رہی تھی: "آج ہمارے شہر سے ڈاندار بادشاہ کی شہزادی جا رہی ہے۔ اس کے ساتھ ایک شہزادہ بھی ہے۔ راستے میں یہ ایک بیری کے نیچے سے گزریں گے۔ شہزادہ بیری سے بیر توڑ کر کھائے گا جس کے زہریلے اثر سے شہزادہ مرجائے گا۔ لیکن اگر وہ وہاں سے بچ نکلا تو راستے میں ایک دودھ والی چھاچھ لے کر جا رہی ہوگی مگر اس میں ناگ کا زہر ملا ہوا ہوگا۔ اگر وہ اسے پی لے گا تو فوراً ہی مرجائے گا۔ لیکن اگر وہ وہاں سے بھی بچ نکلا تو جب وہ اپنے محل میں سو رہا ہوگا تو ایک بلا شہزادے کے گلے میں زہر اُتار دے گی۔ شہزادہ نیند کے خمار میں اس کا بوسہ لے گا اور یکدم مرجائے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ باتیں سن کر، پہلے یا بعد میں شہزادے کو بتائے گا تو اس شخص کا پورا بدن پتھر کا ہوجائے گا۔" اس پر نوکرانی نے اس جادوگرنی سے پوچھا: "اس بیچارے کا جسم، پتھریلے پن سے کیسے نجات پائے گا؟" اس پر جادوگرنی نے جواب دیا: "شہزادے کے پہلوٹھی کے بچے کا خون اگر اس کے بدن پر پڑے تو وہ واپس اپنی اصلی حالت پر آجائے گا، دوسری صورت میں وہ ہمیشہ یونہی رہے گا!"

چرواہے نے یہ ساری حقیقت سنی اور چپ چاپ واپس آ گیا۔ شہزادی بھی آ پہنچی تو یہ سب گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنے ملک کو روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے دن نکل آیا۔ پھر آدھا سورج چڑھ آیا تو راہ میں ایک بیری دکھائی دی۔ شہزادے نے بیر کھانے کی خواہش ظاہر کی اور چرواہے سے کہا: "بیری کو ہلا کر بیر گراؤ تا کہ کچھ کھاؤں۔" چرواہے نے یکدم ہامی بھری اور بیری کو جھنجھوڑنے کے لیے اوپر چڑھا لیکن ساتھ ہی اس نے شہزادے سے

کہا: ''جب تک میں نیچے نہ اتر آؤں، تب تک تمہیں ایک بیر اٹھانا بھی حرام ہے۔'' آخر بیری کو جھنجھوڑ کر بیر گرا چکنے کے بعد چرواہا نیچے اتر آیا۔ اس نے بیروں سے خرزین بھر کر لٹکا دی اور اُس میں چھید کر دیا، شہزادے سے کہا: ''آگے چل کر آرام سے بیر کھائیں گے جہاں پانی بھی مل سکے۔ راستے میں ترستوں کی طرح بیر کھانا ہمیں زیب نہیں دیتا۔'' شہزادے نے یہ بات سنی تو لاچار گھوڑا ہنکاتا آگے چلا۔ چرواہے نے بھی اس کے پیچھے گھوڑا دوڑا دیا۔ جیسے ہی گھوڑا دوڑا تو خرزین سے تمام بیر ایک ایک کر کے فرش پر گر گئے۔ آگے ایک چشمے پر نظر پڑی۔ پس وہاں اتر کر شہزادے نے چرواہے سے بیر طلب کیے۔ چرواہے نے خرزین میں ہاتھ ڈالا اور چلا کر بولا: ''ارے۔۔۔ بیر تو سارے کے سارے گر گئے۔ شاید خرزین میں پہلے سے کوئی چھید تھا۔'' شہزادے نے چرواہے کی یہ بات سنی تو صبر اختیار کیا۔ چشمے کے کنارے کچھ دیر آرام کیا۔ پھر گھوڑے ہنکاتے آگے چلے۔ ساری رات چلتے رہے۔ دوسرے روز، ابھی دو پہر ہی گزری تھی کہ راہ میں انہیں ایک دودھ والی ملی۔ شہزادے نے کہا: ''مجھے پیاس لگی ہے، گرمی نے بھی دم نکال دیا ہے۔ یہاں ٹھہرو، چھاچھ لسی پی کر حلق تر کریں اور کچھ دیر آرام آئے۔'' اس پر چرواہے نے کہا: ''شہزادے میں اس سے پوری مٹکی خرید لیتا ہوں۔ آگے چل کر آرام سے پینا۔'' اب چرواہے نے لسی کی پوری مٹکی خرید کر اپنے آگے رکھ لی اور گھوڑا ہنکا کر آگے بڑھا۔ کچھ دور چلا ہوگا کہ چرواہے نے مٹکی پر سے ہاتھ اٹھالیا، ساری لسی گر گئی اور مٹکی ٹوٹ گئی۔ شہزادے نے جو یہ دیکھا کہ ساری لسی گر گئی ہے تو پھر صبر سے کام لیا۔ جیسے تیسے خاموشی کے ساتھ آگے چلنے لگا۔

آخر چلتے چلتے شہزادہ، شہزادی اور چرواہا اپنے ملک آ پہنچے۔ چرواہے نے شہزادے سے کہا: ''آج تمہارے محل پر میں پہرہ دوں گا۔'' شہزادے نے ہنستے ہوئے اسے اجازت دے دی۔ رات کو شہزادہ اور شہزادی پلنگ پر سو رہے تھے کہ اچانک ایک بلا آئی جو شہزادے کے گلے پر زہر چھوڑ کر چلی گئی۔ چرواہا یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا اس نے کیا کیا کہ یکدم رانی کی گردن سے اپنے پٹکے کے پلّو کے ذریعے زہر نکالنے لگا۔

قدرت خدا کی، اچانک شہزادی جاگ اٹھی، اسے یقین ہوگیا کہ: ''آدمی کے بگڑنے میں کچھ وقت نہیں لگتا، اس چرواہے کی نیت میں بھی کچھ بڑا خلل آ گیا ہے۔'' اس کی پکار پر شہزادہ بھی اٹھ بیٹھا۔ شہزادی نے اسے ساری حقیقت بتادی اور کہا: ''اس نمک حرام کو اس گستاخی کی ایسی سزا دو کہ دنیا دیکھ کر عبرت پکڑے۔'' شہزادہ پہلے تو چرواہے کی اس حرکت کا سن کر آگ بگولا ہوگیا مگر پھر اسے اپنے یار کی وفاداری اور سچائی بھی یاد آئی۔

وہ ٹھنڈا ہوگیا اور اس سے حقیقت معلوم کی۔ چرواہے نے کہا: ''شہزادے! میں نے گستاخی ضرور کی ہے۔ مگر اس میں کچھ بھید ہے۔ مجھ سے ابھی کچھ نہ پوچھو تو بہتر ہے۔'' شہزادی نے کہا: ''اپنی جان کی امان چاہتے ہو تو ابھی کے ابھی بتاؤ وہ راز کیا ہے؟'' چرواہا لاچار ہوگیا۔ اس نے ساری بات کہہ سنائی۔ سناتے سناتے وہ پاؤں سے سر تک پتھر کا ہوتا چلا گیا۔ چرواہے کی یہ حالت دیکھ کر شہزادے کو یقین ہوگیا کہ اس نے جو کہا سچ کہا اور اسی کو بچانے کے لیے چرواہے نے اپنی جان مصیبت میں ڈال دی ہے۔ بیچارے چرواہے کی آخرکار یہ حالت ہوگئی کہ اُدھر بلا کی زہر والی بات اور اسے چھٹکارے کی بات بتائی اور اِدھر سر سمیت پورا جسم پتھر ہوگیا۔

چرواہے کی یہ حالت دیکھ کر شہزادہ اور شہزادی بہت غمگین ہوگئے۔ وہ دعا کرنے لگے کہ ان کے ہاں بیٹا پیدا ہو تو اس کا خون اس چرواہے پر ڈالیں اور اسے اس تکلیف سے چھٹکارا دلائیں۔ آخرکار کچھ عرصے بعد، ان کی دعائیں پوری ہوئیں اور ان کے ہاں چاند سا ایک حسین خوبصورت بیٹا پیدا ہوا۔ پھر ایک دن شہزادی اور شہزادے نے آپس میں صلاح کی، اپنے اکلوتے بیٹے کا خون چرواہے کے جسم پر ڈال دیا۔ چرواہا صحیح سلامت اصلی حالت میں واپس آ گیا۔ اس طرح یہ تینوں خوشی خوشی ایک بار پھر آپس میں ملے اور حیات کے بقیہ دن خیر و خوبی کے ساتھ گزارنے لگے۔ شہزادے کے بیٹے کے بازو پر ایک سفید نشان تمام عمر نمایاں رہا کیونکہ اسی جگہ خراش دے کر اس کا خون، چرواہے کے پتھریلے جسم پر ڈالا گیا تھا اور پھر چرواہا اپنی اصلی حالت میں آ گیا تھا۔

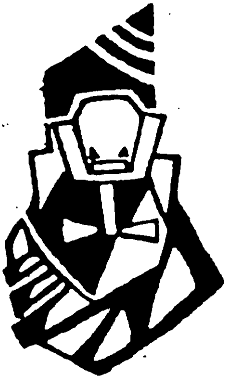

بامراد بادشاہ

کسی زمانے میں ایک بادشاہ تھا۔ جس کا نام تو کچھ اور تھا لیکن لوگ اسے بامراد بادشاہ، کہہ کر پکارتے تھے۔ اس کی ایک بیوی تھی، جو بہت بدشکل تھی۔ ہر روز صبح وہ کیا کرتی کہ ہار سنگھار کر کے، عطر عبیر مَل کر، ایک طوطے کے سامنے جا کھڑی ہوتی اور اس سے کہتی: ''اے طوطے! مجھ سے زیادہ کوئی ملک میں حسین؟'' طوطا بیچارہ، مصیبت کا مارا، وہ رانی کو کہتا: ''رانی! بے شک تجھ سے بڑھ کر اور کہاں!'' اسی طرح بہت دن گزر گئے۔ طوطا بھی روزانہ ایسے ہی کہہ کر رانی کا دل روزانہ خوش کر دیا کرتا۔

ایک روز دستور کے مطابق رانی ہار سنگھار کیے طوطے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ طوطا بھی خوشامد کرتے کرتے بیزار ہو چکا تھا۔ دل مضبوط کر کے کہنے لگا: ''رانی حسین تو ہے نیناں بائی، جو کدو میں پیدا ہوئی اور اسی میں پلی بڑھی۔'' رانی کو طوطے پر سخت غصہ آیا اور اسے دو تین تھپڑ لگائی اور دس گالیاں دیں، پھر جیسے تھی ویسی ہی پلنگ پر جا لیٹی۔ اتفاق سے دیبوں یہ سارا نظارہ بادشاہ خود کھڑا دیکھ رہا تھا۔ لہٰذا طوطے سے کہنے لگا: ''طوطے! یہ نیناں

بائی ہے کہاں؟'' طوطے نے جواب دیا کہ: ''بادشاہ سلامت! اگر آپ میرے ساتھ چلیں تو نیناں بائی، کا ملک دکھا دوں۔'' اس پر بادشاہ نے کہا: ''اچھی بات میں دیر نہیں کرنی چاہئے، چلو ابھی چلتے ہیں۔''

پھر آگے طوطا پیچھے بادشاہ۔ طوطا اڑتا جاتا تھا اور بادشاہ پیچھے گھوڑے پر سوار، چلتے چلتے جنگل بیابان سے گزرتے، ایک شہر میں جا پہنچے۔ طوطے نے اوپر ہی سے بادشاہ سے کہا: ''بادشاہ سلامت نیناں بائی اسی شہر میں رہتی ہے۔ اب تو جان تیرا کام۔ جیتے ہوؤں سے کیا اجازت اور رخصت، پر رانی کے طعنے مجھے بھی لگتے ہیں۔'' یہ کہہ کر بادشاہ کو وہاں چھوڑا، طوطا وہیں سے واپس پلٹا اور اپنے ملک کو اڑتا روانہ ہوگیا۔

بادشاہ اللہ پر توکل کر کے، شہر میں داخل ہوا۔ ایک مکان کرائے پر لیا اور ٹھہر گیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں اس نے ایک کٹنی سے رابطہ کیا، اسے انعام اکرام دے کر خوش کیا اور مزید دینے کا وعدہ کیا، اور بولا: ''نیناں بائی، جو کدو میں پیدا ہوئی اور پلی، اس کا پتہ نشان معلوم کرو!'' کچھ دن بعد کٹنی نے بادشاہ سے کہا: ''شہر کے بیچوں بیچ ایک لوہے کا قلعہ ہے۔ وہ نازنین اسی میں رہتی ہے۔ اس کا زیادہ احوال آپ کو اس شہر کی دائی سے ملے گا، اس لیے کہ اس کے سوا، اس کے پاس کوئی بھی آدمی نہیں گیا، نہ ہی جاتا ہے۔'' یہ کہہ کر کٹنی بادشاہ سے اجازت لے کر رخصت ہوگئی۔

اگلے دن بادشاہ نے کیا کیا کہ تین سونے کی تھالیاں تیار کرائیں۔ ان میں طرح طرح کے طعام رکھے اور جا کر دائی کے دروازے پر آواز دی۔ آواز پر باندی نکل کر آئی۔ بادشاہ نے اس سے کہا کہ: ''مائی میں کسی ملک کا سوداگر ہوں، قسمت سے اس ملک میں آ نکلا ہوں۔ تمہاری مالکن کو دین دنیا کی بہن سمجھ کر، یہ عیدی اس کے لیے لایا ہوں، جاؤ جا کر اسے پہنچا دو۔'' باندی نے یہ تھالیاں لیں اور لے جا کر دائی کے سامنے رکھ دیں۔ ساتھ ہی بادشاہ کا پیغام بھی لفظ بہ لفظ سنا دیا۔ اسی طرح دو چار دن رک کر بادشاہ پھر سونے کی تھالیوں میں انواع واقسام کے کھانے سجا کر، دائی کی باندی کو دے آیا۔ پھر جب اسی طرح تیسری دفعہ ویسی ہی 'عیدی' لے کر گیا تو دائی خود باہر نکلی اور کہنے لگی: ''بھائی! کوئی کام ہو تو میں حاضر ہوں!'' پھر بادشاہ کو لے جا کر گھر کے اندر بٹھایا۔ وہاں بادشاہ نے اس سے کہا: ''مجھے نیناں بائی جو کدو میں پیدا ہوئی اور کدو میں پلی، اس کا پتہ چاہئے۔'' دائی یہ سن کر ذرا دیر کو سناٹے میں آ گئی لیکن پھر دل پکا کر کے بادشاہ سے بولی: ''بھائی تم نے مجھے دین کی بہن کہا ہے۔ تمہارا احسان اتارا ہی نہیں جا سکتا۔ تم سے کیسا حجاب، کیا پردہ! یہ

---اُس پر بادشاہ نے کہا کہ: ''اچھی بات میں دیر نہیں کرنی چاہیے،-چلو اسی وقت چلتے ہیں!''

جو اپنے اس طرف ایک لوہے کا قلعہ ہے جہاں سے نر پرندہ بھی اڑا دیا جاتا ہے 'نیناں بائی' اسی قلعہ میں رہتی ہے۔ وہاں ایک ہنڈولہ ہے جس میں یہ کدو ہے جس میں 'نیناں بائی' سو رہی ہے وہ پیدا بھی اسی کدو میں ہوئی اور پلی بھی اسی کدو میں۔ اس کی بہتر باندیاں ہیں جو ہر وقت ہنڈولہ ہلاتی رہتی ہیں۔ سب سے پہلے تم کسی لوہار سے لوہے کی سو کیلیں بنواؤ۔ پھر فلاں سمت میں کیلیں گاڑتے اوپر چڑھ سکتے ہو، وہاں تمہیں ایک جھروکا نظر آئے گا، بس کود کر اس جھروکے میں چھپ کر بیٹھ جانا۔ ہنڈولے کو ہلانے والی باندیاں، جب نشے میں چور ہو جاتی ہیں تو ہنڈولے کو زور زور سے ہلانے لگتی ہیں پھر جب ہنڈولے کی رسیاں آ کر اس جھروکے سے لگیں تو انہیں پکڑ کر وہ کدو اٹھا لینا!''

بادشاہ نے یہ پتہ لیا، کیلیں تیار کرائیں، دائی کی بتائی ہوئی سمت میں کیلیں گاڑتا، چڑھا اور جھروکے میں جا بیٹھا۔ جب باندیوں کو نشہ چڑھ گیا تو نیناں بائی، کا ہنڈولہ زور زور سے ہلانے لگیں اور اس نے بڑی پھرتی سے وہ کدو اٹھا لیا۔ نیچے اترا، گھوڑے کو ایڑھ لگائی، واپس بھاگ لیا۔ پھر دن کو رات اور رات کو دن کرتا، منزلیں طے کرتا، آخرکار آ کر اپنے شہر کے باہر شاہی باغ میں اُترا۔ اترتے ہی کدو کو چیرا لگا کہ دیکھا تو سبحان اللہ! ایک سوہنی من موہنی پری پیکر انسانی صورت میں سر جھکائے اس کے سامنے کھڑی ہے۔ دیکھتے ہی بادشاہ کے ہوش و حواس ہی گویا جاتے رہے اور اس پر ایسا فریفتہ ہوا کہ بس کھڑے کھڑے دل جان قربان کر دے تو بوجھ اترے۔ ادھر 'نیناں' بھی جب کدو کی قید سے آزاد ہوئی تو دل ہی دل میں بادشاہ کی ہو رہی۔ پھر آخرکار بادشاہ نے 'نیناں بائی' سے کہا کہ: ''میں زمانے کا بادشاہ ہوں لہٰذا شادی اپنی شان کے مطابق کروں گا۔'' اور اسے اس باغ میں ٹھہرا کر، خود شادی کی تیاری کے لیے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہاں ایک ڈائن بڑھیا اس باغ میں رہتی تھی۔ جو دھیرے دھیرے اپنی بیٹی کے ساتھ چلتی باغ میں آ گئی اور 'نیناں' سے کہنے لگی: ''تجھ سے زیادہ حسین تو میری بیٹی ہے!'' نیناں نے کہا: ''جیسی تو خود ویسی تیری بیٹی!'' ڈائن نے کہا: ''لے آ آرسی تو دیکھوں۔'' نیناں بائی نے جواب دیا کہ: ''آرسی یہاں باغ میں کہاں؟'' ڈائن نے کہا: ''تو پھر باغ کے کنوئیں پر چلیں، جہاں دونوں کے چہرے دکھاؤں۔'' پھر تینوں باغ سے باہر نکل کر کنوئیں پر کھڑی ہوئیں اور جیسے ہی نیناں بائی اور ڈائن کی بیٹی، جھک کر پانی میں اپنا منہ دیکھنے لگیں تو موقع پاتے ہی بوڑھی ڈائن نے کیا کیا کہ نیناں بائی کو دھکا دے دیا اور وہ بیچاری کنوئیں میں جا گری۔ اور گرتے ہی ایک خوبصورت پھول بن کر پانی میں تیرنے لگی۔

۔۔۔ بادشاہ نے دیکھ کر کہا سبحان اللہ! ایک خوبصورت دل کو بھانے والی پری جیسی ۔۔۔ سامنے کھڑی ہے!

بوڑھی ڈائن نے خوش ہو کر اپنی بیٹی کو نیناں بائی کی پوشاک پہنائی اور لا کر نیناں کی جگہ پر بٹھا دیا اور خود کہیں گم ہوگئی۔ تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ بھی دھوم دھام سے بارات لے کر پہنچا اور اس بدشکل کو دیکھ کر حیرت زدہ ہوگیا، پوچھا: ''تجھے یہ کیا ہوگیا کہ تیرا رنگ اور ڈیل ڈول بیٹھے بیٹھے اتنا بدل گیا؟'' اس پر ڈائن کی پکی پڑھائی ہوئی بیٹی نے جواب دیا کہ: ''بادشاہ سلامت! میں وہی 'نیناں' ہوں۔ مگر اس سے پہلے میں کدو میں تھی۔ سورج، چاند اور یہ ہوا میں نے دیکھی ہی نہ تھی۔ اب ان کے اثر سے کچھ رنگ روپ بدل گیا ہے۔'' بادشاہ نے اُس پر اعتبار کر کے اس کے ساتھ شادی کرلی اور پھر جیسے تیسے اس کے ساتھ گزارنے لگا۔

ادھر نیناں بائی پھول بن کر کنوئیں میں تیر رہی تھی۔ کتنے ہی لوگوں نے اسے نکالنے کی کوشش کی مگر کوئی بھی اسے نکال نہ سکا۔ تھوڑے دنوں بعد یہ پھول خود ہی کنوئیں کی چرخی کی مالھ میں بندھے ایک لوٹے میں پڑ گیا۔ وہاں سے پاس بنے نالے میں گرا۔ وہاں سے نالی کے ذریعے دوسری نالی میں پہنچا اور پھر ایک بُوٹے کی شکل میں پھوٹا، اور تھوڑے ہی دنوں میں بڑھ کر درخت بن گیا اور پھول لگنے لگے۔ اس کی چھاؤں اور خوشبو کی تعریف ایسی پھیلی کہ بادشاہ کے کانوں تک پہنچی۔ جب بادشاہ وہاں آیا، اس کی چھاؤں میں بیٹھا اور خوشبو سونگھی تو اسے یہ درخت ایسا بھایا کہ ہر روز بادشاہ تھک کر اس درخت کے نیچے آ بیٹھتا اور کچھ دیر آرام کیا کرتا۔ اس وقت کتنے ہی پھول بادشاہ کی جھولی اور سینے پر گرتے رہتے۔ لیکن بادشاہ انہیں سونگھنے کے بجائے اپنی جیب میں رکھ لیتا۔ تھوڑے بہت دن گزرنے کے بعد بوڑھی ڈائن کو پتہ چلا کہ نیناں بائی والا پھول، درخت کی شکل اختیار کیے کھڑا ہے، بادشاہ روز اس درخت کی چھاؤں میں جا کر بیٹھتا اور سوتا ہے۔ اس کے دل میں آگ لگ گئی۔ سوچا: ''کسی بھی طرح اس درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکوں تو دل کو ٹھنڈک ملے ورنہ میری بچی سے کبھی نہ کبھی بادشاہ کا دل کھٹا ہو جائے گا۔'' بس ایک دن وہ موقع پا کر، چھپتے چھپاتے آ کر بیٹی کو سمجھا گئی کہ اگلے دن اس کی بیٹی مکر کر کے پڑ گئی اور اس نے ڈری ڈری چیخیں نکالنا شروع کر دیں کہنے لگی: ''پیٹ درد سے مر رہی ہوں، ہائے پیٹ درد سے مری جا رہی ہوں۔'' آخر بادشاہ کو خبر دی گئی۔ دوائیں پھنکیاں لائی گئیں مگر پیٹ کا درد تو ایک بہانہ تھا لہٰذا فرق ہی نہ پڑا۔ اس پر بادشاہ نے پوچھا: ''آخر تمہارا یہ درد کیسے ختم ہوگا؟'' اس نے کہا: ''میں سمجھتی ہوں کہ اگر بادشاہ سلامت اپنے باغ کے اس درخت کی جڑیں جلا کر اس کی راکھ میں پھانکوں تو ہو سکتا ہے کہ ہفتہ ڈیڑھ ہفتے میں، دل

کہتا ہے کہ میرا درد ختم ہو جائے گا۔‘‘بس حکم کی دیر تھی۔ درخت کی جڑیں اکھاڑ لی گئیں، سارے پھول کمھلا گئے فقط ایک پھول، سرسبز اور تازہ اس کی چوٹی پر لگا رہ گیا۔

ادھر ایک چرواہا تھا۔ اس نے بکریوں کے کھانے کے لیے درخت کی شاخیں کاٹ کر باندھ لیں اور گھر لے گیا۔ وہاں چرواہے کی بیوی نے کمھلائے پھولوں کے درمیان وہ تازہ پھول دیکھا تو حیرت میں پڑ گئی اور جس وقت اس نے اس پھول کو اٹھا کر ناک سے سونگھا تو اس سے اسی گھڑی ایک نہایت حسین خوبصورت لڑکی پیدا ہوگئی۔ چرواہے کے کوئی اولاد نہیں تھی سو ایسی چاند سی لڑکی کو دیکھ کر دونوں میاں بیوی بہت خوش ہوئے۔ پھر بڑے لاڈ پیار کے ساتھ اس کی پرورش کرنے لگے۔

تھوڑے دنوں میں بادشاہ کی بیوی کو ڈائن ماں سے پتہ چلا کہ نیناں بائی چرواہے کے گھر پھر سے پیدا ہوگئی ہے۔ یہ سن کر وہ بہت فکر میں پڑ گئی۔ وہ پھر سے مکر کر کے چیخنے چلانے لگی کہ: ’’ہائے پیٹ کے درد سے مر رہی ہوں۔ پیٹ کے درد سے مر رہی ہوں۔‘‘ بادشاہ کے پاس باندی بھاگی ہوئی آئی ’’بادشاہ سلامت! رانی مر رہی ہے۔‘‘ بادشاہ بھاگتا ہوا آیا کئی طبیب اور حاذق حکیم جمع ہوگئے۔ مگر درد ختم ہی نہ ہوتا تھا۔ آخر رانی نے بادشاہ سے کہا: ’’بادشاہ سلامت! اگر تمہارا مجھ پر دل ہے تو تمہارے چرواہے کے گھر جو لڑکی پیدا ہوئی ہے اسے قتل کرا کے، اس کا خون میرے پیٹ پر ملیں تو شاید ایک آدھے مہینے میں، میں بھلی چنگی ہو جاؤں۔‘‘ بادشاہ یہ سن کر فکر میں پڑ گیا اور دل میں سوچنے لگا: ’’وہ درخت تو تھا تیرے باغ کا، جو میں نے کٹوا دیا، البتہ پرائی بیٹی نے میرا کیا قصور کیا ہے کہ اس بیچاری کو بے قصور مروا دوں۔‘‘ مگر رانی تھی کہ بار بار روتے ہوئے چیخ پکار کر رہی تھی، چیخیں بھی ایسی کہ انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں، وہ کہہ رہی تھی: ’’چرواہے کی بیٹی کا خون لاؤ۔ خون لاؤ۔‘‘ اس پر بادشاہ کے دل میں شک جاگا کہ: ’’آخر بات کیا ہے کہ رانی ہرو بھرو غریب چرواہے کی بیٹی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی ہے؟‘‘

یہ بات دل میں رکھ کر بادشاہ اپنے طور پر شہر کی دیکھ بھال اور ملک کی خبر گیری کے لیے نکلا کہ رانی کے پیٹ درد کے بارے میں لوگوں میں کیا چرچے ہیں! گھومتے پھرتے لوگوں کی الٹی سیدھی باتیں سنتا ایک گلی میں جا نکلا۔ آنکھ اٹھا کر دیکھا تو سامنے ایک لڑکی کھڑی ہے ہو بہو نیناں بائی جیسی! بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا۔ اس کے باپ کو بلوایا اور پوچھا کہ: ’’بابا! سچ بتاؤ کہ یہ لڑکی کس کی ہے؟ تیری بیٹی تو یہ ہو نہیں سکتی۔ اس لیے کہ تم بیچارے چرواہے اور یہ حسین لڑکی تو شہزادیوں کو بھی مات دیتی کھڑی ہے؟‘‘ اس پر مجبوراً

چرواہے نے باغ سے درخت کی شاخیں چُن کر لانے، اس کے پھول کو اس کی بیوی کا سونگھنا، اور اس سے اس لڑکی کے پیدا ہونے کی تمام حقیقت کہہ سنائی۔ بادشاہ تعجب میں پڑ گیا، قدم بڑھا کر لڑکی کے پاس پہنچا جس نے ساری حقیقت سے واقف کراتے ہوئے کہا کہ: ''اے بادشاہ سلامت میں وہی نیناں بائی ہوں جو کدو میں پیدا ہوئی اور کدو میں

پلی اور لو ہے کے، قلعے میں رکھی گئی اور بڑی ہوئی۔ جہاں سے تم نے اسے نکالا، اپنا بنایا، پھر مجھے باغ میں چھوڑ کر چلے گئے۔ پیچھے اس ڈائن نے جو اس وقت آپ کی رانی ہے، اس کی مکار بوڑھی ماں نے مجھے کنوئیں میں دھکا دے دیا جہاں میں پھول بن کر تیرنے لگی۔ وہاں سے مجھے کوئی بھی نکال نہ سکا۔ میں نے سوچا شاید بادشاہ آ کر مجھے یہاں سے نکال لے لیکن آپ بھی نہیں آئے۔ پھر میں خود ہی وہاں سے باہر نکلی۔ درخت بنی اور پھول لگے۔ آپ میری چھاؤں میں بیٹھتے تھے اور میں آپ کے اوپر پھول بن کر گرتی تھی کہ شاید آپ کبھی کوئی پھول سونگھ لیں لیکن آپ نے کبھی کوئی پھول نہ سونگھا۔ صرف جیب میں ڈالتے رہے۔ ورنہ میں آپ کے ہاتھ میں وہی نیناں بائی بن گئی ہوتی۔ لیکن آپ نے تو مجھے جڑوں سمیت نکال پھینکا۔ شاید میری قسمت اچھی تھی کہ ایک پھول میں میرا سانس باقی رہ گیا۔ یہ چرواہا اس درخت کی شاخیں جمع کر لایا اور اس کی بیوی نے وہ ادھ کملایا پھول سونگھ لیا۔ پھر میں یہاں ان غریبوں کے پاس پیدا ہوگئی۔ جہاں مجھے پیار ملا، اپنائیت ملی۔ میں اب بھی آپ کی وہی ملکہ ہوں۔

بادشاہ نے یہ سن کر بہت افسوس کیا۔ اس نے فوراً ڈائن رانی کو اس کی ماں سمیت بلوایا انہیں گیلی چٹائیوں میں لپیٹ کر جلا کر خاک کر دیا۔ چرواہے کو بہت سارا انعام و اکرام دیا اور خلعتیں پہنائیں۔ پھر بادشاہ نے نہایت دھوم دھام اور شان مان سے اس نیناں بائی کے ساتھ شادی کی۔ دل کے اجڑے باغ کو ہرا بھرا کیا اور اس کی ساری زندگی خوشیوں سے بھر گئی۔ کل دیکھا تو دونوں گلاب کے پھول کی طرح کھلے ہوئے اور خوش و خرم تھے۔

☆

نور شاہ بادشاہ

ایک زمانے میں ایک بادشاہ تھا جس کے ہاں اولاد ہی نہ ہوتی تھی۔ بہتیرا ہی پتہ کیا، بہت سی چوکھٹوں پر گیا پر کہیں بھی کچھ حاصل نہ ہوا۔ ایک دن ایک سیلانی فقیر وہاں سے گزرا۔ بادشاہ کو غمگین دیکھا تو پوچھا: ''بادشاہ سلامت! اتنے غمگین کیوں دکھائی دے رہے ہو؟'' بادشاہ نے بتایا: ''میرے ہاں اولاد نہیں ہوتی۔ بہت جتن کیے سب بیکار۔'' یہ سن کر فقیر نے کہا: ''اب ایسا کرو کہ میں تمہیں یہ دعا کی لکڑی دیتا ہوں جا کر کسی بیر کو مارنا۔ جتنے بیر گرے اتنے بیٹے اور جتنے پتے گرے اتنی بیٹیاں ہوں گی۔'' فقیر بادشاہ کو یہ لکڑی دے کر چل دیا۔ بادشاہ نے اسی وقت لکڑی اٹھائی اور اپنے باغ کو چل دیا۔ وہاں پہنچ کر بسم اللہ کر کے ایک بیر کو لکڑی ماری اور ایک پکا ہوا بیر آ کر زمین پر گرا۔ اس نے وہ بیر لے جا کر رانی کو کھلا دیا۔ بیر کھانے کے بعد رانی امید سے ہوگئی اور پورے دس مہینے بعد اس کے ہاں ایک نیک بخت نیک خصلت، بیٹا پیدا ہوا جس کا نام نور شاہ رکھا۔

نور شاہ بادشاہ آج چھوٹا کل بڑا، آخر جوان ہوگیا۔ اسے ایک استاد کے پاس پڑھنے بٹھادیا گیا جس نے بارہ برس کی عمر میں ہی اسے تمام علوم وہنر اور بادشاہی آداب وغیرہ سکھا کر قابل بنادیا۔ پھر لاکر بادشاہ کے سامنے اسے پیش کیا۔ بادشاہ نے اس کا امتحان لیا تو وہ شہزادہ ہر کام میں ماہر نظر آیا۔ اس پر بادشاہ نے اس کے استاد کو بہت انعام واکرام دے کر روانہ کیا۔ نور شاہ شہزادے کو سیر وشکار کا بہت شوق تھا۔ سو ایک دن وزیر سمیت جب جنگل کی طرف سیر کرنے گیا تو گھومتے پھرتے دور نکل گیا اور ایک عالیشان مکان پر جاپہنچا۔ اندر جو نظر پڑی تو دیکھا کہ اندر تین عورتیں ہیں جو آپس میں باتیں کررہی ہیں۔ ایک نے کہا 'بہن' جو مجھ سے شادی کرے گا تو میں پاؤ بھر آٹے میں اس کے گھر اور اوطاق کا پورا کردوں گی۔'' دوسری نے کہا: ''مجھ سے جس نے شادی کی اسے ایک سیر سوت میں گھر اور اوطاق کے سارے رضائی بستر بنادوں گی۔'' تیسری عورت نے کہا: ''مجھ سے جس کی شادی ہوگی اسے میں ایک بیٹا جن کر دوں گی کہ اس کے چہرے پر سورج اور پیٹھ پر چاند ہوگا۔ جس مکان میں ہوگا وہ روشن ہوجائے گا۔'' اس پر نور شاہ شہزادہ اور وزیر نے آپس میں صلاح کی کہ: ''ان تینوں لڑکیوں کا رشتہ حاصل کرلیا جائے۔'' دوسرے دن بادشاہ سے صلاح کر کے نور شاہ شہزادہ نے وزیر کے ہاتھوں ان تینوں لڑکیوں کے وارثوں کو شادی کا پیغام لے کر بھیجا۔ جنھوں نے خوشی سے قبول کرلیا۔ تھوڑے دنوں بعد اس نے ان تینوں لڑکیوں کے ساتھ بہت دھوم دھام سے شادی کرلی اور انہیں اپنے محل میں لے آیا۔

نور شاہ شہزادہ، ان تینوں لڑکیوں سے شادی کر کے لے تو آیا لیکن ان کے ساتھ بول چال بالکل بند رکھی۔ ایک دن ان میں سے بڑی لڑکی نے ہمت کر کے شہزادے سے پوچھا: ''ہم سے ناراض ہوگیا؟ کہ بولتے ہی نہیں ہو۔'' اس پر نور شاہ شہزادے نے کہا: ''تم نے جو وعدے کئے تھے پہلے انہیں پورا کر کے دکھاؤ، تاکہ پھر میں تم سے بات کروں۔'' یہ سن کر اس نے جواب دیا کہ: ''ہماری شادی کو پورا ایک چاند ہوگیا ہے میں روزانہ ایک پاؤ آٹا بچا کر رکھ دیتی ہوں۔ اب دیکھنا میں کیسے پاؤ آٹے میں تمہارے گھر اور اوطاق کا کھانا پورا کرتی ہوں!'' یہ کہہ کر وہ آٹے کا برتن نکال لائی، اس کی روٹیاں پکا کر سارے گھر اور اوطاق کو سیر کر کے کھلادیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسی طرح شہزادی کی درمیانی بیوی نے سوت سیر بھر منگایا، اور بستر پورے بنادئے پھر چھوٹی رانی سے بھی شہزادے نے رات کو جا کر ملاقات کی اور خیر سے وہ امید سے ہوگئی۔ دن پورے ہونے پر اسے سورج چاند جیسا ایک نہایت حسین بیٹا پیدا ہوا۔ لیکن اس کی دونوں سہیلیوں نے (رانیوں نے) ایسا ظلم کیا کہ اس کے پہلو میں کوئلوں

سے بھرا چھاج رکھ دیا اور اس کے بیٹے کو لے جا کر شہزادے کے گھوڑوں کے اصطبل میں دفن کر دیا۔ جب نور شاہ شہزادہ آیا تو اس کو بتایا کہ: ''یہ ہماری سہیلی نے یہ کوئلوں کا چھاج جنا ہے۔'' یہ سن کر نور شاہ شہزادہ اپنی چھوٹی بیوی پر بہت ناراض ہوا اور اس سے کہا کہ: ''تو جھوٹی اور دغا باز ہے۔ ان دونوں نے اپنے وعدے پورے کیے لیکن تم نے جھوٹ بولا۔ لہٰذا اس کی سزا میں تجھے ان دونوں رانیوں کی 'باندی' بنا رہا ہوں۔'' اس دن سے لے کر نور شاہ شہزادہ اپنی چھوٹی بیوی کو دکھی رکھنے لگا۔ وہ بیچاری بس ایک کونے میں پڑی رہتی۔

ایک دن نور شاہ شہزادہ گھومتا پھرتا اپنے گھوڑوں کے اصطبل میں جا پہنچا۔ دیکھا تو گھوڑوں کا پورا اصطبل جھلملا رہا ہے، اور شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر لمحہ بھر کو تو وہ حیران رہ گیا پھر وزیر سے کہا: ''میں اپنی اوطاق اس اصطبل کے سامنے بنالوں۔ تاکہ لوگ سمجھیں کہ جیسا شہزادہ خود ویسا ہی اس کے گھوڑوں کا اصطبل!'' جب شہزادے کے اس فیصلے کی خبر اس کی منجھلی اور بڑی بیوی کو پہنچی تو انہیں ڈر لگا اور اس خیال سے کہ کہیں بادشاہ کو ان کے کرتوتوں کی خبر نہ لگ جائے، جا کر خفیہ طور پر اس جگہ کو کھودا جہاں انہوں نے بچے کو زندہ دفن کیا تھا۔ دیکھتی کیا ہیں کہ لڑکے کے منہ میں مصری ہے جو وہ بیٹھا چوس رہا ہے اور ہاتھ میں بھی ایک مصری کی ڈلی ہے! لڑکے کو جیتا جاگتا بیٹھا دیکھا تو انہیں بڑی حیرانی ہوئی اور ڈر بھی لگا۔ لیکن دل سخت کر کے لڑکے کو وہاں سے اٹھایا اور چارے میں،

بھینسوں کی گزرگاہ میں دبا دیا تاکہ بھینسیں کھروں کے ذریعے اسے مار ڈالیں۔ آخر جب بھینسیں چارے پر سے گزریں تو بچہ ان کے پاؤں تلے زخمی ہو گیا، بھینسوں کے کھر لگنے کی وجہ سے اس کا خون بہنے لگا۔ اس کی ایک بوند قریب ہی ایک جگہ پر جا گری۔ تھوڑے دن بعد، اس جگہ پر جہاں خون کا زدہ گرا تھا وہاں ببول کا پیڑ اُگا جو دن بدن بڑا ہوتا گیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں وہ بڑھ کر پورا درخت بن گیا۔

ایک دفعہ نور شاہ شہزادہ اور وزیر گھومتے پھرتے اس درخت کے نیچے پہنچ گئے، اس درخت کی ٹھنڈی اور میٹھی چھاؤں جو دیکھی تو اسی کے نیچے بیٹھ رہے۔ انہیں یہ چھاؤں ایسی بھائی کہ وہاں سے اٹھنے کو دل ہی نہ چاہتا تھا۔ شہزادے نے وزیر سے کہا: ''میں تو اپنی اوطاق اسی درخت تلے بنالوں۔'' شہزادے کی منجھلی اور بڑی بیوی کے کانوں میں جو یہ خبر پڑی کہ بھینسوں کے چارے کے پاس ببول کا ایک پیڑ اُگ آیا ہے اور شہزادے نے اپنا اوطاق اس کے نیچے بنانے کا فیصلہ کیا ہے تو انہوں نے سوچا کہ اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ ایک چرواہے کو حکم دیا کہ ''اس درخت کو دن نکلنے سے پہلے جڑ سمیت کاٹ دو۔'' چرواہے نے یہ حکم سنا، صبح سویرے پو پھٹنے سے پہلے اٹھا اور اس درخت کو جڑ سمیت کاٹ کر پھینک دیا، اور انہیں اپنی بکریوں کے حوالے کر دیا کہ بھلے کھائیں، سیر ہوں۔ اس ببول کے درخت کی چوٹی پر ایک پھول تھا جو ایک بکری نے کھالیا۔ یہ بکری دراصل لگتی ہی نہیں تھی اور اگر لگتی تھی تو اچھل کود کرتی تھی لیکن اس پھول کو کھالینے کے بعد بکری لگی اور جب بیاہی تو ایک ایسا میمنہ جنا جو بہت حسین خوبصورت تھا۔

ایک دفعہ شہزادے کی نظر اس میمنے پر پڑ گئی۔ وہ میمنہ اسے بہت پیارا لگا۔ لہٰذا چرواہے سے کہا: ''یہ میمنہ مجھے دے دو۔'' چرواہے نے بکری کا بچہ فوراً شہزادے کے حوالے کیا۔ جب شہزادے کی منجھلی اور بڑی بیوی کے دھیان میں یہ بات آئی کہ شہزادے کو ایک میمنہ بہت پسند آ گیا ہے، وہ دراصل اسی بکری کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے جس نے اس ببول کا پھول کھایا تھا، جو اس چرواہے کے ذریعے کٹوایا گیا تھا تو انہیں اس میمنے پر بھی شک ہونے لگا کہ اس میں ضرور کچھ ہے۔ چنانچہ تہیہ کر لیا کہ 'اسے کٹوا دینا چاہئے تاکہ جان ہی چھوٹ جائے۔' یہ میمنہ رہتا تو بادشاہ کے اوطاق میں تھا لیکن اس کی دیکھ بھال وہی چرواہا کیا کرتا تھا۔ ایک رات بادشاہ کی دونوں بیویاں چرواہے کے پاس پہنچیں چھپتی، چھپاتی۔ جا کر اس سے کہا: ''شہزادے سے ہم نے اجازت لے لی ہے۔ یہ میمنہ ہمارے حوالے کر دو تاکہ اسے کاٹ کر خیرات کر دیں۔'' چرواہے کو ان کی بات پر اعتبار نہ آیا۔ اس

لیے کہ اسے معلوم تھا کہ شہزادہ میمنہ کو بہت پسند کرتا ہے لہٰذا اسے کاٹ کر خیرات کرنے کی اجازت کیسے دے سکتا ہے! سو اس نے میمنہ دینے سے انکار کردیا اور کہنے لگا: ''شہزادہ خود آ کر مجھے حکم دے تو پھر میں یہ میمنہ آپ کے حوالے کرنے کو تیار ہوں لیکن صرف آپ کے کہنے پر نہیں دے سکتا۔'' چرواہے کا یہ جواب سن کر بھی وہ واپس نہ گئیں اور اسے میمنہ دینے کے لیے تنگ کرتی رہیں۔ لیکن وہ بھی میمنہ دینے سے صاف انکاری، کھڑا رہا۔ جب چرواہے نے دیکھا کہ رانیاں بھی جان چھوڑنے پر تیار نہیں تو میمنے کو اٹھایا اور اسی وقت اوطاق سے چلا گیا۔ وہ سفر کرتے کرتے دور کہیں کسی دوسری بادشاہی میں جا پہنچا اور پھر وہیں رہنے لگا۔ وہاں اس نے اور بہت سی بکریاں پال لیں جنھوں نے خوب دودھ دینا شروع کردیا۔ ان کے پاس اس قدر دودھ ہونے لگا کہ بیچنے کے بعد بھی بہت سا دودھ یونہی بہا دینا پڑتا تھا۔ یہ دیکھ کر ایک دن میمنے نے جو اب بڑھ کر بکرا بن چکا تھا، صلاح دی کہ: ''دودھ کو یونہی بہا کیوں دیتے ہو، چلو چل کر یہ دودھ بادشاہ کے اوطاق پر دے آیا کریں تاکہ مسافر پییں اور دعا دیں۔'' چرواہے کو بکرے کا یہ مشورہ پسند آیا۔ اس دن کے بعد سے، وہ بکرے کو ساتھ لیتا، اپنا سارا بچا ہوا دودھ ہر روز بادشاہ کے اوطاق پر پہنچا دیا کرتا۔

تھوڑے بہت دن گزرے ہوں گے کہ بکرے نے چرواہے سے کہا: ''بادشاہ کی بیٹی مجھے پسند آ گئی ہے اب اس سے میری شادی کردو!'' چرواہے نے اسے تسلی دی اور کہا: ''تو بالکل فکر نہ کر، میں تیری شادی بادشاہ کی بیٹی کے ساتھ ضرور کروں گا۔'' یہ سن کر بکرا خوش ہوگیا اور جا کر بکریوں کے ساتھ چرنے لگا۔ چرواہا فوراً بادشاہ کے اوطاق کو روانہ ہوا۔ وہ بادشاہ کے اوطاق میں بیٹھا بیٹھا تھک گیا مگر بادشاہ نہ آیا۔ اس نے وہاں بیٹھے دوسرے لوگوں سے پوچھا کہ: ''بادشاہ کی کوئی جوان بیٹی بیٹھی ہے کیا؟'' انہوں نے 'ہاں' کہی لیکن ساتھ یہ بھی بتایا کہ: ''جس نے بھی بادشاہ کی بیٹی کا رشتہ مانگا اس کی ٹانگیں اور بازو کٹوا کر اسے لنگڑا لولا بنادیا ہے۔'' چرواہا دوسرے دن پھر بادشاہ کے اوطاق پر پہنچا۔ اس روز بادشاہ بیٹھا تھا۔ اس نے چرواہے کو پہچان لیا اور اس سے پوچھا: ''بتا تو کس کام سے آیا ہے۔ تیرے سب قصور معاف ہیں، تو جو بھی کام کہے گا، سو ضرور پورا کروں گا۔'' چرواہے نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا: ''قبلہ! میرے پاس ایک بکرا ہے اس کی ضد ہے کہ آپ کی بیٹی سے شادی کرے۔ لہٰذا آپ مہربانی کر کے میرے بکرے کے لیے اپنی بیٹی کا رشتہ دے دیں۔'' بادشاہ کو یہ سن کر چرواہے پر سخت غصہ بھی آیا اور ہنسی بھی۔ بادشاہ نے اس سے کہا: ''مجھ سے مسخری نہ کر...... تم کل آنا اور کچھ اور طلب کرنا۔'' یہ کہہ کر بادشاہ اوطاق سے اٹھ

کر چلا گیا۔ جب دوسرا دن ہوا تو چرواہا پھر بادشاہ کے اوطاق پر پہنچ گیا۔ بادشاہ نے اسے پھر کچھ مانگنے کے لیے کہا۔ لیکن چرواہے نے پھر اپنا وہی سوال دوہرایا جو پہلے بھی کہہ چکا تھا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ یہ چرواہا تو کوئی اڑیل شخص ہے، وہ اپنی ضد چھوڑنے پر تیار ہی نہ دکھائی دیتا تھا۔ بادشاہ کو اسی لیے اس پر بہت غصہ بھی آیا کہ: ''پگلا! بکرے کے لیے میری بیٹی مانگ رہا ہے جس کا رشتہ میں بادشاہوں کو بھی نہ دوں! بیوقوف اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ اس کے بکرے پر میں اپنی بیٹی کیسے قربان کروں گا!'' لیکن بادشاہ بھی مجبور تھا کیونکہ وہ بھری اوطاق کے سامنے پہلے ہی اس کے سب قصور معاف کر چکا تھا اور اس سے وعدہ بھی کر چکا تھا کہ وہ جو مانگے گا اسے ملے گا۔ اب بادشاہ اپنی جلد بازی پر پچھتانے لگا اور سوچنے لگا کہ اس احمق چرواہے سے کیسے جان چھڑاؤں۔ آخر اسے ایک بات سوجھی اور چرواہے سے کہا: ''میں اپنی بیٹی کا رشتہ تمہارے بکرے کو ضرور دوں گا لیکن اس کے لیے میری شرط یہ ہے کہ تم مجھے ٹکوں سے بھرا کنواں لا دو!'' چرواہے نے بادشاہ کی یہ شرط قبول کر لی اور سب سے اجازت لے کر اوطاق سے اٹھ آیا۔

چرواہے نے بادشاہ کی یہ شرط جا کر بکرے کو بتائی۔ بکرے نے کہا: ''بس اتنی سی بات! اچھا تم کنوئیں میں اپنی بکریوں کی مینگنیاں ڈال کر اچھی طرح بھر دو، پھر مجھے آ کر بتانا۔'' چرواہے نے کیا کیا کہ دو تین دن میں اپنی بکریوں کی مینگنیاں اکٹھی کیں اور کنوئیں کو خوب اچھی طرح بھر دیا۔ پھر آ کر بکرے کو اطلاع دی۔ بکرے نے کہا: ''اب تم بادشاہ سے جا کر کہہ دو کہ کل صبح سویرے آئے اور اپنا ٹکوں سے بھرا کنواں وصول کر لے۔'' بکرے کی یہ بات سن کر چرواہا اٹھ کر چل دیا اور سورج ابھی نکلا ہی تھا کہ اس نے جا کر بادشاہ کو سلام پیش کیا اور کہا: ''حضور! ٹکوں سے بھرا کنواں حاضر ہے، صبح کو چل کر سائیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔'' بادشاہ نے چرواہے کی بات سنی، ہنسا اور چپ ہو گیا۔ چرواہا واپس پلٹ کر اپنے گھر آ گیا۔ اب بکرے نے ادھر کیا کیا کہ رات ہوئی اور چرواہا سو گیا تو موقع پا کر وہ کنوئیں پر پہنچا اور مینگنیوں کے ڈھیر پر کھڑے ہو کر اپنا بکرے کا لباس اُتارا، لباس کا اتارنا تھا کہ سارا کنواں روشن ہو گیا اور مینگنیاں موتیوں کی طرح چمکنے لگیں۔ تجلی دینے لگیں! پھر بہت دیر تک وہ وہاں بیٹھا رہا۔ بیٹھے بیٹھے، صبح سورج ابھرنے سے پہلے وہ خود کو واپس بکرے کے روپ میں لے آیا۔ وہ واپس گھر لوٹا تو دیکھا کہ چرواہا ابھی تک سو رہا ہے۔ اس نے چرواہے کو جگایا اور کہا: ''اب تم جاؤ اور جا کر بادشاہ کو ساتھ لے آؤ۔ ایسا نہ ہو کہ ٹکوں بھرا کنواں کوئی اور لے جائے!'' چرواہا جاگا اور اٹھ کر چل دیا۔ جا کر بادشاہ

---کیا دیکھا کہ بکرے کی جگہ پر ایک خوبصورت شہزادہ مسکرا رہا ہے!---

کو آواز دے کر اٹھایا اور کہا: ''سائیں، جلدی چلو۔ بیچ میں کوئی اور نہ ٹکے اٹھا لے جائے۔'' بادشاہ لاچار ہوکر اپنے امیروں وزیروں کے ساتھ اٹھ کر چرواہے کے ساتھ چل دیا۔ کسی کو اعتبار ہی نہ آرہا تھا لیکن پھر جب اپنی آنکھوں سے جاکر دیکھا تو حیرت کی حد نہ رہی۔ بادشاہ کو اطمینان تھا کہ یہ غریب چرواہا ٹکوں سے بھرا کنواں لانے والی شرط کبھی پوری نہ کرسکے گا جس کے باعث اس کی بیٹی کی بکرے کے ساتھ شادی روک دی جائے گی اور اس طرح اس چرواہے سے ہمیشہ کے لیے جان چھوٹ جائے گی۔ مگر اب جو چرواہے نے شرط پوری کر کے، دکھادی تو بادشاہ مجبور ہوگیا۔ اس نے اپنا قول پورا کرتے ہوئے اپنی بیٹی کی شادی بکرے کے ساتھ کردی، بیٹی کو الگ محل رہنے کو دیا جس میں وہ دونوں میاں بیوی اپنی باندیوں اور غلاموں کے ساتھ رہنے لگے۔

بادشاہ کی بیٹی کو اپنے باپ کا قول نبھانے کے لیے بکرے کے ساتھ شادی تو کرنی پڑی لیکن اسے بکرے سے سخت نفرت تھی۔ وہ اس کے نزدیک تک نہ جاتی۔ اسی طرح بہت دن گزر گئے۔ آخر جب بکرے نے دیکھا کہ اس کی بیوی تو اس کے سائے سے بھی ڈرتی ہے اور اس سے پیار کرنا تو کیا، اس سے بات تک کرنے کو تیار نہیں پس ایک رات اس نے اپنا 'بکراپوش' اتار دیا تو اندر سے ایک حسین خوبصورت شہزادہ نکل آیا۔ اس کا ظاہر ہونا تھا کہ سارے محل میں دن جیسی روشنی پھیل گئی! شہزادی جو وہیں موجود تھی، اس نے جو اچانک یہ روشنی دیکھی تو تعجب میں پڑگئی۔ پھر جو اس نے اپنا منہ پھیر کر پیچھے کی طرف دیکھا تو بکرے کی جگہ ایک نہایت حسین سجیلا شہزادہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرارہا تھا اور بکرے کی کھال اس کے بازو پر رکھی تھی۔ شہزادے کے چہرے پر اس قدر نور تھا کہ سارا محل اس سے جگمگا رہا تھا! شہزادی نے جو دیکھا کہ اس کا شوہر بکرا نہیں بلکہ ایک خوبصورت شہزادہ ہے تو خوشی سے دمک اٹھی۔ بس پھولے نہیں سمارہی تھی۔ فوراً اس نے اپنی ایک باندی کو اپنے باپ کی طرف روانہ کیا جس نے جاکر بادشاہ سے کہا: ''قبلہ سائیں! شہزادی نے کہا ہے کہ آکر میرے شوہر سے مل جاؤ۔'' بادشاہ تو پہلے ہی اس شادی پر جلا بھنا تھا اس نے یہ سن کر باندی کو تھپڑ لگایا اور واپس بھیج دیا۔ باندی نے واپس لوٹ کر شہزادی کو سارا سربستہ حال احوال کہہ سنایا۔ اس پر شہزادی نے اسی باندی کو پھر واپس اپنے باپ کے پاس بھیجا اور کہا: ''جاکر کہو کہ اگر بیٹی کا منہ دیکھنا ہے تو آکر دیکھ لو۔ ورنہ وہ مرجائے گی۔'' بادشاہ کو جب یہ پیغام ملا تو اپنی ایک رانی سمیت شہزادی کے محل کی طرف بھاگا۔ بیٹی کے محل میں پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ بکرے کے بدلے ایک خوبصورت شہزادہ بیٹھا ہے۔ اس

کے چہرے پر اس قدر نور ہے کہ اس کے سبب پورا محل جھلملا رہا ہے۔ جگمگ کر رہا ہے! یہ دیکھ کر بادشاہ اور اس کی رانی باغ باغ ہوگئے اور اپنی بیٹی اور شہزادے کو گلے لگالیا۔ پھر شہزادی اور شہزادے کا نکاح دوبارہ بڑی چاہ اور دھوم دھام کے ساتھ کیا۔

کچھ عرصہ گذرا تو شہزادے نے اپنی بیوی سے کہا: ''اب تم چلو تو تمہیں اپنے ماں باپ سے ملوادوں۔'' شہزادی کو بھی اپنے ساس سسر کو دیکھنے کی بڑی تمنا تھی سو ماں باپ سے اجازت لے کر چل دی اور نور شاہ بادشاہ کے شہر کے باہر انہوں نے خیمے لگائے۔ (اس درمیان ادھر نور شاہ شہزادہ باپ کے گذر جانے کے بعد راج پاٹ کا مالک بن چکا تھا اور تخت پر بیٹھا تھا اور شہزادے کے بجائے اب بادشاہ بن چکا تھا) جب نور شاہ بادشاہ کو خبر ہوئی کہ کسی دوسری بادشاہت کا شہزادہ اور اس کی بیوی، اسی کی بادشاہت میں آکر اُترے ہیں تو وہ ان مہمانوں کی آؤ بھگت کے لیے ان کے پاس پہنچا اور انہیں بڑی عزت اور شان کے ساتھ اپنے محل میں لے آیا۔ دوسرے دن شہزادے نے بادشاہ سے پوچھا: ''وہ پھٹے پرانے کپڑوں میں جو عورت کونے میں پڑی ہے، وہ کون ہے؟'' بادشاہ نے شہزادے کو ساری حقیقت کہہ سنائی اور کہا: ''...... اب اسی دھوکے کی اسے سزا مل رہی ہے۔'' یہ سن کر شہزادہ بولا: ''قبلہ! مجھے اس بات پر کیسے اعتبار آئے کہ کوئی عورت کوئلوں بھرا چھاج بھی جن سکتی ہے! ضرور تمہاری بڑی اور منجھلی رانیوں نے اپنی جلن کے تحت تم پر اور تمہاری رانی پر کوئی ظلم کیا ہے۔'' یہ سن کر نور شاہ بادشاہ کو غصہ آ گیا اور کہنے لگا: ''تم کیسے میری رانیوں پر الزام لگا رہے ہو اور انہیں خواہ مخواہ بدنام کر رہے ہو۔ وہ دونوں میرے ساتھ بیحد وفادار ہیں اور انہوں نے مجھے کبھی بھی دھوکا نہیں دیا ہے۔ اس کمبخت کو ضرور کوئلوں کا چھاج پیدا ہوا ہوگا۔ بھلا اگر بیٹا پیدا ہوا ہوتا تو وہ کدھر غائب ہوگیا؟'' شہزادے نے کہا: ''تمہاری اس رانی کے ہاں کوئلوں کا چھاج پیدا نہیں ہوا تھا اس نے وعدے کے مطابق تمہیں ایسا ہی بیٹا پیدا کر کے دیا تھا جیسا تم چاہتے تھے اور وہ 'میں' ہوں!'' پھر شہزادے نے نور شاہ بادشاہ کو ساری حقیقت لفظ بلفظ بتادی۔ نور شاہ بادشاہ کو جب ساری حقیقت کی خبر ملی تو بہت پشیمان ہوا، اور اپنے بیٹے کو گلے لگالیا۔ پھر فوراً اپنی چھوٹی رانی سے رو رو کر معافی مانگی اور اسے اس کا بیٹا دکھایا۔ پھر اپنی بڑی اور منجھلی رانیوں کو ننگے پاؤں محل سے نکال دیا اور ملک بدر کردیا۔ پھر اپنی چھوٹی رانی، اپنے بیٹے اور بہو کے ساتھ زندگی کا باقی حصہ خوشی کے ساتھ گزارنے لگا۔

☆

جمڑو بادشاہ

ایک تھا بادشاہ! بادشاہ تو اللہ ہے۔ لیکن وہ اس فانی دنیا کا بادشاہ تھا۔ اس کا نام تھا جمڑو بادشاہ! بادشاہ کیا کیا کرتا تھا کہ جو عورت بھی شادی کر کے لاتا اسے ایک رات اپنے پاس رکھتا اور صبح کو قتل کر دیتا۔ اسی طرح کتنی ہی بیویاں اس نے ماردیں۔ ایک بار وہ پھر ایک نئی شادی کرنے جارہا تھا کہ راستے میں ایک کنوئیں پر دو کنواری لڑکیاں پانی بھر رہی تھیں جو کسی چرواہے کی بیٹیاں تھیں اُن میں سے بڑی بہن نے چھوٹی بہن سے کہا: ''آج بادشاہ پھر شادی کرنے جارہا ہے لیکن اس بیچاری کو بھی ایک رات رکھ کر مار دے گا!'' اس پر چھوٹی نے کہا: ''ابھی کسی عورت کے ہتھے چڑھا نہیں ہے ورنہ کانوں سے جوتیاں بندھوادیتی!'' بادشاہ نے جو یہ الفاظ سنے تو اسے بڑا غصہ آیا اور دل میں کہنے لگا: ''یہ شادی کر آؤں۔ پھر اس لڑکی سے شادی ضرور کروں گا، دیکھتا ہوں کیسے کانوں سے جوتیاں بندھواتی ہے!''

بادشاہ شادی کر کے لوٹا، رات گزری، صبح ہوئی تو اگلی رانیوں کی طرح اسے بھی مار ڈالا۔ بادشاہ کو چرواہے کی بیٹی کی گفتگو یاد تھی لہٰذا فوراً وزیر کو چرواہے کی طرف روانہ کیا کہ جا کر اس سے رشتہ طلب کرے۔ وزیر چرواہے کے پاس گیا اور اسے بادشاہ کا پیغام دیا۔ چرواہے نے کہا: ''میں ذرۂ ناچیز، مجھ کو کام کرنے کی طاقت بھی نہیں رہی ہے۔ رشتہ دینے کا مطلب ہے کہ اپنا ایک ہاتھ کٹوادوں، پھر میرا کام کون کرے گا!'' پر وزیر نے اس کو بہت زور دیا جس کے بعد چرواہا کہنے لگا: ''اپنی بیٹی سے پوچھ لوں، پھر جو وہ کہے گی وہی ہوگا۔'' یہ کہہ کر وہ اپنی بیٹیوں کے پاس آیا اور وزیر کی ساری بات انہیں کہہ سنائی۔ بڑی بیٹی نے بات سن کر فوراً کہا: ''کسی کو مرنا ہے کیا جو بادشاہ سے شادی کرے؟ میں تو نہیں کروں گی!'' اس پر چھوٹی بیٹی نے کہا: ''بابا! تم وزیر سے جا کر کہہ دو کہ میں اپنی چھوٹی بیٹی بادشاہ کو اس شرط پر دوں گا کہ اس کے تول برابر سونا مجھے دے۔'' وزیر نے چرواہے کی یہ شرط قبول کرلی، بادشاہ کے پاس آیا اور اسے ساری بات کہہ سنائی۔

آخر بادشاہ نے خالص سونا ڈنڈی کا تُلا ادا کر کے چرواہے کی بیٹی لی اور بڑی دھوم دھام سے شادی کی۔ خیر رات گزری، صبح ہوئی۔ تو بادشاہ نے بھی میان سے تلوار نکالی! رانی نے یہ دیکھا تو کہا کہ: ''بادشاہ سلامت! یہ کیا؟ لوگ کیا کہیں گے کہ رانی بادشاہ

۔۔۔۔رات گذری، صبح ہوئی، کہ بادشاہ نے بھی میان میں سے تلوار نکالی!

سے زور تھی یا اس کے ہاتھ سے بھاگ نکلی جو بادشاہ نے اسے مار ڈالا! آخر آپ نے سونے میں تول کر مجھے لیا ہے، آج چھوڑو، کل بھلے ہی ماردینا!'' آخر دوسری رات بھی گزری، صبح ہوئی۔ بادشاہ پھر دوڑا اور تلوار نکالی۔ اس پر رانی بولی: ''بادشاہ سلامت! مجھے تو مارنا بعد میں، پہلے چوبول رانی بیاہ کر لاؤ تا کہ میں بھی سمجھوں کہ تم مرد ہو۔ ورنہ سمجھوں گی تم بزدل ہو، بس ایسے ہی عورتوں کو مارنا جانتے ہو!'' یہ سن کر بادشاہ نے تلوار پھینک دی، رانی سے چوبول رانی کا پتہ نشان پوچھا، پھر ساز وسامان کا بیڑا بھرایا، سوداگر کا بھیس بدلا اور ادھر روانہ ہوا۔

چلتے چلتے، بالآخر ایک جگہ لنگر انداز ہوا۔ دور سے دیکھا تو ایک لنگڑا ہے جو ایک ٹانگ پر دوڑتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ آتے ہی لنگڑے نے بادشاہ سے کہا: ''تیرے باپ نے میری ٹانگ کٹوائی تھی۔ اب یا تو ٹانگ کے بدلے ٹانگ دے یا اس کے تول برابر سونا دے۔ ورنہ اس جگہ کا بادشاہ میں ہوں، تمہارا یہ بیڑا دریا میں ڈبو دوں گا!'' بادشاہ نے جان چھڑانے کے لیے جھولی بھر سونا اسے دیا اور اگلے دن بیڑا چھڑا کر، آگے روانہ ہوا۔ چلتے چلتے آخرکار ایک دوسری جگہ لنگر انداز ہوا، دور سے دیکھا تو ایک کانا ہے جو آنکھ پر ہاتھ رکھے دوڑتا چلا آ رہا ہے۔ کانے نے آتے ہی بادشاہ سے کہا: ''تمہارے باپ نے میری آنکھ نکلوادی تھی اب یا تو آنکھ کے بدلے آنکھ دے یا آنکھ کے عوض سچے موتیوں کا تھال دے۔ ورنہ اس علاقے کا بادشاہ میں ہوں۔ تمہارا یہ بیڑا دریا میں ڈبو دوں گا۔'' بادشاہ نے جان چھڑانے کے لیے اوکھ بھر موتی اس کو دیے اور اگلے دن بیڑا چھڑا کر آگے روانہ ہوا۔ آخر چلتے چلتے ایک دن چوبول رانی کے باغ کے قریب جا پہنچا۔ وہاں ایک نقارہ رکھا تھا۔ جو بھی شہزادہ چوبول رانی کے لیے آتا تھا تو پہلے وہ نقارے کو چوب دیتا تھا۔ بادشاہ بھی جو اتنی مشکلات اٹھاتا یہاں تک پہنچا تھا، اس نے آتے ہی بڑھ کر نقارے کو چوب لگائی۔ نقارے کی آواز پر رانی نے باندی کو بھیجا۔ جس نے آ کر کہا: ''گھر کا پھٹکارا ہے یا بیوی کا دھتکارا؟ کیا مصیبت پڑی ہے جو نقارہ پھاڑے ڈالتا ہے!'' بادشاہ نے کہا: ''نہ ہوں گھر کا ستایا ہوا نہ بیوی کا، تو موقع دیکھ کر جا اور جا کر اپنی رانی سے کہہ دے کہ 'اپنی شرطیں بتاؤ یا کھاٹ پر بیٹھنے دو!'' باندی نے کہا: ''چوبول رانی کی پہلی شرط یہ ہے کہ یہ لکڑی کی کلہاڑی لو، وہاں جو لوہے کا تنا دیکھ رہے ہو، اس سے جا کر اسے توڑ دو۔'' بادشاہ نے لکڑی کا کلہاڑا اٹھایا اور لوہے کا تنا کاٹنے کھڑا ہوا۔ دو تین دفعہ ہی کلہاڑا چلایا ہوگا کہ لکڑی کا کلہاڑا ریزہ ریزہ ہوگیا اور لوہے کے تنے پر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ پھر رانی کے حکم کے مطابق، بادشاہ کو

لے جا کر رہٹ میں جوت دیا اور اس سے پہلے جو شہزادہ رہٹ چلا رہا تھا اسے چھوڑ دیا اور اس کے گلے میں کالا دھاگا باندھ کر، دُنبہ بنایا اور ایک کمرے میں بند کر دیا۔

چوبول رانی کے پاس، رہٹ میں جُتے جُتے بادشاہ کو بہت دن گزر گئے۔ ادھر اس کی رانی کو یقین ہوگیا کہ بادشاہ کی خیر نہیں چنانچہ اپنے ساس سسر سے اجازت لی، مردانہ لباس پہنا، ہتھیار لگائے، گھوڑے پر سوار ہوئی اور ساز وسامان سمیت اپنے شوہر کی تلاش میں اٹھ کر روانہ ہوئی۔ چلتے چلتے وہ بھی اسی جگہ پہنچی جہاں بادشاہ کو لنگڑے نے لُوٹا تھا۔ اس نے بھی جب یہاں منزل کی تو وہی لنگڑا دوڑتا ہوا آیا، آ کر رانی سے کہا: ''تیرے باپ نے میری ٹانگ ادھار لی تھی اب یا تو ٹانگ کے بدلے ٹانگ دو یا ٹانگ کے تول برابر سونا دو۔'' رانی نے نوکروں سے کہا: ''اس لنگڑے کی دوسری ٹانگ کاٹ لو، تاکہ اس کے تول کا سونا دے سکوں۔'' لنگڑے نے دیکھا کہ مار! اب دوسری ٹانگ بھی جاتی ہے! تو جو کچھ عمر بھر میں لوٹا ہوا مال اسباب تھا وہ اسے دے دیا اور آئندہ کے لیے توبہ کی، جان چھڑائی اور دعائیں دیتا چلا گیا۔ رانی نے اگلے دن دوسری جگہ منزل کی تو وہاں کانا دوڑتا ہوا آ گیا۔ کہنے لگا: ''آنکھ کے بدلے آنکھ دے یا سچے موتیوں کا تھال دے!'' رانی نے اپنے آدمیوں سے کہا: ''اس کی دوسری آنکھ نکالو اور میری بھی آنکھ نکالو، تاکہ تول کر برابر کر کے دوں۔'' کانے نے جو دیکھا کہ اب دوسری آنکھ بھی جاتی ہے تو اس نے بھی تمام عمر جو لوٹ مار کی تھی وہ اسے دے دیا، آئندہ کے لیے توبہ کی اور بھاگ نکلا۔

رانی نے ان جنگلوں کے بادشاہوں سے اس طرح جان چھڑائی اور آگے روانہ ہوئی۔ چلتے چلتے ایک جگہ پہنچ کر سورج غروب ہوگیا اور رات ہوگئی۔ رانی نے کیا کیا کہ نوکروں چاکروں کو سلا دیا اور خود کھڑی پہرہ دینے لگی۔ پہر بھر رات گزری ہوگی کہ اتر کی طرف سے چیخ سنائی دی۔ رانی دوڑ کر اس طرف گئی۔ دیکھا تو ایک جن ہے جس نے گھٹنوں میں سر دیا ہوا ہے اور دھاروں دھار رو رہا ہے۔ جن نے رانی کو دیکھا اور بولا: ''مائی دائی، مردانہ بھیس بدلے ہوئے ہو تو کوئی خطرہ نہیں، خدا کا نام ہے میری بیوی حاملہ ہے، تم چل کر اللہ کے نام پر اس کی مدد کر دو!'' اس پر رانی نے کہا: ''تو جن میں آدم زاد بھلا تجھ پر مجھے کیا اعتبار؟'' اس پر جن نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی قسم کھائی اور اس سے وعدہ کیا کہ: ''میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا اور عمر بھر بچوں سمیت تمہارا غلام بن کر رہوں گا۔'' اس کے بعد رانی جن کے ساتھ اس کے گھر آئی۔ وہاں جن نے کیا کیا کہ بھیڑ کی اون کے بنے سو ہاتھ کمبل رانی کو دئے اور کہا: ''جو بھی بچہ پیدا ہو تو اس میں

ایک ہاتھ کمبل پھاڑ کر اسے لپیٹ دینا، جب سو بچے پیدا ہوچکیں تو کہنا: ''بابا، دادا، میری جان چھوڑو!'' تو پھر بچے پیدا ہونے بند ہوجائیں گے۔'' اب رانی بیٹھی اسے بچے پیدا کرانے۔ جب ننانوے کے بعد اگلا بچہ پیدا ہوا تو رانی نے کہا: ''بابا، دادا، اب میری جان چھوڑو!'' بس اس پر فوراً بچے پیدا ہونے بند ہوگئے اور جننے والی فوراً رانی کے پیروں پر گر گئی اور بولی: ''مانگو کیا مانگتی ہو!'' رانی نے کہا: ''مائی! میرے پاس خدا کا دیا سب کچھ ہے، مجھے کچھ بھی نہیں چاہئے۔'' اس پر اس نے اپنے بیٹوں سے کہا: ''تم میں جو حلالی ہو وہ جا کر اس عورت کی خدمت چاکری کرے۔'' اس کا بڑا بیٹا چھلانگ لگا کر رانی کی خدمت میں آحاضر ہوا۔ رانی نے اسے اپنے ساتھ لیا اور تنبو میں واپس آ گئی۔

اب رات کا دوسرا پہر ہی گزرا تھا کہ دکن کی طرف سے دوسری چیخ سنائی دی۔ باہر نکل کر دیکھا تو ایک دیو ہے جو آندھی طوفان کی طرح دوڑا چلا آ رہا ہے اور آ کر اچانک رانی کے پیروں پر گر گیا۔ کہنے لگا: ''مائی دائی، خدا کا واسطہ! چل میری بیوی بچہ جننے کے قریب ہے۔'' رانی نے کہا: ''تو دیو زاد، میں آدم زاد، مجھے تجھ پر کیا اعتبار؟'' دیو نے کہا: ''مجھے حضرت سلیمان علیہ السلام کی قسم ہے۔ تیرا کوئی نام بھی نہ لے گا، اور میں اپنے بال بچوں سمیت تیرا غلام بن کر عمر بھر رہوں گا۔'' یہ سن کر رانی اٹھ کر اس کے ساتھ چل دی اور دیو کے گھر پہنچی۔ دیو نے اسے سو ہاتھ، انیٹوں سے منڈھی چٹائی دے کر کہا کہ: ''ایک ایک بچہ کو اس میں سے ایک ایک حصہ اس میں سے لے کر لپیٹ دینا، جب سو بچے پیدا ہوچکیں تو کہنا کہ: ''بابا، دادا، میری جان چھوڑو۔'' تو پھر وہ خود بخود بند ہوجائیں گے اور تم اٹھ کھڑی ہوجانا۔'' دیو کے کہنے کے مطابق، رانی نے ایسا ہی کیا۔ جب دیونی نے بچے پیدا کر کے بس کیا تو آ کر رانی کے قدموں پر گری اور بولی: ''اب مانگو کیا مانگتی ہو!'' اس پر رانی نے کہا: ''میرے پاس خدا کا دیا سب کچھ ہے۔ مجھے کچھ بھی نہیں چاہئے۔'' اس کے بعد دیونی نے اپنے بچوں سے کہا: ''تم میں جو بھی حلالی بچہ ہو، وہ جا کر رانی کی خدمت چاکری کرے۔'' اس پر دیونی کا بڑا بیٹا یکدم اٹھ کر رانی کے ساتھ چل دیا، پھر وہ دونوں اپنے تنبو میں واپس آئے۔

کچھ دن بعد چلتے چلتے، رانی جا کر چوبول رانی کے باغ میں پہنچی اور پہنچتے ہی دو تین بار نقارے پر چوب دی۔ نقارے کی آواز سنی تو باندی دوڑی ہوئی آئی اور اسے دیکھ کر بولی: ''اے نصیب پھوٹے، گھر کا نکالا ہوا ہے یا بیوی کا دھتکارا ہوا!'' اس پر رانی، جو مردانہ بھیس میں تھی، اس نے مردانہ آواز میں کہا: ''اپنی رانی سے جا کر کہہ دو کہ اپنی شرطیں

بتاؤ یا کھاٹ پر بیٹھنے دو!'' باندی نے کہا: ''ہاں۔ لو یہ پہلی شرط، کاٹھ کی کلہاڑی سے لوہے کا تنا کاٹ دو!'' رانی نے کلہاڑی لی اور دیو سے صلاح کی۔ دیو نے اسے اپنے دو تین بال دیے اور کہا: ''یہ بال کلہاڑی پر لپیٹ کر، آنکھ بچا کر کلہاڑی کا وار زمین پر کرنا۔ زمین تو نہیں ٹوٹے گی اور میں اتنے میں پنجہ مار کر لوہے کے تنے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔'' رانی نے دیو کے بال کلہاڑی پر لپیٹے، نظر بچا کر کلہاڑی زمین پر ماری اور ادھر دیو نے پنجہ مار کر لوہے کے تنے کو ٹکڑے کر دیا۔ ہر طرف ''واہ واہ'' ہوگئی۔ رانی نے جھٹ پٹ دوسرا بول پوچھا۔ اس پر باندی چوبول رانی کے پاس بھاگتی ہوئی پہنچی اور اسے سارا احوال کہہ سنایا۔ چوبول رانی نے دوسری شرط بتائی اور باندی کو واپس بھیج دیا۔ باندی رانی کے پاس آئی اور دوسری شرط اسے بتائی: ''ایک خرار (۲۴ من) چاول پکواؤ اور ایک آدمی کے ساتھ بیٹھ کر کھاؤ۔'' رانی نے دیو اور جن سے صلاح کی۔ جن رانی سے بولا: ''تم چپ کر کے ایک ایک چاول اٹھانا، ہم خود ہی کھانا کھانے کا کام پورا کر دیں گے۔'' خیر چاولوں کا پورا ایک خرار رکھا، رانی ایک آدمی کے ساتھ بیٹھ کر ایک ایک چاول کر کے کھانے لگی۔ خبر تو جب ہوئی جب تو نے دیکھا نہ میں نے دیکھا، چاولوں کی دیگیں خالی ہوگئیں۔ پیچھے ایک دانہ بھی نہ بچا کہ کوئی مرغ اسے چُن لیتا۔ لوگوں نے دانتوں میں انگلیاں دے لیں اور پھر سے ''واہ واہ'' ہوگئی۔

دو شرطیں پوری ہونے کے بعد رانی سیدھی محل پر پہنچی اور چوبول رانی کی کھاٹ پر بیٹھ گئی، پھر اس سے پوچھا: ''اب بتاؤ، دوسری دو شرطیں کیا ہیں؟'' رانی ہکا بکا رہ گئی اور بولی: ''پہلی شرط یہ ہے کہ پانی کا مٹکا اور 'دیا' دونوں بات کریں، اور دوسری شرط یہ ہے کہ یہ تکیہ اور ہار تمہاری تعریف کریں۔'' رانی نے پھر دیو اور جن سے صلاح کی۔ جن نے کہا: ''پہلے میں 'دیئے' کے اندر اور پھر مٹکے میں بیٹھ کر تم سے بولوں گا، پھر ہار اور تکیے کے اندر بیٹھوں گا اور تم جو بولو اس کا جواب دوں گا۔'' اس پر رانی نے فوراً 'دیئے' کو پکارا ''ارے 'دیا'۔'' دیے نے جواب دیا: ''جی رے چوبول رانی کے میاں، کہیا۔'' چوبول رانی کو بڑا غصہ آیا سو یکدم پنجہ مار کر دیے کو گرا دیا اور توڑ ڈالا، بولی: ''موئے! میں تجھ میں اس لیے تیل اور بتیاں ڈالتی تھی کہ تو میرا دشمن بنے!'' اس کے بعد رانی نے مٹکے سے کہا: ''ارے مٹکے!'' مٹکے نے جواباً کہا: ''جی رے! چوبول رانی کے میاں۔'' چوبول رانی نے جو یہ سنا تو غصہ میں آ کر، مٹکے کو جو ہاتھ مارا تو وہ بھی ٹوٹ گیا۔ وہ بولی: ''موئے! میں اس دن کے لیے تیرے اندر پانی بھرتی رہی کہ تو میرا دشمن ہو جائے!'' اس کے بعد رانی نے تکیے سے

کہا: ''ارے او تکیے!'' تکیے نے جواب دیا: ''جی ہاں! چوبول رانی کے میاں، رانا۔'' یہ سن کر چوبول رانی کو بڑا غصہ آیا اور اس نے تکیے کو چیر پھاڑ ڈالا، بولی: ''موئے بیقدر! ساری زندگی میں نے تجھ پر سر رکھا، اسی لیے سوتی رہی کہ آج تو میرا دشمن بن جائے!'' اس کے بعد رانی نے ہار کو پکارا: ''ارے! ہار'' ہار نے جواباً کہا: ''جی ہاں چوبول رانی کے میاں، منٹھار!'' یہ سننا تھا کہ چوبول رانی کو بڑا غصہ آ گیا، ہار میں ہاتھ ڈالا کہ توڑ دوں، ابھی وہ ہار توڑنے ہی والی تھی کہ رانی نے فوراً ہاتھ پکڑ لیا، کہا: ''ہار نہ توڑو!'' چوبول رانی ہار توڑنے سے رک گئی اور ہار مان کر خود کو اس رانی کے حوالے کر دیا۔

صبح سارے شہر میں یہ خبر پھیل گئی اور شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ دیکھا تو ہر کوئی ناچ گا رہا ہے۔ کھانے پینے کی ریل پیل ہوگئی۔ غریب غربا کھاتے دعائیں دیتے جاتے رہے۔ خیر شادی بھی ہوگئی۔ شادی کی پہلی ہی رات رانی نے کیا کیا کہ چوبول رانی کے ساتھ بیچ میں تلوار رکھ کر سو گئی۔ چوبول رانی نے اس کا سبب پوچھا، اس پر رانی نے کہا: ''میری ماں نے منت مانی تھی کہ جب تک گوٹھ واپس نہ آ جاؤں تب تک چوبول رانی کے ساتھ نہ سونا۔ اب جب تک گوٹھ نہ پہنچ جاؤں تب تک تمہیں ہاتھ نہ لگاؤں گا۔''

خیر سے یہ رات بھی گزر گئی۔ صبح ہوئی تو رانی سے قید خانے کی کنجیاں لیں اور جا کر دروازہ کھولا۔ جتنے بھی جانور بیٹھے تھے سب کے گلوں سے کالا دھاگا توڑا، وہ فوراً ہی چاند جیسے حسین خوبصورت شہزادے بن گئے۔ پھر اس نے سب کو آزاد کیا، انہیں زاد راہ دیا اور ان کے ملکوں کو روانہ کر دیا۔ پھر اس نے کونہ کونہ چھان مارا، ادھر ادھر بہتیرا ہی تلاش کیا مگر اپنا جمڑو بادشاہ کہیں نظر نہ آیا۔ آخر کار وہ چوبول رانی کے پاس آئی اور اس سے حقیقت پتہ کی۔ اس نے کہا: ''ابھی ایک شہزادہ اور ہے جو باغ کا رہٹ چلا رہا ہے۔'' رانی نے جا کر دیکھا تو واقعی جمڑو بادشاہ ہے جو رہٹ چلا رہا ہے۔ رہٹ چلاتے چلاتے جب سورج غروب ہوگیا تو چوبول رانی کے مالی نے کیا کیا کہ جمڑو بادشاہ کو رہٹ سے نکال کر، گلے میں کالا دھاگا باندھا، دنبہ بنایا اور سامنے کیل سے اٹکا دیا۔ رانی نے کھڑے کھڑے یہ سارا نظارہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ پھر تحمل سے کوئی بات سوچی اور جا کر جمڑو بادشاہ کے گلے سے کالا دھاگا توڑا۔ جمڑو بادشاہ دانت نکالتا، ہاتھ باندھ کر سامنے کھڑا ہوگیا۔ پھر رانی اسے چوبول رانی کے پاس لے آئی اور کہا: ''اس بیچارے کو نوکر کے طور پر رکھ لیا۔ یہ غریب بھی کیا یاد کرے گا!'' پھر تو جمڑو بادشاہ کو اپنا خاص نوکر بنا کر اپنے پاس کھڑا کر لیا۔

تھوڑے بہت دن گزرے تو رانی نے چوبول رانی کو اپنے گوٹھ چلنے کو کہا۔ چوبول رانی تیار ہوگئی۔ دو ایک دن بعد رانی اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ، جمڑو بادشاد کو لیے،

اپنے ملک کو چلی۔ سردی کا موسم تھا، اور سردی بھی اپنے عروج پر تھی۔ پس رانی نے کیا کیا کہ اپنی ایک نئی نکور زمین پر چلنے والی اپنی جوتی نکالی اور جمڑو بادشاہ کو دی کہ: ''یہ کانوں سے باندھ لو، ایسا نہ ہو سردی کانوں کو جلا دے!'' جمڑو بادشاہ ہونے کو تو بادشاہ تھا مگر اس وقت تو اس کا نوکر تھا سو کرتا بھی تو کیا؟ بس جوتیاں لیں اور اپنے کانوں سے باندھ لیں۔

جب اپنے ملک پہنچے اور شہر کے نزدیک آ گئے تو وہیں اتر پڑے۔ وہاں رانی جمڑو بادشاہ کو جنگل میں لے گئی اور بولی: ''اگر تم اپنی ران پر مہر لگانے دو تو یہ چوبول رانی اور سب ساز وسامان تمہیں دے دوں۔ اپنا کیا ہے۔ جہاں سے آئے وہیں چلے جائیں گے۔'' جمڑو بادشاہ کو اور کیا چاہئے تھا سو ادھر ادھر دیکھ کر رانی کے پیروں پر گر پڑا اور ہاتھ باندھ کر کہنے لگا: ''اے دنیا جہان کے شہزادے اندھا مانگتا ہے اللہ سے ایک آنکھ، تم تو مجھے دونوں دے رہے ہو! باقی بندے کو اور کیا چاہئے۔ مجھے تمہاری شرط قبول ہے!'' اس پر رانی نے اپنی انگوٹھی کو گرم کر کے بادشاہ کی ران پر مہر کر دی اور پھر کسی بہانے سے، قافلے کو وہاں چھوڑ کر، چپ چاپ اپنے محل میں پہنچی اور سج بن کر بیٹھ گئی۔

ادھر جمڑو بادشاہ مہر لگنے کے بعد، پھر سے شیر ہو گیا اور سارا لاؤ لشکر لیا، ساتھ میں چوبول رانی، شہر میں داخل ہوا اور محل میں پہنچا۔ جاتے ہی تلوار سونت لی۔ رانی نے کہا: ''کیا کرتے ہو؟'' بادشاہ نے کہا: ''چوبول رانی کو لے آیا ہوں۔ اب میں تمہیں مار رہا ہوں۔'' رانی نے کہا: ''میاں! بھلے مار دینا۔ لیکن ذرا ٹھہرو، تاکہ چوبول رانی کو میں بھی تو ذرا دیکھوں!'' رانی وہاں سے اٹھی اور چوبول رانی کے پاس پہنچی اور ساری بات کہہ سنائی۔ چوبول رانی سیدھی بادشاہ کے پاس گئی اور ساری بات اس کے منہ پر کہہ سنائی اور وہ انگوٹھی بھی دکھائی، کہا: ''اس کا نشان تمہاری ران پر ہے اور یہ انگوٹھی تمہاری اسی رانی کی ہے جس نے تمہیں میری بانہہ بھی دلائی اور مجھے میری قید سے آزاد بھی کیا۔ اور اب تم ہو کہ اس کو مارنے کے لیے تیار ہو!''

بادشاہ نے یہ بات سنی تو دوڑ کر دوبارہ رانی کے پیروں پر گر گیا اور کہنے لگا: ''میں نے توبہ کی، اب تم مجھے اور خوار نہ کرو!'' اس پر رانی ہنسی اور بولی: ''بادشاہ سلامت! کانوں سے جوتیاں باندھ لو تاکہ سردی سے کچھ بچاؤ ہو سکے؟'' بادشاہ یکدم پھیکا پڑ گیا اور کنوئیں والی بات یاد آ گئی بس پھر تو سر جھکائے بیٹھ رہا اور رانی کو مارنے کا خیال بھی ذہن سے نکال دیا۔

☆

چو بول رانی

ایک تھا بادشاہ، بادشاہ تو اللہ تعالیٰ ہے مگر یہ زمین کے ایک ٹکڑے کا بادشاہ تھا۔ اس کی دوستی ایک اصیل ناگ کے ساتھ تھی۔ ایک بار یہ اصیل ناگ بادشاہ کے پاس آیا اور بولا: ''میں کچھ دن کے لیے کسی کام سے باہر جارہا ہوں۔ اس لیے تم میرے گھر کی دیکھ بھال رکھنا۔'' یہ کہہ کر ناگ رخصت لے کر چلا گیا۔

کافی وقت گزر گیا۔ اچانک ایک دن بادشاہ کو یہ بات یاد آ گئی کہ ناگ مجھے گھر کی دیکھ بھال کے لیے کہہ کر گیا تھا لیکن میں آج تک وہاں نہیں گیا۔ یہ سوچ کر اٹھا اور ناگ کے گھر کو چلا۔ جب وہ ناگ کے گھر میں داخل ہوا تو دیکھتا کیا ہے کہ ایک کھپّر ناگ اس کے دوست کی بیوی کے ساتھ سو رہا ہے۔ بادشاہ کو غیرت آ گئی اور یکدم تلوار میان سے نکال، کھپر پر وار کیا۔ اتنے میں ناگن نے جو بادشاہ کو وار کرتے دیکھا تو اپنی دم کے ذریعے کھپر ناگ کو چھت کی طرف اچھال دیا۔ بادشاہ کے وار سے ناگن کی دُم کٹ گئی۔ اس پر بادشاہ کو بڑی فکر ہوئی کہ یہ کیا ہوگیا؟ کھپر کے مرنے کے بجائے، میرے دوست کی بیوی کی دُم کٹ گئی۔ اب یار کو کیا کہوں گا؟ اسی سوچ بچار میں بادشاہ اپنے محل کو واپس آیا۔

کچھ دن بعد ناگ سفر سے واپس آیا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر اپنی دم کٹی بیوی پر پڑی۔ ناگ حیران رہ گیا اور بیوی سے اس کا سبب پوچھا۔ بیوی نے مکر کرتے ہوئے رو کر بتایا کہ: ''تم اپنے دوست بادشاہ کو گھر کی خبر گیری کا کہہ گئے تھے بادشاہ ہر دوسرے چوتھے دن خیر خبر لیتا رہا۔ پھر اس کی نیت میں خرابی آ گئی۔ میرے انکار پر اس نے غصہ میں آ کر اپنی تلوار سے میری دم کاٹ دی اور چلا گیا۔'' اس پر ناگ نے کہا: ''بھلا اس بات کا کوئی گواہ؟'' ناگن بولی: ''گواہ یہ کھپر ہے جو چھت میں بیٹھا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔''

ناگ نے کھپر سے پوچھا: ''ارے کھپر، تو بتا، حقیقت کیا ہے؟'' کھپر نے جواب دیا: ''سائیں! تیری بیوی نے جو کچھ کہا، سب سچ ہے۔'' اصیل ناگ بیچارہ سوچ بچار میں پڑ گیا۔ آخر کھپر سے پوچھا: ''اب بھلا کیا کرنا چاہیے؟'' اس پر کھپر نے جواب دیا: ''سائیں کرنا اب کیا چاہیے، وہی کرو جو بادشاہ نے کیا ہے۔ اس نے تلوار سے تمہاری بیوی کی دُم کاٹی ہے، اب تم اپنی ایک پھنکار سے سارا شہر جلا کر خاک کر دو۔'' اصیل بہت خوش ہوا،

اور کھپر سے بولا: ''اچھا، تو پھر تم بھی اُتر آؤ، تا کہ ہم دونوں ساتھ چل کر یہ کام کر آئیں۔''

پھر دونوں ایک ساتھ شہر کو چل دیے۔ جب شہر کے نزدیک پہنچے تو کھپر ناگ نے اصیل ناگ سے کہا: ''یہیں سے پھنکار کر شہر کو جلا ڈالو، تا کہ واپس لوٹ چلیں۔'' پر اصیل نے کہا کہ: ''کھپر، بات سنو۔ ہمارا گناہ کیا کس نے ہے، بادشاہ نے کیا ہے، نہ کہ سارے شہر نے! لہٰذا بدلہ بھی بادشاہ سے ہی لینا چاہیے۔ اب سیدھے چلتے ہیں بادشاہ کے محل میں۔ تو جاتے ہی اس کے جوتے میں بیٹھ رہنا اور میں بادشاہ کے دودھ میں زہر چھوڑ کر، ایک طرف بیٹھ جاؤں گا پھر اگر وہ دودھ پیئے گا تو بھی مرجائے گا اور اگر جوتے میں پیر ڈالے گا تو تم ڈس لینا۔'' یہ صلاح مشورہ کر کے وہ دونوں سیدھے محل میں پہنچے۔ اصیل ناگ نے دودھ میں زہر شامل کر دیا اور ایک طرف ہوگیا اور کھپر بادشاہ کے جوتے میں جا بیٹھا۔

جس روز بادشاہ ناگ کے گھر گیا تھا اور ناگن کی دم کٹ گئی تھی، اس دن سے وہ بہت اداس رہنے لگا تھا۔ نہ کسی سے بولتا نہ بات کرتا۔ امیر وزیر بیچارے سب حیران پریشان تھے کہ آخر بادشاہ کو ہوا کیا ہے! وہ بھی اسی روز اکٹھے ہوکر بادشاہ کے پاس محل میں آئے۔ اور ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ: ''بادشاہ سلامت! آپ کے ساتھ کیا پریشانی ہے۔ اتنے دن ہوگئے نہ کسی سے بولتے ہیں نہ بتاتے ہیں! ساری رعیت اسی وجہ سے پریشان ہے۔ آخر ہم آپ کے نمک حلال نوکر ہیں۔ ہمیں بتایئے آخر بات کیا ہے۔ ہوسکتا ہے ہم آپ کے کچھ کام آسکیں۔'' اس پر بادشاہ نے اپنے امیروں وزیروں کو اصیل ناگ کی دوستی، ناگن کا کھپر کے ساتھ خراب ہونا، اور ناگن کی دم کٹنے کی ساری روداد بیان کردی اور بولا: ''اب جب اصیل ناگ آئے گا اور اپنی بیوی کی دم کٹی ہوئی دیکھے گا تو ضرور پوچھے گا، اس پر اس کی بیوی اور کھپر میرے خلاف کچھ نہ کچھ جھوٹ بات ناگ کو بتائیں گے، ناگ مجھ سے ناراض ہوکر میری بادشاہت کو جلا کر خاک کر ڈالے گا۔ بس یہی غم ہے کہ اتنی ساری خلق خدا بے گناہ ماری جائے گی۔'' یہ ساری بات اصیل ناگ نے بھی سنی۔ وہ یکدم آ کر بادشاہ کی گود میں بیٹھ گیا اور بولا: ''پہلے تو یہ نامراد کھپر جو تمہاری جوتی میں بیٹھا ہے اسے مار دو۔ بعد کی باتیں بعد میں۔'' بادشاہ نے فوراً کھپر کو مروا دیا۔ اس کے بعد ناگ کے کہنے پر دودھ بھی پھنکوا دیا۔ ان کاموں کے بعد دونوں دوست ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بہت خوش ہوئے اور دل کھول کر باتیں کیں۔ جاتے ہوئے ناگ نے اپنا من نکالا، اور بادشاہ کے بدن سے لگاتے ہوئے کہنے لگا: ''بادشاہ سلامت! اس من میں یہ خاصیت ہے کہ تو سکرات کی حالت میں پڑے شخص کی اصل حالت دیکھ سکے گا اور پرندوں اور

جانوروں کی باتیں سمجھ سکے گا۔ پر یاد رکھنا، اگر تم نے یہ بات کسی کو بھی بتائی تو فوراً مر جاؤ گے۔'' یہ کہہ کر ناگ، چلا گیا۔

ایک بار بادشاہ گشت کرتے کرتے شہر میں ایک ایسی جگہ سے گزرا جہاں غریب مچھیروں کے گھر اور دوکانیں تھیں۔ دیکھا تو ایک جگہ لوگوں کا ہجوم لگا ہوا ہے۔ بادشاہ اس بھیڑ میں گھس گیا۔ دیکھا تو ایک کولی بیمار پڑا ہے اور سکرات کی حالت طاری ہے۔ کتنے ہی کولی اس کی دیکھ بھال میں لگے تھے۔ اتنے میں دیکھتا کیا ہے کہ موت کا فرشتہ ہے جس کے ہاتھ میں ایک سبز ریشمی رومال ہے۔ اس نے آکر اس بیمار کی روح قبض کی، اس روح کو اس رومال میں لپیٹا اور لے گیا۔ یہ حالت دیکھ کر بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے، وہ محل میں واپس آیا۔ بادشاہ رانی سے بھی کولی کے مرنے کی بات کر کے رونے لگا، اس پر رانی بولی: ''بادشاہ سلامت! افسوس کی کیا بات ہے، تمہارے شہر میں کتنے ہی مرتے ہیں اور کتنے ہی جیتے ہیں۔'' پر رانی کو بہت عجیب لگا کہ ایک خسیس کولی کے لیے بادشاہ کیوں رویا۔

تھوڑے دنوں بعد رانی کا باپ سخت بیمار ہوا۔ جس کی وجہ سے بادشاہ رانی سمیت اپنے سسرال گیا۔ گھر میں گھستے ہی اپنے سسر پر نظر پڑی جو سکرات کی حالت میں تھا۔ بادشاہ اپنے سسر کے سرہانے بیٹھ گیا۔ ابھی تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ دیکھا، موت کا فرشتہ آرہا ہے۔ جس کے ہاتھ میں جنگلی بیر کی ٹہنی ہے۔ اسے بادشاہ کے بدن میں چبھویا اور اس میں اس کی روح قبض کر کے لے گیا۔ بادشاہ نے جو یہ حالت دیکھی تو اس کو ہنسی آگئی۔ رانی کو سر سے پیر تک آگ لگ گئی مگر اس وقت وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ جب لاش کو دفنا کر واپس آئے تو رانی نے یکدم بادشاہ سے کہا: ''بادشاہ سلامت! مجھے یہ تو بتاؤ کہ اپنے شہر میں ایک خسیس مینگھاڑ مرا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو نہ تھمتے تھے مگر آج جب میرا باپ مرا تو آپ کا قہقہہ نکل گیا۔ اس کا کیا سبب ہے؟'' اس پر بادشاہ نے کہا کہ: ''رانی، اس بات کو اس وقت جانے دو۔ یہ حقیقت میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔'' مگر رانی ضد پکڑے رہی، بولی: ''کسی بھی طرح مجھے ابھی بتاؤ۔'' بادشاہ بیچارہ بہت لاچار ہوگیا پھر کہنے لگا: ''اچھا تمہیں اس کا سبب تین دن بعد بتاؤں گا۔''

رانی اس بات پر راضی ہوگئی۔ آخر تین دن بھی گزر گئے۔ رانی نے پھر بادشاہ کے کان کھڑکائے۔ بادشاہ نے سوچا کہ'' ناگ کا کہنا ہے کہ اگر یہ بات کسی کو بتاؤ گے تو مرجاؤ گے۔ اب میں کروں تو کیا کروں؟ ناگ نے بھی جھوٹ تو نہیں بولا ہوگا۔'' بس اس نے رانی سے کہا: ''بات کی نہیں جارہی۔ ابھی تمہارے باپ کی وفات ہوئی ہے۔

چالیسواں گزرنے دو اور مہمان بھی چلے جائیں۔ پھر یکسو ہو کر تمہیں بتادوں گا۔'' رانی نے یہ بات مان لی، اور خاموش ہوگئی۔ آخرکار چالیس دن بھی گزر گئے۔ چہلم کی فاتحہ ہوئی۔ مہمان جو جہاں سے آئے تھے ادھر روانہ ہوئے۔ رانی نے پھر بادشاہ کو وہی بات یاد دلائی۔ بادشاہ کو تو پہلے ہی خبر تھی، اس نے رانی سے کہا: ''رانی تمہیں اس بات کی بہت فکر ہے یہ تو کوئی خاص بات ہے ہی نہیں، جس کے لیے تم اتنی جلد بازی کر رہی ہو۔ اب میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے ملک پہنچ کر میں تمہیں ساری سربستہ بات بتادوں گا۔''

آخر ہفتہ بھر گزرنے کے بعد، بادشاہ اپنے ملک کو لوٹا۔ راہ میں چلتے چلتے ایک جگہ دیکھا کہ بکریوں کا ریوڑ جنگل میں چَر رہا ہے۔ ان میں ایک بکرا بھی ہے جو بکری کے ساتھ میلان کے لیے گھوم رہا ہے اور بکری اس سے منہ پھیر رہی ہے۔ جب بکرے نے زیادہ زور کیا تو بکری کہنے لگی: ''تیری بات مجھے منظور ہے پر ایک شرط ہے۔ پہلے اس ساتھ والے کنوئیں کے تلے سے گھاس کا گٹھا مجھے لاکر دو۔'' اس پر بکرے نے کہا: ''یہ تو بیوقوف بادشاہ ہی ہے جو رانی کے کہنے پر اپنا سر دے رہا ہے۔ مجھے تو اگر پاس آنے نہ دے گی تو میرے لیے دوسری ہزاروں موجود ہیں۔'' یہ کہہ کر بکرا چلا گیا۔ بادشاہ نے منکے کے سبب سے بکرے کی بات سن لی، دل میں کہنے لگا: ''ارے! میں تو اس بکرے سے بھی گیا گزرا ہوں۔ مجھے تو اس جتنی بھی عقل نہیں۔ کیا ہوا اگر یہ بیوی چلی بھی گئی تو، دوسری بیاہ لاؤں گا۔ بلاوجہ اپنی جان سے کیوں جاؤں!'' بادشاہ نے فوراً چرواہے کو بلایا، اس سے وہ بکرا خریدا، اور اپنے ملک پہنچ گیا۔

بادشاہ کا محل میں پہنچنا تھا کہ رانی نے بات پوچھی، ابھی رانی کے منہ سے بات نکلی ہی تھی کہ بادشاہ نے بید کی چابک اٹھائی اور رانی کو مارنے لگا۔ رانی کی چیخوں پر چیخیں نکلنے لگیں، بولی: ''میں نے اس بات سے ہاتھ اٹھایا!'' مگر بادشاہ بولا: ''نہیں نہیں، ٹھہر جا۔ میں ابھی تجھے شروع سے ساری بات بتاتا ہوں۔'' اس نے مار مار، رانی کو سُجا دیا اور وہ نیچے آگری۔ اس کے بعد بادشاہ نے پوچھا: ''اب بھی بات جاننے کا شوق ہے۔'' رانی نے کہا: ''میں نے توبہ کی۔ مجھے کوئی بات بھی نہیں جاننی۔'' اگلے دن بادشاہ نے شہر بھر میں اطلاعِ عام کردی کہ: ''یہ بکرا میرا دوست ہے۔ جس نے مجھے موت کے منہ سے بچایا ہے لہٰذا کوئی بھی اس کا نام نہ لے، جو بھی اس کا نام لے گا اسے پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔ بکرا کسی کا کتنا بھی نقصان کرے اس نقصان کو میرے خزانے سے بھر دیا جائے گا۔'' اس کے بعد بکرے کو شہر میں کھلا چھوڑ دیا گیا۔ بکرا بھی شہر بھر میں کھلے عام مزے سے گھومتا، مجال تھی

کہ کوئی اس کا نام لے۔ کسی کا اگر کچھ بھی نقصان ہوتا تو شاہی خزانے سے وصول کرلیا جاتا۔ تھوڑے ہی دنوں میں بکرا کھا کھا کر موٹا تازہ ہوگیا۔ بادشاہ کو بھی بکرے کی کوئی فکر نہ رہی۔ آئے تو کیا اور نہ آئے تو کیا۔ بعض اوقات تو وہ دو، دو تین، تین دن شہر میں نہ آتا۔

ایک دن خدا کا کرنا کیا ہوا کہ شام ہونے لگی تھی، برسات بھی خوب برسی، اور بکرا بھی شہر سے باہر نکل، شہر کے پاس والے پہاڑ پر ٹھنڈک میں جابیٹھا۔ سورج غروب ہوگیا مگر بکرا شہر کو نہ لوٹا۔ اتفاق سے کوئی چار شخص اس پہاڑ سے گزرے۔ بھوک کے مارے ان کا بہت برا حال تھا۔ انہوں نے ادھر ادھر نظر ڈالی۔ دیکھا تو ایک بکرا، جو نہایت بے فکری کے ساتھ سو رہا ہے۔ انہوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا کہ کیوں نہ اسی بکرے کو حلال کیا جائے مگر ان میں سے ایک نے کہا: ''یار۔ پتہ نہیں بکرا ہے کس کا؟ اس کے علاوہ پرایا مال بلا اجازت کھانا بھی گناہ کی بات ہے۔ لہٰذا کھانے کا کوئی اور بندوبست کرنا چاہئے۔'' سب دوستوں نے کافی سوچ بچار کی پھر بولے: ''بھائی یہ بات صحیح ہے، مگر ایسا لگتا ہے کہ قدرت نے خود ہمارے لیے یہ نعمت عطا کی ہے اس لیے کر ڈالو حلال۔ صبح ہوگی تو ساتھ والے شہر میں جاکر پتہ کرلیں گے اور بکرے کے مالک کو معاوضہ دے دیں گے یا پھر اس سے بخشوالیں گے۔'' اس پر سب راضی ہوگئے، بکرے کو پکڑا، کاٹا اور آگ پر پر رکھ دیا، پھر کھاپی کر سوگئے۔

رات خیر سے گزری۔ صبح ہوئی تو یہ چاروں ساتھی شہر میں داخل ہوئے۔ وہاں پوچھ گچھ کرنے لگے کہ: ''ایسا ایسا، فلاں بکرا کس کا تھا؟'' جس سے بھی پوچھتے وہی جواب میں کہتا: ''وہ بکرا تو بادشاہ کا ہے۔'' آخر یہ بادشاہ کے پاس پہنچے، اور بادشاہ کو بتایا کہ: ''اس طرح ہم نے آپ کا بکرا کاٹ کر کھالیا ہے۔ اب آپ جو بھی جرمانہ کریں، ہم بھرنے کو تیار ہیں۔'' اس پر بادشاہ نے کہا: ''اس بکرے کو ہاتھ لگانے یا کچھ کہنے پر، میرا حکم 'پھانسی' ہے۔ لہٰذا تم چاروں کو پھانسی پر چڑھایا جائے گا۔''

اس پر ان چاروں نے کہا: ''بادشاہ سلامت! بکرا ہم نے لاعلمی میں کاٹ کر کھالیا ہے، اگر چوری کرکے کھالیتے تو آپ کے پاس آکر بتانے کی ہمیں کوئی ضرورت نہ تھی، اگر یونہی چل دیتے تو ہمیں کوئی پہچان نہیں سکتا تھا جو آکر پکڑ لیتا، لیکن ہم نے خود یہ مناسب نہیں سمجھا کہ بنا اجازت پرایا مال کھا کر خدا کے سامنے شرمسار ہوں۔ اب اگر آپ سے ہوسکے تو ہمارا قصور معاف کردیں، اگر نہیں تو بکرے کی جو قیمت آپ مقرر کریں ہم بھرنے کو تیار ہیں۔'' بادشاہ نے کہا کہ: ''میرا وعدہ کیا ہوا ہے۔ لہٰذا اب تمہیں پھانسی پر

لٹکاؤں گا۔'' ان دوستوں نے دیکھا کہ بادشاہ اُنہیں ہرگز چھوڑے گا نہیں، اس لیے آپس میں صلاح مشورہ کر کے بولے: ''جہاں پناہ! ہم چاروں یار کسی اور دنیا کے باشندے ہیں۔ سیر وشکار کے لیے اس سرزمین پر آئے ہیں۔ ہم نے آج تک کسی کو تکلیف نہیں دی۔ کل آپ کا بکرا بھی ہم نے لاعلمی کے سبب کھالیا۔ اب اگر یہ بکرا آپ ہمیں بخشش کردیں، یا اس کی قیمت ہم سے نہ وصول کریں تو ہمارے دیس بھائیوں میں ہماری عزت رہ جائے گی، اس لیے ہم نے صلاح کی ہے کہ آپ کے ساتھ 'چوبول رانی' کی شادی کرادیں۔ اس جیسی حسین روئے زمین پر نہیں، اس کے عوض بکرے کا خون ہمیں معاف کردینا۔'' یہ بات سن کر بادشاہ حیرت میں پڑ گیا۔ پھر جو 'چوبول رانی' کا سنا تو دل ہی ہاتھ سے جاتا رہا۔ آخر بادشاہ نے ان سے پوچھا: ''یہ رانی کون ہے؟ اور کیونکر ہاتھ آسکتی ہے؟'' اس پر ان میں سے ایک نے اسے بتایا کہ: ''ہم گھومتے پھرتے ایک شہر میں پہنچے۔ شہر کے باہر ایک بڑا رہٹ نظر آیا، جسے اگر سو آدمی مل کر زور لگائیں تو بمشکل ہلاسکیں۔ ہمارے پوچھنے پر پتہ چلا کہ یہاں کے بادشاہ کی ایک بیٹی 'چوبول رانی' ہے جو نہایت حسین ہے۔ اس جیسی خوبصورت روئے زمین پر نہ ملے گی۔ اس رانی کی شرطیں ہیں کہ جو شخص، تنِ تنہا اس رہٹ کو گھمائے، دوسرے رانی کے ساتھ اکیلے بیٹھ کر باتیں کرے، اپنی باتوں کا جواب لینے کے لیے اگر وہ رانی کو چار بار بولنے پر مجبور کردے تو پھر وہ اس سے شادی کرے گی۔ لیکن جو بھی ان شرطوں میں ہار گیا وہ پھانسی چڑھے گا۔ پس اے بادشاہ! ہمیں تو 'چوبول رانی' کی کوئی ضرورت نہ تھی لہٰذا ہم نکل آئے۔ اب آپ کا ہم پر احسان ہوگا جس کے واسطے ہماری مرضی ہے کہ اس رانی کی آپ سے شادی کروادیں۔'' بادشاہ نے کہا: ''یہ تو بہت خوب ہے۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم لوگ میری مدد کیسے کرو گے؟''

چاروں نے بتایا کہ: ''عالیجاہ! آپ صرف رہٹ پر ہاتھ رکھ کر چلنا، زور ہم لگائیں گے۔ لوگ ہمیں دیکھ نہیں سکیں گے اس بات کی خاطر جمع رکھیے۔ وہ لوگ یہ سمجھیں گے کہ رہٹ بادشاہ چلارہا ہے۔ پھر رانی سے ملاقات کے وقت ہم چاروں یار، رانی کے سرہانے (تکیہ)، ہار، دیا اور ستون میں چھپ کر بیٹھ جائیں گے۔ آپ اول رانی سے ادھر ادھر کی باتیں کرنا، اگر رانی جواب میں بات کرے تو واہ وا! نہیں تو پھر ہم چاروں میں سے ایک ایک سے باتیں شروع کردینا، پھر ہوسکتا ہے کسی طرح وہ بولے۔''

بادشاہ یہ بات سن کر راضی ہوگیا اور ان چاروں کے ساتھ، لاؤلشکر لیے، چوبول رانی کے ملک کو چلا۔

تھوڑے، دن سفر کرنے کے بعد وہ چوبول رانی کے شہر پہنچ گیا۔ بادشاہ نے لشکر کو ایک سمت پڑاؤ کا حکم دیا اور خود جائزہ لینے کے لیے رہٹ پر پہنچا۔ آزمانے کے لیے رہٹ کو دو تین دفعہ زور لگایا پر رہٹ ہل بھی نہ سکا۔ اس پر بادشاہ کو یقین آ گیا کہ 'یار، ان لوگوں نے جو کچھ کہا ہے، سب سچ ہے۔' اگلے دن مقررہ وقت پر بادشاہ نے نقارے کو چوب لگائی۔ سارے شہر میں غُل مچ گیا کہ: ''آج پھر رانی کا کوئی نیا عاشق آیا ہے۔'' اس لیے تمام لوگ آ کر رہٹ کے پاس جمع ہوگئے۔ بادشاہ بھی سیدھا، رہٹ پر پہنچا۔ اس نے 'یاروں، کے کہنے کے مطابق ابھی رہٹ کی گدی پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ رہٹ چلنے لگا اور پانی باغ کو غرقاب کرتا، پورے زور وشور سے شہر کی طرف بہنے لگا۔ یہ حال دیکھ کر تمام لوگ بادشاہ کے پاس دوڑے آئے اور بولے: ''بادشاہ سلامت! شہر ڈوب رہا ہے۔ مہربانی کر کے رانی کے عاشق کو کہلوائیں کہ رہٹ چلانا بند کرے۔'' آخر بادشاہ کے آدمی اس کے پاس آئے اور آ کر بولے: ''تمہیں اس شہر کے بادشاہ نے بلایا ہے۔'' ابھی انہوں نے اتنا ہی کہا تھا کہ رہٹ چلنا بند ہوگیا۔ بادشاہ نے ان آدمیوں کو جواباً کہا: ''آپ لوگ چلیں۔ میں خود ہی آپ کے بادشاہ کے پاس آؤں گا۔'' جب یہ لوگ چلے گئے، تو وہ 'چاروں یار' ظاہر ہوئے، بادشاہ سے ملے، پھر آپس میں صلاح مشورہ کر کے، رانی کے محل کو چل دیے۔

بادشاہ بھی سیدھا چوبول رانی کے باپ کے پاس پہنچا اور اسے اپنے آنے کا مقصد بتایا۔ چوبول رانی کے باپ نے کہا: ''تم بھلے چوبول رانی سے آج رات بات چیت کرو لیکن اگر تم اسے بات کرنے پر آمادہ نہ کر سکے تو پھر تمہیں پھانسی ملے گی اور اگر اسے بولنے پر مجبور کر دیا تو اس سے تمہاری شادی ہو جائے گی!'' بادشاہ نے یہ شرط منظور کر لی اور واپس اپنے گھر آ گیا۔

بادشاہ نے شام کو جلد ہی کھانا کھالیا اور جا کر نقارے پر چوب لگائی۔ چوبول رانی کی باندھیاں آئیں جو اسے رانی کے کمرے میں چھوڑ کر چلی گئیں۔ کچھ وقت تو بادشاہ دیکھتا رہا کہ شاید رانی اب بولے، اب بولے، مگر رانی کہاں بولنے والی تھی! بادشاہ ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا، پر رانی تو ایسی خاموش تھی جیسے دیوار۔ آخر بادشاہ عاجز آ کر بولا: ''اندھیر تو دیکھو، میں رانی کا مہمان ہوں اور رانی بول بھی نہیں رہی! اب یہ قیامت جیسی رات گزرے گی کیسے؟ ایسا کوئی دوست بھی نہیں جس سے دل کا حال کہوں۔'' یہ کہہ کر تکیے کو آواز دی اور بولا: ''اے یار تکیے۔'' تکیے میں سے آواز آئی ''جی رانی کا دلبر یار سیانا۔'' رانی نے جو تکیے سے آواز آتی سنی، اس نے خار میں آ کر تکیے کو سرہانے سے اٹھایا اور توڑ

مروڑ کر اچھالا تو تکیہ دور جا کر پڑا۔ اس پر تکیے نے کہا: ''بادشاہ سلامت! دیکھو رانی کا غصہ!...... میں نے کونسا قصور کیا ہے؟ اپنی ساری زندگی رانی کے سرہانے گزار دی ہے۔ آج صرف تم سے بات کی ہے تو میری یہ حالت ہوئی ہے...... اب تم بھی چپ کر کے چلے جاؤ ورنہ تمہاری بھی یہی دُرگت ہوگی، جیسی آج میری بنی ہے۔'' اس پر بادشاہ نے کہا: ''یار تکیے، یہ سب باتیں صحیح، میں تو سر ہتھیلی پر لے کر آیا ہوں۔ اب پیٹھ دکھانا مرد کا کام نہیں ہے۔ چلو کم از کم بات کرنے کو ساتھی تو ملا۔ رات کے پہر بھی ہیں چار، تو باتیں بھی چار! بیٹھو تو بیٹھ کر کچہری کریں۔ اب کوئی ایسی بات سناؤ جس میں ایک رات کا پہر تو گزرے۔'' تکیے نے جواب دیا: ''بادشاہ سلامت! تم نے خواہ مخواہ اس رانی کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائی ہے۔ خود بھی آزار میں پڑے اور ہمیں بھی تکلیف میں مبتلا کیا۔ چلو خیر۔ اب تم کہتے ہو تو لو سنو!'' یہ کہہ کر تکیے نے بات شروع کی۔

بادشاہ سلامت! چار دوست ہوا کرتے تھے۔ ایک تھا بڑھئی، دوسرا درزی، تیسرا سُنار اور چوتھا فقیر۔ چاروں نے آپس میں صلاح کی ''اپنے شہر میں دھندا تو ہے نہیں۔ بیٹھ کر کتنا وقت گزاریں؟ آخر بچے پالنا ہیں۔ کیوں نہ چل کر کسی دوسرے شہر میں دھندا کریں۔'' یہ صلاح کر کے چاروں نے اپنے اپنے اوزار اٹھائے اور چل پڑے۔ چلتے چلتے ایک ویرانے میں رات ہوگئی۔ ان کے پاس کھانے پینے کا سب سامان موجود ہی تھا۔ انہوں نے فوراً کھانا تیار کر لیا۔ کھانے پینے کے بعد انہوں نے صلاح کی کہ: ''ہمارے پاس سامان بھی کافی ہے، اگر ہم چاروں ہی سو گئے تو ہوسکتا ہے کوئی راہگیر یا چور چکار سارا سامان بھی سمیٹ کر چلتا بنے، اس لیے کیوں نہ باری باری ہر ایک جاگے؟ یہ طے کر کے بولے کہ 'ہم ہیں بھی چار اور، رات کے پہر بھی چار۔ ایک ایک پہر ایک ایک شخص جاگے۔' یہ تجویز ٹھہری کہ پہلا پہر بڑھئی کو دیں، دوسرا درزی کو، تیسرا سنار کو اور چوتھا فقیر کو۔ پہلا بڑھئی کا تھا لہٰذا وہ جاگنے لگا اور بقیہ تینوں سو گئے۔ بڑھئی کچھ وقت تو بیٹھا لیکن نہ کوئی بولنے والا نہ چالنے والا، آخر اسے جماہیاں آنے لگیں، وہ نیند میں جھولنے لگا۔ بیٹھے بیٹھے اسے غنودگی آ گئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک حسین پری ہے جو اڑتی ہوئی جا رہی ہے۔ اتنے میں اس کی آنکھ کھل گئی۔ بڑھئی کو پری کی موہنی صورت پسند آ گئی۔ اس نے سوچا کیوں نہ یہی خواب والی پری بناؤں تاکہ وقت بھی گزر جائے اور نیند بھی نہ آئے!'' پس اس نے اوزار اٹھائے اور جس جگہ وہ لوگ سو رہے تھے وہیں سوکھی لکڑی کا تنا پڑا تھا، اس نے اسی میں سے ایک ٹکڑا

کاٹا اور بیٹھ کر پری کا بُت بتانے لگا۔ رات کا پہر پورا ہوا، اور اس نے پری کی مورت بھی تیار کر کے سامنے رکھی۔ پھر اس نے درزی کو اٹھایا اور خود سو گیا۔

درزی جب نیند سے اٹھا، اور ابھی اس کی آنکھیں پوری طرح کُھلی بھی نہیں تھیں کہ اس کی نظر مورت پر پڑی۔ اس نے یقین کر لیا کہ 'یہ کام بڑھئی کا ہے جس نے پہر رات جاگ کر دل بہلانے کو یہ کام کیا ہے۔' مورت بھی اسے بڑی بھا گئی۔ اس نے جھٹ کپڑا، اور سوئی نکالی اور اپنے پہر میں اس کاٹھ کی مورت کو جھلملاتے کپڑے سی کر پہنا دیے۔ اس وقت رات کا دوسرا پہر بھی پورا ہو گیا۔ چنانچہ اس نے اپنے تیسرے ساتھی سُنار کو اٹھا دیا اور خود سو گیا۔

سنار جماہیاں لیتا بمشکل اٹھا ہی تھا کہ اس کی نظر مورت پر پڑی۔ دیکھا تو ایک حسین عورت سامنے کھڑی ہے۔ اسے بڑا تعجب ہوا۔ پھر دل نہ رہ سکا تو اس نے اسے چھو کر دیکھا۔ اب اسے یقین ہوا کہ کاٹھ کی مورت ہے۔ دل میں کہنے لگا کہ: ''بڑھئی نے اپنا پہر کام میں لے لیا اور درزی نے بھی عمدہ محنت کی ہے اب کیوں نہ میں اسے سر سے پاؤں تک زیورات سے سجادوں۔'' یہ سوچ کر اس نے اوزار اٹھائے اور زیور تیار کرنے لگا۔ اب رات کا پہر گزرنے ہی والا تھا کہ تمام زیورات تیار کر کے مورت کو پہنا دیے، پھر اس نے فقیر کو اٹھایا اور خود سو گیا۔

فقیر نیند سے جاگا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک حسین عورت کپڑے لتّے پہنے، سولہ سنگھار کیے کھڑی ہے۔ اس کا بھی دل نہ رہ سکا۔ وہ اٹھا اور اسے چھو کر یقین کیا اور دل میں کہنے لگا: ''بڑھئی نے مورت بنا دی، درزی نے کپڑے پہنا دیے اور سُنار نے زیورات سے لاد دیا، اب خدا سے سوال کر کے اس میں جان ڈلوادوں!'' سو پَو پھٹنے کے وقت فقیر نے اللہ کے در پر گڑگڑا کر دعا کی۔ خدا کی قدرت سے کاٹھ کی مورت میں جان آ گئی اور وہ چھم چھم کرتی چلنے پھرنے لگی۔

اس وقت وہ تینوں دوست بھی جاگ اٹھے۔ اب ہر ایک کہتا تھا کہ 'یہ میری بیوی، چاروں اس بات پر آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے۔

اتنی بات سنا کر تکیے نے پوچھا کہ: ''بادشاہ سلامت! اب آپ بتائیں کہ یہ بیوی کس کی؟''

بادشاہ نے یکدم جواب دیا کہ: ''اے یار تکیہ، یہ بیوی فقیر کی، جس نے اس میں جان ڈالی۔''

اس پر رانی نے پکار کر بادشاہ سے کہا: ''اے بیوقوف بادشاہ! بیوی سنار کی ہوئی، جس نے نتھ پہنائی۔ دوسرے زیورات تو والدین بھی دیتے ہیں۔ پر نتھ، ہمیشہ شوہر دیتا ہے۔''

بادشاہ نے یہ سنا، یکدم جا کر نقارے پر چوب دی اور کہا: ''رانی نے مجھ سے پہلا بول، بولا۔''

بادشاہ نے مزید بول چال کے لیے لاکھ حیلے وسیلے کیے لیکن رانی پہلے سے بھی زیادہ چپ سادھے بیٹھی رہی۔ اب بادشاہ پکارا کہ: ''ارے او، ہار!'' اسی وقت ہار میں سے آواز آئی: ''جی! رانی کے دلبند یار!'' ابھی ہار نے بمشکل اتنا ہی جواب دیا تھا کہ رانی کا ہاتھ اس پر پڑا، اس نے ایک ہی جھٹکے سے اسے نکالا اور اٹھا کر جو پھینکا تو دانہ دانہ ہوگیا۔ اس پر ہار نے کہا: ''بادشاہ سلامت دیکھا! کبھی تو یہ حالت تھی کہ رانی سانس کی طرح مجھے ساتھ لگائے ہوئے تھی اور آج یہ حالت ہے کہ ذرہ نہ ذرے کی گت! اس پر بادشاہ نے کہا: ''یار ہار! سناؤ کوئی داستانِ درد، تاکہ غم کی رات کٹے، صبح پھانسی تو ویسے بھی ہونی ہی ہے۔'' اس پر ہار نے کتھا شروع کی:-

''بادشاہ سلامت! چار تھے موالی۔ جو آپس میں گہرے دوست تھے۔ ان میں سے ایک کا گدھا کسی نے چرالیا۔ وہ چور کے قدموں کے نشانات پر چلے۔ پیروں کے نشان بھی دیکھتے جاتے تھے اور سُلفے کے کش بھی لگاتے جاتے تھے۔ ایک جگہ پہنچ کر انہیں قدموں کے نشان غائب ملے۔ وہ عاجز ہوگئے۔ آپس میں انہوں نے صلاح مشورہ کیا کہ: ''سُلفے کے دو تین کش لے کر، گدھے کو خیالوں میں تلاش کیا جائے پھر جو بھی مل جائے وصول کریں۔ آخر وہ گدھا جائے گا کہاں؟ چنانچہ انہوں نے دو چار کش لگائے اور بیٹھ کر خیالوں ہی خیالوں میں اسے تلاش کرنے لگے۔ کچھ وقت کے بعد ایک موالی پکارا: ''یار! اٹھو اٹھو! الٹے ہاتھ کو ایک شہر ہے۔ گدھا وہیں نظر آرہا ہے۔'' چاروں اٹھ کر اس شہر میں جا پہنچے۔ گھومتے پھرتے دوسرے موالی نے کہا: ''یار! یہ جو دیوار دیکھ رہے ہو، اس میں اپنے گدھے کی لید دکھائی دے رہی ہے۔ گدھا بھی شاید یہیں ہے۔'' انہوں نے مشورہ کیا کہ 'ہم پردیسی لوگ ہیں۔ اگر یہاں کے لوگوں کو یہ بتائیں گے تو شاید گدھے کو چھپادیں تو کیوں نہ چل کر بادشاہ سے یہ بات کریں۔'' چنانچہ وہ سیدھے محل پہنچے بادشاہ کے پاس اور ساری بات اس کے گوش گزار کی۔ بادشاہ حیرت میں پڑگیا۔ پھر اس نے آزمانے کے لیے موالیوں کو حکم دیا کہ ''کل صبح آنا تو تمہیں گدھا لے کر دوں گا۔'' اگلے دن بادشاہ نے کیا

کیا کہ پیالی میں ایک انار رکھا، رومال سے اسے اوپر سے ڈھانک دیا اور سامنے میز پر رکھوادیا۔ خود قالین بچھوا، گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ موالی خوب کش لگا کر، کھاپی کر سیدھے بادشاہ کے دربار میں پہنچے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ: 'سامنے میز پر کیا ہے؟' وہ چاروں سوچ میں پڑ گئے۔ کچھ دیر بعد ایک موالی نے ہاتھ سے بوند جتنا اشارہ دیا اور کہا: ''ہے بھی اتنا اتنا!'' اس پر دوسرا بولا: ''ہے بھی لال لال۔'' تیسرے نے کہا: ''ہیں بھی لال لال موتی!'' اس پر چوتھے نے کہا: ''بادشاہ سلامت! آپ کے سامنے میز پر انار تو نہیں!'' بادشاہ نے ان کی بات سنی اور گدھا ان کے حوالے کروادیا۔''

اتنا کہہ کر ہار نے بادشاہ سے پوچھا: ''بادشاہ سلامت! اب بتایئے چاروں میں انصاف کس کا؟''

بادشاہ نے جواب دیا کہ: ''انصاف پہلے کا۔ جس نے دیکھے بغیر پہیلی بوجھی۔''

اس پر رانی سے رہا نہ جاسکا اور بادشاہ سے بولی: ''ارے بے عقل بادشاہ! انصاف تیسرے کا، جس نے اندر چھپے ہوئے کو ظاہر کیا کہ اس کے اندر لال موتی ہیں!''

بادشاہ اٹھا اور اس نے نقارے کو چوب لگائی کہ: ''رانی مجھ سے دوسرا بول بھی بولی۔''

رانی پھر چپ ہوکر بیٹھ رہی۔ اب بادشاہ نے دیے کو پکارا ''او یار دیا!'' دیے میں سے آواز آئی: ''جی رانی کے دلبند یار پیا!'' ابھی دیے نے بمشکل اتنا ہی کہا تھا کہ رانی نے فوراً اٹھ کر دیے کو اٹھا کر جو پھینکا تو وہ کرچی کرچی ہوگیا۔ بولی: ''آج تو بھی بول رہا ہے!'' اس پر دیے نے بادشاہ سے کہا: ''اے بادشاہ! دیکھتے ہو رانی کا ظلم۔ میں نے بھلا کیا گناہ کیا کہ مجھ پر ایسی زیادتی کی؟'' بادشاہ نے جواب دیا: ''ارے دیا! رانی تو مذاق کررہی ہے۔ اسے چھوڑو۔ صبح تو پھانسی پر چڑھنا ہے، اب کوئی ایسی بات سناؤ کہ رات کا کچھ وقت بہل جائے۔'' اس پر دیے نے یوں بات شروع کی:

''بادشاہ سلامت، کوئی چار لوگ ایک بادشاہ کے دربار میں پہنچے اور کہنے لگے: ''ہم بادشاہ کے پاس نوکری کریں گے۔'' بادشاہ نے پوچھا: ''تم تنخواہ کتنی لو گے اور کام کیا کرو گے؟'' انہوں نے جواب دیا کہ 'بادشاہ سلامت! جو بھی دیں گے ہم لے لیں گے اور کام وہ کریں گے جو دوسرے نہ کرسکیں۔'' بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا۔ اس نے ان چاروں کو نوکری پر رکھ لیا۔ اب یہ چاروں چپ چاپ بیٹھے رہے۔ اب ایسا کام بھلا آئے کہاں سے، جو دوسرے نہ کرسکیں؟ آخر چھ مہینے گزرے، بارہ مہینے گزرے۔ اتفاق سے بادشاہ کے بیٹے

کا انتقال ہوگیا۔ ابھی جنازہ اٹھا کر قبرستان پہنچے ہی تھے کہ سورج غروب ہوگیا۔ پھر برسات کی جھڑی کے سبب اندھیرا گھپ ہوگیا۔ آفت بھی ایسی اوپر تلے پڑی کہ کوئی شخص بھی قبرستان میں نہ ٹھہرا۔ لہٰذا جنازہ اٹھائے واپس آگئے۔ اس پر وزیر نے بادشاہ سے عرض کیا کہ: ''بادشاہ سلامت! رات کو قبرستان کی طرف کوئی بھی نہیں جاتا۔ لہٰذا یہ جو چار شخص بیٹھے ہیں تو کاہے کے لیے ہیں؟ آج یہ کام انہیں کو دیں کہ جاکر جنازہ دفن کر کے آئیں۔'' بادشاہ نے ان چاروں کو بلایا، ساری بات بتائی اور حکم دیا کہ: ''یہ کام، جو دوسروں سے نہیں ہورہا، سو تم کو کرنا ہے۔'' چاروں دوستوں نے یہ بات خوشی سے قبول کرلی۔ ضروری چیزیں اور جنازہ اٹھایا، قبرستان میں جا پہنچے۔ قبر کھودی اور خود اس میں جا بیٹھے اور جنازے کو قبر کے اوپر رکھ چھوڑا۔ آپس میں مشورہ کر کے کہنے لگے کہ ''ہم لوگ بھی ہیں چار اور رات کے پہر بھی ہیں چار، لہٰذا ہم میں سے ہر ایک پہر رات بھر جاگے اور دوسرے سو جائیں۔'' یہ صلاح کر کے ایک جاگنے لگا اور بقیہ تینوں سو گئے۔ کچھ وقت گزرا ہوگا کہ اس نے دیکھا کہ کوئی شخص لاش کی طرف آرہا ہے۔ اس نے فوراً دس بیس پتھر اکٹھے کر کے پاس رکھ لیے۔ وہ شخص سیدھا لاش کے پاس آیا۔ اس کے ہاتھ میں چار لکڑیاں تھیں۔ ان میں دو سرہانے اور دو پیروں کی طرف لگائیں۔ بادشاہ کا بیٹا فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے چوپڑ، بچھائی اور دونوں بیٹھ کر کھیلنے لگے۔ جب کھیل ختم ہونے کو تھا کہ قبر میں بیٹھے شخص نے کیا کیا کہ پتھر زور سے ایک دوسرے پر اچھلنے لگے۔ اس غیبی شخص نے جو پتھروں کی آواز سنی تو وہ سو، کھاٹ سے اتر کر بھاگ لیا۔ قبر میں بیٹھا شخص بھی باہر نکلا اور نقارہ بجانے لگا۔ بادشاہ کا بیٹا جیسا تھا ویسا ہی لاش بنا پڑا رہا اور یہ شخص وہ چوپڑ اور نقارہ اٹھائے واپس قبر میں گھس گیا۔ اب رات کا پہلا پہر پورا ہوچکا تھا، اس نے دوسرے کو اٹھایا اور خود سو گیا۔

دوسرا شخص کچھ دیر جاگا تھا کہ کیا دیکھتا ہے کہ اصیل ناگ پھنکاریں مارتا ہوا، آکر پاس والے درخت کے نیچے پہنچا ہے۔ ذرا ہی دیر میں اس نے منہ میں سے منکا نکالا، اس کی جھلملاہٹ پر ناگ مست ہوکر ناچنے لگا۔ اس جاگتے شخص نے دل میں خیال کیا کہ ''یہ منکا کسی طرح حاصل کرنا چاہئے۔'' اس نے کیا کیا کہ گیلی مٹی کا ڈھیلا اٹھایا، اس میں کانٹا چبھویا، اسے کپڑے میں باندھ کر قبر سے نکلا اور چھپتا چھپاتا درخت پر چڑھ گیا۔ وہاں سے آہستہ آہستہ یہ ڈھیلا سیدھا من کے اوپر پھینکا۔ ناگ نے جو اچانک اندھیرا ہوتے دیکھا تو یکدم منکے والی جگہ پر پہنچا اور مٹی کے ڈھیلے پر ڈنک مارنے لگا۔ آخرکار ڈنک

مارتے مارتے، اسے کانٹا چُبھا اور وہ مرگیا۔ جب ناگ مرگیا تو یہ شخص درخت سے نیچے اُترا، منکا اٹھایا، جیب میں رکھا، قبر میں واپس آ گیا۔ یہاں رات کا دوسرا پہر ختم ہوا، اس نے تیسرے ساتھی کو اٹھایا اور خود سو گیا۔

تیسرا، کچھ وقت تو جماہیاں لیتا رہا۔ آخر جب پوری طرح جاگ گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک عورت ہے جو بڑی تیزی سے چلی آ رہی ہے۔ اسے یقین ہوگیا کہ یہ ڈائن ہے۔ جو بلاشبہ شہزادے کی لاش کھانے آئی ہے۔ چنانچہ اس نے پہلے ہی تلوار اٹھالی اور تیار ہو بیٹھا۔ جیسے ہی ڈائن نزدیک پہنچی اس نے للکارا، ڈائن دہل کر رہ گئی، یہ بھی فوراً قبر سے باہر نکلا اور ڈائن بھاگ کھڑی ہوئی۔ اس نے تلوار پھینک کر ماری، جس سے ڈائن کا بازو کٹ گیا اور دوپٹہ بھی دور جا گرا۔ اس نے وہ بازو اور دوپٹہ اٹھایا اور واپس آ کر چوتھے ساتھی کو اٹھایا اور خود سو گیا۔

چوتھا ساتھی اٹھ کر بیٹھا۔ بیٹھے بیٹھے اسے فجر ہوگئی۔ پر اس نے کوئی بھی خاص بات نہیں دیکھی۔ اس نے دل میں سوچا کہ ان تینوں نے ضرور کوئی نہ کوئی نشانی حاصل کی ہوگی اب میں بھی تو کوئی نشانی حاصل کروں!'' یہ سوچ کر وہ قبر سے باہر نکلا۔ لاش کو اپنی کمر سے باندھا اور قبرستان سے باہر آ گیا۔ دیکھتا کیا ہے کہ ایک لشکر ہے جو آندھی طوفان کی طرح بڑھا چلا آ رہا ہے۔ اس نے بھی ادھر کو ہی رخ کیا۔ جب دوبدو ہوئے تو لشکر والوں سے حال احوال پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ: ''ہم دیو ہیں اور جا رہے ہیں اس بادشاہی کو تباہ کرنے۔'' اس پر اس شخص نے پوچھا: ''تم کتنے ہو؟'' دیووں نے جواب دیا کہ: ''ایک کم لاکھ دیو ہیں۔' پھر دیووں نے اس سے پوچھا: ''تم کون ہو اور کہاں جا رہے ہو اور یہ پیٹھ پر کیا اٹھائے ہوئے ہو۔'' اس پر اس نے جواب دیا: ''میں عزرائیل ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے آج رات ایک لاکھ دیووں کی روح قبض کرنے کا حکم دیا ہے۔ ساری رات دوڑا ہوں تو بڑی مشکل سے ایک دیو کی روح قبض کر سکا ہوں جو پیٹھ پر لادے ہوئے ہوں، شکر ہے کہ میں زیادہ مصیبت سے بچ گیا، تم سب کی روح قبض کر کے، ابھی ایک لاکھ پورے کیے لیتا ہوں۔ لہٰذا اب تم سب مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' اس کی یہ بات سن کر دیووں پر لرزہ طاری ہوگیا۔ وہ آہ وزاری کرنے لگے۔ مگر یہ بھی ایک بات پر بضد تھا کہ: ''سبھی کی روح قبض کروں گا۔'' آخر جب دیووں نے کہا: ''تم جو کہو ہم کرنے کو تیار ہیں، بس ہماری جان بخش دو۔'' اس پر اس نے کہا: ''اب ایک ہی شرط پر تمہیں چھوڑوں گا کہ سورج ابھرنے سے پہلے پہلے روپے اور سونے کی سلوں سے محل تیار کرو۔ محل کے آگے ایک

عالیشان باغ ہو جس میں سونے کا رہٹ چلتا ہو۔ اگر یہ شرط منظور ہے تو تمہیں زندگی مل سکتی ہے۔ ورنہ سب کی روح قبض کروں گا۔" دیووں نے یہ شرط منظور کر لی اور جا کر کام سے لگ گئے۔

یہ شخص بھی واپس قبر پر آیا اور لاش کو ڈولے میں سلا کر تینوں ساتھیوں کو اٹھایا کہ: "اب صبح ہو چکی ہے۔ لاش کو دفن کرو تا کہ واپس چلیں۔" اس پر پہلا شخص جس کے پاس نقارہ اور چوپڑ تھی، اس نے کہا: "لاش کو دفن نہ کرنا بلکہ اسے واپس لے کر چلیں گے۔" پھر وہ لاش کو لے کر سیدھے بادشاہ کے پاس آئے۔ وزیروں امیروں نے جو یہ دیکھا تو بادشاہ سے کہا: "انہوں نے تو پیسے ہی حرام کر دیے۔ ابھی لاش واپس لے کر آ رہے ہیں۔" بادشاہ کو غصہ تو بہت آیا مگر صبر کر کے ان سے حال احوال پتہ کیا۔ اس پر پہلے شخص نے کہا: "بادشاہ سلامت! ہم میں سے ہر ایک کو رات کا ایک ایک پہر جاگنا تھا۔ مجھے پہلا پہر ملا۔ اب میں نے اس وقت کیا دیکھا اس کا بیان تو بعد میں سناؤں گا، اول ان لوگوں سے پوچھیں کہ انہوں نے کیا دیکھا؟" بادشاہ نے ہر ایک سے پوچھا۔ اس پر دوسرے نے دوسرے پہر کی ساری بات کہہ سنائی اور نشانی 'منکا' اٹھا کر بادشاہ کے سامنے رکھ دیا۔ پھر تیسرے نے اپنے پہر کی داستان سنائی۔ ڈائن کا بازو اور دوپٹہ بادشاہ کے آگے رکھ دیا۔ چوتھے پہر والے نے بھی اپنی کہانی سنائی اور کہا: "بادشاہ سلامت! اپنے محل پر چڑھیں یا سرزمین پر چلے چلیں، سونے اور روپے کے محل کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر لیں۔" بادشاہ اور امیر وزیر ساتھ ساتھ آئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ واقعی سونے اور روپے کی سلوں سے بنا محل باغ سمیت تیار کھڑا ہے اور اس میں سونے کا رہٹ بھی لگا ہوا ہے۔ اب بادشاہ نے پہلے شخص سے کہا: "تو بھی اپنی بیان کر۔" اس پر اس نے کیا کیا کہ وہی لکڑیاں، دو لاش کے سرہانے اور دو لاش کے پائینتی لگا دیں اس کے ساتھ ہی بادشاہ کا بیٹا کلمہ پڑھتے اٹھ بیٹھا بادشاہ اپنے بیٹے کو زندہ دیکھ کر بہت خوش ہوا اور انہیں بہت انعام واکرام سے نوازا۔

اتنی بات کہہ کر دیے نے بادشاہ سے پوچھا: "اب تم بتاؤ کہ ان چاروں میں انصاف کس کا؟" بادشاہ نے جواب دیا کہ: "اے دیے! انصاف اس شخص کا جس نے بادشاہ کے بیٹے کی جان بچائی، اور انصاف کس کا؟"

اس پر رانی پکار کر بولی: "او بیوقوف بادشاہ! انصاف اس شخص کا جس نے دیووں کو بھگایا، ملک کو آفت سے بچالیا۔"

بادشاہ نے فوراً اٹھ کر نقارے کو چوب لگائی کہ: ''رانی نے مجھ سے تیسرا بول بھی بولا!'' پھر واپس آ کر رانی سے باتیں کرنے لگا مگر رانی پھر سے دیوار بن کر بیٹھ گئی۔

بادشاہ نے عاجز ہو کر ستون کو پکارا۔ ''اے یار ستون!'' ستون نے جواب دیا: ''جی رانی کے یار دلبند۔'' اس پر رانی مزید حیران پریشان ہو اُٹھی کہ: ''آج تو میری خیر نہیں کہ محل کی ہر شے ہی بولنے لگی ہے۔'' بادشاہ نے ستون سے کہا: ''یار! تو بھی کوئی بات سنا کہ رات کا ایک پہر جو باقی ہے سو بھی گزر جائے، صبح تو ویسے بھی پھانسی چڑھ جاؤں گا۔'' اس پر ستون نے بات شروع کی:

''اے بادشاہ! ایک تھا سوداگر جس کے پاس مال ملکیت تو کافی تھا مگر اس کے مرنے کے بعد سارا مال ملکیت بیوی اور بچے نے، کھا پی کر ختم کر ڈالا۔ کچھ عرصے بعد اس کا یہ بچہ، بڑا ہوا تو اس نے ماں سے کہا کہ: ''ماں، مجھے ایک دوکان کھلوا دو کہ ہم لوگ اپنی گذر بسر کر سکیں۔'' ماں نے اسے کپڑے کی دوکان کھول دی۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد ماں نے دل میں سوچا کہ: ''میں جو چپ کر کے بیکار بیٹھی ہوں تو کیوں نہ بیٹھ کر کچھ کام کروں۔'' چنانچہ بھرت کے کام کا ایک عالیشان رومال تیار کر کے بیٹے کو دیا اور بولی: ''یہ رومال بھی لے جا کر دوکان پر رکھ لو، اس کی کوئی قیمت ہی نہیں، جس قیمت میں دل چاہے بیچ دینا۔'' ایک روز ایک شخص اس کی دوکان پر آیا اور اس سے رومال کی قیمت پوچھی۔ لڑکے نے اسے ایک قیمت بتائی وہ کہنے لگا: ''یار! میرے پاس اتنی رقم تو موجود نہیں۔ اگر کچھ کم پیسوں میں دے دو تو بہت اچھا ہو۔'' لڑکے نے جواب دیا ''تم نے مجھے 'یار' کہا تو اب مجھے پیسے لینے حرام ہیں رومال لے جاؤ، یار پر سر بھی صدقے، رومال کی کیا اوقات۔'' اس شخص نے بہت منع کیا مگر اس نے رومال اٹھا کر ہاتھ میں دے دیا۔ جاتے وقت اس شخص نے اپنا پتہ نشان بتا کر کہا: ''یار! آدھی رات کو بھی کام پڑے تو بے حجاب چلے آنا، آج سے ہماری دوستی پکی۔'' لڑکے نے رات کو ماں کو ساری بات سنائی۔ اگلی دفعہ ماں نے دوسرا رومال اسے دیتے ہوئے کہا ''بیٹا اس کی بھی کچھ قیمت نہیں، جتنے میں دل کرے، بیچ دینا۔'' لڑکے نے یہ رومال لیا اور دوکان پر آ گیا۔ اتفاق سے اسی روز سپہ سالار اسکی دوکان پر آیا اس کی نظر رومال پر پڑی۔ اسے رومال بہت پسند آیا چنانچہ لڑکے سے رومال کی قیمت پوچھی۔ لڑکے نے اس کی اچھی خاصی قیمت بتائی۔ اس پر سپہ سالار نے کہا: ''یار! قیمت تو کم کرو!'' اس پر اس لڑکے نے کہا: ''بھائی، اگر تم مجھے 'یار' کہتے ہو تو رومال لے جاؤ، اب مجھے پیسے لینے حرام ہیں۔'' یہ کہہ کر رومال اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ سپہ سالار

لڑکے کی یہ صداقت دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس سے بیٹھ کر باتیں کرنے لگا۔ آخر چلتے ہوئے، سپہ سالار نے بھی کہا: ''میں بادشاہ کے لشکر کا سپہ سالار ہوں۔ کسی بھی وقت کام پڑے تو میرا سر بھی تجھ جیسے دوست پر قربان ہے۔'' لڑکا شام کو گھر لوٹا تو اس نے یہ ساری بات بھی ماں کو بتادی۔ ماں نے اس بار بھی کچھ نہ کہا۔ پھر اسے تیسرا رومال دے کر بولی کہ: ''یہ پہلوں سے بڑھ کر قیمتی ہے۔ پر جتنا مناسب سمجھو اتنی قیمت میں اسے بیچ دینا۔'' اس نے اگلے دن یہ رومال بھی دوکان میں ٹانگ دیا۔ خدا کی قدرت اس دن اس کی دوکان پر ایک دوسرا نوجوان چڑھ آیا۔ جس کی نظر بھی اس رومال پر جا پڑی۔ دل کو پسند آ گیا۔ اس نے لڑکے سے قیمت پوچھی۔ لڑکے نے قیمت بتائی۔ لیکن اب بھی پہلے ہی کی طرح نوجوان نے بھی کہا: ''یار قیمت میں کچھ تو کمی کرو۔'' دستور موجب، لڑکے نے جب یہ سنا تو بولا: ''اب یاروں کے ساتھ کیا سودے بازی، رومال لے جاؤ، تم سے ایک پیسہ لینا بھی حرام ہے۔'' وہ نوجوان جو وزیر کا بیٹا تھا، تعجب میں پڑ گیا کہ یہ دوکاندار ہے کیسا؟ اس نے رومال لینے سے انکار کردیا پر لڑکے نے زبردستی رومال اس کے ہاتھ میں تھمادیا۔ اس پر وزیرزادے نے کہا: ''دوست! مشکل کے وقت میں میرا سر بھی تیرے لیے حاضر ہے۔'' یہ کہہ کر وزیرزادہ چلا گیا۔ لڑکا شام کو گھر آیا تو ماں سے بولا: ''رومال تو آج بھی ایک 'یار' آیا سو لے گیا۔'' ماں نے غصے سے کہا: ''بیٹا اگر تمہارے ایسے دو تین اور بھی یار آ گئے تو بس تم بھی دوکان بڑھاؤ۔'' اگلے دن اس نے پھر رومال دے کر تاکید کی کہ: ''دیکھو یہ سب سے اچھا رومال ہے۔'' اسی روز اتفاق سے بادشاہ کا بیٹا ادھر سے گزرا۔ اس کی نظر رومال پر پڑی۔ شہزادے نے دوکان پر آ کر اس کی قیمت پوچھی۔ لڑکے نے قیمت بتادی۔ شہزادہ اتنی زیادہ قیمت پر رومال لینا نہیں چاہتا تھا لہٰذا بیٹھ کر سوال جواب کرنے لگا۔ اتفاق سے اس کے منہ سے بھی 'یار' نکل گیا۔ اس پر لڑکے نے کہا: ''اگر 'یار' کہتے ہو تو رومال لے جاؤ! یار پر تو سر بھی صدقے کردیں۔'' اور رومال اٹھا کر شہزادے کے ہاتھ میں دے دیا۔ شہزادے نے پہلے تو انکار کیا لیکن لڑکے نے زبردستی رومال دے دیا۔ آخر جاتے وقت شہزادے نے کہا ''یار، اگر کوئی بھی کام مجھ سے پڑے تو حجاب نہ کرنا۔ میں اس ملک کے بادشاہ کا بیٹا ہوں۔'' یہ کر شہزادہ چلا گیا۔

ان باتوں کو بہت دن گزر گئے۔ ایک دن سوداگر زادے نے دیر سے دوکان بند کی اور بادشاہ کے محل کی طرف سے گزرا کہ یکا یک چور، چور کی آواز ہوئی۔ چوکیداروں نے جو اسے دیکھا تو باندھ لیا اور بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ: ''اس کو

کل پھانسی پر چڑھادیا جائے۔'' سوداگر زادے سے پوچھا گیا: ''تجھے کچھ کہنا ہے؟'' اس نے بادشاہ سے عرض کی ''میرے چار یار ہیں، انہیں اطلاع دے دی جائے۔'' بادشاہ نے یہ بات قبول کرلی۔

سوداگر زادے کے پہلے دوست نے جب یہ حقیقت سنی تو آدھی رات کو ہی بادشاہ کے پاس پہنچا اور عرض کی کہ: 'بادشاہ سلامت! میرے یار کو آزاد کردو، جو بھی جرمانہ آپ کریں میں بھر کردینے کو تیار ہوں۔' مگر بادشاہ نے انکار کردیا۔ اتفاق سے اسی رات بادشاہ پر پہرہ دینے کی باری وزیر کے بیٹے کی تھی۔ بادشاہ کو بھی خبر ہوئی کہ یہ بھی سوداگر زادے کا یار ہے۔ سو اُسے اس پریشانی میں نیند نہ آئی بس کروٹیں بدلتا رہا۔ وزیر زادہ بھی میان میں تلوار رکھے تیار کھڑا تھا کہ بادشاہ کو نیند آئے تو قتل کر ڈالوں۔ بادشاہ نے سوچا دیکھوں تو یہ کیا کرتا ہے؟ سو مکر گانٹھ کر سوتا بن گیا۔ وزیر زادے نے موقع دیکھا تو تلوار سے اس پر وار کرنے کی کوشش کی۔ پر بادشاہ نے اسے پکڑ لیا اور بولا: 'مجھے تو خبر ہے کہ تو اس کا سچا دوست ہے۔ اس لیے اب تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ تیرے دوست کو پھانسی نہیں دوں گا۔ تیری دوستی کی خبر تو ہوگئی باقی اس کے دوسرے یاروں کی بھی تو خبر پڑے۔' وزیر زادے کو جب پورا یقین ہوگیا کہ میرے یار کا بال بھی بیکا نہ ہوگا تو اس نے صبر اختیار کرلیا۔ اب جب بادشاہ کے بیٹے کو خبر لگی تو اس نے اپنے یار کو چھڑانے کے لیے باپ سے بغاوت کرنے کا سوچا اور راتوں رات لشکر کا کچھ حصہ لے کر پھانسی گھاٹ کے نزدیک رکھ چھوڑا، یہ سوچ کر کہ جس وقت سوداگر زادے کو سپاہی پھانسی دینے کے لیے لائیں اس وقت حملہ کر کے یار کو بچالوں گا۔ ان تینوں دوستوں کی خبر سوداگر زادے کو پہنچ گئی مگر چوتھا یار، سپہ سالار پیدا نہ ہوا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ 'اس کو پھانسی دے دی جائے۔' اس وقت سوداگر زادے نے پھر عرض کیا کہ: 'بادشاہ سلامت! میرا باقی چوتھا دوست ابھی تک نہیں آیا ہے لہٰذا مجھے اس کے گھر لے چلو تاکہ آخری وقت اس کا منہ تو دیکھ لوں۔' بادشاہ نے اس کی یہ درخواست بھی قبول کرلی اور خود بھی اس کے ساتھ چلا۔ اس خیال سے کہ اس کے دوسرے تین دوستوں کی سچائی کی تو خبر ہوگئی باقی اب چوتھے یار کو بھی دیکھوں کہ کیا کمال کرتا ہے۔ جس وقت سپہ سالار کے دروازے پر پہنچے تو پتہ لگا کہ رات کو اس کی شادی ہوئی ہے اور اب وہ اپنی تکمیل کر کے بیٹھا ہے۔ سوداگر زادے نے اسے پکارا ''او یار! باہر نکل۔ میں تیرا آخری دیدار تو کرلوں۔ پھانسی تو ویسے ہی چڑھنے جارہا ہوں۔'' سپہ سالار بیچارے نے جو یار کی پکار سنی تو فوراً تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑا ہوگیا۔ دلہن نے جو اس کی حالت

دیکھی اور اس پر ہاتھ میں تلوار بھی، وہ سمجھی کہ آج خیر نہیں۔ سو اپنے شوہر کو اس نے پکڑ لیا۔ مگر سپہ سالار نے بیوی سے خود کو چھڑا لیا اور آگے بڑھا۔ بیوی نے پھر پیچھے سے آ کر پکڑ لیا۔ جب سوداگر نے دیکھا کہ یہ عورت چھوڑتی ہی نہیں ہے تو اس نے ایک ہی وار سے بیوی کو ختم کر ڈالا اور باہر نکلا۔ تلوار خون سے بھری، شادی والے کپڑے پہنے، شیر کی طرح گرجتا، بادشاہ پر حملہ آور ہوا۔ بولا: 'جب تک جان میں جان ہے تب تک کس میں ہمت ہے کہ میرے یار کا نام بھی لے؟' سپاہیوں نے سپہ سالار کو بھی گرفتار کرلیا اور پھانسی گھاٹ کی راہ لی۔ ابھی کچھ ہی دور چلے ہوں گے کہ دور ہتھیاروں سے لیس ایک ٹولی نظر آئی۔ جس کا سردار شہزادہ تھا، آتے ہی شہزادے نے بادشاہ سے کہا: 'بادشاہ سلامت! میرے اس بے گناہ دوست کو آزاد کردو۔ ورنہ پہلے مجھ سے جنگ کرو اس کے بعد میرے یار کو پھانسی دینا۔' بادشاہ نے ان چاروں دوستوں کی سچائی ووفاداری دیکھی تو بولا: ''میں نے وزیر کے بیٹے سے رات ہی وعدہ کرلیا تھا کہ میں تمہارے یار کو پھانسی نہیں دوں گا۔ مجھے تو صرف تمہاری دوستی کا امتحان لینا تھا۔'' یہ کہہ کر سوداگر کے بیٹے کو آزاد کردیا۔''

اتنی بات کہنے کے بعد ستون نے پوچھا: ''اے بادشاہ اب بتاؤ کہ انصاف کس کا؟'' بادشاہ نے جواب دیا کہ 'انصاف وزیر زادے کا، جو بادشاہ کو مارنے لگا تھا۔ تبھی تو بادشاہ نے اسے چھوڑ دینے کا وعدہ کیا۔'' اس پر رانی نے پکارا کہ: ''اے بیوقوف بادشاہ! انصاف سپہ سالار کا، جس نے اپنے دوست کی خاطر اپنی نئی نویلی دلہن کو بھی قتل کر ڈالا۔''

اس پر بادشاہ اٹھا اور نقارے کو چوب دی کہ: ''رانی نے مجھ سے چوتھا بول بھی بولا۔''

بادشاہ، جو محل میں انتظار میں بیٹھا تھا وہ بیٹی کے پاس پہنچا اور بولا کہ: ''تم چار دفعہ بادشاہ سے بولی ہو، اب اقرار کے موجب تم اس کی بیوی ہو چکی ہو۔''

بس پھر تو بڑی دھوم دھام سے شادی ہوئی۔ خوب ناچنا گانا، کھانا پینا چلا لنگر لٹنے لگے۔ ہمارے جیسے غریب غربا بھت کھانے اور لے جانے میں مشغول ہوئے اور بادشاہ چوبول رانی کو لے کر اپنے ملک واپس لوٹا۔

اب ان چاروں نے بادشاہ کو اس کا وعدہ یاد دلایا۔ بادشاہ نے انہیں بکرے کا خون معاف کردیا اور وہ چاروں رخصت لے کر وہاں سے چل دیے۔

☆

انبولھ رانی

ایک دفعہ ایک بڑ کے پیڑ پر دو نر مادہ پرندے چکوا اور چکوی گھونسلا بنا کر رہنے لگے۔ اس بڑ کا معاملہ ایسا تھا کہ ہر چھ چھ مہینے میں وہ جل اٹھتا تھا۔ لیکن ان پرندوں کو اس کی کوئی خبر نہ تھی۔ ان پرندوں نے وہاں انڈے دیے جن سے دو بچے پیدا ہوئے۔ دونوں نر تھے۔ چھ مہینے پورے ہوگئے تھے چنانچہ بڑ کو آگ لگ گئی۔ چکوے نے جو آگ لگتے دیکھی تو اپنی جان بچانے کے لیے وہاں سے اڑ گیا لیکن مادہ بیچاری اپنے بچوں کو پروں میں لیے بیٹھی رہی اور اللہ سے منتیں کرنے لگی کہ: ''اے مالک! تو میرے بچوں کو بچا۔ تیرے سوا ہمیں کسی کا آسرا سہارا نہیں۔'' اللہ کے دربار میں اس کی دعا قبول ہوئی اور آگ جلتے جلتے جب اس گھونسلے کی ٹہنی تک پہنچی تو بجھ گئی اور وہ سب بچ گئے۔ جب آگ بجھ گئی تو چکوی نے اپنے بچوں سے کہا: ''تم بیٹھو۔ میں تمہارے لیے چگا لے کر آتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ وہاں سے اُڑ گئی۔ اس کے جانے کے بعد وہاں چکوا آیا تو دیکھا کہ بڑ کی آگ بجھ چکی ہے۔ وہ آ کر بچوں کے پاس بیٹھ گیا۔ بچوں نے دیکھا کہ باپ ہمیں

تکلیف میں چھوڑ کر بھاگ گیا تھا اور اب آیا ہے، وہ اسے ٹھونگیں مارنے لگے۔ چکوے نے کہا: ''بچو! میں تمہارا باپ ہوں۔ ٹھونگیں کیوں مارتے ہو؟'' بچوں نے کہا: ''جب بڑ کو آگ لگی تھی تو تم بھاگ گئے تھے اور اماں بیٹھی رہی تھی، اگر تم ہمارے ہوتے تو بھاگ نہ جاتے۔ اب نہ ہم تمہارے بچے نہ تم ہمارے باپ۔'' ابھی ان کا یہ جھگڑا چل ہی رہا تھا کہ اتنے میں مادہ بھی دانہ دنکا چن کر آ گئی۔ چکوی نے جو اپنے شوہر کو دیکھا تو بولی: ''جس وقت ہم تکلیف میں تھے تب تم بھاگ لیے، اب بھلا کس لیے آئے ہو۔ اب اپنا راستہ ناپو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ آج کے بعد میرے بچوں سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں۔'' اسی طرح دونوں لڑتے رہے۔ چکوا کہتا تھا ''میرے بچے۔'' اور مادہ کہتی تھی ''میرے بچے!''۔

آخر کار وہ دونوں فیصلہ کرانے بادشاہ کے پاس پہنچے اور بولے: ''آپ ہمارا فیصلہ کریں کہ بچے باپ کے یا ماں کے؟'' بادشاہ نے کہا: ''بچے باپ کے ہوتے ہیں۔ ماں کا کیا جاتا ہے!'' اس پر چکوی بولی: ''بادشاہ سلامت! نا انصافی کیوں کرتے ہو؟ جب بچے آگ میں جل رہے تھے تب تو یہ بھاگ گیا اور میں بیٹھی رہی اور اب یہ آیا ہے بڑا وارث بن کر!'' بادشاہ نے کہا: ''بس میرا یہی فیصلہ ہے۔'' تب چکوی بیچاری کوئی راہ نہ پاکر روتی روتی روانہ ہوگئی اور اسی دکھ میں سامنے کے پیڑ پر بیٹھی اپنے گھونسلے کو دیکھتی دیکھتی مر گئی۔

مرنے کے بعد چکوی نے ایک بنئے کے گھر میں جنم لیا۔ وہاں اس کا نام 'کسومبھا' رکھا گیا۔ کسومبھا آج چھوٹی کل بڑی، آخر ہوتے ہوتے جوان ہوگئی۔ سیٹھ کی بہراڑی میں ادھار پھنسا ہوا تھا اسے اُگھانے کے لیے اس نے کاٹھیاواڑ سے ایک عمدہ گھوڑا منگایا۔ وہاں کے بادشاہ کو جب گھوڑے کا معلوم ہوا تو اس نے سوچا کہ: ''میرے پاس ایک عمدہ تیز رفتار گھوڑی کھڑی ہے مگر یہاں کوئی ایسا گھوڑا ہے ہی نہیں لہٰذا یہ جو کاٹھیاواڑ کا عمدہ تیز رفتار گھوڑا آیا ہے تو کیوں نہ اس سے اپنی گھوڑی کی جفتی کرادوں، تاکہ عمدہ بچھڑا پیدا ہو۔'' یہی سوچ کر اس نے سیٹھ کو پیغام بھیجا کہ ''اپنا گھوڑا دے دو تاکہ اس سے اپنی گھوڑی کا ملاپ کرادوں۔'' یہ خبر جب لڑکی کو پتہ چلی تو اپنے باپ سے کہنے لگی کہ: ''بابا! بادشاہ کو گھوڑا تو بھلے ہی دے دو لیکن اس سے ایک وعدہ کرلو کہ جب بچھڑا چھ مہینے کا ہوجائے تو ہمیں دکھا دیا جائے۔'' بادشاہ نے سیٹھ سے وعدہ کرلیا اور اپنی گھوڑی کا ملاپ کرادیا۔ جب گھوڑی کے بچھڑا ہوا جو چھ مہینے بعد وعدے کے بموجب سیٹھ کو دکھانا تھا تو بادشاہ یہ بات بھول گیا اور آٹھ مہینے گزر گئے، لڑکی نے سیٹھ کو یہ بات یاد دلائی کہ: ''بابا، وعدے کے مطابق بچھڑا دکھانے کے لیے ابھی تک نہیں بھیجا گیا ہے۔'' اس پر سیٹھ نے بادشاہ کو پیغام بھیج دیا۔ تب بادشاہ کو یاد آیا، اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ: ''گھوڑی کو بچھڑے سمیت لے جاؤ اور سیٹھ کو بچھڑا دکھا کر واپس لے آؤ۔'' بادشاہ کے نوکر گھوڑی لیے سیٹھ کے پاس پہنچے۔ سیٹھ نے لڑکی سے کہا: ''گھوڑی آگئی ہے چل کر اس کا بچھڑا دیکھ لو۔'' لڑکی نے کہا: ''گھوڑی کو بچھڑے سمیت حویلی کے اندر بلوالو۔'' آخر گھوڑی اندر آئی، تو لڑکی نے اپنے آدمیوں سے کہا: ''بچھڑے کو باندھ لو۔'' انہوں نے بچھڑے کو باندھ دیا اور لڑکی نے بادشاہ کے نوکروں سے کہا کہ: ''بچھڑا ہمارا ہے۔ یہ فیصلہ بادشاہ کا کیا ہوا ہے۔ باقی گھوڑی تم لے جاؤ اور جاکر یہ بات بادشاہ کو بتادو۔'' نوکروں نے جاکر ساری بات بادشاہ کو بتادی۔ تب بادشاہ کو اپنا پہلے کیا ہوا فیصلہ یاد آگیا اور اس نے خاموشی اختیار کی۔

بادشاہ کے بیٹے کو جب یہ بات پتہ چلی تو سوچا: ''کیوں نہ اسی لڑکی سے شادی کروں پھر اسے طلاق دے کر اس بچھڑے والی بات کا اس سے انتقام لوں!'' یہ بادشاہ کا اکلوتا اور لاڈلا بیٹا تھا۔ اس وجہ سے بادشاہ کو اس سے بہت محبت تھی۔ وہ جو کہتا بادشاہ وہی کرتا۔ شہزادے نے کیا کیا کہ کھٹولا اوندھا کر کے سو رہا۔ جب بادشاہ کو یہ خبر ملی تو فوراً دوڑتا ہوا آیا اور بیٹے کو بانہوں میں لے کر گلے لگایا اور بولا: ''بیٹا! بتاؤ تمہیں کیا چاہئے؟ جو بھی چاہئے ہے منگادیں گے تم کچھ غم نہ کرو۔'' شہزادے نے کہا کہ: ''بابا! مجھے اس بنیے

کی بیٹی سے بیاہ دو۔" بادشاہ نے اسے سمجھایا کہ: "بیٹا! تم شہزادے ہو اور وہ اپنی رعایا۔ یہ شادی تو ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کے علاوہ ہم مسلمان وہ ہندو۔ وہ لڑکی کیونکر دے گا؟ تمہاری دو رانیاں تو پہلے ہی موجود ہیں لیکن پھر بھی کسی بادشاہ کی بیٹی سے کہو تو تمہاری شادی کریں گے۔" مگر شہزادے نے ضد کی کہ: "میری شادی کرنی ہے تو اسی بنیے کی بیٹی سے کرو، اگر نہیں تو تم جانو اور تمہاری بادشاہت، میں جا رہا ہوں جوگی بننے۔" بادشاہ نے دیکھا کہ شہزادہ ضد نہ چھوڑے گا، چنانچہ اس نے اسے دلاسہ دیا اور اپنے وزیر سے جا کر صلاح کی۔ آخر دونوں نے صلاح مشورہ کر کے ایک ہوشیار شخص کو بنیے کے پاس رشتہ مانگنے بھیجا۔ اس نے جا کر بنیے سے یہ بات کی۔ بنیے نے کہا: "سائیں! بادشاہ مسلمان اور ہم ہندو! اس کے علاوہ وہ بادشاہ ہم غریب۔ یہ رشتہ کہیں مناسب لگتا ہے؟ مجھے میری برادری نکال کر باہر کرے گی! اور بادشاہ کا کوئی حکم ہو تو میں ماننے کو تیار ہوں البتہ لڑکی کا رشتہ نہیں دوں گا۔" وہ آدمی واپس لوٹ آیا۔ پھر بادشاہ نے وزیر کو بھیجا۔ اسے بھی بنیے نے وہی جواب دیا۔ اس پر وزیر نے اسے سمجھایا کہ: "بادشاہ کا ایک ہی بیٹا ہے اور وہ بہت لاڈلا ہے۔ شہزادہ ضد کر بیٹھا ہے۔ تم اگر خوشی سے رشتہ دے دو تو بہت خوب، ورنہ بادشاہ زبردستی بھی تم سے رشتہ لے لے گا، لیکن اس میں تمہاری بدنامی ہوگی۔" اس بات کی کسومبھا کو خبر ہوگئی۔ اسے یہ بھی پتہ لگ گیا کہ شہزادے کے دل میں کیا ہے۔ لیکن پھر بھی اس نے باپ کو کہلوا بھیجا کہ: "تم غم نہ کرو۔ چپ چاپ رشتہ دے دو۔" یہ پیغام ملنے پر، سیٹھ نے بادشاہ کو رشتہ دے دیا اور رسم کے مطابق ناریل دیا پھر لگن دیکھ کر شادی کا دن بھی مقرر کر دیا۔ وزیر خوش خوش واپس ہوا، جا کر ساری بات بادشاہ کو بتائی۔ پھر مبارک سلامت ہونے لگی اور خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ ہر طرف بات پھیل گئی کہ: "بنئے کے گھر بادشاہ کے بیٹے کا بیاہ ہو رہا ہے!" جتنے منہ اتنی باتیں۔ کوئی کچھ کہہ رہا تھا کوئی کچھ۔ شہزادے کی دو رانیاں تو پہلے سے موجود تھیں، شہزادے نے ان سے کہا کہ: "بنئے کی بیٹی سے میں صرف گھوڑی کے بچھڑے کا انتقام لینے کے لیے، شادی کر رہا ہوں اور اسے ہفتہ بھر کے اندر اندر طلاق دے کر نکال باہر کروں گا۔" جیسے جیسے شادی کے دن نزدیک آتے گئے ویسے ویسے دونوں طرف زور وشور سے تیاریاں ہونے لگیں۔ آخر مقررہ دن پر بارات تیار ہوئی اور روانہ ہوئی۔ کنواریوں نے بارات کو خوش آمدید کہا اور خاطر تواضع کی۔ خیر سے شادی ہوگئی اور شہزادہ دلہن لے کے گھر آ گیا۔ پھر سات دن گیا، سات ہفتے گزر گئے مگر شہزادہ تھا کہ نئی دلہن کے محل سے نکل کر کسی طرف سیدھے منہ دیکھتا نہ تھا۔ اس پر اس کی

پہلی رانیوں نے اسے کہلا بھیجا کہ: ''وہ کیسا شہزادہ جو اپنا وعدہ ہی بھول جائے ...... کوئی ایک آدھ نگاہ تو کسی وقت ادھر ہم پر بھی کرلیا کریں۔'' اس پر شہزادے کو اپنا قول یاد آ گیا اور کسومبھا سے کہنے لگا: ''میں تمہیں طلاق دوں گا۔'' تو کسومبھا نے ہنستے ہوئے کہا کہ: ''مجھ میں کیا برائی ہے جو طلاق دیتے ہو؟ طلاق دے کر انبولھ رانی تھوڑا ہی بیاہ لاؤ گے، ایسا بہادر ہوتے تو پہلے اسے بیاہ کر لاتے!'' شہزادہ کو غصہ آ گیا کہنے لگا: ''تم بھی یہیں ہم بھی یہیں...... میں انبولھ رانی ضرور بیاہوں گا۔'' اس پر کسومبھا رانی بولی: ''تو پھر پہلے انبولھ رانی بیاہ لاؤ۔ طلاق تو مجھے بعد میں آ کر بھی دے سکتے ہو!'' یہ سن کر شہزادے نے رخت سفر باندھا اور گھر سے نکل گھوڑے پر سوار، روانہ ہوگیا۔ ایک ولایت سے نکل دوسری ولایت میں پہنچا۔ وہاں سے پتہ نشان پوچھ کر، منزلیں مارتا، بالآخر انبولھ رانی کے ملک جا پہنچا، پھر اس شہر میں پہنچا جہاں انبولھ رانی رہتی تھی۔

انبول رانی کی شرط تھی کہ: ''جو شخص مجھ سے شادی کرنے کا خواہشمند ہو تو پہلے نقارے پر چوب لگائے۔ میں اسے اندر بلاؤں گی اور ساری رات اپنے پاس رکھوں گی۔ اس درمیان میں، میں کچھ نہ بولوں گی۔ لیکن اگر میں اس سے بول پڑی تو پھر میں اس پر حلال ہوں۔ اگر نہ بولی تو صبح وہ میرا غلام ہوگا، اور میں اپنی مرضی سے اسے بیچ دوں گی، یہ شرط جسے قبول ہو وہی آ کر نقارے پر چوٹ لگائے۔''

شہزادہ بھی انبول رانی کے شہر میں کچھ وقت ٹھہر کر خیر خبر لیتا رہا پھر ایک روز جا کر نقارے پر جا کھڑا ہوا، اور چوب اٹھا کر زور سے، ایک بار، دو بار، تین بار نقارے کو چوٹ لگائی۔ نقارے کی آواز سن کر انبول رانی نے اسے فوراً اندر بلالیا۔ پھر تو رات بھر شہزادے کو جو مرلیاں بجانی تھیں بجاتا، شور مچاتا رہا۔ پر رانی کو بولنا تھا نہ بولی، ہونٹ سیے بیٹھے رہی۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ پھر انجام کار رانی نے اسے پانچ کوڑیوں میں ایک تیلی کو بیچ دیا، جس نے اسے لے جا کر گھانی میں جوت دیا۔ جہاں بیچارہ دن بھر بیل کی طرح گھانی چلاتا رہتا۔

شہزادہ جب گھر سے نکلا تو اس کے باپ کو اس کی کوئی خبر نہ لگی کہ کہاں گیا۔ بادشاہ کو معلوم تھا کہ شہزادہ گھومنے پھرنے اور سیر شکار کو جاتا ہے اور پھر واپس لوٹ آتا ہے۔ لہٰذا اب بھی گھومنے پھرنے گیا ہوگا۔ تین چار مہینے گزر گئے شہزادہ واپس نہ لوٹا۔ تب اس نے پوچھا گچھا۔ سب نے یہی کہا کہ ''ہمیں خبر نہیں۔'' آخر شہزادے کی دونوں رانیوں کے محل میں پوچھا مگر وہاں سے بھی کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر بادشاہ شہزادے کی چھوٹی رانی کے

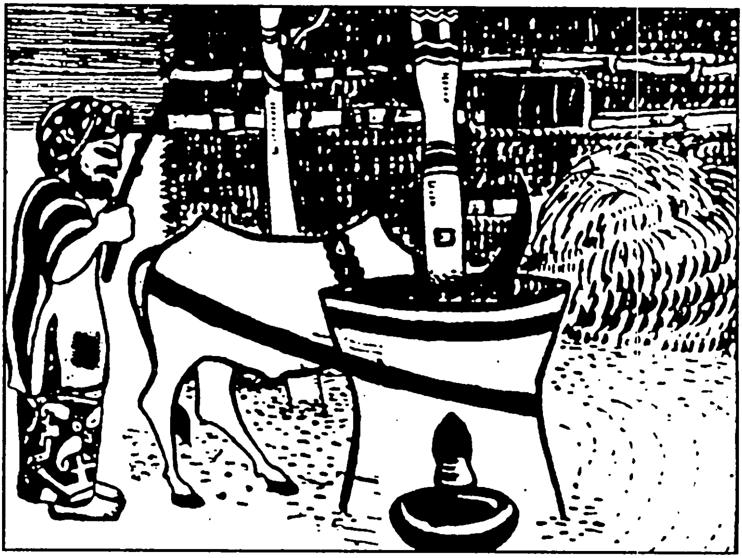

پاس گیا جس نے ساری بات بادشاہ کو بتادی کہ: ''ضدی شہزادہ انبول رانی بیاہنے گیا ہے!'' بادشاہ نے انبول رانی کی شرطیں تو پہلے ہی سنی ہوئی تھیں چنانچہ مطمئن ہوگیا کہ شہزادے سے وہ شرطیں نہ ہوئی ہوں گی اور وہ کسی نہ کسی مصیبت میں پھنس چکا ہے لہٰذا واپس لوٹ نہیں سکا ہے۔'' لہٰذا اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ: ''جاؤ شہزادے کو تلاش کر کے لے آؤ۔'' بادشاہ کے آدمی چاروں سمتوں میں دوڑ گئے، کتنے ہی دن گزر گئے مگر ان میں سے کوئی بھی واپس نہ لوٹا۔ تب کسومبھا نے بادشاہ سے کہا کہ: ''ابھی تک شہزادہ کا کوئی پتہ نہیں ہے۔ اب مجھے نوکر چاکر دیں تاکہ میں شہزادے کو تلاش کرلاؤں۔'' بادشاہ نے اسے اجازت دے دی، نوکر چاکر اور مال واسباب ساتھ کر کے روانہ کردیا۔

کسومبھا نے کیا کیا کہ مردانہ بھیس بھرا، ساتھیوں کو ساتھ لیا اور گھوڑوں پر روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے بالآخر انبول رانی کے شہر میں جا پہنچی۔ وہاں ایک مندر میں جاکر اُترے۔ اس مندر میں ایک جوگی رہتا تھا۔ جو چھ مہینے سوتا رہتا تھا اور چھ مہینے جاگ کر اپنی عبادتوں میں لگا رہتا۔ یہ جب وہاں پہنچے تو وہ نیند میں تھا۔ جب اس کے جاگنے کا وقت نزدیک آیا تو کسومبھا نے، جو مردانہ بھیس میں تھی، اس نے جوگی کے لیے جاکر دھونی دہکا کر تیار کردی۔ چھ مہینے پورے ہوئے تو جوگی جاگ اٹھا، دیکھا تو دھونی پہلے سے ہی تیار ہے۔ سامنے ایک جوان حسین بیٹھا ہے۔ پھر کسومبھا نے سر جھکایا ہاتھ باندھ کر عرض کیا

''آدیس گرو۔'' جوگی اس کی اس ادا پر خوش ہوگیا اور دھونی سے راکھ اٹھا کر جسم پر بھبوت ملی اور 'دھیان' میں بیٹھ گیا۔ دیر دیر بعد، جوش میں آکر، اسکی طرف منہ کر کے کہتا: ''بچہ! جو تیرے دل میں ہے ہمیں سب خبر ہے۔ لیکن اگر آدیس گرو، نہ کہا ہوتا تو رائی برابر دانے کر ڈالتا اب جو کچھ طلب ہے مانگ لے!'' اس پر کسومبھا بولی: ''مجھے انبول رانی سے شادی کرنی ہے۔ مہربانی کر کے دعا بھی کرو اور مدد بھی۔ تاکہ من کی مراد پوری ہو۔'' تب جوگی نے خوش ہو کر دعا کی اور دھونی سے کچھ راکھ اٹھا کر اسے دی اور کہا: ''یہ راکھ سنبھال کر باندھ رکھنا۔ تجھے رانی کی شرطوں کی خبر ہے۔ جب رانی تجھے اندر بُلا لے اور تو بول بول کر عاجز ہوجائے تو پھر بھی رانی تجھ سے نہ بولے تو رانی کے الٹے ہاتھ کی چھوٹی انگلی پکڑ کر یہ راکھ مَل دینا۔ انبول رانی ہماری بچی ہے۔ امید ہے کہ تیرے من کی مراد پوری ہوگی۔'' کسومبھا نے راکھ لے کر سنبھالی، اور جوگی سے دعا اور رخصت لے کر باہر نکلی۔ جا کر نقارے پر چوب لگائی۔ نقارے کی آواز سن کر، پر انبول رانی نے اسے اندر بلا لیا۔ پھر تو کسومبھا نے کتنی ہی ادھر ادھر کی باتیں کر ڈالیں، انبولھ رانی ایسی خاموش تھی جیسے دیوار! پو پھٹنے کے وقت کسومبھا نے رانی کے الٹے ہاتھ کی چھوٹی انگلی پکڑی اور اس پر راکھ مل دی، پھر ٹھنڈا سانس لے کر کہا: ''انبول رانی! ہائے ہائے۔'' کسومبھا کے اتنا کہنے کی دیر تھی کہ انبول رانی سے برداشت نہ ہوسکا اور بولی: ''جی ہاں اے گوسنبھا رائے۔'' پھر کسومبھا تو کسومبھا، جس نے سنا حیران رہ گیا۔ چاروں طرف بات پھیل گئی اور لوگوں نے دوڑ کر یہ خبر جا کر انبول رانی کے باپ بادشاہ کو سنائی۔ وہ بھی بہت خوش ہوا۔ یکدم وہ ڈھول منگا، شادی کی تیاریوں میں لگ گیا اور دن مقرر کر کے، کسومبھا کے ساتھ بیٹی کی شادی کردی۔

انبول رانی کی شادی کیا ہوئی کہ کھانوں کے لنگر لُٹ گئے۔ امیر امراء غریب غربا کھاپی کر خوش ہوئے۔ جو بھی آیا اس نے پیٹ بھر کھایا اور کھانے کی گٹھڑی باندھ کر ساتھ بھی لے چلا۔ سارا ہی شہر کھانے کو پہنچا۔ تبھی تیلی نے اپنے نوکر شہزادے سے کہا: ''تو بھی جا، شادی دیکھ، کھانا کھا اور واپسی میں ہمارے لیے بھی لے آنا۔'' سو یہ بیچارہ بھی کھانا کھانے چلا گیا۔ کسومبھا نے حکم دے رکھا تھا کہ ''جو شخص بھی کھانا کھانے آئے وہ پہلے میرے پاس حاضری دے بعد میں انہیں کھانا کھلایا جائے۔'' نوکر تمام آدمیوں کو اس کے سامنے لے کر آئے، کسومبھا نے انہیں دیکھا اور نوکروں کو حکم دیا کہ ''اب جا کر انہیں کھانا کھلادو۔ شکم سیر ہوکر کھالیں پھر جائیں۔'' جب شہزادہ تیلی کے نوکر کے بھیس میں کھانا کھانے آیا تو نوکر اسے کسومبھا کے پاس لے آئے، جس نے اسے پہچان لیا اور نوکروں

سے کہا کہ: ''اسے دانہ دانہ کر کے کھانا کھلانا، تا کہ آہستہ آہستہ کھائے اور پھر کھا کر جب فارغ ہوتو میرے پاس لے آنا۔'' یہ بیچارہ کولہو کا بیل، دل میں کہنے لگا: ''یااللہ! یہ کیا؟ ساری خلقت کھا کر جارہی ہے لیکن میرے لیے یہاں بھی مصیبت! جو کچھ گرے سو کانے کی آنکھ میں! خدا جانے کیا ہوگا؟ اللہ جانے اب اور کیا مصیبت آتی ہے۔'' پس ڈر کے مارے اسے کھانا پینا بھی اچھا نہ لگا اس پر یہ کہنا کہ ''سیر ہوکر کھاؤ۔ شاہی حکم ہے!'' پھر تو چاول چُن چُن کر کھاتے بیچارے کی جان ہی جاتی رہی۔ اس پر اوپر سے رات ہوگئی۔ تب کہیں جا کر تھوڑا سا کھانا گلے سے نیچے اُترا۔ پھر اس غریب کو پکڑ لے آئے کسومبھا کے سامنے۔ جس نے اس کا حال احوال پوچھا اور کہا: ''ڈر نہیں۔ ساری حقیقت سچ سچ بتادو۔ تیرے ساتھ کیا پریشانی یا تکلیف ہے؟'' پھر رنجیدہ رنجیدہ اس نے ساری بات سچ سچ کہہ سنائی۔ تب کسومبھا نے بادشاہ کے وزیر کو بلایا اور کہا: ''اس بیچارے کی قیمت کیا ہے اب تم تیلی کے پاس جاؤ، پانچ کوڑیوں کے بدلے پانچ ٹکے اسے دے دو اور اس کی جان چھڑا لاؤ۔'' وزیر نے، تیلی کو بلایا اور کہا: ''تیرے نوکر کی بادشاہ کے داماد کو ضرورت ہے۔ تو نے پانچ کوڑیوں میں اسے خریدا ہے ہم اس کے پانچ ٹکے دے رہے ہیں، یہ لو اور نوکر دے دو۔'' تیلی نے سوچا کہ پانچ کوڑیوں کے بدلے پانچ ٹکے مل رہے ہیں اور اس روتی صورت سے جان بھی چھوٹ رہی ہے اور بادشاہ کا نیا داماد بھی خوش ہوجائے گا۔ سو وزیر سے کہنے لگا: ''سائیں ویسے تو یہ کوڑی بھر کا بھی نہیں آپ تو مجھے پانچ کوڑیوں کے پانچ ٹکے دے رہے ہیں! میں تو ویسے بھی اس ناکارہ بیل سے عاجز آچکا ہوں۔ نکالو پانچ ٹکے اور پکڑو اس کی مہار۔'' پھر وزیر نے اس بیل شہزادے کی جان چھڑائی، اسے لا کر کسومبھا کے سامنے پیش کردیا اور بتایا کہ تیلی نے اس کی کیا تعریف کی ہے۔ جسے وزیر کے منہ سے سن کر کسومبھا ہنستے ہنستے بے حال ہوگئی۔

رات کو انبول رانی جب کسومبھا کے ساتھ تنہا ہوئی تو کسومبھا نے تلوار بیچ میں رکھ کر رات گزاری، صبح ہوئی۔ جب اسی طرح دو چار راتیں گزر گئیں تو انبول رانی نے اس سے اس کا سبب پوچھا۔ اس پر کسومبھا نے کہا: ''سبب تو کوئی بھی نہیں۔ لیکن میں نے منت مانی تھی کہ چھ مہینے عورت کے پاس نہیں جاؤں گا۔ اس میں سے چار مہینے تو گزر چکے ہیں۔ باقی دو مہینے اور ہیں۔ وہ پورے ہوجائیں تو پھر تم میری رانی ہو اور میں تمہارا شہزادہ! تم بالکل فکر نہ کرو۔''

پھر کچھ وقت وہاں رہنے کے بعد، اجازت لے کر سب رخصت ہوئے۔ شہزادہ بھی نوکر کے حال میں ان کے ساتھ تھا۔ منزلیں مارتے وہ آ کر اپنے شہر کے نزدیک پہنچے۔ شہر یہاں سے بس منزل دو منزل کے فاصلے پر تھا کہ کسومبھا نے انہیں کہا: ''آپ لوگ یہاں ٹھہریں تا کہ میں یہاں کے بادشاہ سے ملاقات کر آؤں۔'' یہ کہہ کر انہیں وہیں چھوڑا اور خود بادشاہ کے پاس پہنچی اور ساری حقیقت اسے کہہ سنائی۔ پھر خود زنانہ کپڑے پہن کر محل میں جا بیٹھی۔ بادشاہ باہر نکل کر انبول رانی کے پاس پہنچا اور اسے بڑی دھوم دھام سے گھر لے آیا۔ شہزادہ اپنے باپ کو دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا۔ پھر بادشاہ اس سے بھی بغلگیر ہوا، اسے قریب کر کے ساری بات سنادی۔ جسے سن کر شہزادہ پھیکا پڑ گیا۔ انبول رانی نے سنا تو وہ بھی حیرت زدہ رہ گئی۔ وہ بڑھ کر محل میں پہنچی جہاں کسومبھا زنانہ بھیس میں بیٹھی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور زور سے ہنستے ہنستے بے حال ہوگئیں۔ ابھی وہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو رہی تھیں کہ شہزادہ بھی وہاں آ گیا۔ کسومبھا نے ادب سے اٹھ کر اس سے کہا: ''انبول رانی سے شادی کر کے لوٹ آئے، اس کے لیے بہت مبارک ہو۔ مگر بہت دن لگادیے۔'' شہزادہ بہت شرمسار ہوا، بس دھرتی پھٹے اور اس میں سما جائے۔ اس نے کسومبھا کو گلے لگالیا، بولا: ''سبق سیکھنا تھا سو سیکھ لیا۔ مزید دوری نہ ہوئے ورنہ جینا کیسا؟'' پھر کسومبھا نے شہزادے کو معاف کردیا اور خوش وخرم ایک دوسرے کے ساتھ کھیر کھانڈ (دودھ شکر) کی طرح مل گئے۔

☆

لال شہزادہ

کسی زمانے میں ایک بادشاہ تھا۔ ویسے تو اسے دنیا میں کسی چیز کی کوئی کمی نہ تھی لیکن اولاد کو ترستا تھا۔ بادشاہ سے زیادہ رانی کو رات دن اولاد کی فکر اور حسرت تھی۔ ایک روز رانی شاہی محل کی کھڑکی میں اکیلی، اداس اور بے کل کھڑی تھی کہ اچانک اس کی نظر دور ایک فقیر پر پڑی۔ فقیر نے بھی رانی کو دیکھ لیا تھا اور اسے اتنی اداس دیکھ کر سوچنے لگا کہ: ”رانی کو دنیا کی تمام نعمتیں میسر ہیں پھر کیا سبب ہے جس کی وجہ سے رانی دکھی ہے؟ بلاشبہ رانی کو اولاد کی فکر کھائے جا رہی ہے۔“ پس اس نے جا کر محل کے دروازے پر صدا لگائی۔ باندی نے اسے خیرات دینی چاہی لیکن فقیر نے لینے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا: ”رانی اپنے ہاتھوں سے خیرات دے تو فقیر دعا کرے گا!“

باندی نے ساری بات آ کر رانی سے کہہ دی۔ رانی سمجھی کہ فقیر لالچی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ رانی کے ہاتھوں جو خیرات ملے گی وہ باندی کے ہاتھ سے ملنے والی خیرات سے زیادہ ہوگی لیکن فقیر ہے، بھلے جا کر خوش رہے، مجھ سے خیرات لیے بغیر ٹلے گا

نہیں۔ پھر اس نے ایک اشرفی اٹھائی اور فقیر کی جھولی میں ڈال دی۔ فقیر نے اشرفی لینے سے انکار کر دیا اور بولا: ''رانی! خیرات میں دینا ہے تو اپنے گلے کے ہار میں سے ایک لعل نکال کر دو۔'' رانی ہنسی۔ ہار میں سے لعل نکالا اور فقیر کو دے دیا۔ فقیر نے خوش ہو کر کہا: ''رانی! اب مانگو کیا مانگتی ہو!'' رانی کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں، بولی: ''فقیر سائیں! اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ باقی اولاد کی بھوکی ہوں۔ خدا سے مانگ کر مجھے اولاد دلا دو!'' فقیر نے کہا: ''رانی! دلگیر نہ ہو! اللہ کرے گا کہ تجھے لعل کے عوض لعل ملے گا۔'' یہ کہہ کر فقیر چلا گیا۔

خدا کی قدرت، رانی امید سے ہوگئی۔ بادشاہ بھی بڑا خوش ہوا۔ خیر خیرات بٹنے لگی۔ ایک دن رانی ہنڈولے میں لیٹی تھی کہ اچانک اس کی آنکھ اوپر بنے ایک چڑیا کے گھونسلے پر پڑی۔ دیکھتی کیا ہے کہ چڑیا چڑا ایک دوسرے کو بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔ رانی نے ان پرندوں کی جو ایسی محبت دیکھی تو اس قدر خوشی ہوئی کہ ہر روز ہنڈولے میں لیٹی گھونسلے میں دیکھتی رہتی۔ تھوڑے بہت دن گزرے ہوں گے کہ چڑیا نے دو انڈے دیے۔ بچے پیدا ہوئے اور پھر ایک دن بیچاری چڑیا کہیں چلی گئی اور وہ واپس نہ آئی۔ دو ایک دن گزرے جیسے نہیں گزرے کہ چڑے کے ساتھ ایک دوسری چڑیا نے گھونسلے میں بسیرا کیا اور آتے ہی بچوں کو چونچیں مار مار کر گھونسلے سے نیچے گرا دیا۔ اور پھر بیٹھ کر چڑے سے محبت بگھارنے لگی۔ رانی نے جو یہ ماجرا دیکھا تو چھلانگ مار کر ہنڈولے سے اٹھی اور کالے کپڑے پہن، منجی اوندھی کر سوگئی۔ بادشاہ آیا اور اس نے رانی کی یہ حالت دیکھی تو اس سے پوچھا: ''بات کیا ہے۔'' رانی نے چڑیا کا سارا قصہ کہہ سنایا اور بولی: ''ہوسکتا ہے کہ میری بھی یہی حالت ہو۔ لہٰذا تم مجھ سے وعدہ کرو کہ میرے بعد دوسری شادی نہیں کرو گے!'' بادشاہ نے رانی کو گلے لگا لیا اور اس کی دلداری کرتے ہوئے اس سے وعدہ کیا کہ: ''چاہے کچھ بھی ہو، تمہارے بعد دوسری شادی نہیں کروں گا۔''

دن پورے ہوئے تو رانی کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اس کا نام رکھا 'لال' لیکن رانی ڈھے گئی۔ ابھی لڑکا پیدا ہوئے بمشکل پانچ چھ مہینے ہی گزرے تھے کہ رانی نے دنیا سے رحلت کی۔ رانی کی موت کو ابھی کچھ مہینے ہی گزرے تھے کہ امیروں وزیروں نے بادشاہ سے کہا: ''بادشاہ سلامت! انسان بڑا ازرج ہے۔ مرے بعد کوئی کتنا خود کو مارے، اور کسی وجہ سے نہیں تو اپنی راج رعیت کے لیے ہی سہی۔ حضور کو دوسری شادی کر ہی لینی چاہیئے۔'' لیکن بادشاہ نے صاف انکار کر دیا۔ اسی طرح کئی سال گزر گئے۔ شہزادہ لال بھی اب اچھا خاصہ جوان ہو چکا تھا۔ حسن و جوانی ایسی کہ پھٹی پڑتی تھی! اس درمیان امیر وزیر بادشاہ پر زور ڈالتے رہے۔ آخر

ہوتے ہوتے جب بادشاہ کی عمر بھی خاصی ہو چکی تھی تو بادشاہ نے مجبور ہو کر شادی کے لیے حامی بھر لی۔ بہت دھوم دھام سے شادی ہوگئی۔ بادشاہ کی شادی کو بمشکل سال دو سال ہی گزرے تھے کہ ایک دن نئی رانی بال پھیلائے، برا حال کیے، سانگ رچا کر بیٹھ رہی۔ کہا: ''میں پہلے ہی چیختی رہی کہ لال شہزادے کی نظر اچھی نہیں ہے! آج اس نے باندی کے ہاتھ یہ پیغام محبت بھیجا ہے!'' یہ کہہ کر اس نے شہزادے کے رومال میں لپٹی سپاری اور لونگ اٹھا کر بادشاہ کے سامنے رکھ دیں۔ بادشاہ کے سن سن کر کان تو پہلے ہی پک چکے تھے اب جو رانی کے ساتھ باندی نے بھی ہاں میں ہاں ملائی تو بادشاہ غصے سے آگ بگولا ہوگیا۔ نہ کہا ہم نہ تم، فوراً حکم دیا کہ: ''آخر کوئی کتنا سہے۔ کتنا سہے گا! شہزادے کو خاموشی سے کسی جگہ لے جاؤ اور ختم کر ڈالو۔ اس کی آنکھیں نکال کر لاؤ اور رانی کو دے دو۔''

جب وزیر اور وزیر کے سپاہی راتوں رات شہزادے کو لے کر ایک بیابان میں پہنچے تو دیکھا کہ چار فقیر ہیں جو دھونی جلا کر اس کے گرد آلتی پالتی مارے، آنکھیں بند کیے، دھیان لگائے بیٹھے ہیں۔ فقیروں نے جو قریب پیروں کی آہٹ سنی تو آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا پھر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ: ''سمجھو یارو! سمجھو! گئی بات کیسے پلٹتی ہے۔'' پھر ان فقیروں میں سے ایک فقیر نے شہزادے کی طرف دیکھا اور منہ کھول کر بولا: ''افسوس! یہ شہزادہ کل مرجائے گا!'' اس پر دوسرے فقیر نے کہا: ''یارو! ہم نے اپنی زندگی آدھی اس کو دی۔'' اس پر تیسرے فقیر نے کہا: ''میری بھی آدھی زندگی میں نے اس شہزادے کو دی!'' پھر چوتھا فقیر اٹھا اور آکر شہزادے کی پیٹھ پر تھپکی دیتے ہوئے بولا: ''شہزادے کو مبارک ہو۔ کل شہزادہ دولہا بنے گا!'' یہ کہہ کر چاروں فقیر آنکھیں بند کر کے پھر سے اپنے دھیان میں لگ گئے اور شہزادہ اور شہزادے کے ساتھ والے، حیرت و استعجاب میں سر جھکائے اٹھ کر آگے روانہ ہوئے۔

اس پر شہزادے نے وزیر سے پوچھا: ''آخر تم مجھے مارنا کیوں چاہتے ہو؟ میرا قصور کیا ہے؟ مجھے بھی تو بتاؤ!'' وزیر نے کہا: ''یہ تو ہمیں بھی پتہ نہیں ہے۔ لیکن ہم ٹھہرے حکم کے بندے! تمہیں مار کر تمہاری آنکھیں لے جا کر رانی کو دینی ہیں۔ بادشاہ سلامت کا یہی حکم ہے!'' اس پر شہزادے نے وزیر سے کہا: ''بس اب میں سمجھ گیا۔ یہ ساری سازش رانی کی ہے۔ لیکن تم بھی اولاد والے ہو۔ تمہارے بھی بال بچے ہیں! میں نے تو اپنی سوتیلی ماں کو بھی سگی ماں کی طرح سمجھا، پر جس کا دل ہی کالا ہو اسے کوئی کتنا اپنا کر کے سمجھے!'' وزیر نے کہا: ''شہزادہ! تم ہمارے سر کے سائیں ہو۔ جو تم کہہ رہے ہو سمجھتے تو ہم

بھی ہیں کہ سولہ آنے سچ ہے، لیکن اب تم ہی بتاؤ کہ جا کر بادشاہ سلامت کو خالی ہاتھ کیا جواب دیں۔'' شہزادے نے کہا: ''تم کسی ہرن کی آنکھیں نکال کر رانی کو جا کر دکھادو۔ وہ سمجھے گی کہ میں مر گیا۔ اور بادشاہ سلامت بھی سن کر خاموش ہو جائیں گے۔'' وزیر اور وزیر کے لوگوں کے دل پر فقیروں کی باتیں تو پہلے ہی بوجھ بنی ہوئی تھیں، اب جو شہزادے کی یہ بات سنی تو سب خوش ہوگئے اور شہزادے کو وہاں چھوڑ کر صبح سویرے ہی ایک ہرن کا شکار کر، اس کی آنکھیں نکالیں اور جا کر رانی کو دے دیں۔ بات آئی گئی ہوگئی۔

صبح سویرے شہزادہ بھی اٹھا اور پیدل ہی آگے چل دیا۔ نہ بستی نہ راہ۔ اکیلا ہی اکیلا۔ یونہی سامنے منہ اٹھائے چلتا گیا۔ اتنے میں کسی وقت نظر جو اٹھائی تو دیکھا کہ ایک بارات ہے، جو باجے گاجے کے ساتھ اس کی طرف بڑھتی چلی آرہی ہے! بارات کو دور سے آتے دیکھ کر شہزادہ کھڑا ہوگیا۔ بارات آکر اس کے پاس سے گزری۔ باراتیوں نے جو ایک حسین نوجوان کو کھڑے دیکھا تو رک گئے اور پھر بڑھ کر شہزادے سے پوچھا: ''سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟'' شہزادے نے کہا: ''میں ایک غریب پردیسی ہوں اور اپنے راستے پر جا رہا ہوں!'' اس پر دولہا کا باپ گھوڑے سے اتر کر اس کے پاس آیا اور بولا: ''سنو میاں! یہ گھوڑا ہے، چپ کر کے اس پر بیٹھ جاؤ اور سیدھے سیدھے جہاں ہم جا رہے ہیں ہمارے ساتھ چلے چلو!'' اتفاق سے ان کا دولہا کانا اور بدصورت تھا اور جا رہے تھے کسی ملوک زادی سے اس کی شادی کرنے لیکن ڈر یہ تھا کہ کہیں اس کانے بدصورت دولہا کو دیکھ کر کنواری کے گھر والے اپنی بات سے پھر جائیں۔ چنانچہ انہیں اس ویران بیابان میں جو ایسا جوانمرد حسین شہزادہ ملا تو ساری فکر اُتر گئی اور شہزادہ کو پکڑ کر گھوڑے پر بٹھادیا، کہا: ''ایک دن کی اس مزدوری کے تمہیں پوری سو اشرفیاں انعام میں دیں گے!'' شہزادے نے بہتیرا خود کو بچانے کی کوشش کی لیکن دولہا کا باپ ننگی تلوار لیے اس کے سر پر کھڑا رہا، بولا: ''شرافت سے چلو تو چلو۔ ورنہ یہیں سر قلم ہو جائے گا۔'' لاچار شہزادہ بیچارہ خالی ہاتھوں، اچانک جو یہ سنا تو آخر کار کانے دولہا کی اس بارات کو اپنے پیچھے لیے اٹھ کر آگے چلا۔ جب یہ بارات دلہن کے گھر پہنچی تو شہزادے کی خوبصورتی کو دیکھ کر سب بہت خوش ہوئے۔ رات کو نکاح ہوا، اور بہت دیر بعد شہزادے لال کو دلہن کے حوالے کیا گیا۔ دلہن نے جو دولہا کو دیکھا تو دل ہی دل میں باغ باغ ہوگئی۔ مگر شہزادہ ویسے ہی بیٹھا رہا۔ دلہن نے حال احوال پوچھا لیکن شہزادہ سر درد کا بہانہ کر کے لیٹ گیا اور شہزادی بیٹھ کر اس کا سر دبانے لگی۔ حجاب کی وجہ سے وہ اس سے مزید کچھ بھی پوچھ نہ سکی۔

صبح جب بارات روانہ ہونے لگی تو بادشاہ نے شہزادہ لال سے کہا: ''بابا! تم اب ہماری اولاد کی طرح ہو۔ اگر میرے پاس رہو تو یہ بادشاہت بھی تمہاری ہے اگر نہ رہو تو بھی آخر کو یہ تمہاری ہے۔'' شہزادے نے بادشاہ کی بات سنی، ادب کے ساتھ چپ کر کے بیٹھا رہا۔ پھر شاہی آداب بجا لا کر بادشاہ سے رخصت لی۔ جا کر سیدھا اس گھوڑے پر چڑھ بیٹھا جو بادشاہ نے خاص طور پر دولہا کے لیے دیا تھا، گھوڑے پر بیٹھ کر وہ پالکی کے نزدیک آ کھڑا ہوا۔ آخر جب ساری تیاریاں مکمل ہو گئیں تو بارات روانہ ہوئی اور شہزادہ بھی ان کے ساتھ چپ چاپ چل پڑا۔ آخر بیچارہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ اس کا کوئی بس ہی نہ چل رہا تھا۔ چلتے چلتے آخر کار بارات اسی جگہ واپس پہنچ گئی جہاں سے شہزادے کو پکڑا تھا۔ کانے دولہا کے باپ نے آ کر شہزادے سے کہا: ''اب گھوڑے سے اترو سہرا مجھے دو، یہ لو تمہاری ہزار اشرفیاں اور جہاں سے آئے ہو چپ چاپ ادھر کو لوٹ جاؤ۔'' اس پر کانا دولہا بھی شیر ہو گیا اور سہرا باندھ، بڑا معتبر بن کر، دولہن کی پالکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ شہزادی یہ

رنگ اندر ہی اندر بیٹھی خاموشی سے دیکھ رہی تھی لیکن وہ بیچاری بھی کیا کرسکتی تھی! ادھر شہزادے نے کیا کیا کہ کانے دولہا کے باپ سے اشرفیاں لیتے ہی اٹھا کر بارات کے اوپر نچھاور کردیں۔ باراتیوں نے جو یوں اچانک اشرفیوں کا مینہ برستا دیکھا تو حواس باختہ ہوگئے اور کتنے ہی ان میں سے، اشرفیوں پر اوندھے جا گرے۔ اتنے میں شہزادے نے شہزادی کو کھینچ کر گھوڑے پر اپنے ساتھ بٹھالیا اور کانے (دولہا) کو تھپڑ جو مارا تو وہ سہرے اور گھوڑے سمیت منہ کے بل گرا۔ پھر جو شہزادے نے گھوڑے کو ایڑھ لگائی تو بس، نہ تو نے دیکھا نہ میں نے دیکھا، شہزادہ ہوا ہوگیا۔ ساری بارات میں ہلچل مچ گئی۔ ہر کسی کی زبان پر بس ایک ہی بات تھی کہ: ''پردیسی کون تھا، کدھر گیا؟'' بہتیرا ہی ادھر ادھر گھوڑے دوڑائے پر شہزادہ کہیں ہو تو ملے، بس یوں گم ہوگیا جیسے زمین نگل گئی ہو! آخر کانے دولہا کی بارات، جیسے تھی ویسی ہی، دلہن چھنوا کر خالی ہاتھوں جدھر سے آئی تھی ادھر کو چل دی۔ ادھر شہزادے کو جب یقین ہوگیا کہ باراتیوں میں سے کوئی بھی اس کے تعاقب میں نہیں تو باگھ پھرا کر، منزلیں مارتا، شہزادی سمیت آکر شہزادی کے باپ کے پاس پہنچا۔ پھر ساری بات شروع سے آخر تک اس کو بتادی۔ اس پر بادشاہ بہت خوش ہوا، اپنا تخت و تاج اس کے حوالے کیا اور خود گوشہ نشین ہوکر عمر کے بقیہ دن یادالٰہی میں گزارنے لگا۔

ادھر لال کے باپ نے ایک خواب میں دیکھا کہ اس کی پہلی رانی سر ننگا کیے بیٹھی رو رہی ہے اور کہہ رہی ہے: ''افسوس! بادشاہ سلامت! تم نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا۔'' بادشاہ چونک کر نیند سے جاگ اٹھا اور وزیر کو بلا کر تمام بات اسے بتائی۔ وزیر نے بھی بادشاہ کو ساری بات کہہ سنائی۔ بادشاہ بہت خوش ہوا، اور چاروں طرف اپنے آدمی دوڑائے کہ شہزادہ کو ڈھونڈ کر لائیں۔ جنہوں نے تھوڑے دنوں میں آکر تمام حالات سے آگہی دی۔ بادشاہ نے پھر اپنی اس رذیل رانی کو اس کے کیے کی اچھی سزا دی اور اپنا تاج وتخت لال شہزادے کے حوالے کرکے خود گوشہ نشین ہوکر بیٹھ گیا۔

☆

کوڑھی بادشاہ

ایک تھا بادشاہ، جو کوڑھ کے مرض میں ایسا مبتلا ہوا کہ دن بدن اسکے زخموں میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ ان زخموں سے ہر وقت پیپ بہتی رہتی۔ نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ اس کے وزیر، امیر امراء اور دوسرے خاص لوگ بھی اس کے پاس مجبوری کی حالت میں بیٹھتے اور جس وقت تک دربار میں بیٹھنا پڑتا تو ناک کو کپڑا لگا کر بیٹھتے اور خدا خدا کر کے وقت پورا کرتے۔ تھوڑے عرصے بعد یہ مرض اس قدر بڑھ گیا کہ اس کے لیے دربار میں بیٹھنا ہی محال ہوگیا۔ بادشاہ نے مرض سے چھٹکارا پانے کے لیے دنیا تہ وبالا کردی مگر اسے کہیں سے بھی شفا حاصل نہ ہوسکی۔ ایک دن بادشاہ جب غمزدہ بیٹھا تھا اور اللہ سے فریاد کررہا تھا کہ: ''اے مالک! یا تو صحت دے دے یا ایسے عذاب سے بہتر ہے کہ موت دے دے۔'' بادشاہ کے کے پاس ایک طوطا تھا، طوطے نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے بادشاہ سلامت سے کہا کہ: ''قبلہ سلامت! آپ نے بھی دواؤں اور دعاؤں میں کوئی کمی تو نہیں چھوڑی ہے لیکن اگر آپ مجھے اجازت دیں تو ہوسکتا ہے کہ میں جنگل بیابان، دشت وصحرا میں گھوم پھر کر کوئی ایسی دوا ڈھونڈ کر آپ کو لادوں کہ آپ یکدم اٹھ کھڑے ہوں۔'' اس پر بادشاہ سلامت نے طوطے سے کہا: ''دوسرے تو سب مجھ سے بیزار ہوچکے ہیں...... لیکن پل دو پل تجھ سے ہی حال احوال کہہ لیتا ہوں، لگتا ہے کہ اب تو بھی مجھ سے بیزار ہوگیا ہے جو ایسا بہانہ کر کے مجھ سے جان چھڑانا چاہتا ہے۔'' اس پر طوطے نے جواب دیا: ''بادشاہ سلامت! میرے پیٹ میں آپ کا نمک ہے۔ میں مرنے کے بعد ہی آپ کے گھر سے نکلوں گا۔ میں نے تو یہ صرف اس لیے کہا کہ آپ کی یہ حالت مجھ سے اور برداشت نہیں ہوتی۔'' آخر بہت منت سماجت کے بعد بادشاہ نے طوطے کو اجازت دی اور اٹھ کر اپنے ہاتھوں سے اس کے پنجرے کا دروازہ کھولا۔ طوطے نے بادشاہ سلامت سے رخصت لی اور اُڑ گیا۔

طوطا اُڑتا گیا، اڑتا گیا۔ آخرکار ایک روز طوطا ایک جلستان میں پہنچا جہاں دھواں دھار مینہ برس رہا تھا۔ مینہ سے اس کے پر بھیگ گئے اور وہ اڑنے سے لاچار ہوگیا۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا تو اُسے پاس ہی ایک شگاف دکھائی دیا۔ وہ اس میں داخل ہوگیا۔ ابھی وہ اندر داخل ہی ہوا تھا کہ ایک مینا نے اسے للکارا ''ارے او! ادھر نہ آنا، میری

کنواری لڑکی بیٹھی ہے۔'' طوطے نے یہ بات سنی تو مینا سے کہا: ''بھلا کس شرط پر مجھے اندر آنے دو گی؟'' مینا نے کہا کہ: ''اگر تم میری بیٹی سے شادی کرو تو بھلے آ جاؤ۔'' طوطے نے دل میں کہا: ''یہ برسات کا وقت تو کسی طرح گزار لوں پھر دیکھا جائے گا۔'' پس اس نے مینا کی شرط قبول کر لی۔ اس پر مینا بڑی آؤ بھگت کے ساتھ اسے اندر لے آئی اور دل میں جگہ دی۔ مینا نے اس کا حال احوال پوچھا تو اس نے بادشاہ کی بیماری کا قصہ اول تا آخر سنا دیا۔ اس پر مینا بولی: ''ہمارے بڑے بوڑھے کہتے تھے کہ مور درخت کے پھول کوڑھ کی بیماری کے لیے اکسیر ہیں۔ یہ درخت ولایت فارس میں ایک جگہ پر ہے۔ جہاں آدم زاد کا پہنچنا محال ہے۔ مگر تم فکر نہ کرو۔ میں تمہیں یہ پھول کسی بھی طرح لا کر دوں گی۔ ولایت فارس میں میرے عزیز رشتہ دار ہیں جنہیں میں اکٹھا کرنے جا رہی تھی لیکن مینہ کے باعث یہاں اس مصیبت میں پھنس گئی۔'' طوطے نے یہ بات سنی تو بہت خوش ہوا۔ اتنے میں برسات بھی بند ہو گئی۔ طوطا شگاف سے باہر نکل آیا اور اپنے پَر سکھانے لگا۔ مینا بھی اس کے پیچھے چلی آئی اور کہنے لگی: ''اب تو اپنا کیا ہوا وعدہ پورا کر۔'' اس پر طوطے نے جواب دیا: ''اگر تم مجھے مور درخت کے پھول لا دو تو پھر میں تمہاری بیٹی سے ضرور شادی کر لوں گا ورنہ تو میں جا رہا ہوں۔ کیونکہ میں اپنے بادشاہ سے وعدہ کر کے آیا ہوں کہ جب تک اس کے مرض کی دوا حاصل نہ کر لوں، چین سے نہ سوؤں گا۔'' مینا نے جو طوطے کی یہ شرط سنی تو حیران ہو گئی۔ پر مجبور ہو کر بیٹی کے ساتھ اٹھی اور ولایت فارس کی طرف روانہ ہوئی۔ کچھ دن کے بعد مور درخت کے پھول چُن کر، لا کر طوطے کے حوالے کیے۔ طوطے نے پھول قابو کیے، کچھ کہا نہ سنا اور یکدم اُڑ گیا۔ مینا نے جو طوطے کی یہ دغا بازی دیکھی تو بیٹی کو ساتھ لیا اور طوطے کے تعاقب میں اڑنے لگی۔ کافی راستہ طے کرنے کے بعد طوطے نے جو پیچھے پلٹ کر دیکھا تو دیکھتا کیا ہے کہ ''مار! مینا اور اس کی بیٹی، پیچھے زمین و آسمان ایک کرتی، اڑتی چلی آ رہی ہیں۔'' یہ دیکھ کر طوطا اور بھی برق رفتاری کے ساتھ اڑنے لگا۔ اڑتے اڑتے، ہانپتا ہانپتا، آ کر اپنے بادشاہ کی گود میں گرا۔ بادشاہ سلامت نے جو طوطے کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور اس سے کہا: ''مٹھو، ہمت ہار بیٹھے؟ سب خیر تو ہے۔'' اس پر طوطے نے جواب دیا: ''قبلہ سلامت! میرے پیچھے دو بلائیں چلی آ رہی ہیں۔ انہوں نے تو بس حد کر دی ہے۔'' اس پر بادشاہ سلامت نے طوطے کی ہمت بندھائی: ''مٹھو! فکر نہ کرو، تم یہاں محفوظ ہو۔'' بادشاہ سلامت نے طوطے سے مور درخت کے پھول لے کر نوکروں کو حکم دیا کہ: ''یکدم پانی گرم کرو، اس میں یہ پھول ڈال دو اور مجھے غسل کراؤ۔'' نوکروں نے حکم

......بادشاہ نے سارے شہر کو اطلاع کرادی کہ: 'آج رات میرا طوطا قصہ سنائے گا۔'

کی تعمیل کی۔ مور درخت کے پھولوں سے بادشاہ کو غسل کرایا۔ بس غسل کرانے کی دیر تھی کہ جو زخم جہاں تھا وہیں خشک ہوگیا اور بادشاہ کا سارا بدن گلاب کے پھول کی طرح لال ہوگیا۔ اس پر بادشاہ سلامت نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ خوب خیر خیرات کی اور خوشیاں منائی گئیں۔

ابھی یہ خوشیاں منائی جارہی تھیں کہ مینا بھی اپنی بیٹی سمیت بادشاہ کے پاس آ پہنچی اور بادشاہ کو طوطے کے وعدہ کرنے کی بات از اول تا آخر سنائی۔ بادشاہ سلامت نے مینا کی بات سنی تو طوطے کی طرف دیکھا۔ اس پر طوطے نے کہا: "سائیں میرے! میں شادی سے بیزار ہوں۔ کیونکہ آج کی بیویاں سکھ سے بیٹھنے نہیں دیتیں۔ شاید آپ نے دو بھائیوں کی کہانی نہیں سنی۔ خیر آج رات میں آپ کو یہ قصہ سناؤں گا پھر آپ خود ہی فیصلہ کرلینا۔" بادشاہ نے سارے شہر کو اطلاع کرادی کہ: "آج رات میرا طوطا قصہ سنائے گا۔" بادشاہ کا شاہی فرمان لوگوں نے سنا تو سورج غروب ہوتے ہی چیونٹیوں کی طرح آ کر جمع ہوگئے۔ رات ہوتے ہی طوطے نے بھی قصہ شروع کیا۔

کہنے لگا: "بادشاہ سلامت! دو بھائی تھے جو الگ الگ شہروں میں رہتے تھے۔ ان میں ایک خوشحال تھا اور دوسرا عیال دار۔ یہ بھائی ہر مہینے اپنے خوشحال بھائی کے پاس آتا اور اسے اپنی بدحالی کا قصہ سنا کر کچھ نہ کچھ وصول کر کے لے جاتا۔ آخر ایک دفعہ خوشحال بھائی کی بیوی بولی: "میاں! یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے جو تمہارا بھائی فضول خرچیوں میں لگا ہے۔ آخرکار ہم بھی بال بچوں والے ہیں۔ اپنے پاس ہے تو جگ پاس ہے۔" مہینہ گزر گیا تو بدحال بھائی پھر اپنے خوشحال بھائی کے پاس آیا۔ اپنی بھاوج سے ملا اور بھائی کے بارے میں پوچھا۔ اس کی بھاوج نے جواباً کہا: "بھائی! وہ تو باہر گیا ہوا ہے اور کل آئے گا۔" خیر اس رات وہ وہیں رُکا رہا۔ کھانا کھا کر آرام سے سوگیا۔ اس کی بھاوج جادو جانتی تھی۔ اس نے کیا کام کیا کہ دھاگے پر منتر پڑھا اور دیور کی گردن میں باندھ دیا۔ دھاگا باندھتے ہی وہ بیچارہ بھاوج کے سامنے بیل بنا بیٹھا رہ گیا۔

جب صبح ہوئی اور شوہر گھر آیا تو گھر میں بیل بندھا دیکھ کر بیوی سے پوچھا: "یہ بیل کس کا ہے؟" بیوی نے جواب دیا: "کل بھائی آیا تھا یہ بیل ہمیں کام کے لیے دے گیا ہے۔" یہ سن کر وہ بہت خوش ہوا۔ اگلے روز صبح سویرے اس نے اس بیل کو اپنے رہٹ میں باندھ دیا اور دن بھر اس سے کام لیتا رہا۔ پھر اسے لے کر واپس لوٹا، اس کے سامنے چارا بھوسہ ڈالا اور کھونٹے سے باندھ دیا۔

اسی طرح بہت سے دن گزر گئے۔ ایک روز خدا کا کرنا کیا ہوا کہ یہ بدحال بھائی، بیل کے روپ میں رہٹ چلا رہا تھا کہ وہاں ایک بارات آ کر پہنچی، کیونکہ یہاں سے گزرتے ہوئے انہوں نے کنواں دیکھا اور ساری بارات پانی پینے کے ارادے سے وہاں رک گئی۔ سب لوگ باری باری آ کر پانی پینے لگے۔ اچانک دلہن کے منہ سے قہقہہ نکلا۔ باراتی اسے یوں زور سے ہنستا دیکھ کر حیرت میں پڑ گئے اور اس سے ہنسنے کا سبب پوچھا، اس پر دلہن نے کہا کہ: ''یہ بیل جسے رہٹ میں چلتا دیکھ رہے ہو یہ حقیقت میں بیل نہیں، انسان ہے۔ یہ جادو کے زور سے بیل بن گیا ہے!'' دلہن کی یہ بات سن کر سب باراتی اس پر ہنسنے لگے۔ یہ دیکھ کر دلہن نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، ڈولی سے اُتری، سیدھی اس رہٹ پر پہنچی اور بیل کے گلے سے دھاگا توڑ دیا۔ بیل سب کے سامنے فوراً انسان بن گیا۔ بیل کا بھائی خود انہی لوگوں میں موجود تھا۔ وہ اسے دیکھ کر حیرت سے بولا: ''ارے، تم! میرے بھائی ہو۔'' اس پر بھائی نے کہا: ''خوب آؤ بھگت کی ہے بھائی کی!'' پھر اس نے شروع سے آخر تک اپنی بھاوج کی ساری کارستانی اسے سنا دی۔ بھائی یہ ساری بات سن کر بیوی سے بیزار ہو گیا۔ ادھر وہ دولہا جو دلہن کو شادی کر کے لے جا رہا تھا، انکاری ہو کر بیٹھ گیا۔ کہنے لگا: ''جو جادو کو پہچان سکتی ہے اور اُتار سکتی ہے اسے خود جادو کرنے میں کیا دیر۔'' آخر یہ دونوں بھائی اور تیسرا وہ دولہا، تینوں منہ اٹھائے چل دیے۔ چلتے چلتے بالآخر یہ ایک بادشاہی شہر میں جا پہنچے۔ وہاں انہوں نے ایک گھر کرائے پر لیا اور رہنے لگے۔ ان تینوں کی شرافت اور نیکنامی شہر میں مشہور ہو گئی یہاں تک کہ یہ باتیں بادشاہ کے کانوں تک بھی جا پہنچیں۔ بادشاہ نے ایک آدمی بھیج کر ان تینوں کو اپنے پاس بُلایا اور انہیں اپنے محل میں چوکیدار کے طور پر رکھ لیا۔ سال بھر گزرا ہو گا کہ بادشاہ نے انہیں شادی کرنے کا کہا۔ تینوں نے شادی کا سنا تو بادشاہ سلامت سے عرض کی: ''قبلہ سلامت! ہم شادی کرنے سے بیزار ہیں۔'' لیکن بادشاہی حکم تو بادشاہی حکم تھا، ان بیچاروں کی یعنی تینوں شریف آدمیوں کی زبردستی شادی کر دی گئی۔ اب لاچار ہو کر یہ اپنی بیویوں کے ساتھ رہنے لگے۔

بادشاہ سلامت! اب پیچھے کا بھی کچھ حال سنو! جب ان تینوں نے وہاں سے نکل دوسری بادشاہی کا قصد کیا تو نئی بیاہتا دلہن نے کیا کیا؟ سب سے پہلے تو ان دونوں بھائیوں کی بیویوں کو تلاش کر کے قابو کیا۔ پھر آپس میں صلاح مشورہ کیا اور شوہروں کو تلاش کرنے کے لیے جادو کے زور پر تینوں کالے رنگ کی مینائیں بن گئیں اور اُڑنے لگیں۔ آخر اُڑتے اُڑتے اسی بادشاہی میں جا پہنچیں جہاں ان کے شوہر رہتے تھے۔ ایک

روز یہ تینوں شوہر اپنی بیویوں کے ساتھ خوش وخرم بیٹھے تھے کہ وہی تینوں کالی مینائیں آ کر ان کے گھر کی دیوار پر بیٹھ گئیں اور اپنے شوہروں کو دوسری عورتوں کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر چیخنے لگیں۔ یہ دیکھ کر ان جیتی جاگتی عورتوں نے شوہروں سے کہا: ''ارے میاں! آپ کی پہلے بھی بیویاں ہیں کیا؟'' اس پر وہ تینوں سمجھ گئے اور بولے: ''پہلے تو ہم نے کوئی شادی نہیں کی۔'' اس پر ان بیویوں نے پھر کہا: ''یہ دیوار پر جو کالی مینائیں بیٹھی ہیں وہ کہہ رہی ہیں ''یہی ہیں! یہی ہیں!'' آخر بہت ہچر مچر کرتے ہوئے ان بیچاروں نے سچائی کا اعتراف کرلیا۔ یہ بات سن کر، بیویوں نے ان سے کہا: ''یہ تمہاری پہلی بیویاں ہیں کالی مینائیں اور اب ہم خود کو چتکبری مینائیں بناتے ہیں۔ پھر ہم ان سے لڑتے جھگڑتے جب انہیں زمین پر گرادیں تو تم ایسا کرنا کہ ان کالی میناؤں کو مار مار کر ڈھیر کردینا۔'' یہ کہہ کر وہ تینوں عورتیں زمین پر لوٹ پوٹ ہوکر چتکبری مینائیں بن گئیں اور کالی میناؤں سے لڑنے کے لیے اڑ کر اوپر پہنچیں۔ لڑتے لڑتے کالی مینائیں اور چتکبری مینائیں سب نیچے فرش پر آ گریں۔ اُس پر تینوں یار آپس میں بولے: ''کنہیں ماریں اور کنہیں چھوڑیں؟'' نیا دولہا جو نئی نویلی دلہن چھوڑ آیا تھا، چلا کر بولا: ''نہ چھوڑنا کالی نہ چھوڑنا چتکبری!'' یہ سن کر تینوں نے ہاتھوں میں ڈنڈے اٹھائے اور ساری میناؤں کو مار مار کر ڈھیر کردیا! پھر وہاں سے منہ اٹھائے کسی اور سمت کو چل پڑے۔

''سو بادشاہ سلامت! آج کی عورتوں کا یہ حال ہے لہٰذا میں ہرگز شادی نہ کروں گا۔''
طوطے کی یہ بات سن کر بادشاہ نے مینا کی طرف دیکھا۔ اس پر مینا نے عرض کیا: ''بادشاہ سلامت! آپ نے شاید سوداگر اور اس کی بیوی والا قصہ نہیں سنا! جس میں عورت کی وفاداری کی بڑی تعریف کی گئی ہے...... یہ قصہ میں کل رات آپ کو سناؤں گی۔ پھر آپ خود ہی فیصلہ کر لینا!'' جب خیر سے دوسری رات آئی اور خلق خدا آ کر اکٹھی ہوگئی تو مینا نے قصہ شروع کیا۔

''بادشاہ سلامت! ایک تھا سوداگر، جسے قدرت نے ایسی بیوی عطا کی تھی کہ کسی بادشاہ کے گھر میں بھی ایسی حسین وجمیل، اور دور ونزدیک کہیں بھی ایسی مہ جبین عورت نہ تھی۔ اسے خدا نے جس قدر حسن عطا کیا تھا اسی قدر شرافت بھی بخشی تھی۔ لیکن وہ سوداگر دل کا بہت شکی تھا۔ اسی لیے وہ بیوپار کے لیے بھی کبھی کبھار ہی نکلتا ورنہ جاتا ہی نہیں۔ یہ دیکھ کر ایک بار اس کی بیوی نے کہا: ''میاں تم کاروبار بھی کرتے، آخر کتنے دن بیٹھ کر کھاؤ گے۔ اگر تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے تو ایسا کرو کہ میں تمہیں دودھ سے سفید رنگ کے کپڑے دھو کر ان میں اپنی پاکدامنی کا کلف لگا کر دے دیتی ہوں۔ تم ان کپڑوں کو پہن کر، جس دیس میں چاہو، جا کر اپنا کاروبار کرو۔ جب بھی، کہیں بھی، ان کپڑوں کو کوئی داغ لگے تو تم سمجھنا کہ میں نے تم سے بیوفائی کی ہے۔'' اسی طرح اونچ نیچ سمجھا کر، اتار چڑھاؤ کی باتیں کر کے، بالآخر شوہر کو بیوپار کے لیے پردیس جانے پر تیار کیا۔ سوداگر سامان سے بیڑا بھر کر سفر پر روانہ ہوا۔

سفر کرتے کرتے آخرکار، ایک بادشاہی میں جا پہنچا اور محصول ادا کرنے کے خیال سے بیڑے کو بندرگارہ پر کھڑا کیا۔ وہاں کی شہزادی کا قانون تھا کہ کوئی بھی سوداگر وہاں آتا تو شہزادی کے ساتھ چوپڑ ضرور کھیلتا۔ اگر یہ کھیل سوداگر جیت جاتا تو اسے محصول وغیرہ بھرنے سے بری کر دیا جاتا اور اگر ہار جاتا تو عمر بھر شہزادی کے پاس نظر بند رہتا۔ اس کا بیڑا بھی سامان سمیت ضبط کر لیا جاتا۔

آخر یہ سوداگر بھی شہزادی کے ساتھ چوپڑ کھیلنے لگا۔ کھیل شروع ہوا لیکن سوداگر بازی ہار گیا۔ شہزادی نے اپنی باندی کو حکم دیا کہ: ''سوداگر کو اندھیری کوٹھری میں بند کر دیا جائے اور اس کا بیڑا مال سمیت ضبط کر لیا جائے۔'' حکم ملتے ہی سوداگر کو اندھیری کوٹھری میں بند کر دیا گیا اور اس کا سارا بیڑا، تمام مال سمیت ضبط کر لیا گیا۔ ابھی بمشکل دو تین دن گزرے ہوں گے اسی شہزادی کے پاس ایک تیلی آیا اور اس سے ایک غلام خریدا۔ تیلی کو اسی کوٹھری میں لے

جایا گیا جہاں یہ سوداگر اور شہزادی کے دوسرے قیدی بند تھے۔ تیلی انہیں دیکھتا گیا۔ پھر ان تمام قیدیوں میں سے اس سوداگر کو کچھ اچھا صحت مند پاکر منتخب کرلیا۔ اسے لے کر آیا اور اپنی گھانی میں جُوت چھوڑ دیا۔ اس طرح اس گھانی پر کام کرتے کرتے، سوداگر کو مہینہ بھر گزر گیا۔ اس ملک کا بادشاہ روزانہ اس رستے سے گزرتا تھا اور اس سوداگر کا کپڑا روزانہ سفید براق دیکھتا تھا۔ روزانہ اسی طرح دیکھتے ہوئے ایک دن بادشاہ کے دل میں خیال گزرا: ''ضرور ان سفید اُجلے کپڑوں کا کوئی سبب ہوگا۔ ورنہ ایسے گندے کام میں کپڑے صاف ستھرے سفید کیسے رہ سکتے ہیں۔'' پس اس نے ایک کٹنی کو فوراً بلایا اور کہا: ''فلاں گھانی پر ایک آدمی ہے۔ جس کے کپڑے ہمیشہ اُجلے ہوتے ہیں۔ تو جا اور اس بھید کا پتہ کر کے آ، کہ اس کا سبب کیا ہے!''

کٹنی بادشاہ سلامت کی یہ بات سنتے ہی فوراً اُدھر روانہ ہوئی اور سوداگر سے لگی لپٹی باتیں کر، آخر اپنے مطلب پر آ گئی اور اس سے اس کے کپڑوں کے ہمیشہ اُجلے رہنے کا سبب پوچھا۔ سوداگر نے اس کے فریب میں آ کر، از اول تا آخر اپنی بیوی کی بات کہہ سنائی۔ وہاں سے اٹھ کر کٹنی، بادشاہ کے پاس پہنچی اور اسے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ یہ سن کر بادشاہ نے اسے حکم دیا کہ: ''مہینے بھر کے اندر اندر اس عورت کو لاکر میرے سامنے پیش کرو!'' یہ کہہ کر، کٹنی کو سامان سے لدا بیڑا دیا اور بیوپار کے بہانے روانہ کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں یہ کٹنی، سوداگر کے ملک میں جا پہنچی اور سوداگر کی بیوی کو تلاش کر کے قابو کیا، اس سے کہنے لگی: ''بیٹی، تیرے سوداگر شوہر نے ہماری بادشاہی میں، شہزادی کے ساتھ چوپڑ کھیلتے، خود کو قید کرالیا ہے۔ اب وہ ایک تیلی کا کولہو چلاتا ہے۔ اس نے مجھے بھیجا ہے کہ میری خبر جاکر میری بیوی کو سنادو اور اسے یہاں لے آؤ۔'' سوداگر کی بیوی بہت عقلمند تھی اسے گمان گزرا کہ اس میں ضرور کوئی بھید ہے۔ لہٰذا دل میں بات رکھ کر، اس کٹنی سے بولی: ''کل صبح پَو پھٹے، اپنے سارے نوکر لے کر یہاں آجانا، تاکہ میرا سامان اٹھا کر بیڑے پر لادھ دیں، پھر میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔'' یہ سن کر کٹنی دل میں بہت خوش ہوئی۔ ادھر سوداگر کی بیوی نے کیا کام کیا کہ اپنے آدمی اندر بٹھا دیے۔ ابھی بمشکل پَو پھٹی تھی کہ کٹنی اپنے تمام نوکر لے کر آ گئی۔ ابھی وہ سوداگر کے گھر کے اندر داخل ہوئے ہی تھے کہ سوداگر کی بیوی کے چھپائے ہوئے آدمی ان پر ٹوٹ پڑے، سب کو ہلاک کر کے، صندوقوں میں بند کیا اور دریا بُرد کر دیا۔

پھر سوداگر کی بیوی نے مردانہ لباس پہنا۔ کٹنی کے بیڑے پر سوار ہوئی۔ بیڑے کو واپس پلٹایا۔ آخر تھوڑے دنوں میں اس بادشاہی میں آ پہنچی جہاں اس کا شوہر مصیبت میں گرفتار تھا۔ وہاں اُترتے ہی سوداگر کی بیوی نے پوچھ گچھ کی کہ شہزادی کس نمونے سے کھیلتی

ہے۔ اس پر لوگوں نے اسے بتایا کہ: ''شہزادی چوپڑ کھیلتے وقت ایک دیا جلادیتی ہے اور اس دیے کی روشنی میں کھیل، کھیلتی ہے!'' سوداگر کی بیوی کو بڑا تعجب ہوا کہ شہزادی آخر دیا جلاتی کیوں ہے اور دیا جلا کر کیوں کھیلتی ہے؟ نہ صبح کے وقت کھیلتی ہے اور نہ آگ پر، نہ شمعدان پر، بس کھیلتی ہے تو ایک دیے پر! اور پھر ہمیشہ وہی جیتتی ہے۔ اس میں ضرور کوئی راز چھپا ہوا ہے!'' آخر سوچتے، پوچھتے پتہ کرتے، وہ سب کچھ سمجھ گئی کہ اصل معاملہ کیا ہے؟ وہ بات بادشاہ سلامت یہ تھی کہ شہزادی نے دو چوہے پالے ہوئے تھے۔ جنہیں، کھیلنے کے وقت وہ اپنی بغلوں میں چھپا کر بیٹھتی تھی۔ اب اگر سامنے والے کا چھکا آتا تو اِدھر شہزادی کا ایک چوہا جا کر دیا بجھا دیتا اور دوسرا چوہا جا کر چھکے کو چوکے سے بدل دیتا۔ اس طرح سے شہزادی نے بیشمار سوداگروں کو ٹھگ لیا تھا۔ اب جو سوداگر کی بیوی نے اس کی حرفت سمجھ لی تو کیا کیا کہ بلی کے دو بلونگڑے فوراً منگائے اور پھر دستور کے مطابق شہزادی کے ساتھ چوپڑ کھیلنے گئی۔ کھیلتے کھیلتے جب سوداگر کی بیوی کا چھکا لگا تو شہزادی نے فوراً اپنے چوہوں کو چھوڑ دیا۔ سوداگر کی بیوی نے بھی یکدم اپنے بلونگڑے چھوڑ دیے جنہوں نے فوراً چوہوں کو پکڑ لیا۔ اور شہزادی کھیل میں ہار گئی۔ پھر سوداگر کی بیوی نے شہزادی سے کہا کہ جو بھی سوداگر تیرے پاس قید ہیں انہیں فوراً آزاد کر۔ شہزادی نے جواب دیا کہ 'اب وہ سب نظر بند سوداگر تمہارے حوالے ہیں۔ تم جو فیصلہ کرو تمہیں اختیار ہے۔' پھر سوداگر کی بیوی نے سب سوداگروں کو بلایا اور آزاد کر دیا اور کٹنی کے بتائے ہوئے پتہ پر اپنے شوہر کو بھی تلاش کر کے ساتھ لیا اور اس کے بدلے تیلی کو پیسہ دیا تاکہ وہ اسے آزاد کردے۔ تیلی سے سوداگر کو آزاد کرا کے، یہ بیوی اور شوہر دونوں واپس وطن لوٹے تھوڑے بہت دن کے سفر کے بعد، خیر سے اپنے وطن آپہنچے۔

''تو سائیں! ایسی بھی تو عورتیں ہیں جو اپنے شوہروں کو نئی زندگی دے دیتی ہیں۔''

بادشاہ سلامت نے مینا کی بات سن کر طوطے کی طرف دیکھا۔ آخرکار مینا سے کہنے لگا: ''مائی مینا! تیرا مجھ پر بہت احسان ہے پر میں کروں کیا؟ زبردستی کی مہندی تو تم بھی جانتی ہو لگتی نہیں اور اگر لگتی ہے تو رنگ نہیں دیتی۔ باقی تو اپنی بیٹی سمیت میرے پاس رہ، مجھ سے جو خدمت ہوسکی تمہاری خدمت کرتا رہوں گا۔ ہوسکتا ہے کبھی طوطے کا دل کرے اور وہ تیری کالی کلوٹی حسین بیٹی کو اپنالے!'' اس پر مینا غصے سے آگ بگولا ہوگئی اور بیٹی سمیت جدھر سے آئی تھی ادھر کو چل دی۔ پھر بادشاہ سلامت اپنے طوطے کے ساتھ اور اپنے راج بھاگ کے ساتھ خوب خوش وخرم زندگی گزارنے لگا۔

☆

کدو شہزادہ

ایک بادشاہ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ آخر بڑی منتوں مرادوں کے بعد اس کے ہاں ایک بیٹی ہوئی۔ جسے اس نے بڑے پیار کے ساتھ پالا۔ جب شہزادی بڑی ہوئی تو بادشاہ نے اس کے لیے دریا کے کنارے بہت حسین محل بنوادیا جس میں شہزادی اپنی سنگی سہیلیوں کے ساتھ رہنے لگی۔ وہ اس قدر نازک بدن تھی کہ روزانہ سونے کے ترازو میں فقط ایک گلاب کے پھول میں تُلتی تھی۔

ایک دفعہ، وہ اپنی ساتھی سہیلیوں کے ساتھ تالاب پر نہانے گئی۔ اس تالاب کے کنارے کدو کی کتنی ہی سبز خوبصورت بیلیں پھیلی ہوئی تھیں۔ جن میں پیلے پیلے خوبصورت پھول کھلے ہوئے تھے۔ نہاتے نہاتے ایک پھول کی طرف شہزادی کا دل راغب ہوگیا۔ وہ پھول ٹوٹ کر تالاب میں گرا، پھر تیرتا تیرتا، شہزادی کے پاس آ گیا، اور اتفاق سے شہزادی کے منہ میں چلا گیا۔ پھر شہزادی نہا دھو کر محل میں واپس لوٹ آئی۔

کچھ دن گزرے تو شہزادی کی تول ایک پھول سے بڑھ کر دو پھول ہوگئی۔ اگلے دن تین پھول۔ اس طرح شہزادی کا تول بڑھتے بڑھتے پھولوں کی پوری ٹوکری تک پہنچ گیا اور پھر بھی ہر دن شہزادی کے وزن میں ایک، ایک پھول کا اضافہ ہوتا گیا۔ اس پر مالن نے شہزادی سے کہا: ''سائیں! خیر تو ہے۔ آپ کا وزن تو بڑھتا ہی جا رہا ہے!'' شہزادی خود بھی حیران تھی کہنے لگی: ''مجھ سے پوچھتی ہو! مجھے کیا خبر!''

مالن سیدھی بادشاہ کے پاس پہنچی اور اسے ساری بات سے آگاہ کیا۔ بادشاہ مالن کے منہ سے ایسی بات سن کر سیدھا بیٹی کے پاس آیا۔ بہتیرا ہی پوچھا گچھا۔ پر بیچاری شہزادی کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

تھوڑے دن بعد معلوم ہوا کہ شہزادی دو جی سے ہے۔ ایک نے سنی دوسری سے کہی، ہوتے ہوتے چاروں طرف بات پھیل گئی۔ اب جو یہ بات بادشاہ کے کانوں تک پہنچی، بادشاہ کو بھی صدمہ ہوا، غصہ بھی آیا۔ پھر بہت سوچتے سوچتے بالآخر شہزادی کو کہلوا دیا کہ: ''راتوں رات، محل چھوڑ کر جدھر منہ اٹھے چلی جاؤ۔''

شہزادی بیچاری نے باپ کا حکم سنا، آدھی رات کو محل چھوڑ، اپنی بدنصیبی پر روتی، جنگل کو روانہ ہوگئی۔ چلتے چلتے صبح ہوگئی اور شہزادی تھک گئی۔ وہ خوفزدہ سی ادھر ادھر دیکھنے

لگی۔ دیکھتی کیا ہے کہ ہر طرف جنگل بیابان ہے! آخر دُور پرے، سرسبز درختوں کا جھنڈ اور ایک جھونپڑی دکھائی دی۔ شہزادی لاچار اس جھونپڑی میں داخل ہوئی۔ جھونپڑی میں دو میاں بیوی رہتے تھے۔ وہ ایسی حسین خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ پاس بٹھا کر اس سے حال احوال پوچھا۔ اس پر شہزادی نے بتایا: ''ویسے تو میں شہزادی ہوں مگر اس وقت میرا کوئی بھی نہیں ہے۔ تمہارے پاس پناہ لینے آئی ہوں۔ اب یہیں زندگی کے بقیہ دن گزاروں گی!''

پھر شہزادی کی آنکھوں سے آنسو زار وقطار بہنے لگے۔ اس کی حسین صورت اور بیکسی کو دیکھ کر دونوں میاں بیوی کو رحم آ گیا، کہنے لگے: ''اے شہزادی، تو فکر نہ کر۔ آج سے تو ہماری بیٹی ہے۔ جو ہمارا غریبانہ حال ہے اس میں تمہیں بھی شامل کرلیں گے اور گزار لیں گے۔'' ان کی دلداری سے شہزادی کی آنکھوں سے آنسو بہنے بند ہوگئے اور وہ وہیں رہنے لگی۔

کچھ دن بعد شہزادی کے ہاں ایک گول مول چھوٹا سا کدو پیدا ہوا۔ بوڑھی عورت بیچاری یہ دیکھ کر بڑی حیران ہوئی۔ شہزادی کو بتایا تو اس نے کہا: ''کدو کا کیا کریں گے؟ لے جا کر کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دو!''

بوڑھی عورت کدو کو لے جا کر کوڑے کے ڈھیر پر پھینک آئی۔ ابھی وہ واپس آئی ہی تھی، دیکھتی کیا ہے کہ وہی کدو ٹھک ٹھک لڑھکتا، آ کر گھر میں داخل ہوا۔ اسے دوبارہ ڈھیر پر پھینک دیا، وہ پھر ٹھک ٹھک کرتا واپس وہیں آ گیا۔ اس پر شہزادی کا دل بھر آیا اور اس نے کدو کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔

جب جاگتے جاگتے سب سو چکے ہوتے اور شہزادی کی بھی آنکھ لگ جاتی تو کدو کو بھی ماں کے پہلو میں نیند آ جاتی۔ صبح شہزادی ابھی سوئی ہوئی ہوتی کہ کدو سویرے آنکھیں کھولے، بولیاں بولنے لگتا۔ اس طرح آج چھوٹا کل بڑا، جب کدو جوان ہو گیا تو اسے ڈھور ڈنگر لے کر دے دیے جنہیں وہ چرانے لگا۔ جنگل میں وہ چرواہوں سے لڑتا جھگڑتا رہتا۔ انہیں پٹخنی دیتا اور اچھی نصیحت لگاتا۔ پر اس کی ایک عادت تھی کہ دوسروں کے سامنے کبھی بھی تالاب میں نہانے نہ جاتا۔ کیونکہ جب وہ تالاب میں نہانے جاتا تو 'کدو' کا 'پردہ' اُتر کر وہ ایک حسین خوبرو شہزادہ بن جاتا اور دیر دیر تک وہ پھول کی طرح پانی پر تیرتا رہتا۔

ایک دن ایسے تالاب پر یہ کدو کا پردہ اُتار، اکیلا نہا رہا تھا کہ اس ملک کی شہزادی، جو اپنی سہیلیوں کے ساتھ سیر وشکار کو نکلی تھی، اس نے اسے دیکھ لیا اور اس پر عاشق ہو گئی۔ یہ تو نہا دھو، کدو کا پردہ پہن کر واپس اپنے گھر آ گیا لیکن شہزادی اپنے باپ سے کہنے لگی: ''میں شادی کروں گی تو کدو کے ساتھ۔'' بادشاہ نے اپنی بیٹی کی خواہش پوری کرنے کے لیے اسے آٹھ دس کدو بھجوا دیے۔ شہزادی نے کدو واپس کرتے ہوئے باپ کو کہلوا بھیجا کہ: ''ان کدوؤں سے میرا کیا واسطہ! مجھے تو چلنے پھرنے والا کدو چاہیے۔''

بادشاہ حیران ہو گیا اور اسے فکر ہو گئی کہ: ''شہزادی پاگل ہو گئی ہے؟ کیا کوئی چلتا پھرتا کدو ہو گا؟'' پھر پوچھ گچھ سے پتہ چلا کہ واقعی ایک ایسا کدو ہے۔ بادشاہ نے اسے بلایا اور شہزادی کی طرف بھیج دیا۔ شہزادی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور اپنے باپ سے کہلا دیا کہ: ''میں اس سے شادی کروں گی۔'' بادشاہ نے سن کر قہقہہ لگایا، بولا: ''بیٹی پاگل ہو گئی ہے کیا؟ کدو سے بھی کسی نے شادی کی ہے جو تو کرنا چاہتی ہے۔'' شہزادی بولی: ''کچھ بھی ہو، میں تو اسی سے شادی کروں گی۔'' یہ بات پورے شہر میں پھیل گئی۔ ہر کوئی ہنس رہا تھا کہ ''شہزادی کدو کے ساتھ شادی کر رہی ہے!''

بادشاہ نے اپنے امیروں، وزیروں سے صلاح مشورہ کیا، انہوں نے کہا: ''بادشاہ سلامت، شہزادی تو ہے بچی، جیسے کسی گڈے سے شادی کر دیکھیں، سو شہزادی کی خواہش

پوری کردیں پھر دیکھیئے کہ شہزادی فوراً اس سے بیزار ہوکر، کیسے اسے اٹھاکر پھینکتی ہے۔"
بالآخر شہزادی کی کدو کے ساتھ شادی ہوگئی۔

ایک دن بادشاہ کے پاس ایک ایلچی آیا، بولا: "تم نے اس بار خراج ادا نہیں کیا ہے۔ اب یا تو خراج ادا کرو یا جنگ کے لیے تیار ہوجاؤ۔" بادشاہ نے وزیروں سے صلاح مشورہ کیا کہ: "اب کیا کرنا چاہئے؟"

وزیروں نے صلاح دی کہ کدو کو اس جنگ پر بھیج دیں۔ اگر فتح کر کے لوٹا تو ساری عمر خراج ادا کرنے سے جان چھوٹ جائے گی اور اگر مارا گیا تو شہزادی کا یہ پاگل پن اُتر جائے گا۔" بادشاہ جسے شہزادی کی فکر لگی رہتی تھی، اسے یہ بات بہت پسند آئی۔ اس نے ایلچی سے کہا: "خراج ادا کرنے کے دن گزر گئے، اگر تمہارے بادشاہ کا ارادہ جنگ کرنے کا ہے تو ہم تیار ہیں۔" ایلچی روانہ ہوگیا اور بادشاہ جنگ کی تیاری کرنے لگا۔ جب جنگ کا وقت نزدیک آیا تو بادشاہ نے کدو سے کہا: "اب تم جنگ پر جانے کو تیار ہوجاؤ۔"

بالآخر کدو لشکر لیے میدان میں نکلا اور اپنے سارے لشکر سے بولا: "کوئی آدمی بھی جنگ نہ کرے۔ میں اکیلا ہی ان کے لیے کافی ہوں۔" یہ کہہ کر دشمن کے لشکر میں گھس گیا۔ جو بھی اس پر وار کرتا تو اسے وار لگتا ہی نہیں اور اگر لگتا بھی تو کوئی اثر نہ ہوتا۔ اور یہ ٹَل دے کر کسی کا ماتھا پھوڑتا کسی کے پہلو کاٹ ڈالتا، کسی کی ٹانگ صاف تو کسی کا بازو۔ اس طرح اس نے بیشمار لوگ مار ڈالے، یہاں تک کہ بالآخر ان کے سردار کو پکڑ لیا۔ دشمن کی فوج سمجھی "خدا جانے یہ کیسی غیبی آفت ہے، اس سے کون بچے، کیسے بچیں گے۔" سو الٹے پاؤں وہ سب بھاگے کھڑے ہوئے۔ اب کدو، لشکر کے سردار کو گردن سے پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے آیا۔ یہ دیکھ کر بادشاہ بہت خوش ہوا۔

کدو جنگ جیت کر محل میں آیا اور آکر اپنی شہزادی سے ملا۔ رات ہوئی تو سب آرام کرنے لگے۔ کدو نے بھی خود کو چھپانے والی پوشاک اتاری اور سوگیا۔ کدو کے پردہ اتار دینے سے سارے محل میں شعاعیں پھیل گئیں اور محل روشن ہوگیا۔ فتح کی شادمانی میں جو لوگ جاگ رہے تھے انہوں نے جو یہ روشنی دیکھی تو سمجھے کہ محل میں آگ لگ گئی ہے۔ وہ دوڑتے ہوئے بادشاہ کے پاس پہنچے۔ بادشاہ خود بھی حیران رہ گیا اور سیدھا محل میں پہنچا۔ آکر دیکھتا کیا ہے کہ شہزادی کے پہلو میں ایک حسین خوبرو شہزادہ سو رہا ہے اور سرہانے کدو والا پیلا پردہ رکھا ہوا ہے۔ بادشاہ اپنے ایسے پریزاد داماد کو دیکھ کر بہت خوش

ہوا اور لوگوں کو بتایا کہ: ''یہ آگ نہیں ہے پر میرے پریزاد داماد کے حسن کی تجلی ہے۔'' یہ سن کر تمام لوگ واپس چلے گئے۔

کدو، رات کو پردہ اتار کر سوتا تھا اور دن کو پہن لیتا۔ شہزادی کو یہ بات پسند نہ آئی۔ اس نے کیا کیا کہ ایک رات کدو کا پردہ جلا ڈالا۔ کدو نے جو صبح اٹھ کر دیکھا تو پردہ موجود ہی نہیں۔ شہزادی سے پوچھا تو بولی: ''وہ تو میں نے جلا دیا۔'' یہ سن کر اسے غصہ بھی آ گیا، یکدم لوٹ پوٹ کر کبوتر بنا اور اڑ گیا۔ جاتے وقت شہزادی سے کہتا گیا کہ: ''میرا پردہ تو تم نے جلادیا اب تم بھی ساری عمر جلتی سلگتی رہو گی۔'' کہتے ہیں کہ اس کے بعد شہزادی کبوتروں کو بہت چاہتی تھی اور جب بھی دیکھتی، تالاب پر کدوؤں کے پھولوں کی طرف بیٹھی دیکھتی رہتی اور یونہی بیٹھی ہر دم ٹھنڈی سانسیں بھرتی رہتی۔

سورج شہزادہ، چاند شہزادہ

ایک تھا بادشاہ، جس کی دو رانیاں تھیں، پر اولاد ایک بھی نہ ہوئی تھی۔ بہتیرے فقیروں پیروں کو آزمایا دل کی مراد کہیں پوری نہ ہوئی۔ ایک دفعہ اچانک ہی ایک فقیر آیا جس نے بادشاہ کے لیے دعا کی اور دو بیر دیے اور کہا: ''جا کر رانیوں کو کھلا دو، تو دو فرزند ہوں گے، ان میں ایک بیٹا تمہارا، ایک بیٹا میرا۔'' بادشاہ بہت خوش ہوا اور فقیر کی بات قبول کر لی۔ دونوں رانیوں کو آ کر ایک ایک بیر کھلایا۔ دن گزرنے کے بعد دونوں رانیوں سے دو بیٹے ہوئے۔ جن میں ایک کا نام 'سورج' اور دوسرے کا نام 'چاند' رکھا۔ ان میں سے ایک کو چھپا کر تہہ خانے میں رکھ کر پالنے لگے۔ تاکہ فقیر کو بیٹا دینا نہ پڑے۔

فقیر کو تو پہلے ہی خبر تھی۔ جب بہت دن گزر گئے تو فقیر بادشاہ کے پاس آیا اور اسے وعدہ یاد دلایا۔ اس سے ایک بیٹا مانگا۔ بادشاہ نے فقیر سے کہا: ''میرے ہاں تو پیدا ہی ایک بیٹا ہوا ہے۔'' اس پر فقیر نے کہا: ''تہہ خانے والا لڑکا پھر کس کا ہے؟'' بادشاہ نے دیکھا کہ فقیر کو سب معلوم ہے لہٰذا تہہ خانے والا چاند شہزادہ لا کر فقیر کے حوالے کیا۔ چلتے وقت چاند نے اپنے بھائی سورج کو اپنی انگوٹھی دے کر کہا: ''جس وقت اس کا نگینہ کالا پڑ جائے تو سمجھ لینا کہ میری خیر نہیں۔''

جب شہزادہ چلنے لگا تو ایک باندی تھی جو رو بھی رہی تھی اور ہنس بھی رہی تھی۔ یہ دیکھ کر شہزادے نے باندی سے پوچھا: ''تم کیوں رو بھی رہی ہو ہنس بھی رہی ہو؟'' اس پر باندی نے کہا: ''رو اس لیے رہی ہوں کہ یہ فقیر جادوگر ہے۔ اس کے پاس تیل کا کڑھاؤ ہے جس کے گرد تجھے پھیرے کراتے ہوئے اس میں دھکا دے کر مار ڈالے گا۔ لیکن تم خبردار ہو جاؤ۔ اُس وقت فقیر سے کہنا 'آگے گرو پیچھے چیلا' پھر موقع پا کر اس کو کڑھاؤ میں دھکا دے دینا تاکہ وہ اس میں جل کر مر جائے۔ اسی لیے ہنس رہی ہوں۔''

پھر فقیر کے پیچھے چلتا شہزادہ سورج غروب ہونے کے وقت فقیر کے گھر پہنچا۔ فقیر نے کہا: ''شہزادہ! یہ شام کا وقت ہو رہا ہے۔ پہلے تم اس کڑھاؤ کے گرد سات چکر لگاؤ پھر آ کر میرے پاس بیٹھو تاکہ استاد کے دیے میں سے کچھ حصہ ملے۔'' شہزادے نے کہا: ''فقیر سائیں! یہ تو سچ ہے پر آگے گرو پیچھے چیلا۔'' پھر آگے فقیر اور پیچھے شہزادہ اس کڑھاؤ کے چاروں طرف پھیرا لگانے لگے۔ شہزادے نے جیسے ہی موقع پایا تو اندازے

سے فقیر کو دھکا دے کر کڑھاؤ میں گرا دیا۔ گھڑی بھر میں فقیر جل کر کوئلہ ہوگیا۔ پھر چاند شہزادہ فقیر کے مکان میں داخل ہوا۔ وہاں دو گھوڑے سجے سنورے تیار کھڑے تھے دونوں بندھے تھے۔ ان میں سے ایک کو لے کر اس پر سوار ہوا اور ہوا ہوگیا۔ وہ ایک شہر میں جا پہنچا۔ وہاں کے بادشاہ کی بیٹی، جو اس وقت محل کے دریچے میں کھڑی تھی اس نے جب دور سے چاند شہزادے کو دیکھا تو اس پر عاشق ہوگئی اور باندی سے بولی: ''اس گھوڑے والے شخص کو یہاں میرے پاس لے آؤ۔'' باندی دوڑی ہوئی چاند شہزادے کے پاس پہنچی اور شہزادی کے پاس چلنے کو کہا۔ لیکن شہزادے نے انکار کردیا اور سیدھا جا کر شہر کے باہر ایک باغ میں اترا۔

صبح سویرے شہزادی نے اپنے باپ سے کہا: ''میں دیکھ کر بَر پسند کروں گی۔'' بادشاہ نے یہ بات قبول کرلی، اور ملکوں ملک فرمان پہنچا دیا کہ:

''مہینے کی چودھویں رات، شاہی باغ میں، تالاب کے کنارے شہزادی سیر کو نکلے گی اور وہاں دیکھ کر اپنا بَر چنے گی۔''

پھر جب وہ دن آیا تو سورج غروب ہوا، رات آئی، ملک ملک کے شہزادے وہاں جمع ہوئے اور چاند شہزادہ بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو، وہاں آ کر اترا۔ شہزادی بھی چلتی پھرتی گئی اور جا کر چاند شہزادے کے گلے میں ہار ڈال دیا۔ پھر بڑی دھوم دھام سے ان دونوں کی شادی ہوگئی۔

شہزادی، چاند شہزادے کو اپنے ملک کی باتیں بتاتے بتاتے کہنے لگی:

''اس ملک کے تینوں طرف جب اور جیسے چاہو جاؤ، گھومو پھرو، سیر شکار کرو پر چوتھی طرف بھول کر بھی نہ جانا کیونکہ نقصان کا اندیشہ ہے۔''

شہزادی کی بات دل میں رکھے چاند شہزادہ روزانہ شکار پر چلا جاتا۔ کبھی کسی طرف، کبھی کسی طرف، پر چوتھی طرف کا کبھی خیال بھی نہ کرتا۔ ایک دفعہ دل میں خیال آیا وہ اٹھ کر چوتھی طرف روانہ ہوا۔ چلتے چلتے اچانک اس کا گھوڑا کھڑا ہوگیا۔ بہتیری ایڑھ لگائی، لگام کھینچی، ادھر ادھر کیا پر گھوڑا تھا کہ چلنے کو تیار ہی نہ تھا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ سامنے دو حسین شہزادیاں، ہاتھ میں ہاتھ دیے راستے پر کھڑی ہیں۔ چاند شہزادہ گھوڑے سے اُترا، شہزادیوں نے اس کو اشارہ دیا اور وہ بے بس ہوکر پیچھے چل دیا۔ چلتے چلتے ان کے گھر پہنچے۔ شہزادیوں نے کہا: ''تم اب ہمارے قبضے میں ہو لیکن ہم چوپڑ کھیلیں گے۔ پھر

اگر تم ہم میں سے ایک سے بھی جیت گئے تو ہم تمہاری ہیں۔ اگر نہیں تو تم ہمارے غلام بن کر رہو گے۔'' اس نے یہ شرط قبول کر لی اور چوپڑ کھیلنا شروع کی۔ یہ شہزادیاں دراصل جادوگرنیاں تھیں۔ ان کے پاس چوہے پلے ہوئے تھے۔ جو اندھیرے میں آ کر پانسہ پلٹ دیتے تھے۔ انہوں نے شہزادے کے ساتھ بھی یہی کیا اور چوپڑ میں ہرادیا۔ پھر اپنے قول کے مطابق جادوگرنیوں نے شہزادے کو سوئی چبھوئی، دنبہ بنایا اور اپنے پاس رکھ چھوڑا۔ ادھر چاند شہزادے کا بھائی سورج شہزادہ ہر روز انگوٹھی کو دیکھا کرتا۔ ایک روز جو اس نے انگوٹھی کو دیکھا تو اس کا نگینہ پورا کالا پڑ چکا تھا۔ اسے یقین ہوگیا کہ بھائی چاند ضرور کسی مصیبت میں پھنس چکا ہے اور مدد کے لیے پکار رہا ہے۔

یہی سوچ کر شہزادہ اپنے بھائی کی تلاش میں چل دیا۔ چلتے چلتے وہ وہیں سے گزرا جہاں سے چاند شہزادے نے گھوڑا لیا تھا۔ سورج شہزادے نے وہاں کھڑا دوسرا گھوڑا لیا، اس پر سوار ہوا، اور آگے روانہ ہوا۔ چلتے چلتے، پوچھتے پوچھتے سیدھا اس شہر میں جا پہنچا جہاں اس کے بھائی چاند شہزادے نے شادی کی تھی۔ شہزادے، دونوں بھائی ایک جیسی صورت کے تھے۔ اس لیے سبھی کہتے تھے کہ: ''چاند شہزادہ اللہ جانے کہاں سے آ نکلا ہے، اور اتنے دنوں پتہ نہیں کہاں تھا!'' سورج شہزادہ بھی پوچھتا ہوا اپنی بھابھی کے محل میں جا پہنچا۔ رانی نے اس کی خوب خاطر تواضع کی۔ دونوں بھائیوں کا چہرہ بالکل ایک جیسا تھا اس لیے رانی سمجھی کہ اس کا شوہر چاند شہزادہ آ گیا ہے۔ رات ہوئی تو رانی اسے اپنا شوہر سمجھ کر اس کے ساتھ سوگئی۔ سورج شہزادے نے کہا: ''میں نے ایک وعدہ کیا ہے لہٰذا کچھ دن، رات کے وقت میں کسی کے ساتھ ملاقات نہیں کرسکتا۔'' شہزادی کو اس کی بات پر اعتبار آ گیا اور بولی: ''جیسی تمہاری مرضی۔''

صبح ہوئی تو سورج شہزادہ شہر میں گیا اور جا کر ایک بوڑھی عورت کے صحن میں اُترا، اور اس سے اپنے بھائی کے بارے میں پوچھ گچھ کی۔ بڑھیا نے کہا: ''تیرا بھائی شکار کے خیال سے اس ملک کی چوتھی طرف، جس کے لیے اسے منع تھا، گیا ہے۔ پر وہاں جادوگرنیاں اور ان کے پالے ہوئے چوہے رہتے ہیں جو چوپڑ کھیلتے ہوئے ہمیشہ چھکا پھرادیتے ہیں اور بازی ہمیشہ جادوگرنیاں جیت لیتی ہیں۔ پھر جنہیں بازی ہراتی ہیں انہیں جادو کے زور سے دنبہ بنا کر اپنے پاس رکھ لیتی ہیں۔ سو تمہارے بھائی سے بھی وہ شرط جیت گئی ہوں گی اور دوسروں کی طرح وہ بھی ان کے جال میں پھنس چکا ہے۔ اب تم ایسا کرو کہ ایک بلی پالو اور پھر جا کر ان جادوگرنیوں کے ساتھ کھیلو۔ پھر دیکھو کہ تم سے کیونکر

جیت سکتی ہیں!'' پھر سورج شہزادے نے ایک بلی حاصل کی اور دو تین دن میں اسے سِدھا لیا تاکہ بلی کا ڈر دور ہوجائے اور وہ سب میں رَل مل سکے۔ پھر وہ اس ملک کے چوتھے کونے کی طرف روانہ ہوگیا۔ چلتے چلتے ایک جگہ دیکھا کہ ایک سنہرے سینگوں والا ہرن بھاگا جارہا ہے۔ شہزادے نے اپنا گھوڑا اس کے پیچھے دوڑایا۔ شہزادے کے گھوڑے کے آگے دوڑتے دوڑتے، ہرن شہزادے کو ایک بڑے قلعہ پر لے گیا۔ جہاں یہی جادوگرنیاں رہتی تھیں۔ اس کے بعد ہرن غائب ہوگیا۔ سورج شہزادہ حیرت و تعجب میں، ہرن تلاش کرنے کے لیے ادھر ادھر نظر دوڑانے لگا۔ پر ہرن تو جیسے وہاں تھا ہی نہیں۔ اتنے میں جادوگرنیاں شہزادہ کے چاروں طرف پھرنے لگیں۔ سورج شہزادہ سمجھ گیا کہ بڑھیا کی بات صحیح ثابت ہورہی ہے۔

جادوگرنیوں نے شہزادے کو وہی چوپڑ کھیلنے والی شرط بتائی جس کے ذریعے انہوں نے چاند شہزادے اور دوسرے بہت سے شہزادے اپنے پاس دنبے بنا کر رکھ چھوڑے تھے۔ سورج شہزادے نے ان کی چوپڑ کھیلنے والی شرط قبول کر لی اور اپنی بلی کے سر پر ایک دیا جلا کر وہ جادوگرنیوں کے ساتھ کھیل کھیلنے بیٹھ گیا۔ پھر ہوا کیا کہ جادوگرنیوں کے چوہے آتے اور بلی کو دیکھ کر واپس بھاگ جاتے۔ اس طرح یہ کھیل تین دفعہ سورج شہزادے نے جادوگرنیوں سے جیت لیا۔ وعدہ کے مطابق جادوگرنیاں اس کے تابع ہوگئیں۔ سورج شہزادے نے پہلے تو ان جادوگرنیوں سے جادو کرنے اور لوگوں کو تکلیف دینے سے توبہ کرائی اور ان لوگوں کو واپس انسانوں کی شکل میں لایا۔ پھر ان جادوگرنیوں میں سے ایک کے ساتھ خود شادی کی اور دوسری کی شادی اپنے بھائی چاند شہزادے کے ساتھ کردی۔ پھر ان بہت سے دوسروں کو، جو جادو کے زور سے جانور بنے وہاں کھڑے تھے انسانی جون میں لا کر سب کی جان آزاد کرائی۔ انہیں سفر خرچ دے کر ان کے ملکوں کو روانہ کیا۔ پھر دونوں بھائی جادوگرنیوں سمیت، چاند شہزادے کی شہزادی کے ملک میں آئے۔ چاند شہزادہ اپنے بھائی سورج شہزادے کو اپنے محلات (جہاں شہزادی رہتی تھی) میں ساتھ لے کر گیا۔ وہاں سورج شہزادے نے شہزادی کو ساری بات بتائی۔ سورج شہزادہ کچھ دن وہاں ٹھہرا پھر اپنے بھائی چاند شہزادے اور باقی سب کو ساتھ لے کر اپنے ملک کو واپس لوٹا اور اپنے ماں باپ اور یاروں دوستوں سے ملا۔ پھر سب بڑے مزے سے وقت گزارنے لگے۔ جیسا ان کا ملن ہوا ویسا ملن سارے جگ جہاں کا ہو۔ (آمین)

☆

شہزادہ اور فقیر

ایک تھا بادشاہ۔ جس کے اولاد نہ ہوئی تھی۔ اس نے اولاد کے لیے ایک کے بعد ایک، سات شادیاں کیں لیکن خدا کی قدرت، ایک سے بھی اولاد نہ ہوئی۔ اس کے لیے اس نے بہت کوششیں کیں، لوگوں سے پوچھا فقیروں کے در پر گیا مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ ایک روز بادشاہ سے اس کے وزیر نے بات کی کہ: ''قبلہ! اپنے شہر کے باہر ایک ایسے فقیر نے آ کر دھونی رمائی ہے کہ جو بھی اس کے در پر سوالی ہوتا ہے تو اس کا مطلب پورا ہوتا ہے۔ کیوں نہ اس بزرگ کے پاس جا کر سوال کریں، کیا پتہ من کی مراد پوری ہو جائے۔'' بادشاہ نے کہا ''اچھا، کل صبح چلیں گے۔''

دوسرے دن بادشاہ اور وزیر ایک ساتھ فقیر کے پاس گئے اور فقیر سے اپنا دلی مطلب بیان کیا، اور عرض کی: ''اے سائیں بابا! بادشاہ کے حق میں دعا کرو۔'' فقیر نے کہا: ''اے بادشاہ! کل صبح سویرے تیر کمان لے کر اپنے باغ میں جانا۔ اللہ کا نام لے کر بیر کے درخت پر تیر چلانا۔ جتنے بیر گریں گے اتنے ہی تمہارے ہاں بیٹے ہوں گے اور جتنی پتیاں گریں گی اتنی بیٹیاں ہوں گی۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ایک بیٹا مجھے دو گے۔ بادشاہ نے حامی بھر لی اور فقیر سے ادب کے ساتھ اجازت لی اور وزیر کے ساتھ اپنے محل کو لوٹ آیا۔

دوسرے دن صبح سویرے بادشاہ تیر کمان لے کر اپنے باغ میں پہنچا۔ بیر کے سامنے کھڑے ہو کر تیر کمان تیار کر کے بیر کے درخت پر تیر چلایا۔ قدرت سے کل سات بیر زمین پر گرے۔ بادشاہ نے بیر اٹھائے اور سیدھا محل میں پہنچا۔ ہر ایک رانی کو ایک ایک بیر کھلا دیا۔ خدا کی قدرت سے دسویں مہینے سبھی رانیوں سے ایک ایک بیٹا پیدا ہوا۔ بادشاہ خوش ہوا لیکن اب اسے فکر لگی کہ فقیر سے وعدہ کیا تھا کہ ایک بیٹا اسے دے گا اب دل ہی نہ چاہتا تھا کہ ایک بیٹا فقیر کو دے۔ آخر اس نے ایک بڑا قلعہ بنوایا جس کے اندر ساتوں شہزادوں کی پرورش ہونے لگی اور چوکیداروں کو حکم دے دیا گیا کہ کسی بھی شہزادے کو قلعے سے باہر نہ نکالا جائے۔ اسی طرح کتنے ہی دن گزر گئے۔ شہزادے آج چھوٹے کل بڑے، آخر سمجھدار ہو گئے۔ ایک دن فقیر کو بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ بادشاہ کے ہاں ضرور بیٹے پیدا ہوئے ہوں گے لیکن بادشاہ نے مجھے ایک بیٹا نہیں دیا۔ اب چل کر دیکھنا چاہئے کہ بادشاہ کس حال میں ہے؟ وہ سیدھا بادشاہ کے محل پر پہنچا۔ دربانوں نے جا کر بادشاہ کو بتایا

کہ: ''قبلہ! ایک درویش ہے جو آپ سے ملاقات کا خواہش مند ہے۔'' بادشاہ سنتے ہی سمجھ گیا کہ بلا شبہ یہ وہی فقیر ہے جس سے میں نے وعدہ کیا تھا۔ لیکن خیر، چل کر دیکھتے ہیں۔ پھر اس نے حکم دیا کہ فقیر کو عزت کے ساتھ مہمان خانے میں لا کر بٹھاؤ۔ دربانوں نے عزت کے ساتھ فقیر کو لاکر مہمان خانے میں بٹھادیا۔ بادشاہ بھی تیار ہوکر فقیر کے پاس گیا اور بڑی عزت کے ساتھ اس سے ملا۔ فقیر نے بادشاہ سے حال احوال پوچھتے ہوئے اشارہ دیا کہ: ''سائیں! اب آپ اپنا قول پورا کریں!'' بادشاہ نے فقیر کو صاف جواب دے دیا کہ: ''سائیں بابا! میرے ہاں تو اب تک کوئی اولاد ہوئی ہی نہیں۔'' فقیر کو یقین تھا کہ بادشاہ کے سات بیٹے پیدا ہوئے ہیں، لیکن چپ ہوگیا، بادشاہ سے اجازت لی اور واپس چلا گیا۔ اس نے بادشاہ کے قلعے کے سامنے ایک درخت کے نیچے دھونی رمائی اور بیٹھ گیا۔

ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ بادشاہ کے ساتوں شہزادے آپس میں گیند سے کھیل رہے تھے کہ گیند قلعے سے باہر چلی گئی۔ سب بھائیوں نے مل کر دو بھائیوں کو دیوار کے اوپر چڑھادیا کہ باہر جاکر گیند اٹھالائیں۔ جب وہ دونوں بھائی نیچے اُترے تو درویش نے انہیں دیکھ لیا اور دوڑ کر فوراً شہزادوں کے پاس پہنچا۔ شہزادوں سے پوچھا: ''کیا تم بادشاہ کے بیٹے ہو؟'' شہزادوں نے کہا: ''ہاں، سائیں بابا۔'' آخر لڑکوں سے فقیر نے کہا: ''بابا، میرا ایک کام، مہربانی کرکے کردو۔'' شہزادوں نے کہا: ''ہاں بابا، بتاؤ۔'' فقیر

نے ایک لوٹا دے کر کہا: ''بابا یہ مجھے شبنم سے بھر کر لا دو۔'' شہزادوں نے ''حاضر سائیں'' کہا اور نزدیک کے پیڑ پودوں کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے بہتیری کوشش کی کہ اوس لوٹے میں جمع ہو لیکن لوٹے میں تو اس کی بوند تک جمع نہ ہو سکی۔ آخر ایک نے کہا: ''بھائی کپڑا پکڑو تاکہ اس پر اوس کو دھونی دوں پھر جب یہ پورا گیلا ہو جائے گا تو لوٹے میں نچوڑ دیں گے۔'' دونوں نے ایسا ہی کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں لوٹا اوس سے بھر گیا۔ دونوں نے لوٹا فقیر کو دے دیا۔ فقیر لوٹے کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور شہزادوں سے پوچھا: ''بابا، یہ کس کی عقل تھی؟'' ایک شہزادے نے دوسرے کی طرف اشارہ کیا ''یہ شہزادے کی عقل ہے۔'' پھر تو فقیر نے ہم کہا نہ تم، اس شہزادے کو اٹھایا اور رفو چکر ہو گیا اور اسے لے کر اپنے ملک پہنچ گیا۔

ایک دن صبح ہوتے ہی فقیر نے شہزادے سے کہا: ''جنگل میں جا کر اُپلے جمع کر کے لاؤ تاکہ آگ جلاؤں۔'' شہزادہ کپڑا لے کر اُپلے جمع کرنے نکلا۔ ابھی تھوڑی دور چلا ہو گا تو دیکھا کہ ایک درخت پر دو چیلیں بیٹھی ہیں لیکن ایک رو رہی ہے اور دوسری ہنس رہی ہے۔ شہزادے کو بڑا تعجب ہوا، اس نے چیلوں سے پوچھا: ''کیوں تم میں سے ایک بیٹھی رو رہی ہے اور دوسری ہنس رہی ہے۔'' اس پر ایک نے جواب دیا کہ: ''تیری موہنی صورت دیکھ کر ہنس رہی ہوں۔'' اور دوسری نے جواب دیا کہ: '' تیری حیاتی اب کوئی دن باقی ہے اس لیے رو رہی ہوں۔'' شہزادے نے کہا: ''تو پھر کیسے ہو۔'' چیل نے جواب دیا کہ: ''اس بے ایمان فقیر کا یہ دستور ہے کہ جو بھی خوبصورت لڑکا یہ لاتا ہے اس سے اسی طرح اپلے جمع کراتا ہے پھر ایک بڑا توا چڑھاتا ہے اس کے نیچے آگ جلا دیتا ہے، توا گرم ہو جاتا ہے پھر آگے لڑکے کو کھڑا کرتا ہے پیچھے خود کھڑا ہوتا ہے اور کڑھاؤ کے گرد چکر لگانا شروع کرتا ہے، دو تین چکر لگانے کے بعد لڑکے کو دھکا دے دیتا ہے، لڑکا کڑاہی میں جا گرتا ہے جہاں تل کر نکیا بن جاتا ہے اور یہ آدم خور اسے نکال کر کھا جاتا ہے۔'' شہزادے نے کہا کہ: ''پھر میں کیا کروں؟'' چیلوں نے کہا کہ: ''اب تم ایسا کرو کہ جس وقت فقیر تجھ سے کہے کہ 'پھر پھر چیلا' تو تم کہنا 'آگے گرو تو پیچھے چیلا' پھر شہزادے نے اُپلے جمع کیے، بھرے، باندھے، اور سیدھا فقیر کے آستانے پر پہنچا۔ فقیر بھی دستور موجب چولہے پر ایک بڑی کڑاہی رکھے، تیل سے بھرے تیار تھا اس نے چولہے میں اُپلے رکھے اور آگ جلا دی۔ کچھ ہی دیر میں تیل کڑکڑانے لگا۔ اس نے شہزادے سے کہا 'پھر پھر چیلا'

شہزادے نے فوراً کہا: ''آگے گرو تو پیچھے چیلا۔'' یہ سن کر فقیر آگے ہوکر چلنے لگا اور پیچھے شہزادہ۔ ابھی دو ہی پھیرے ہوئے تھے کہ شہزادے نے فقیر کو دھکا جو دیا تو گیا کڑاہی کے اندر۔ بس تل کی ٹکیا بن گیا۔ پھر شہزادے نے یکدم فقیر کے کمرے سے چابیاں اٹھائیں اور دوسرے کمرے کھولے۔ وہاں بہت مال متاع دکھائی دیا۔ لیکن ایک جھروکے میں ایک موتی پڑا دیکھا جو بہت جھلملا رہا تھا۔ اس نے وہ موتی اٹھا کر جیب میں رکھ لیا اور اُلٹے پیروں، وہاں سے بھاگ لیا۔ راستے پر آیا تو دیکھا وہی چیلیں بیٹھی ہیں لیکن ہنس رہی ہیں۔ شہزادے نے ان سے پوچھا: ''اب تم کیوں ہنس رہی ہو؟'' چیلوں نے جواب دیا: ''اے شہزادے! ہم تمہاری عقل پر ہنس رہی ہیں کہ تیری جیب میں جو موتی ہے اسے تم نے بیکار سمجھ کر جیب میں ڈال لیا ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ بہت کام کا ہے۔'' شہزادے نے پوچھا: ''اس میں بھلا کیا اسرار ہے؟'' چیلوں نے جواب دیا: ''یہ موتی منہ میں رکھنے سے جو شکل تم چاہو وہی ہوجائے گی، اور پھر منہ سے نکال لینے سے پہلے جیسی انسانی شکل ہوجائے گی۔'' شہزادے نے آزمانے کے لیے موتی منہ میں رکھا اور کہا: ''بیل بن جاؤں۔'' یکدم شہزادہ بیل بن گیا پھر جب موتی منہ سے نکالا تو پھر پہلی والی صورت میں آ گیا۔

پھر شہزادے نے اپنے ملک کی راہ لی۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد ایک راہگیر ملا جس نے کہا: ''میں غریب آدمی ہوں میری مدد کرو۔'' شہزادے نے کہا: ''اچھا، میں بیل بن جاتا ہوں تم مجھے لے جا کر بیچ دو۔ جو پیسے ملیں اس سے اپنی گذر بسر کرنا۔'' اس غریب شخص نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا: ''یہ تو تم مجھ پر احسان کر رہے ہو۔'' اس کے بعد لڑکے نے موتی منہ میں رکھ لیا تو بیل بن گیا۔ اس غریب شخص نے اسے لیا اور چل دیا۔ راہ میں ایک کسان ملا جس کو بیل کی ضرورت تھی۔ اس نے اس غریب شخص سے پوچھا: ''بھائی یہ بیل کہاں لیے جارہے ہو؟'' اس شخص نے جواب دیا: ''بھائی بیچنے کو جارہا ہوں۔'' اس نے پوچھا: ''کتنی قیمت ہے تمہارے اس بیل کی؟'' اس شخص نے بیل کی قیمت بتادی، کسان کو بھی کیونکہ ضرورت تھی سو اس نے جو قیمت بتائی اتنے پیسے اسے دے کر بیل خریدا اور لے جا کر گھر میں کھڑا کردیا۔ جب رات ہوئی تو شہزادے نے منہ میں سے موتی نکالا تو وہ پھر سے شہزادہ بن گیا۔ وہاں سے بھاگ کر وہ سیدھا اس غریب شخص کے پاس پہنچا اور بولا: ''اب میں گھوڑا بن جاتا ہوں تم پھر سے مجھے بیچ کر اور پیسے کماؤ اور اگلا پچھلا قرض اتار کر اپنی جان آزاد کراؤ۔''

ادھر قدرت سے بہت زیادہ مینہ برسا۔ مینہ کی بوندیں جو اس تلی ہوئی ٹکیا پر پڑیں تو یکدم ٹکیا سے بدل کر وہ پہلے والا فقیر بن گیا۔ اٹھتے ہوئے اس نے ادھر ادھر دیکھا تو شہزادہ موجود نہیں۔ پھر یاد آیا کہ شہزادہ تو مجھے اس کڑھاؤ میں دھکا دے کر بھاگ گیا تھا۔ بس پھر تو ہم کہا نہ تم، فوراً راستہ پکڑا۔ آخر شہزادے کو تلاش کرتا کرتا کسی وقت اس شخص پر اس کی نظر جا پڑی جو اس گھوڑے کو بیچنے لے جارہا تھا۔ یہ بھی بڑھ کر گھوڑے کے پاس پہنچا اور دیکھا کہ وہی شہزادہ ہے۔ پھر اس شخص سے پوچھا: ''میاں گھوڑا بیچو گے؟'' راہگیر نے جواب دیا: ''ہاں، اسی لیے تو اسے لے کر جارہا ہوں۔'' فقیر نے آخر اس کی منہ مانگی رقم دے کر گھوڑا خرید لیا اور خوش خوش اپنی جگہ پر پہنچا پھر گھوڑے کو خوب مضبوطی سے باندھ دیا۔ صبح کو وہ گھوڑے کو لے کر نہر پر پانی پلانے آیا۔ شہزادے نے موقع غنیمت جانا اور مینڈک بن کر نہر میں چلا گیا اور تیز تیز تیرتا اٹھ بھاگا۔ فقیر نے مچھلی بن کر پیچھا کیا۔ مینڈک کو کوئی راہ دکھائی نہ دی یکدم ایک عورت پانی کا مٹکا بھر رہی تھی اس مٹکے میں گھس گیا۔ عورت نے مٹکا اٹھایا اور گھر کو روانہ ہوئی۔ فقیر بھی عورت کے پیچھے پیچھے چلنے لگا اور عورت سے کہا: ''تجھے یہ پیسے دیتا ہوں تو اس مٹکے کو پھوڑ دے۔'' عورت نے پہلے تو فقیر کو پاگل سمجھا لیکن دیکھا کہ فقیر اتنے پیسے نکال کر دے رہا ہے تو پیسے لے کر فوراً مٹکے کو پھوڑ دیا۔ مٹکے کے ٹوٹنے سے پانی بہنے لگا۔ لیکن مینڈک بھی پھدکتا ہوا وہیں کے وہیں گھاس میں جا چھپا۔ فقیر بیٹھ کر مینڈک کو ڈھونڈنے لگا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ وہاں ایک بھینس چر رہی تھی سو گھاس کے ساتھ اس مینڈک کو بھی کھا گئی۔ وہ بھاگتا ہوا بھینس کے مالک کے پاس پہنچا اور بولا: ''بھینس کی قیمت لو اور اسے یہیں کے یہیں کاٹو، گوشت تم کھاؤ البتہ پتہ مجھے دے دینا۔'' بھینس کے مالک نے قبول کر لیا، بھینس کی قیمت لی اور اسے کاٹ دیا۔ لیکن کاٹتے ہوئے وہ یہ بات بھول گیا کہ پتہ فقیر کو دینا ہے سو پتہ اٹھایا اور دور پھینک دیا۔ اتفاق سے اسی وقت ایک چیل نے گوشت پر غوطہ لگایا، اس نے پتہ لیا اور اڑ گئی۔ فقیر نے ہم کہا نہ تم، گرڑ پرندہ بن کر چیل کے پیچھے لپکا۔ چیل نے غوطہ لگایا پتہ چھوٹ کر بادشاہ کے محل میں جا گرا۔ شہزادہ فوراً ایک بالکل انمول نولکھا ہار بن کر شہزادی کی گردن میں جا پڑا۔ فقیر پھر سے اپنی اصلی شکل میں آ گیا اور جا کر محل کے دروازے پر صدا لگائی کہ: ''اللہ کے نام پر یہ نولکھا ہار دو۔'' شہزادی نے فقیر سے کہا: ''اے فقیر، اور جو کچھ مانگ، لیکن نولکھا ہار

نہ دوں گی۔'' آخر فقیر اس روز تو چلا گیا لیکن دوسرے دن پھر آیا اور آ کر محل پر دھرنا دے کر بیٹھ گیا۔ شہزادی نے کتنا ہی سمجھایا پر فقیر باز نہ آیا۔ آخر شہزادی نے غصے میں آ کر فقیر کے سامنے ہار توڑ ڈالا۔ موتی موتی جدا ہوگیا اور یہ مکئی کے دانے بن گئے۔ فقیر نے جو یہ حال دیکھا تو فوراً مرغ بن گیا اور وہ دانے چگنے لگا ابھی پچھلے دانے ہی چگے تھے کہ شہزادہ یکدم بلّا بن گیا اور مرغ کی گردن کو منہ میں دبا کر جھٹکا جو دیا تو فقیر کی گردن ٹوٹ گئی۔ بس پھر تو وہیں کے وہیں شہزادہ فوراً اپنی اصلی شکل میں آ کر شہزادی کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ ادھر شہزادی بھی بہت خوش تھی۔ ایسی خوش تھی کہ بیان سے باہر ہے۔

تھوڑے بہت دن گزرے ہوں گے شہزادی کی شادی شہزادے کے ساتھ بہت دھوم دھام سے ہوگئی۔ پھر شہزادہ اپنی رانی کے ساتھ اپنے ملک کو روانہ ہوا اور جا کر اپنے ماں باپ اور بھائیوں کے ساتھ رہنے لگا۔

☆

فقیر اور شہزادی

ایک درویش فقیر تھا۔ جس کا ایک ہی بیٹا تھا۔ اس کی بیوی گزر چکی تھی۔ وہ خود اب بوڑھا ہو چکا تھا۔ اس لیے باہر نکل نہ سکتا تھا۔ لڑکا بھیک مانگ کر لاتا اور دونوں پیٹ کا گزارا کر لیتے تھے۔ ایک روز فقیر کا بیٹا بادشاہ کے دروازے پر بھیک مانگنے گیا۔ بادشاہ کی بڑی بیٹی نے اسے خیرات لا کر دی۔ لڑکا شہزادی کے حسن پر فریفتہ ہو گیا۔ دل میں خیال کیا کہ 'بابا سے کہوں کہ بادشاہ سے بیٹی کا رشتہ لے کر دے۔' مکان پر آیا تو گدڑی پھینک کر پاؤں پھیلا کر سو گیا۔ نہ پکایا نہ کھایا۔ باپ نے پوچھا کہ: "بیٹا اٹھو، روٹی پکاؤ تو کھائیں۔" لڑکے نے بول چال بند کر دی۔ خاموش پڑا رہا۔ فقیر نے کتنا ہی سر مارا مگر لڑکا ایسا خاموش جیسے دیوار۔ آخر فقیر نے اٹھ کر خود ہی کھانا کھایا پیا اور غصے میں بیٹے کو روٹی کا ٹکڑا تک نہ دیا۔ خود کھا کر مست ہو کر پڑ رہا۔ فقیر تو سو گیا مگر لڑکا رات بھر جاگتا رہا۔ صبح ہوئی تو فقیر بیٹے کو اٹھانے لگا لیکن لڑکا بُت بنا پڑا رہا۔ فقیر نے بہت کوشش کی لیکن لڑکے نے آنکھیں موند لیں۔ سارا دن سوتا رہا۔ فقیر کافی وقت اس کے آسرے پر بیٹھا رہا مگر وہ نہ اٹھا۔ آخر وہ خود بھیک مانگنے گیا اور مانگ تانگ کر، آ کر پکایا کھایا۔ تین دن یونہی گزر گئے۔ لڑکے کی آنکھیں اندر دھنس گئیں تب فقیر نے پوچھا: "بھلا تیرا مطلب کیا ہے؟" لڑکے نے آنکھیں کھول کر کہا: "بابا اگر تم بادشاہ کی بیٹی سے میری شادی کرو تو اٹھوں گا ورنہ مرنے مر جاؤں گا کھاٹ سے نیچے نہ اتروں گا۔" فقیر یہ سن کر آگ بگولا ہو گیا۔ کہا: "تو سارے دن بھیک مانگتا ہے سوکھے ٹکڑے اور شادی کرے گا بادشاہ کی بیٹی سے! ساری زندگی خواب دیکھو تو بھی کچھ نہ ملے گا۔" لڑکے کو تین چار دن گزر گئے، کھایا نہ پیا۔ جان حلق میں آ اٹکی۔ فقیر نے دیکھا کہ اب بیٹے کی جان جاتی ہے، مر رہا ہے، اس لیے بیٹے سے کہا: "اُٹھ، کھا پی۔ میں جاتا ہوں بادشاہ کے پاس۔ اگر کہیں غصہ آ گیا تو مروا ہی دے گا۔ مگر رشتہ نہیں دے گا۔" تب لڑکا چھلانگ مار کر اٹھ کھڑا ہوا۔

فقیر نے صبح سویرے اٹھتے ہی جا کر بادشاہ کا در پکڑا۔ بادشاہ نے آنکھ کھولی تو خبر پڑی کہ فقیر دروازے پر کھڑا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ: "فقیر! کس چیز کا سوالی ہے؟" فقیر خوف سے کانپنے لگا۔ آخر ڈرتے ڈرتے عرض کی: "سائیں! عرض ہے پر جان کی امان چاہتا ہوں۔" بادشاہ کو اس پر ترس آ گیا اور کہا: "تجھے گناہ معاف ہے۔" فقیر نے کہا

کہ: ''سائیں! میرے بیٹے کو آج چوتھا دن ہو گیا ہے کہ روٹی پانی کو آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے۔ کہتا ہے کہ بادشاہ کی بیٹی سے میری شادی کرو۔ سو سائیں کی خدمت میں عرض لے کر آیا ہوں۔ قبول ہو۔'' بادشاہ جل بھن گیا لیکن وعدہ کر چکا تھا اس لیے خموشی کے ساتھ فقیر سے کہا کہ: ''صبح کو سویرے اپنے بیٹے کو بھیجنا کہ مجھ سے آ کر ملے۔'' فقیر یہ حکم سن کر اٹھ بھاگا اور شکر ادا کیا کہ جان بچی۔ اب لڑکا خود ہی بادشاہ کے سامنے آئے گا تو اسے پتہ پڑ جائے گا۔

لڑکا خوشی سے اچھلنے لگا۔ ساری رات خوشی سے نیند ہی نہ آئی۔ صبح کو سویرے ہی بادشاہ کا در جا پکڑا۔ بادشاہ نے آنکھ کھولی تو خبر ہوئی کہ لڑکا دروازے پر انتظار کر رہا ہے۔ بادشاہ اٹھ کر لڑکے سے ملا، اور پوچھا: ''کاہے کا سوالی ہے؟'' لڑکے نے کہا: ''سائیں، رشتے کا سوالی ہوں۔'' اس پر بادشاہ نے کہا: ''میرا ایک سوال ہے یعنی لائق، لیاقت دکھائے، اگر سوال پورا نہ کرو گے تو رشتہ نہیں ملے گا اور جان سے جاؤ گے۔'' لڑکا ''حاضر سائیں'' کہہ کر واپس لوٹا۔ فقیر کا بیٹا، فقیر تو پہلے ہی تھا اس لیے اسے گھومنے پھرنے میں کوئی تکلیف یا عار تو تھی ہی نہیں۔ سو ملکوں ملک گھومتا جادوگروں کے ملک میں جا پہنچا اور ایک جادوگر کے پاس پڑھنے بیٹھ گیا۔ جادوگر نے کہا: ''بابا، بارہ مہینے پڑھنے میں لگیں گے۔'' اس نے قبول کر لیا اور جادو کا علم سیکھنا شروع کر دیا۔ لڑکا سمجھدار تھا اور رہتا بھی جادوگر کے گھر میں تھا، لہٰذا گھر کا سارا کام کاج بھی کرتا۔ اس کی لگن اور سچائی دیکھ کر جادوگر کی بیٹی نے اسے دین کا بھائی بنا لیا۔ جب بارہ مہینے گزر گئے تو جادوگر نے لڑکے سے کہا: ''بابا، اب تمہارا وقت پورا ہو چکا ہے۔ سارے علم سے تم واقف ہو چکے ہو۔ سو کل تمہیں پگھ باندھیں گے۔'' یہ سن کر لڑکا خوش ہو گیا اور جادوگر کی بیٹی کے پاس آیا۔ اس سے کہنے لگا: ''بہن، استاد مجھے کل پگھ باندھیں گے۔'' یہ سن کر لڑکی زار و قطار رونے لگی۔ اس پر لڑکے نے کہا: ''بہن روؤ نہیں، اللہ نے چاہا تو میں تمہارے پاس آیا کروں گا۔'' لڑکی نے جواب دیا: ''بھائی مجھے تم پر بہت ترس آتا ہے کہ یہ میرا باپ بہت بے رحم ہے، ادھر تمہیں سارا علم پڑھا دیا ہے مگر کل تمہیں دنبہ بنا کر، کاٹ کر کھا جائے گا۔ اسی طرح اس نے کتنے ہی آدمی کاٹ دیے ہیں۔ تم نے ہمارے ساتھ اچھا وقت گزارا ہے اس لیے تمہیں بچانے کے لیے بہت کوشش کروں گی، پھر تمہارا نصیب کرے یاوری۔''

جب صبح ہوئی تو جادوگر لڑکے کو بٹھا کر کچھ پڑھنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں لڑکا دنبہ بن گیا۔ جادوگر نے بیٹی کو پکار کر کہا کہ: ''چھری لے آؤ۔'' لڑکی نے چھری تو پہلے ہی

چھپادی تھی سو ادھر ادھر دیکھ کر باپ سے کہا: ''چھری تو مل ہی نہیں رہی۔'' اس پر جادوگر نے بیٹی سے کہا: ''تو دنبے کو پکڑ تو میں چھری ڈھونڈھ لاؤں۔'' لڑکی نے دنبے کو پکڑ لیا اور جادوگر چھری ڈھونڈھنے چلا گیا۔ ادھر لڑکی نے دنبے کی رسّی کھولی اور کہا: ''بھائی، اب بھاگو اور جان بچاؤ۔'' لڑکے نے اپنے آپ کو پرندے کی صورت میں تبدیل کیا اور اڑ گیا اور لڑکی چلانے لگی کہ: ''بابا، دنبہ مجھ سے چھڑا کر بھاگ گیا۔'' جادوگر بھاگتا ہوا آیا اور بو سونگھنے لگا۔ دیکھا کہ لڑکا تاؤ میں آ کر ایک سو کوہ پرے جاچکا ہے۔ یہ بھی باز بن کر لڑکے کے پیچھے لگ گیا۔ لڑکا بھی بہت دور نکل چکا تھا لیکن جادوگر نے جلدی ہی اسے جا لیا۔ لڑکے نے دیکھا کہ دشمن نزدیک پہنچ چکا ہے سو چھپنے کے لیے ادھر ادھر دیکھا۔ دور ایک گیدڑیوں کا ٹھکانہ دکھائی دیا، چھلانگ مار کر اسی میں جا چھپا۔ وہاں ایک بڈھی بکری تھی یہ جادو کے زور سے اس کے پیٹ میں چلا گیا اور جادوگر کا وار بیکار گیا۔ جادوگر اترا اور انسانی صورت میں آ گیا اور سونگھا تو پتہ چلا کہ بکری کے پیٹ میں ہے۔ سو اس کے مالک سے کہا کہ: ''یہ بکری مجھے چاہئے ہے۔ تم اس کی قیمت لے لو۔'' مالک نے کہا: ''بھائی، یہ بکری ہماری بوڑھی ماں کی ہے، وہ کبھی بھی نہ دے گی۔'' جادوگر نے بکری کے لیے اوکھ بھر پیسے دینے کے لیے کہا اور کہا کہ: ''گوشت بھی تم کھاؤ مجھے تو صرف اوجھڑی سے کام ہے۔ بس وہ مجھے دے دو۔'' ناچار اس نے قبول کرلیا اور پیسے لے کر بکری کاٹ دی۔ جادوگر نے کہا کہ: ''جب اوجھڑی پر پہنچو تو مجھے بتادینا۔'' اس نے بکری کاٹ کر گوشت ایک طرف کیا اور اوجھڑی کو ہاتھ لگانے کے لیے ٹانگ نکالی۔ پیٹ کے بھنڈار سے جیسے ہی باہر نکالا تو لڑکے کو ایک سوراخ دکھائی دیا، وہاں سے نکل کر بھاگ اٹھا۔ جادوگر نے دیکھا کہ مار! یہاں سے بھی نکل گیا سو پھر اس کے پیچھے اڑنے لگا۔ یہاں تک کہ لڑکے کے قریب آ پہنچا۔ لڑکا خود کو آگ کی صورت میں لاکر بادشاہ کے باغ میں داخل ہوگیا۔ پھر ایک انار میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ جادوگر بھی پانی پانی کرتا اترا۔ سارے باغ کو آگ لگ گئی تھی، جادوگر نے مینہ برسا کر سارا باغ ٹھنڈا کردیا اور لڑکے کو ڈھونڈھنے لگا۔ ادھر مالی سارے باغ کو ویران دیکھ کر رونے لگا۔ سارے باغ میں ایک درخت انار کا بچا تھا جس میں ایک انار پکا ہوا تھا۔ مالی نے اسے توڑا اور لا کر بادشاہ کو پیش کردیا اور اس سے باغ کا سب احوال کہا۔ بادشاہ نے وہ انار اپنی بیٹی کو بھجوادیا اور باغ کا احوال بھی کہلوادیا۔ بس لڑکا جس کا طالب تھا اسی کے ہاتھوں میں پہنچ گیا۔ ادھر جادوگر نے سارا باغ دیکھ ڈالا، تب اسے انار میں لڑکے کے چھپنے کی خبر ہوئی اور دیکھا کہ یہ انار شہزادی کے پاس پہنچ گیا ہے۔ سو، وہ

بادشاہ کے پاس گیا اور بادشاہ سے کہا: ''وہ انار جلدی مجھے دے دو، ورنہ تمام شہر کی عمارتیں اوندھی کردوں گا۔'' بادشاہ نے باندی کو حکم دیا کہ: ''انار شہزادی سے واپس لے آؤ۔'' باندی نے آ کر شہزادی سے احوال کہا اور انار مانگا۔ لڑکے نے شہزادی سے اندر ہی اندر کہا: ''شہزادی میں تمہاری پناہ میں ہوں سو مجھے بچاؤ۔ اس کی ترکیب یہ ہے کہ جس وقت انار بادشاہ کو بھیجو تو باندی سے کہنا کہ وہاں بادشاہ کے سامنے انار کو زمین پر دے مارنا۔'' شہزادی نے باندی کو سمجھا دیا۔ باندی انار لے کر دربار میں گئی اور زور سے زمین پر دے مارا کہ ذرے ذرہ ہوگیا۔ جادوگر مرغ بن کر ان دانوں کو چگنے لگا۔ اب لڑکا بلا بن گیا اور آدمیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا اور جس وقت وہ جادوگر مرغ اس کے نزدیک آیا اس وقت اس نے جھٹ مرغ کی گردن توڑ ڈالی اور کھا پی کر برابر کردیا۔ پھر انسانی صورت میں آ کر بادشاہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا اور کہا کہ: ''قبلہ! دیکھا میرا انصاف!'' بادشاہ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اپنے وعدے کی پاسداری کی۔ یعنی فوراً اپنی بیٹی کی شادی لڑکے کے ساتھ کردی۔ دیکھو تو سہی کیا سے کیا ہوگیا!)

☆

افیمی بادشاہ

ایک تھا بادشاہ، جسے افیم کھانے کی عادت تھی۔ ایک روز اس کے وزیر نے عرض کیا: ''بادشاہ سلامت! گستاخی معاف ہو تو کچھ عرض کروں۔'' بادشاہ بولا: ''کہو۔'' وزیر نے کہا: ''حضور افیم استعمال کرتے ہیں جو سراسر خراب ہے۔ اس کا نتیجہ بھی خراب نکلے گا، وہ کیسے؟ کہ آپ دوست دشمن کو نہ پہچانیں گے، جھوٹ بولنا پڑے گا اور چوری کریں گے۔'' بادشاہ حیران ہوا اور وزیر سے بولا: ''ارے وزیر! یہ آج کیسی نئی بات کر رہے ہو! اور افیم تو روز کھاتا ہوں پھر تم آج کیسے کہہ رہے ہو کہ میں دوست دشمن کو کیسے پہچانوں گا، چوری کروں گا اور جھوٹ بولوں گا۔'' وزیر نے کہا: ''بادشاہ سلامت! جو میں کہہ رہا ہوں وہ ٹھیک ہے۔ کچھ دن مہلت دو، میں جو کچھ کہہ رہا ہوں سو آپ کو ثابت کر دکھاؤں گا۔''

دو چار دن بعد بادشاہ کو شکار کا خیال ہوا سو ایک دن اپنے سامان سمیت اٹھ کر شکار کو چل دیا۔ چلنے سے پہلے بادشاہ نے ایک شرط رکھ دی کہ: ''شکار جس کے سامنے آئے گا وہی اس شکار کے پیچھے جائے گا۔ اگر اس نے شکار نہ کیا تو پھر اسے سزا دی جائے گی۔'' سب نے یہ بات قبول کر لی پھر ہجوم کا ہجوم گھوڑے دوڑاتا شکار گاہ میں پہنچ گیا۔ تھوڑا ہی آگے بڑھے تو ایک گھنے جنگل میں پہنچے۔ یکا یک ایک سونے کے سینگوں والا ہرن چھلانگ لگا کر بادشاہ کے سامنے آیا، اور شرط کے مطابق بادشاہ نے اپنا گھوڑا ہرن کے پیچھے دوڑایا۔ آگے ہرن پیچھے بادشاہ۔ دوڑتے دوڑتے، بہت دیر بعد بادشاہ نے کچھ پیاس محسوس کی۔ پر شرط یاد آ گئی تو اس نے پھر سے گھوڑے کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی۔ اتنے میں ہرن نے چھلانگ لگائی اور ایک پیڑ کے پیچھے گم ہو گیا۔ بادشاہ ششدر سا کھڑا رہ گیا۔ ادھر ادھر نظر دوڑائی تو کچھ بھی نظر نہ آیا۔ پیاس نے بھی بہت ستایا۔ وہ بہت حیران پریشان ہو گیا۔ نہ سامان نہ ساتھی۔ کرے تو کیا کرے۔ آخر دل پکا کر کے آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد اسے ایک چرواہا بیٹھا نظر آیا۔ اس کے پاس پانی کی مشک تھی۔ بادشاہ نے چرواہے سے مشک چھیننے کی کوشش کی لیکن چرواہے نے اس سے پہلے ہی مشک کھول کر پانی بہا دیا۔ بادشاہ نا امید ہو کر آگے بڑھا تو پھر وہی ہرن دکھائی دیا۔ بادشاہ پھر اس کے پیچھے لگ گیا۔ ہرن یکدم اٹھ بھاگا پر بادشاہ نے تیر مار کر اسے لنگڑا کر دیا، پھر گھوڑا دوڑا کر ہرن کو پکڑ لیا اور اسے لے کر ایک درخت تلے بیٹھ گیا۔ بادشاہ کا ایک طوطا تھا جو اس کا دوست

تھا اور بادشاہ کے ساتھ ساتھ اوپر اڑتا آ رہا تھا۔ اسے پکار کر اس نے اپنے پاس بٹھا لیا۔ اچانک اس درخت پر سے پانی کی بوندوں کی طرح کچھ ٹپکنے لگا۔ بادشاہ درخت کے پتے میں بوند بوند جمع کر کے پینا چاہتا تھا۔ تین دفعہ اس نے کوشش کی لیکن تینوں دفعہ طوطے نے لپک کر وہ پانی گرا دیا۔ بادشاہ کو آ گیا غصہ سو اس کی گردن پکڑ کر مروڑی جو دی تو اس کا سر دور جا گرا۔ مایوس ہو کر وہاں سے بھی اٹھ گیا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد اسے ایک فقیر کا آستانہ نظر آیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں پہنچا۔ فقیر گیا تھا پانی بھرنے۔ وہ بھی دور سے آ رہا تھا۔ اپنی جھونپڑی پر ایک مسافر کو دیکھ کر اس کی آؤ بھگت کرنے لگا اور پانی بھی پلایا اور کہنے لگا: ''افیم بھی کھاتے ہو؟'' بادشاہ نے کہا ''ہاں۔'' ''لو یہ ڈبیا جتنی کھاتے ہو کھاؤ اور باقی یہاں رکھنا میں باہر سے ہو کر آتا ہوں۔'' بادشاہ نے کیا کیا کہ کھانے جتنی کھائی اور اتنی ہی جیب میں رکھ لی، فقیر نے دیکھ لیا، اس نے کہا: ''میں نے تمہیں کھانے کے لیے دی تھی نہ کہ چوری کرنے کے لیے!'' بادشاہ نے منہ پکا کر کے کہا: ''میں نے چوری نہیں کی ہے۔'' ابھی یہ سوال و جواب ہو ہی رہے تھے کہ وزیر بھی وہاں آ نکلا۔ جس نے فقیر سے پوچھا: ''کیا بات ہے؟'' فقیر نے ساری بات بتا دی اور بادشاہ کی جیب سے افیم نکال کر دکھا دی۔ اس پر وزیر نے بادشاہ سلامت کو اپنی بات یاد دلائی اور کہا: ''بادشاہ سلامت! میں نے آپ سے کہا تھا کہ افیم کھانے کی وجہ سے آپ تین باتیں کریں گے جو تینوں آپ نے کی ہیں۔ اچھا خیر، وہ درخت والا آپ کا دوست طوطا کہاں ہے؟'' بادشاہ نے کہا: ''میں نے اسے درخت کے نیچے مار دیا۔'' وزیر نے کہا: ''وہ درخت کہاں ہے مجھے تو دکھائیں۔'' بادشاہ نے وہ درخت دکھا دیا جس کی چوٹی پر ایک بڑے اژدھے کو کسی نے مار دیا تھا، اس کا زہر وہاں سے ٹپک رہا تھا۔ وزیر نے کہا: ''طوطے نے آپ کو وہ پانی پینے نہ دیا، جو ظاہر ہے کہ زہر ہے۔ لیکن آپ نے اس دوست کو نہ پہچانا اور اسے مار ڈالا۔'' بادشاہ کو وزیر کی تینوں باتیں دل سے لگیں اور بہت افسوس کرنے لگا۔

آخر اپنا شکار کیا ہوا سنہرے سینگوں والا ہرن اٹھایا اور منزل کو لوٹا۔ راستے میں ایک دوسری بادشاہی پڑی۔ وہاں کی شہزادی نے جب بادشاہ کے پاس ہرن دیکھا تو یکدم باندی سے کہا: ''اس آدمی سے میں شادی کروں گی۔ اسکے پاس میرا پیارا ہرن ہے۔'' پھر دونوں کی شادی ہوگئی اور بادشاہ رانی کو لے کر واپس آ گیا۔ دونوں ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگے۔ پھر بادشاہ نے افیم کھانی چھوڑ دی۔

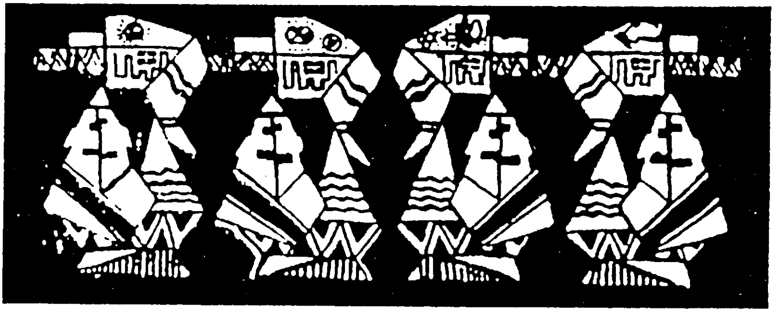

سیانا بادشاہ

ایک شخص تھا جس کے پاس بیشمار دھن دولت تھی۔ اس کے چار بیٹے تھے۔ ایک بار وہ سخت بیمار ہوا۔ بہت علاج کرایا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جب بچنا محال دیکھا تو سوچا کہ میری جو بھی ملکیت ہے وہ ابھی اپنے لڑکوں میں تقسیم کردوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے مرنے کے بعد آپس میں لڑ کر جدا نہ ہو جائیں۔ یہ سوچ کر اس نے چار دیگیں منگوائیں اور اپنی ملکیت کے حصے کیے۔ کچھ ایک میں کچھ دوسری میں، اسی طرح چاروں دیگوں میں کچھ نہ کچھ ڈال کر چاروں دیگیں جدا جدا، اپنی کھاٹ کے چاروں پایوں تلے گاڑ دیں۔

جب سکرات کا وقت آیا تو چاروں بیٹوں کو بلا کر کہا:

> "بابا! دھن دولت ایسی شے ہے جس کی وجہ سے ہمیشہ خون خرابہ ہوتا ہے۔ میں نے اپنی ساری ملکیت چاروں حصوں میں تقسیم کردی ہے اور چاروں حصے الگ الگ اپنی چارپائی کے چاروں پایوں کے نیچے دفن کردیے ہیں۔ میرے لیے تم چاروں ہی آنکھوں کے تارے ہو۔ اپنی ملکیت کا کوئی بھی حصہ میں نے چھوٹا بڑا نہیں کیا ہے۔ اس لیے تم میں سے ہر ایک، میرے روبرو اپنا اپنا پایہ مقرر کرلو اور میرے مرنے کے بعد ان کے نیچے جو بھی گڑا ہوا ہو سو کھود کر نکال لینا۔"

لڑکوں نے باپ کی یہ بات منظور کرلی۔ پھر قرعہ اندازی کر کے ہر ایک نے اپنا اپنا پایہ مقرر کرلیا۔

جب شاہوکار مرگیا تو چاروں بھائیوں نے کھاٹ کے اپنے اپنے پایہ تلے سے زمین کھودی، دھن کی دیگ باہر نکالی۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک دیگ میں ہیرے جواہرات رکھے ہیں، دوسری سونے سے بھری ہے اور تیسری چوتھی میں کچھ بھی نہیں! ایک میں صرف اوک بھر مٹی پڑی ہے اور دوسری میں دو چار سوکھی ہڈیاں ہیں۔ جن لڑکوں کو ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کی دیگیں ملیں وہ تو بڑے خوش ہوئے باقی دولڑکوں کو جومٹی اور ہڈیوں کی دیگیں ملیں وہ سخت ناراض ہوئے اور بھائیوں سے کہا کہ: ''اس مٹی اور ہڈیوں کا ہم کیا کریں گے؟ ہم اصل ملکیت سے ضرور حصہ لیں گے۔'' اس پر انہوں نے کہا کہ:

''بابو اپنے ہاتھوں سے ملکیت تقسیم کر گئے ہیں اور تم نے خود وہ ملکیت قبول کی تھی اور اپنی خوشی سے اپنے پائے مقرر کیے تھے۔ اب کیا ہوگا؟''

آخر ان کی تکرار بڑھنے لگی اور بات چار معتبر لوگوں تک پہنچی۔ لیکن وہ بھی کسی فیصلے پر نہ پہنچ سکے اور بولے: ''اس میں کوئی راز ہے لہٰذا کسی دانا شخص سے انصاف کراؤ۔'' سبھی بھائی اس پر راضی ہوگئے اور کسی دانا شخص کو تلاش کرنے لگے۔ لیکن ایسا کوئی دانا شخص نہ ملا جو کوئی فیصلہ کرسکتا۔ تب وہ چاروں ساتھ ساتھ ملک کے بادشاہ کے پاس انصاف کے لیے گئے۔

جب بادشاہ کے شہر کے نزدیک پہنچے تو دور سے شہزادہ گھوڑے پر آتا دکھائی دیا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر شہزادے سے بادشاہ کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا: ''بادشاہ بیٹھا تو ہے پر پاگل ہوا بیٹھا ہے۔'' یہ بات سن کر انہیں بہت عجیب لگا اور سوچا کہ واپس لوٹ چلیں۔ لیکن پھر دُہائی دیتے آگے بڑھے اور محل کے پاس جا پہنچے۔ وہاں انہیں شہزادی ملی جس نے بتایا کہ: ''بادشاہ بیٹھا تو ہے مگر اندھا ہوا بیٹھا ہے۔'' اس بات نے ان بھائیوں کو اور حیران کردیا۔ سوچا ضرور کوئی راز ہے۔ ابھی کچھ ہی آگے بڑھے تھے کہ رانی کھڑکی میں کھڑی تھی۔ پوچھنے پر رانی نے بتایا: ''بارہ مہینے ہوئے کہ بادشاہ مرگیا۔'' رانی کے جواب نے انہیں اور زچ کردیا۔ آخر بہت پوچھ گچھ پر پتہ چلا کہ بادشاہ واقعی موجود ہے۔ پھر یہ چاروں بھائی بادشاہ کے دربار میں پہنچے اور بادشاہ سے فیصلے کے لیے عرض کیا۔

بادشاہ ان کی بات سن کر پہلے تو سوچ میں پڑ گیا لیکن پھر بھید کی گتھی کھولی اور بولا:

''تمہارے باپ نے بالکل صحیح فیصلہ کیا ہے۔ ہیرے جواہر والا بھلے ہیرے جواہر لے لے، اور سونے والا سونا لے لے، باقی جسے مٹی کی

دیگ ملی ہے وہ باپ کی زمین سنبھالے اور جسے ہڈیاں ہاتھ آئی ہیں
وہ چوپائے مال کا مالک ہے۔''

بادشاہ کا یہ فیصلہ سن کر چاروں بھائی بہت خوش ہوئے اور بادشاہ کی لاکھوں شکر گزاری کی۔ لیکن جاتے وقت بادشاہ سے عرض کیا کہ: ''بادشاہ سلامت! جب ہم حضور کے پاس آرہے تھے تو پہلے ہمیں شہزادہ ملا جس نے کہا کہ: ''بادشاہ بیٹھا تو ہے پر پاگل ہوا بیٹھا ہے۔'' پھر تھوڑا آگے آئے تو شہزادی ملی جس نے بتایا کہ: ''بادشاہ بیٹھا تو ہے مگر اندھا ہوا بیٹھا ہے۔'' پھر تھوڑا اور آگے آئے تو رانی ملی جس نے کہا کہ: ''بارہ مہینے ہوئے کہ بادشاہ مر گیا۔'' لیکن جب ہم یہاں پہنچے تو دیکھا کہ سائیں حضور سلامت بیٹھے ہیں۔ آخر ان کے ایسی باتیں کرنے کا مطلب کیا تھا؟''

اس پر بادشاہ نے کہا: ''ان تینوں نے سچ کہا۔ پر تم لوگوں نے ان کی بات نہ سمجھی۔ شہزادے نے جو کہا کہ 'بادشاہ پاگل ہوا بیٹھا ہے' اس کا مطلب یہ تھا کہ میں ابھی اس کی شادی کرنا نہیں چاہتا، اور چاہتا ہوں کہ بہتر ہے کہ وہ پڑھے اور زیادہ علم حاصل کرے۔ اس کے بعد اس کی شادی کروں۔ لیکن شہزادہ سمجھتا ہے کہ ''میں بالغ ہو چکا ہوں پھر بھی بابو میری شادی نہیں کرا رہا، شاید سمجھتا نہیں۔ اسی لیے پاگل ہے۔'' شہزادی نے جو کہا کہ: ''بادشاہ اندھا ہوا بیٹھا ہے، اس کا مطلب یہ کہ شہزادی سمجھتی ہے کہ ''میں سولہ سال کی ہو چکی ہوں۔ بادشاہ مجھے روز دیکھتا ہے لیکن اس کے باوجود میری شادی نہیں کراتا!'' حقیقت میں مجھے کوئی ایسا لائق بَر اور گھر سجھائی نہیں دیتا کہ شہزادی کی شادی کر دوں۔ اسی لیے وہ سمجھتی ہے کہ بادشاہ اندھا ہے۔ پھر رانی نے جو کہا کہ: بادشاہ بارہ مہینے پہلے مر گیا، اس کا مطلب یہ تھا کہ آج بارہ مہینے ہو چکے ہیں جو بادشاہی کاموں کی مشکلات کے سبب میں ایک ساعت کے لیے بھی رانی سے ملاقات نہیں کر سکا ہوں اس لیے وہ سمجھتی ہے کہ 'بادشاہ مر چکا ہے۔'

یہ باتیں سنیں اور اپنا انصاف ہوا دیکھا، یہ چاروں بھائی بادشاہ کی عقل اور دانائی کی تعریف کرنے لگے اور دعائیں دیتے اپنے گھر آ پہنچے۔ پھر آپس میں پیار محبت سے رہنے لگے۔

☆

ولایت شاہ

ایک تھا بادشاہ، جو اپنی رانی کے ساتھ محل میں بیٹھا تھا کہ اچانک ان کے اوپر سے دو بڑے پرندے گزرے۔ بادشاہ نے رانی سے پوچھا: ''یہ کونسے پرندے تھے؟'' رانی نے جواب دیا: ''سائیں یہ ھنج پرندے تھے۔'' بادشاہ نے کہا: ''نہیں یہ تھے مور پرندے۔'' رانی کو تو اطمینان تھا اس لیے بولی: ''بادشاہ سلامت! اگر ھنج پرندے نہ ہوئے تو میں اس محل سے نکل جاؤں گی۔'' بادشاہ نے باندیوں کو حکم دیا کہ: ''دیکھ کر آؤ یہ کون سے پرندے تھے۔'' باہر نکلے تو دیکھا کہ واقعی ھنج تھے لیکن بادشاہ کے خوف اور اس کی خوشامد میں جھوٹ بولا کہ: ''سائیں، واقعی مور ہیں اور سرکار کا کہنا سچ ہے۔'' اس پر بادشاہ رانی پر برہم ہوا اور بولا: ''جو کچھ ساتھ لے جانا چاہو لے لو اور محل سے نکل جاؤ۔''

رانی اللہ کا آسرا کر کے، کچھ لینے کے لائق چیزیں اٹھائیں، فقیرانہ بھیس بدلا اور اٹھ کر چل دی۔ چلتے چلتے کسی دوسرے بادشاہ کی بادشاہی میں پہنچی اور ایک درخت تلے منزل کی۔ اتفاق سے بادشاہ کے آدمی بھی اسی وقت وہاں آ گئے، اس کا حسن و جمال دیکھا، حیرت میں پڑ گئے اور جا کر بادشاہ کو بتایا۔ بادشاہ نے وزیر کو بھیجا کہ جا کر دیکھے اور احوال بتائے۔ وزیر اس سے آ کر ملا اور حال احوال پوچھا۔ رانی نے کہا: ''میں فقیرنی ہوں۔'' اور وزیر سے پوچھا: ''بھلا یہاں کے بادشاہ کا نام کیا ہے؟'' وزیر نے جواب دیا کہ: ''اس ملک کے مالک کا نام ہے عزت شاہ بادشاہ، اور میں اس کا وزیر ہوں۔'' پھر وزیر نے جا کر اس کے حسن و جمال کا احوال بادشاہ کو دیا۔ بادشاہ نے اسے حکم دیا کہ: ''اس عورت کو عزت کے ساتھ لے آؤ اور محل کی ایک حویلی میں رکھو۔'' پھر وہ اپنی زندگی کے دن خیر سے وہاں گزارنے لگی۔

رانی امید سے تھی سو کچھ دن بعد اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ جس کا نام رکھا: ''ولایت شاہ۔'' لڑکا آج چھوٹا کل بڑا، ہوتے ہوتے باہر گھومنے پھرنے کھیلنے کودنے لگا۔ ایک روز وزیر کی نظر اس پر پڑ گئی اور اس سے پوچھنے لگا: ''لڑکے، تو کس کا بیٹا ہے؟'' لڑکا رونے لگا اور جا کر ماں سے بات کی۔ وزیر کو شادی کی فکر تھی کیونکہ ان دنوں اس کی گھر والی گزر چکی تھی۔ کھوجنے پر پتہ لگایا کہ یہ خوبصورت لڑکا اسی فقیرنی کا بیٹا ہے جس کو خود بادشاہ لے آیا تھا۔ پھر کسی نہ کسی بہانے سے ''فقیرنی'' کے پاس آنے جانے لگا اور لڑکے سے بھی پیار محبت کی باتیں کرنے لگا۔

لڑکے نے اندازہ کرلیا کہ وزیر کے دل میں ضرور کچھ کھوٹ ہے، خود اس کی ماں بھی اس بات کو سمجھ چکی تھی لیکن مجبوری کے باعث، زمانے کا اندازہ کر کے، دل کی دل میں رکھی، دونوں ماں بیٹے وزیر سے بات چیت کرتے رہے۔

ایک روز وزیر اس لڑکے کو ساتھ لے کر جہاز پر سوار کسی سفر کو گیا۔ لڑکے کے دل میں شک پیدا ہوا کہ 'یہ وزیر میری جان کا لاگو ہے' سو ایک روز جہاز نے کسی جگہ لنگر کیا، تو لڑکا اپنے خیال سے نیچے اترا، اور جا کر ایک درختوں کے گھنے جھنڈ میں جا چھپا۔ اتنے میں اسے ایک ویران غار میں اجالا دکھائی دیا۔ ہمت کر کے اس نے اچھی طرح دیکھا۔ دیکھا تو اندر عجیب قسم کے آدمی ہیں جو بیٹھے پانسہ کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ آدمیوں نے جو اسے دیکھا تو اٹھ کر بھاگے اور وہیں کے وہیں گم ہوگئے۔ لڑکا فوراً اندر گیا اور پانسے اٹھا لایا، لاکر وزیر کو دیے۔ وزیر یہ پانسے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ سفر سے واپسی پر اس نے بادشاہ کو یہ پانسے نذرانے کے طور پر پیش کیے۔ بادشاہ نے وہ پانسے لاکر اپنی رانی کو دے دیے۔ رانی نے پانسے دیکھ کر کہا: ''مجھے سات سہیلیوں کے لیے ایسے سات پانسے اور سات چوپڑیاں چاہئیں، اور ضرور چاہئیں۔'' بادشاہ نے اپنی رانی کو راضی رکھنے کے لیے وزیر کو حکم دیا کہ: ''یکدم ایسے سات پانسے اور سات چوپڑیاں لاؤ ورنہ تمہیں کولہو میں پلوا دوں گا۔''

وزیر منجی اوندھی کر، گھر میں سو رہا۔ لڑکے نے جو جا کر اس کا یہ حال دیکھا تو اس سے کہا: ''وزیر سائیں! یہ کام آسان ہے۔ آپ پہلے کی طرح جہاز کو پھر سے اسی منزل تک لے چلو تو میں تمہیں وہ سات پانسے پیدا کردوں گا۔'' وزیر نے فوراً بادشاہ سے اجازت لی، جہاز لے کر اسی پہلی والی جگہ پر لنگر انداز ہوا۔ لڑکا جہاز سے اتر کر غار کے پاس پہنچا تو پہلے ہی کی طرح اسے اجالا دکھائی دیا۔ نیچے اتر کر دیکھا تو ایک کولہو ہے جو جادو کے زور سے چل رہا ہے۔ کچھ آگے بڑھا تو ایک شہر دکھائی دیا جس میں کوئی آدمی نہ تھا۔ وہاں ایک گنبد والا مکان دکھائی دیا اس کے اندر ایک نہایت حسین خوبصورت عورت دیکھی جو الٹی لٹکی ہوئی تھی اور مری ہوئی تھی۔ آگے بڑھ کر اسے نیچے اُتارا اور سیدھا کر کے ابھی پلنگ پر لٹایا ہی تھا کہ عورت اٹھ کر بیٹھ گئی اور اسے اپنے سامنے دیکھ کر حیرت میں پڑ گئی اور پوچھا: ''تم کون ہو اور یہاں کیسے آئے؟'' اس نے سارا احوال کہہ سنایا جس پر اس عورت نے کہا: ''یہاں ایک خبیث جن رہتا ہے اور یہ اس کا گھر ہے۔ یہ سارا شہر جو اجاڑ پڑا ہے وہ بھی اسی نے کھا کر ختم کر دیا ہے۔ اصل میں تو میں ایک شہزادی ہوں لیکن وہ مجھے زبردستی یہاں اٹھا لایا اور لاکر قید کر دیا۔ دن کے وقت مجھ پر جادو کر کے، جیسا تم نے

دیکھا ویسے اس گنبد میں ٹانگ کر چلا جاتا ہے اور رات کو مجھے وہاں سے اتار کر جگالیتا ہے۔'' یہ سن کر لڑکے نے کہا: ''کوئی فکر نہ کرو، تم صرف اتنا کرو کہ جب وہ آئے تو اس سے پوچھنا: ''تیری جان کس میں ہے؟'' اسکے بعد اس بڑے جن کے آنے کا وقت ہوگیا اور ولایت شاہ ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں آندھی طوفان آ گیا اور اس کے اندر سے وہ بڑا دیو نمودار ہوا۔ آتے ہی ''آدم بو، آدم بو'' کرنے لگا۔ شہزادی نے غصے سے کہا: ''اور تو کوئی نہیں ہے، میں ہی تیرے پاس ایک آدم بچی ہوں پس مجھے ہی مار کر کھا جاؤ۔'' اس پر وہ دیو ٹھنڈا ہوگیا۔ آ کر شہزادی کے پاس بیٹھا اور اس کے ساتھ محبت لگاوٹ کی باتیں کرنے لگا۔ اس پر شہزادی نے رونا شروع کردیا اور دیو کے پوچھنے پر کہنے لگی: ''تم مجھے اس جنگل میں اکیلا پھینک کر چل دیتے ہو۔ مردوں کے بہت سے دشمن ہوتے ہیں، اگر خدا نہ کرے، کوئی دشمن تمہیں مار ڈالے تو میں تو یہاں تمام عمر ٹنگی رہ جاؤں گی۔'' دیو نے کہا: ''تو فکر نہ کر۔ مجھے مارنے والا ابھی پیدا ہی نہیں ہوا ہے اور میرا سانس نکلنا اتنا آسان نہیں ہے۔ کیونکہ میری جان ہے ایک پرانے مٹکے میں پڑی بتی میں۔ جس کی میرے سوا کسی کو خبر نہیں۔ مجھے میری ماں نے کہا کہ: ''بیٹا تجھے جو مارے گا تو کبھی نہ کبھی ولایت شاہ شہزادہ آ کر مارے گا۔'' اور وہ ابھی پیدا ہی نہیں ہوا ہے۔ سو تم دل میں تسلی رکھو، میں جاؤں گا تو اس کوٹھی کی کنجیاں بھی تیرے پاس چھوڑ جاؤں گا۔''

صبح دستور کے مطابق وہ بڑا دیو چلا گیا اور کنجیاں رانی کو دیتا گیا۔ پھر ولایت شاہ بھی تہہ خانے سے نکلا اور نمودار ہوگیا۔ آ کر لٹکی ہوئی شہزادی کو اتارا، چنگا بھلا کیا اور اس کا حال احوال پوچھا۔ شہزادی نے سب خبر دی اور کہا: ''یہ کنجیاں لو، فلاں کوٹھری کھولو، اس میں پڑی پرانے مٹکے کی بتی نکالو، دیو کا پتلہ بناؤ اور پھر عضو عضو کرکے اسے مار ڈالو۔'' ولایت شاہ نے ایسا ہی کیا تو وہ بڑا دیو ہانپتا، دوڑتا، زبردست شور کرتا، زمین آسمان ایک کرتا آ پہنچا۔ جب نزدیک آیا ولایت شاہ نے پتلے کی ایک ٹانگ توڑ دی، پھر اور قریب آیا تو دوسری بھی توڑ دی۔ پھر تو دیو چیختا چلاتا زمین پر گرا اور ہاتھوں کے بل گھسٹتا اس کی طرف آنے لگا۔ اس پر ولایت شاہ نے یکدم اس کی گردن مروڑ دی اور توڑ ڈالی تو دیو نے بھی دَم دے دیا اور مر گیا۔

ولایت شاہ نے وہاں کا سب قیمتی سامان، زیور، چوڑیاں اور پانسے اٹھوائے اور جہاز میں رکھوادیے اور شہزادی کو بھی ساتھ لے آیا۔ یہ دیکھ کر وزیر حسد میں جُبر گیا اور اسی شہزادی پر عاشق ہوگیا اور جب واپس وطن لوٹ آیا تو راستے میں کسی ترکیب سے ولایت

شاہ کو ایک گہرے کنوئیں میں دھکیل دیا اور پھر یہ پانسے اور چوپڑیاں لاکر بادشاہ کو دے دیں۔ بادشاہ یہ چیزیں دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس سے راضی ہوگیا اور اس کے بدلے میں اسے خلعتیں پہنائیں۔

وزیر نے اس شہزادی کو باہر ہی باہر لاکر اپنے محل میں رکھا اور اس سے شادی کرنے کا تذکرہ کیا جس پر اس نے جواب دیا کہ: ''میں شوہر کروں گی تو ولایت شاہ کو، دوسرے کسی کے ساتھ مجھے شادی کرنی ہی نہیں۔'' اس پر وزیر کو بہت خار لگی اور اسے اندھیری کوٹھری میں بند کردیا۔

اتفاق سے اس کنوئیں کے پاس سیلانیوں کے بال بچے اترے۔ ان میں سے ایک لڑکے نے جب کنوئیں سے پانی بھرنے کو ڈول ڈالا تو ولایت شاہ شہزادہ اس ڈول کے ساتھ چمٹ گیا اور اس کے ذریعے باہر نکل آیا۔ سیاح کی بیٹی نے اپنے باپ سے کہا: ''بابا خدا نہ بھلائے تو یہ ولایت شاہ شہزادہ ہے۔ جس کی تم باتیں کیا کرتے ہو۔'' باپ نے کہا: ''بیٹی اگر یہ وہی ہے تو میں اسے ایک ایسی لاٹھی دوں گا کہ اگر جوان اسے ہاتھ میں لے گا تو بوڑھا دکھائی دے گا۔'' بیٹے نے کہا: ''بابا! اگر وہی ہوگا تو میں اسے ایک ایسا منکا دوں گی کہ جب اسے منہ میں لے گا تو پرندہ بن کر اڑ سکے گا۔'' سیاح کی بیٹی نے کہا: ''اگر واقعی یہ وہی ہے تو میں اسے ایسا سُرمہ دوں گی جسے لگا کر بوڑھا بھی جوان ہوجائے۔'' آخر حال احوال پوچھا اور اس نے کہا: ''ہاں، میں حقیقت میں وہی ولایت شاہ شہزادہ ہوں۔'' اس پر انہوں نے وعدے کے مطابق سب چیزیں دے دیں۔ پھر ان چیزوں سمیت وہ ماں کے پاس واپس آ گیا۔ پھر فوراً بادشاہ کے دربار میں گیا اور تمام حالات کی حقیقت عرض کی۔ اس پر بادشاہ نے حکم دیا کہ: ''اس وزیر کو زندہ گدھے کے پیٹ میں ڈال کر دفن کردو۔'' پھر شہزادی کو اندھیری کوٹھری سے نکلوالیا اور اس کی شادی ولایت شاہ شہزادے کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے کردی۔ پھر شہزادے کے باپ کو تمام سربستہ حقیقت لکھ بھیجی جس میں اسے شرم دلائی کہ: ''پرندوں کی بات پر کوئی اپنی عزت کو چھوڑتا ہے!'' ولایت شاہ شہزادے کا باپ یہ خط پڑھ کر بہت شرمندہ ہوا، اور امیروں وزیروں کو ساتھ لے کر خود وہاں چل کر آیا اور بڑی شان وشوکت سے اپنی رانی اور بیٹے کو دلہن سمیت اپنی بادشاہی میں لے گیا۔ وہاں جاکر اس نے اعلان کیا کہ: ''اپنی زندگی ہی میں اپنے اس بیٹے ولایت شاہ شہزادے کو تخت نشین کرتا ہوں۔'' پھر شہزادے کو تخت نشین کرکے خود گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ ولایت شاہ شہزادہ پھر اپنی رانی سمیت تخت بخت کا مالک ہوگیا اور زندگی کے دن خیر خوشی کے ساتھ گزارنے لگا۔

سُورم راجا اور بیکھٹ راجا

ایک تھا راجا، جو بڑا زبردست تھا۔ اس نے کتنے ہی ملک فتح کر ڈالے۔ خزانے بھردیے۔ مال ومتاع کی تو اس کے پاس کوئی کمی نہ تھی پر اولاد نہ ہوئی۔ اسی لیے اس نے دوسری شادی کی۔ اس شادی سے اسے ایک بیٹا ہوا۔ مالک کے کام بھی عجیب ہیں۔ اس کی حکمت کا کوئی کنارہ ہی نہیں، کوئی انتہا ہی نہیں۔ بادشاہ جسے اولاد کی اتنی تمنا تھی، وہ شہزادے کی پیدائش کے بعد جلد ہی وفات پا گیا اور اس کے پیچھے رانی بھی راہیٔ ملکِ عدم ہوئی۔ اب شہزادے کو سوتیلی ماں سنبھالنے لگی۔

شہزادہ آج چھوٹا، کل بڑا، آخرکار جوان ہوگیا۔ ماں باپ تو پیدائش کے بعد ہی مر گئے تھے اس لیے وہ اسی ماں کو اپنی ماں سمجھتا تھا اور اس کی بہت عزت کرتا تھا۔ پر یہ تھی کہ اسے سہتی ہی نہ تھی۔ بس اٹھتے بیٹھتے طعنے مہنے دیتی رہتی۔

ایک رات، شہزادہ سو رہا تھا۔ دیکھتا کیا ہے کہ ایک عالیشان محل میں ایک چھپر کھٹ پر سو رہا ہے۔ وہاں اس کی دو رانیاں ہیں جن میں ایک سورم راجا کی بیٹی ہے اور دوسری بیکھٹ راجا کی۔ وہ دونوں اسے پنکھے سے ہوا جھل رہی ہیں! شہزادہ اچانک خواب

سے بیدار ہوگیا۔ پہلے تو اسے ہنسی آئی اور پھر بیٹھ کر رونے لگا۔ اس کی سوتیلی ماں نے دیکھا کہ پہلے تو شہزادہ صبح سویرے اٹھتا تھا پر خدا جانے آج اٹھا کیوں نہیں۔ یہ سوچ کر شہزادے کے پاس آئی۔ دیکھا تو شہزادہ ہنس بھی رہا ہے اور، رو بھی رہا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر رانی کو بڑا تعجب ہوا اور لڑکے سے ہنسنے اور رونے کا سبب پوچھا۔ لڑکے نے جواب دیا کہ: ''اور تو کوئی سبب نہیں۔ مجھے تو ویسے ہی ہنسی آ گئی اور پھر رونا آ گیا۔'' رانی نے سبب جاننے کے لیے بہت زور لگایا لیکن اس نے نہ بتایا۔ اس پر رانی کو غصہ آ گیا اور حکم دیا کہ: ''اس بے ادب نالائق کو جنگل میں لے جاؤ۔ اسے مار کر اس کی آنکھیں نکال کر مجھے لا کر دو۔'' نوکر لڑکے کو لے کر روانہ ہوگئے۔ چلتے چلتے سورم راجا کے محل کے پاس سے گزرے۔ اس وقت سورم راجا کی بیٹی ہار سنگھار کیے محل کی کھڑکی سے شہر کا دیدار کر رہی تھی۔ اس نے دور سے ہی شہزادہ کو دیکھ لیا اور اس پر عاشق ہوگئی۔ وہ سوچنے لگی کہ تلواروں کے بیچ میں ایسے حسین چھوکرے کو کیوں لے جا رہے ہیں۔

جب یہ سب محل کے نیچے سے گزرے تو شہزادی نے باندی کو حکم دیا کہ: ''ان لوگوں سے حال احوال دریافت کر کے آؤ کہ یہ کون ہیں کہاں جا رہے ہیں؟ یہ لڑکا کون ہے اور اسے کہاں لے جا رہے ہیں۔'' حکم ملتے ہی باندی ان کے پاس آئی اور ان سے دریافت کیا لیکن انہوں نے اصل حقیقت نہ بتائی۔ اس پر شہزادی نے انہیں اپنے پاس بلایا اور بولی: ''اصل حقیقت نہ بتاؤ گے تو تمہیں پھانسی چڑھا دیا جائے گا اور سچ بولنے سے تمہاری جان بخشی کر دی جائے گی۔'' انہوں نے دیکھا کہ اب سچ بولنے کے سوا چارہ نہیں اس لیے ساری حقیقت سچ سچ بتا دی۔ بات سن کر شہزادی کہنے لگی کہ: ''یہ شہزادہ ہمارے حوالے کر دو تو تمہیں انعام ملے گا اور تم جنگل میں کوئی ہرن مار کر اس کی آنکھیں نکال کر اس ڈائن عورت کو دے دو۔'' انہوں نے بھی دیکھ لیا کہ اگر انکار کرتے ہیں تو یہ شہزادی لڑکا بھی لے لے گی اور ہمیں ناحق مار پڑے گی لہٰذا ناچار قبول کرنا پڑا۔ شہزادی نے انہیں بہت دھن دولت سے نوازا۔ انہوں نے لڑکا اس کے حوالے کیا اور واپس روانہ ہوگئے۔ جاتے جاتے جنگل میں ایک ہرن مار کر اس کی آنکھیں نکالیں اور لے جا کر اس ڈائن کو دیں، جنہیں پا کر وہ بہت خوش ہوئی۔

شہزادی نے لڑکے کی تعلیم کے لیے عمدہ انتظام کر دیا اور اسے وہ تمام علوم سکھائے گئے جو بادشاہوں کے لیے ضروری ہیں۔ لڑکا بادشاہی بچہ تو تھا ہی، اس پر حسین صورت اور اچھے اخلاق کے باعث سب ہی پسند کرنے لگے۔ سورم راجا بھی اسے بہت چاہتا تھا۔

سُورم راجا کے ساتھ ہی بیکھٹ راجا کا ملک ڈنگئی تھا۔ ایک روز بیکھٹ راجا نے اسے لکڑی کے دو ٹکڑے، ایک جتنے اور ایک جیسے بھیجے۔ ان میں سے ایک ٹکڑا لکڑی کے نچلے حصے اور دوسرا اوپری حصے سے تعلق رکھتا تھا اور اس نے کہلوایا کہ: ''تیری عقل اور سیانے پن کی ہر طرف عزت ہے لہٰذا یہ لکڑیاں بھیج رہا ہوں۔ مہربانی کرکے بتاؤ کہ کونسی نچلی والی ہے اور کونسی اوپر والی۔'' راجا نے لکڑیاں دیکھیں تو دونوں ایک جتنی اور ایک جیسی! بہت جانچا پرکھا لیکن پتہ نہ چلا۔ امیروں وزیروں سے پوچھا اور بہتیرے عقلمند لوگ ادھر ادھر سے اکھٹے کیے مگر کوئی نہ بتا سکا۔ راجا کو بڑا افسوس ہوا کہ ملک میں ذلت ہوگی۔ دنیا کہے گی کہ سارے ملک میں ایسا کوئی عاقل نہیں کہ لکڑیاں پہچان سکے۔ کیا سارا ملک بیوقوفوں سے بھرا ہوا ہے؟ یہ بات لڑکے کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔ وہ راجا کے پاس آیا اور بولا: ''آپ غمگین کیوں ہوتے ہیں؟ میں اس کا پتہ لگا دیتا ہوں۔'' یہ کہہ کر نوکروں کو حکم دیا کہ ایک شاہی ناند پانی سے بھر کر تیار کرو جب ناند پانی سے بھر دی گئی تو لڑکے نے وہ دونوں لکڑی کے ٹکڑے اس میں ڈال دیے۔ اوپر والا ٹکڑا جو ہلکا ہوتا ہے، وہ تیرتا رہا اور دوسرا ڈوب گیا۔ لڑکے نے دونوں ٹکڑے بادشاہ کو دکھائے اور کہا کہ: ''یہ اوپر والے حصے کا ٹکڑا ہے اور یہ نیچے والا۔'' راجا اس کی عقل پر بہت خوش ہوا، اور اسے بہت سا انعام دیا۔ پھر اس نے یہ ٹکڑے الگ الگ کرکے بیکھٹ راجا کو روانہ کردیے، جو بہت خوش ہوا اور اس کے دربار میں سورم راجا کی عقل کی تعریف ہونے لگی۔ لیکن بعض درباریوں نے کہا کہ: ''لکڑیاں تو بچہ بھی شناخت کرسکتا ہے، اس میں عقل کی کونسی بات ہے؟ راجا کی کوئی اور آزمائش کرنی چاہیۓ؟''

بیکھٹ راجا کے پاس ایک عمدہ گھوڑی تھی جس سے ایک بچھڑی ہوئی۔ وہ جب بڑی ہوئی تو رنگ وروپ میں ہو بہو ماں جیسی ہوگئی۔ کوئی بھی یہ پہچان نہ سکتا تھا کہ ماں کونسی ہے اور بیٹی کون سی! راجا نے کیا کیا کہ یہ دونوں گھوڑیاں سورم راجا کو بھجوادیں اور کہلوایا کہ: ''پہچان کر بتاؤ کہ ان میں ماں کونسی ہے اور بیٹی کون سی؟'' گھوڑیاں جب سورم راجا کے پاس پہنچیں تو اس نے بہتیری پہچاننے کی کوشش کی لیکن بالکل پہچان نہ سکا۔ امیروں، وزیروں اور کتنے ہی گھوڑوں کی شناخت رکھنے والوں نے ادھر ادھر سے گھوڑیوں کو جانچا پرکھا لیکن کوئی بھی حتمی طور پر نہ بتا سکا کہ چھوٹی کون سی ہے اور بڑی کون سی؟ آخر میں راجا نے شہزادے کو بلایا۔ جس نے ساری بات جان کر حامی بھری کہ: ''میں یہ گھوڑیاں پہچان کر بتادوں گا۔'' اس نے کیا کیا کہ دو سوار بلائے اور ان سے کہا کہ: ''گھوڑیوں پر چڑھ کر انہیں خوب دوڑاؤ پھر جب میں حکم دوں تو انہیں واپس لے آنا۔'' سواروں نے حکم برداری کی اور

گھوڑیوں کو خوب دوڑایا۔ بہت سے لوگ یہ تماشہ دیکھنے کے لیے اکھٹے ہوگئے تھے۔ کچھ دیر کے بعد جب شہزادے نے دیکھا کہ اب گھوڑیوں کو اچھی طرح پسینہ آ گیا ہوگا تو اس نے انہیں واپس لانے کا حکم دیا۔ سواروں نے گھوڑیاں لاکر حاضر کردیں۔ تب شہزادے نے حکم دیا کہ: ''گھوڑیوں کو پانی کی جدا جدا ناندوں پر کھڑا کردو کہ پانی پئیں۔'' جب گھوڑیوں کو ناندوں پر چھوڑا گیا تو ایک گھوڑی تو فوراً پانی پینے لگی لیکن دوسری گھوڑی نے کچھ دم لینے کے بعد پانی پینا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر شہزادے نے بادشاہ سے کہا: ''جس نے دم لے کر پانی پیا ہے وہ ماں ہے اور جس نے فوراً پانی پیا وہ بیٹی ہے۔'' راجا نے شہزادے کی عقل کی بہت تعریف کی اور اسے بہت سا انعام واکرام دے کر خوش کیا۔ اس کے بعد راجا نے وہ گھوڑیاں بیکھٹ راجا کو واپس بھیج دیں اس شناخت کے ساتھ کہ یہ ماں ہے اور یہ بیٹی ہے۔

اس کے بعد بیکھٹ راجا نے ایک بار پھر آزمائش کرنے کو سورم راجا کو ایک موٹا تازہ ہاتھی بھیجا اور کہلوایا کہ: ''ہمیں اس کا تول کر کے بتادو!'' یہ بات سن کر سورم راجا کے وزیروں کے چہرے اُتر گئے اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے اور کہنے لگے: ''ہاتھی کا تول کس ترازو میں ہوگا اور اس کے لیے باٹ کہاں سے آئیں گے!'' راجا نے پھر شہزادے کو بلوایا، اس نے کہا کہ: ''یہ بات تو بہت آسان ہے۔ ایسا کرو کہ ہاتھی کو ایک کشتی میں سوار کرو!'' جب ایسا کردیا گیا تو اب کشتی ہاتھی کے وزن کے سبب جس قدر پانی کے اندر ہوگئی اس پر شہزادے نے نشان کردیا۔ پھر ہاتھی کو نیچے اتار کر کشتی میں پتھر اور سِلیں رکھنی شروع کیں۔ جب کشتی اس نشان زدہ مقام تک پہنچی تو ان سِلوں اور پتھروں کو تُلوانے کا حکم دیا اور کہا: ''جتنی ان سِلوں اور پتھروں کی تَول، اُتنا ہی اس ہاتھی کا وزن ہے!''

بیکھٹ راجا کو جب ہاتھی کا تول ملا تو وہ بہت خوش ہوا اور راجا کی عقلمندی کی تعریف کرنے لگا۔ لیکن ایک دفعہ پھر آزمانے کا خیال آیا۔ لہٰذا سورم راجا کو کہلا بھیجا کہ: ''میں نے تمہاری عقل کی پرکھ کرلی، بیشک تم دانا ہو۔ لیکن پھر بھی ایک آزمائش چاہتا ہوں اگر اس سے پار اُترے تو سمجھو کہ دنیا میں تم جیسا عاقل کوئی نہیں، لیکن اگر اس میں ہار گئے تو اس سے پہلے کی سب باتیں ختم سمجھو۔ بات یہ ہے کہ میرے سونے والے پلنگ کے نیچے سونے کی سِل اور ایک چندن بتی لگی ہے۔ اگر انہیں کسی انکل سے نکال لے جاؤ تو سمجھوں گا کہ تم یقیناً عاقل ہو۔'' یہ پیغام بھیجنے کے بعد راجا نے اپنے آدمیوں کو خبردار کردیا کہ اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ یہ چیزیں چھن نہ جائیں۔ اس کے علاوہ راجا نے شہر کے باہر بھی سخت پہرہ لگادیا کہ کسی بھی مشکوک شخص کو شہر میں داخل نہ ہونے دیں۔ پھر اپنے محل اور اپنے سونے والی جگہ کے چاروں طرف پہریدار مقرر کیے۔ سورم راجا کو جب

یہ پیغام ملا تو اس نے شہزادے کو بُلایا اور اسے تمام بات بتادی۔ شہزادے نے راجا کو تسلی دی کہ: ”آپ فکر نہ کریں۔ یہ چیزیں میں لاکر آپ کو دوں گا۔ اگر راجا نے اس قدر پہرہ بٹھادیا ہے تو میں بھی چھپتے چھپاتے یہ چیزیں نہیں لاؤں گا بلکہ کھلم کھلا، ڈنکے کی چوٹ پر لے کر آؤں گا۔ چھپ کر اٹھانا بزدلی کا کام ہے لہٰذا آپ راجا کو خبر کردیں کہ ہم آرہے ہیں۔ آپ کو جو کچھ انتظام کرنا ہو کر ڈالو۔ کبھی کل ہمیں طعنہ دو کہ چھپ کر لے گئے۔“ راجا نے ایسی ہی اطلاع بیکھٹ راجا کو بھجوادی جسے سن کر وہ مسکرادیا لیکن پھر بھی اس نے اپنے آدمیوں کو خبردار رہنے کی تاکید کردی۔

تھوڑے دنوں بعد شہزادہ روانہ ہوا۔ بیکھٹ راجا کے شہر کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ زبردست پہرہ ہے۔ اس نے سوچا کہ کسی ترکیب سے اندر پہنچنا چاہئے۔ پس اس نے پھٹے پرانے کپڑے پہنے، ہاتھ میں کاسہ لیا اور لنگڑاتا ہوا شہر میں داخل ہونے لگا، پہریداروں نے اسے دیکھتے ہی پکارا: ”خبردار! وہیں کھڑا رہ!“ وہ بیچارا وہیں کھڑا ہوگیا۔ پہریداروں نے سوال کیا: ”تم کون ہو اور کہاں جارہے ہو؟“ لڑکے نے نہایت عاجزی سے جواب دیا: ”میں ایک یتیم بھکاری ہوں۔ میرا کوئی ماں، باپ عزیز رشتے دار نہیں لہٰذا ملکوں مُلک گھوم کر، شہر شہر بھیک مانگ کر گزر بسر کرتا ہوں۔“ اس پر پہریداروں کو رحم آگیا اور اسے شہر کے اندر جانے کی اجازت دے دی۔

لڑکے نے سوچا کہ میں نیا آدمی ہوں۔ شہر کا حال معلوم کرنے کے لیے کچھ ایک طرف کو ہوکر رہوں تو بہتر۔ چنانچہ دیکھتے دیکھتے شہر کے ایک کونے میں ایک غریب بوڑھی کمہارن کے پاس پہنچا اور اس کے پاس رہنے کو کہا۔ مگر بڑھیا غصے سے بولی: ”میرے پاس جگہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ شہر کے راجا کا حکم ہے کہ کوئی بھی کسی اجنبی شخص کو اپنے پاس نہ ٹھہرائے۔“ یہ جواب سن کر لڑکے نے بڑھیا کو ایک سونے کی مہر (اشرفی) نکال کر دی اور کہا: ”جب تک میں تیرے پاس رہوں گا تجھ پر اپنا کوئی بوجھ نہ ڈالوں گا بلکہ تیرا خرچ بھی میرے ذمے ہے۔“ غریب بڑھیا جس نے اپنی زندگی میں تانبے کا ٹکا بھی مشکل سے ہی دیکھا ہوگا اور بھیک مانگ کر پیٹ پالتی تھی، اس نے سونے کی مہر جو دیکھی تو پھڑک گئی اور اسے اپنے پاس رہنے کی اجازت دے دی اور بولی: ”میں تیری نانی اور یہ تیرا گھر۔ بیٹھا موج کر۔“ لڑکا بہت خوش ہوا اور بوڑھی کو پیسے دیے جن سے وہ کھانے کا سامان لے آئی اور آکر کھانا تیار کیا۔ دونوں نے سیر ہوکر کھایا پیا۔ اس کے بعد بڑھیا نے اس کے لیے بستر بچھادیا، جس پر لیٹ کر وہ مزے کی نیند سوگیا۔ پھر صبح جاگا اور تمام دن بڑھیا سے شہر کا حال احوال لیتا رہا۔

دوسری رات شہزادے نے کیا کیا کہ ایک کاغذ پر لکھا کہ: ''سونے کی سِل اور بتی لینے کے لیے راجا سورم آ گیا ہے، بیکھٹ راجا کو جو بھی بندوبست کرنا ہو، کر لے۔'' اور وہ کاغذ محل کے دروازے پر لگا آیا۔ صبح راجا کے نوکروں نے وہ کاغذ پڑھا تو تعجب میں پڑ گئے اور فوراً ہی راجا کو خبر کی اور کاغذ بھی لے جا کر اسے دکھایا۔ راجا بھی حیرت میں پڑ گیا اور پہریداروں پر بہت ناراض ہوا، پھر اس نے انہیں مزید خبردار رہنے کی تاکید کی اور ایک ہوشیار آدمی کو منتخب کر کے حکم دیا کہ: ''تو ایک اونٹ ٹکوں سے بھر کر شہر میں اعلان کر دے کہ 'سورم راجا شہر میں آ چکا ہے۔۔۔ جو شخص بھی ہمیں اسکا پتہ بتائے گا یہ سارا مال اسی کو دے دیا جائے گا۔'' حکم کے مطابق بیکھٹ راجا کا آدمی، ٹکوں سے اونٹ لاد کر، سارے شہر میں اعلان کرتا پھرا۔

اب لڑکے نے کیا کیا کہ جب رات ہوئی تو پھٹے پرانے کپڑے پہن، دیکھ بھال کر بازار میں ایک طرف تھوڑے انگارے دہکا کر بیٹھ گیا۔ کبھی سو جاتا تو کبھی اٹھ بیٹھتا۔ جب اعلان کرنے والا، اونٹ سمیت کچھ نزدیک پہنچا تو لڑکا چیخنے چلانے لگا۔ چلانے کی آواز سن کر وہ دوڑ کر نزدیک آیا اور چلّانے کا سبب پوچھا۔ لڑکے نے کہا کہ: ''سائیں! میں غریب فقیر ہوں۔ سارا دن بھیک مانگتے رات ہوگئی تو یہاں پر سو گیا۔ تمہارے آنے سے پہلے ایک آدمی نے آ کر کہا کہ: ''مجھے راجا کی چیزیں اٹھا لے جانی ہیں۔ تم اپنے کپڑے اتار کر دے دو تاکہ انہیں پہن کر وہ چیزیں اٹھا لاؤں تاکہ کوئی چور سمجھ کر پکڑ نہ لے۔ میں نے انکار کیا تو زبردستی مجھ سے کپڑے چھیننے لگا۔ اس لئے میں چلا پڑا۔ اس نے تمہیں دور سے آتا دیکھا تو بھاگ گیا۔'' اعلان کرنے والے نے پوچھا کہ: ''کدھر گیا؟'' لڑکے نے جواب دیا کہ: ''سامنے گلی میں۔'' اعلان کرنے والا جلدی جلدی ادھر روانہ ہوا۔ کافی دور آگے تک گیا لیکن کچھ دکھائی نہ دیا۔ تب وہ واپس پلٹ آیا۔ لڑکے نے اسے واپس آتے دیکھا تو پھر چلانے لگا۔ اعلان کرنے والا بھی تیزی سے دوڑتا آیا اور پوچھا: ''اب کیا ہوا؟'' لڑکے نے کہا: ''سائیں! میں نے جو تمہیں پتہ نشان دیا اور تم ان کے پیچھے گئے اتنے میں وہ پھر میرے پاس آیا اور بولا: ''تو نے میرا پتہ بتایا ہے اب میں تجھے مار ڈالوں گا۔ یہ کہہ کر مارنے کو تیار ہوا تو میں چلایا، لیکن پھر سے تمہیں آتا دیکھ کر وہ بھاگ گیا۔ جاتے جاتے کہتا گیا کہ میں تجھے جیتا نہ چھوڑوں گا۔'' اعلان کرنے والے نے کہا: ''اب تم ایسا کرو کہ اپنے کپڑے مجھے دے دو اور میرے کپڑے تم پہن کر اونٹ سنبھالو اور تھوڑی دور جا چھپو۔ میں اسے پکڑنے کے بعد خود ہی تجھے پکار لوں گا۔'' پھر ان دونوں نے آپس میں کپڑے تبدیل کئے۔ اعلان کرنے والا وہیں بیٹھ گیا اور لڑکا اونٹ لے

کر سیدھا کمہارن کے گھر آیا۔ مال ملکیت قابو کیا۔ اونٹ ذبح کر کے گوشت کمہارن کو پکانے کے لیے دیا۔ خود وہاں سے روانہ ہو گیا اور سیدھا محل پر پہنچا اور اس کے دروازے پر کاغذ لکھ کر لگا دیا کہ: ''آج سورم راجا، بادشاہ کے اعلان کرنے والے سے ٹکوں سے بھرا اونٹ لوٹ کر لے گیا۔ راجا کو خبردار ہونا چاہیے جو بھی بندوبست کرنا ہو کر لے۔''

ادھر اعلان کرنے والا کافی وقت بیٹھا انگاروں پر ہاتھ تاپتا رہا اور ادھر ادھر دیکھتا رہا پر کوئی بھی نہ آیا۔ جب بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو اٹھ کر لڑکے کو تلاش کرنے لگا کہ کہیں چور اس سے اونٹ چھین کر نہ لے گیا ہو۔ لیکن لڑکے کو نہ پا کر وہ سمجھ گیا کہ: ''چور تو وہ خود ہی تھا جو مجھ سے ٹکوں بھرا اونٹ بھی لوٹ کر لے گیا!'' بہت تلاش کیا لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر اس نے سوچا کہ چور نے ضرور اونٹ کو کاٹ کر کھایا ہوگا لیکن اتنا سارا گوشت وہ اکیلا تو کھا نہیں سکتا۔ چنانچہ وہ شہر میں ادھر ادھر اعلان کرنے لگا کہ: ''میری بیوی بیمار ہے، طبیب نے اونٹ کا گوشت بتایا ہے۔ اگر کسی کے پاس اونٹ کا گوشت ہو تو پیسوں میں مجھ غریب کو دے تاکہ دعا کروں۔'' اعلان سن کر بوڑھی کمہارن کو اس پر رحم آ گیا کہ اس غریب کی بیوی بیمار ہے، بھلے کسی غریب کا بھلا ہو جائے۔ اس نے اسے پکارا اور اسے کچھ گوشت دے دیا۔ اس نے یقین کر لیا کہ چور یہیں ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی سوچا کہ اکیلا ہوں ایسا نہ ہو کہ چور مجھ سے بچ کر بھاگ جائے لہٰذا کمہارن کے گھر پر اونٹ کے خون سے نشان لگا دیا کہ صبح اپنے آدمی کو لائے گا اور چور کو پکڑ لے گا۔

لڑکا بادشاہ کے محل سے واپس لوٹا اور اپنے گھر میں داخل ہوا تو دروازے پر خون کا نشان دکھائی دیا۔ اندر آ کر اس نے بڑھیا سے پوچھا کہ: ''یہ نشان کس نے لگایا ہے؟'' بڑھیا نے ساری بات کہہ سنائی۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ اعلان کرنے والے کی چالبازی ہے۔ وہ پہچان کے لیے نشان لگا گیا ہے۔ بس اس نے کیا کیا کہ اونٹ کا خون لیا اور اس پاڑے میں جتنے بھی گھر تھے ان تمام گھروں پر ایسا ہی نشان بنا دیا۔ پھر خود بے فکری کے ساتھ آیا، کھانا کھایا اور پڑ کر سو رہا۔ اعلان کرنے والا صبح سویرے اٹھا، مونچھوں کو تاؤ دیا، پولیس ساتھ لی، اور چور کو گرفتار کرنے کے لیے روانہ ہو گیا۔ جب اس محلے میں پہنچا تو تمام گھروں کے دروازوں پر ایک جیسا نشان دیکھ کر بہت جھلایا اور خالی ہاتھ جیسے آیا تھا ویسے ہی لوٹ گیا۔ ادھر محل کے چوکیدار نے دروازے پر کاغذ لگا دیکھا تو اسے اتار کر راجا کے پاس لے گیا۔ راجا کو بہت تعجب ہوا۔ اتنے میں اعلان کرنے والے نے بھی آ کر راجا کو ساری حقیقت سے آگاہ کیا۔ راجا کو بہت دکھ ہوا۔ پھر اس نے دوسری رات پہریداروں کو زیادہ خبردار رہنے کی تاکید کی۔

دوسری رات لڑکا بھی گھر سے تیار ہو کر نکل کھڑا ہوا۔ پہریداروں کے گھروں کے پاس پہنچا دیکھا کہ نوکری پر جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اس نے موقع پا کر دو تین پتھر اندر اچھال دیے اور خود وہیں چھپ کر بیٹھ گیا۔ پہریدار یہ دیکھ کر باہر نکلے لیکن انہیں کوئی بھی دکھائی نہ دیا۔ وہ جلدی میں باہر نکل آئے تھے اور ان میں سے بعض تو پوری طرح تیار بھی نہ تھے۔ بعض کے ہاتھوں میں ہتھیار تھے اور بعض خالی ہاتھ تھے۔ ابھی یہ باہر ہی تھے کہ لڑکا جو اپنے ساتھ ایک پوتھی بھی لایا تھا، وہ سیدھا ان میں سے ایک کے گھر میں گھس گیا۔ عورتیں آ کر جمع ہو گئیں اور ان سے بولا: ''میں غریب برہمن ہوں۔ کچھ جوتش بھی جانتا ہوں۔ ویسے تو شہر میں کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا ہے پر آج تو سارا دن رُلتے ہوئے ہو گیا کہیں کچھ نہ ملا۔ دھنی کے نام پر کچھ دو تا کہ تمہیں دعائیں دوں۔'' عورتوں نے اسے غریب برہمن سمجھ کر دان دیا اور پوچھا: ''اگر تم جوتش جانتے ہو تو بتاؤ کہ ہمارے شوہر سورم راجا کو پکڑنے جا رہے ہیں، وہ اسے پکڑ سکیں گے یا نہیں؟'' اس نے اپنی پوتھی اٹھائی، الٹا سیدھا حساب کیا اور عورتوں سے کہنے لگا: ''سورم راجا کو وہ پکڑیں گے ضرور، پر آج تم لوگوں کو ایک تکلیف ہو گی کہ تمہارے پاس ننگے بھوت آئیں گے، تم انہیں آنے نہ دینا، وہ تمہیں کتنا ہی کیوں نہ کہیں کہ ہم تمہارے شوہر ہیں ہمیں کپڑے دو، لیکن وہ تمہارے شوہر نہیں ہوں گے اور تم سے جھوٹ بولیں گے۔ وہ زبردستی تمہارے پاس آنے کی کوشش کریں گے لیکن تم کسی صورت بھی انہیں آنے نہ دینا۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ جب وہ آئیں تو انہیں پتھر مار کر بھگا دینا، ان کے لیے پتھر پہلے ہی سے جمع کر کے گھر بھر لو۔'' عورتوں نے یہ بات مان لی۔ پتھر چن چن کر اپنے اپنے گھر کے ایک کونے میں جمع کر لیے اور لڑکا پوتھی اٹھائے باہر روانہ ہوا۔

لڑکا گھروں کے نزدیک ایک تالاب پر آ بیٹھا۔ پہریدار جب رُلتے رُلتے واپس لوٹے تو لڑکے پر نظر پڑی۔ اس کے پاس آ کر پوچھا: ''تم کون ہو؟'' اس نے کہا: ''سائیں، غریب برہمن ہوں۔'' یہ سن کر انہوں نے پوچھا کہ: ''کچھ جوتش بھی جانتے ہو؟'' کہنے لگا: ''سائیں، بس یونہی کچھ جانتا ہوں۔'' انہوں نے پوچھا: ''اچھا تو یہ بتاؤ کہ ہم تیار ہو کر سورم راجا کو پکڑنے جا رہے ہیں، ہم اسے پکڑ بھی سکیں گے یا نہیں؟'' اس نے پوتھی نکالی، دیکھا، کچھ انگلیوں پر حساب کیا اور بتایا کہ: ''آپ لوگ سورم راجا کو ضرور گرفتار کریں گے، لیکن ایسا کریں کہ اس تالاب میں اشنان کر کے پاک ہو کر نوکری پر جاؤ۔ اشنان کرتے ہوئے ڈبکی لگاؤ، جو سب سے آخر میں پانی سے باہر نکلے گا، وہی چور کو پکڑے گا۔'' وہ لوگ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے فوراً کپڑے اتارے، کنارے پر رکھے اور تالاب میں اُتر گئے۔ سب ہی نے زور سے پانی میں ڈبکی لگائی۔ لڑکے نے موقع پاتے

ہی سب کے کپڑے سمیٹے اور سیدھا گھر چل دیا۔ وہاں کپڑے رکھ کر راجا کے محل پر پہنچا اور کاغذ پر لکھا کہ: ''سورم راجا آج پہریداروں کے کپڑے بھی لے گیا، راجا کو جو بھی خبرداری کرنی ہے کرلے۔'' یہ کاغذ دروازے پر لگا کر وہ واپس پلٹا۔ پہریدار تالاب میں ڈبکی لگائے ہوئے دم گھٹ گھٹ کر ادھ موئے ہو چکے تھے، اب جو باہر نکل کر دیکھتے ہیں تو کپڑے ہی نہیں ہیں! برہمن بھی دکھائی نہ دیا۔ آخر ننگے دھڑنگے ہی گھروں کی طرف بھاگے۔ جب وہاں پہنچے تو ان کی بیویوں نے برہمن کی بات سچ سمجھی اور انہیں پتھر مارنے شروع کردیے۔ انہوں نے کتنا ہی کہا کہ: 'ہم تمہارے شوہر ہیں، ہمیں کپڑے دو۔'' لیکن بھلا عورتوں کو اعتبار کیسے آتا! بس ان پر پتھروں کا مینہ برسادیا۔ آخر بہت دیر تک جھک جھک کے بعد وہ زبردستی گھروں میں گھسے اور کپڑے پہنے۔ تب کہیں مشکل سے بیویوں نے انہیں پہچانا۔ شوہروں نے بیویوں سے پوچھا: ''آج تمہیں کیا ہوا تھا کہ پتھر برسا رہی تھیں؟'' عورتوں نے انہیں برہمن والی ساری بات بتائی۔ تب پہریداروں کو یقین ہوگیا کہ وہ برہمن نہیں تھا، بلکہ سورم راجا ہی تھا جس نے برہمن کے روپ میں عورتوں کو ورغلایا اور ہمارے کپڑے بھی لے گیا۔ وہ بڑے پشیمان تھے کہ اب راجا کو کیا جواب دیں گے!

صبح محل کے پہریدار نے دیکھا کہ دروازے پر پھر کاغذ لگا ہوا ہے۔ پہریدار نے کاغذ اتارا اور لاکر راجا کو دیا، جسے پڑھ کر بادشاہ کو بڑا غصہ آیا۔ اتنے میں سارے پہریدار بھی آگئے اور راجا کو تمام حقائق سے آگاہ کیا۔ یہ سب سن کر راجا بہت غمگین ہوا۔

تیسری رات پہریدار ایسے چوکنے ہوکر نوکری پر کھڑے تھے کہ ذرا سے شک پر ہر کسی کو گرفتار کر لیتے۔ لڑکے نے کیا کیا کہ بھڑکدار زنانہ لباس پہنا، زیوروں سے خود کو سجایا، لڈو بنائے جن میں نشہ ملایا تھال بھر کر سر پر رکھا اور روانہ ہوا۔ جب پہریداروں کے پاس سے گزرا تو انہوں نے پکارا: ''کون ہو تم؟ کھڑی ہو جاؤ۔'' لڑکا کھڑا ہو گیا۔ پہریداروں نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ ایک عورت ہے۔ اس سے کہنے لگے: ''تجھے خبر نہیں ہے کیا کہ یہاں ایک مشہور چور پیدا ہوا ہے جو شاہی پہرے کے باوجود چوریاں کر لیتا ہے! تو عورت ہوتے ہوئے، زیور کپڑوں کے ساتھ ہار سنگھار کیے یوں بے وقت کیوں نکل آئی ہے!'' اس نے جواب دیا کہ: ''مجھے تو خبر ہے لیکن میں بھی مجبور ہوں کہ میرا شوہر آج پردیس سے کامیاب ہوکر واپس لوٹا ہے۔ میں نے فلاں بھگت کی مَنت مانی تھی بس اب وہی پوری کرنے جا رہی ہوں۔'' پہریداروں نے جو لڈو دیکھے تو ان کے منہ میں پانی آ گیا۔ اس سے بولے: ''یہ منت کا چڑھاوا یہیں چڑھا دے، خود ہی قبول ہو جائے گی اور تو چپ کر کے واپس گھر لوٹ جا۔'' لڑکے کو تو چاہیئے ہی یہی تھا۔ دل میں خوش ہوا۔ پر ظاہری آنا کانی کرنے کے بعد وہ لڈو انہیں کو دے دیے جنہیں وہ وہیں بیٹھ کر مزے سے کھانے لگے۔ ابھی کھا کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ چکر آنے شروع ہو گئے اور وہ وہیں کے وہیں چکرا کر ڈھیر ہو گئے۔ ان سب کے کپڑے اتارے، گٹھڑی بنا کر بغل میں دبائی اور سارے پہریداروں کو اوندھا کر باندھا اور وہیں چھوڑا۔ پھر اس نے کاغذ پر لکھا: ''سورم راجا آج پھر پہریداروں کے ساتھ چوٹ کر گیا۔ بادشاہ کو جو بھی خبرداری کرنی ہو، بھلے کر لے۔'' یہ کاغذ دروازے پر لگایا، کپڑوں کی گٹھڑی اٹھائی اور واپس گھر آ گیا۔

صبح ہوئی تو لوگوں نے آ کر پہریداروں کو جھنجھوڑا، اور ان پر پانی چھڑک کر انہیں ہوشیار کیا۔ پہریداروں نے اپنی حالت دیکھی تو بہت شرمندہ ہوئے لیکن انہوں نے سوچا کہ یہ چوٹ صرف ہمارے ساتھ ہی نہیں ہوئی، اوروں کے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ ہو چکا ہے۔ لہٰذا یہ احوال راجا کو ضرور جا کر بتا دینا چاہیئے۔ آخر بادشاہ کے پاس آ کر سارا احوال کہا۔ راجا بہت پریشان ہوا اور اسے یقین ہو گیا کہ سورم راجا اب ضرور وہ چیزیں چُرا لے جائے گا۔ لیکن کیا کرے؟ راجا کے ساتھ شرط تو پہلے ہی باندھے بیٹھا تھا، آخرکار بولا: ''اچھا، آج رات اور زیادہ خبرداری ہونی چاہیئے۔''

چوتھی رات، راجا نے خود وزیر کو اس کام پر مقرر کیا۔ وزیر تیار ہوا، ہتھیار سجائے، اپنے زیردستوں کو جاگتے رہنے کی ہدایت کی۔ چاروں طرف پہرہ تھا اور وزیر بذات خود

نگرانی کر رہا تھا تا کہ ماتحت لوگ چوکنے رہیں، سست ہوکر نہ بیٹھ جائیں۔ رات گزرتی رہی۔ جب پو پھٹنے لگی تو لڑکے نے کیا کیا کہ ایک بوڑھی عورت کا بھیس بھرا، سر پر چکی اٹھائی، گھر سے ذرا دور گلی میں بیٹھ کر پیسنے لگا۔ جب وزیر نظرداری کرتا ہوا نزدیک آیا تو اس نے چلانا شروع کردیا کہ: ''ہائے رے ہائے! مجھے چور مار رہا ہے!'' چیخیں سن کر وزیر دوڑا آیا اور اس سے پوچھا: ''تم کون ہو؟ اور اس وقت یہاں بیٹھی کیوں چکی پیس رہی ہو۔ شہر میں چور پھر رہا ہے اس کا بھی تجھے خوف نہیں ہوا۔ کیوں اس وقت لوگوں کی نیند خراب کر رہی ہو؟'' اس نے جواب دیا: ''میں کیا کروں، غریب مزدورن ہوں۔ کتنے برس گزرے کہ میرا شوہر مر گیا، ایک بیٹا تھا جو بڑا ہوا، شادی کی، پھر وہ اور اس کی بیوی دونوں گزر گئے۔ ان کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جن کا سنبھالنے والا دوسرا کوئی نہیں اسی لیے میں شہر میں محنت مزدوری کر کے گزران کرتی ہوں۔ لوگوں کو پسائی پر اناج پیس دیتی ہوں۔ آج اس پاڑے کے ایک گھر سے اناج مل گیا، اسے پیس کر اس کی پسائی سے گزر کر لوں گی، اس لیے بیٹھی اناج پیس رہی تھی کہ ایک آدمی آیا اور آٹا اٹھانے لگا۔ میں نے انکار کیا تو مجھے مارنے لگا۔ میں چیخی تو آپ دوڑ کر آ گئے، آپ کو آتا دیکھ کر وہ بھاگ گیا۔۔۔ لیکن کہتا ہوا گیا ہے کہ میں ابھی آتا ہوں!'' وزیر کو یقین ہوگیا کہ سورم راجا وہی ہے۔ ہمارے سخت پہرے کے سبب اسے کہیں سے کھانا نہیں ملا ہے لہٰذا بڑھیا سے اناج کا آٹا

لوٹنا چاہتا تھا۔ یہ سب سوچ کر وزیر نے بڑھیا سے کہا: ''اپنے کپڑے مجھے دے دو کہ میں بیٹھ کر چکی پیسوں۔ میں اسی چور کی تلاش میں تو ہوں۔ اب بھلے وہ آئے۔ اس کی وجہ سے رات بھر رُلا ہوں مگر ہاتھ نہیں آیا۔ اب تو صبح ہونے کو ہے اچھا ہوا کہ اس کمبخت نے موقع دیا۔ اب تم میرے کپڑے پہن کر دور جا کر چھپ جاؤ۔'' یہ کہہ کر کپڑے تبدیل کیے اور وزیر اناج پیسنے بیٹھ گیا اور لڑکا وزیر کے کپڑے پہن کر وہاں سے کھسک گیا۔ سیدھا محل کے دروازے پر پہنچ کر کاغذ چپکا دیا کہ: ''سورم راجا آج وزیر کے کپڑے بھی لوٹ لے گیا۔ راجا کو جو بھی چوکسی کرنی ہو کر لے، کل اس کی سونے کی سِل اور چندن بتی چوری ہوگی۔'' کاغذ چسپاں کر کے لڑکا اپنے گھر آ گیا اور یکسو ہو کر سو گیا۔

وزیر بیٹھا اناج پیستا رہا۔ حتی کہ صبح ہوگئی لیکن کوئی بھی نہ آیا۔ وزیر کو اب یقین ہو گیا کہ چور تو دراصل وہی تھا لیکن اب کیا کیا جائے! وقت تو ہاتھ سے نکل چکا تھا بہت جھنجھلایا۔ اب زنانہ کپڑوں میں جائے تو کہاں جائے! آخر وہاں سے اٹھا اور چھپتے چھپاتے اپنے گھر پہنچا۔ فوراً کپڑے بدل کر راجا کی طرف روانہ ہوا۔ صبح کو چوکیدار نے دروازے پر کاغذ لگا ہوا دیکھا۔ لہٰذا اسے اتار کر راجا کے پاس لے گیا۔ راجا کاغذ پڑھ کر بہت مایوس ہوا۔ اسے یقین تھا کہ وزیر آج ضرور چور گرفتار کر لائے گا لیکن کاغذ پر لکھے احوال کو پڑھ کر معلوم ہوا کہ وزیر کے ساتھ تو پہلے ہی چال چلی جا چکی ہے۔ وہ بہت بےچین ہو گیا۔ اتنے میں وزیر بھی آ پہنچا اور سارا احوال راجا سے کہا۔ دونوں حیران پریشان تھے کہ آخر کیا کیا جائے؟ آخر راجا نے کہا: ''آج چور نے اعلان کیا ہے کہ آج ہی رات سونے کی سِل اور چندن بتی لے جائے گا، سو آج آخری رات ہے لہٰذا آج میں خود پہرے کا کام سنبھالوں گا۔''

پھر پانچویں رات، راجا اچھی طرح تیار ہوا، ہتھیار لگائے، عمدہ گھوڑے پر سوار ہو کر پہریداروں کو تاکید کرتا ہر طرف نظرداری کرتا رہا۔ لڑکے نے کیا کیا کہ بادشاہ کے نوکروں جیسی پوشاک پہنی، نشے دار چیز جیب میں رکھی اور سیدھا محل کو چلا۔ بادشاہ پہریداروں پر چوکسی کرنے اور خود چور پکڑنے کے لیے باہر گیا ہوا تھا۔ لہٰذا وہ چپکے سے محل کے اس چوکیدار کے پاس پہنچا جو بادشاہ کی خوابگاہ پر پہرہ دے رہا تھا۔ لڑکے نے اس چوکیدار سے کہا: ''جلدی کر۔ بادشاہ سلامت نے حکم دیا ہے کہ شہر کے اُتر کی جانب گودام والے راستے پر جا کر کھڑا ہو جا، میں ابھی آتا ہوں۔ اس لیے کہ پتہ چلا ہے کہ چور ادھر سے ضرور گزرے گا، اور راجا نے کہا ہے کہ جب تک میں نہ آؤں تب تک وہیں ٹھہرے

رہنا، پر جلدی کر۔ دیر نہ کر۔ گھڑی گھڑی قیمتی ہے۔ تو فوراً جا میں یہاں کھڑا پہرہ دیتا ہوں۔'' پہریدار اس کے دام میں پھنس گیا۔ اسے ذرا بھی شک نہ ہوا۔ وہ یہی سمجھا کہ وہ راجا کا پیغام لے کر آیا ہے۔ اس لیے وہ بیچارہ دوڑتا ہوا گودام والے راستے پر جا کھڑا ہوا اور انتظار کرنے لگا کہ راجا ابھی آتا ہی ہوگا۔

کچھ وقت گزرا ہوگا کہ راجا بھی گھوڑا دوڑاتا محل کی طرف آیا۔ لڑکے نے جاکر گھوڑے کی باگھ پکڑی اور راجا گھوڑے سے اُتر کر سیدھا اپنی خوابگاہ کی طرف گیا۔ اتنے میں لڑکے نے گھوڑا باندھا، راجا کے پاس آیا اور سلام کرکے ادب سے کھڑا ہوگیا۔ راجا جو دیر تک چوکسی کرتے چکر لگاتا رہا تھا، تھک چکا تھا۔ اسے پیاس بھی لگی تھی۔ لہٰذا اسے پانی لانے کا حکم دیا۔ وہ فوراً باہر گیا۔ گلاس بھر کر اس میں نشے دار شے ملائی اور لاکر راجا کو دے دیا۔ ذرا ہی دیر گزری تھی کہ راجا پر نشہ طاری ہونے لگا اور آخر ایسا حال ہوا کہ بیہوش ہوکر پڑ رہا۔ تبھی لڑکے نے وہاں سے سونے کی سِل اور چندن بتی اٹھائی، راجا کی سجی سجائی گھوڑی پر سوار ہوا سیدھا اپنے گھر کا راستہ لیا۔ بوڑھی کمہارن کو بہت سا دھن دولت دے کر اس سے رخصت لی، کاغذ پر لکھا: ''سورم راجا اپنا کام پورا کر کے، راجا کی گھوڑی سمیت جارہا ہے۔ اب راجا کو الوداعی سلام!'' پھر یہ کاغذ محل کے دروازے پر لگایا اور اپنے ملک کو روانہ ہوگیا۔

صبح جب راجا کا نشہ اترا اور وہ بیدار ہوا تو دیکھتا کیا ہے کہ سونے کی سِل اور چندن بتی غائب! اتنے میں سائیس نے آکر بتایا کہ ''گھوڑا بھی موجود نہیں۔'' راجا ساری بات سمجھ گیا۔ پھر پہریداروں نے کاغذ لاکر دکھایا جسے پڑھ کر وہ ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگا۔ محل کے نوکر پر غصہ اتارا، جس کا کوئی قصور ہی نہ تھا۔ جب اس کے پاس کوئی بھی نہ آیا تو وہاں کھڑے کھڑے بالآخر صبح وہ واپس لوٹ آیا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے ساری حقیقت بتادی۔ جسے سن کر راجا خاموش ہوگیا۔ آخر سورم راجا کو لکھ بھیجا کہ: ''تم یقیناً دانا اور عاقل ہو۔ ہم نے آپ کی دوبار پہلے بھی آزمائش کی اور اب تیسری اور آخری آزمائش میں بھی آپ کامیاب ہوگئے۔ آپ یقیناً عقلمند ہیں اور آپ جیسا عقلمند ملک بھر میں کہیں کوئی نہیں!''

سورم راجا کو جب بیکھٹ راجا کی چھٹی پہنچی تو اس نے اسے جواب بھیجا کہ:

''یہ کام ہم نے نہیں کیا ہے بلکہ ہمارے پاس ایک لڑکا ہے جو گردشِ زمانہ کے سبب ہم تک پہنچا ہے۔ اسی نے یہ سب کیا ہے۔'' بیکھٹ راجا یہ پڑھ کر تعجب میں پڑ گیا اور سورم راجا کو پیغام بھیجا کہ: ''یہ لڑکا ہمارے پاس بھیجو تاکہ ہم بھی اسے دیکھیں۔'' راجا نے لڑکے کو بلا کر

بیکھٹ راجا کا پیغام سنا دیا۔ لڑکے نے جانے کے لیے حامی بھرلی۔ تیار ہوکر اپنے سنگتیوں، ساتھیوں سمیت بیکھٹ راجا کے شہر جا پہنچا۔ بیکھٹ راجا کو یہ اطلاع پہلے ہی دی جاچکی تھی جس نے لڑکے کے پہنچنے پر اس کا شاندار استقبال کیا اور دربار میں اپنے پاس بٹھایا۔ لڑکے نے گھوڑا، سونے کی سِل اور چندن بتی راجا کو واپس دے دی اور کہا: ''ہمیں ان چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں فقط آپ سے شرط جیتنے کے لیے یہ لے جانی پڑیں۔'' بیکھنٹ راجا نے یہ چیزیں واپس نہیں لیں بلکہ اسے انعام کے طور پر دے دیں۔

لڑکا کچھ وقت بیکھٹ راجا کا شاہی مہمان رہا۔ اس کا اخلاق ایسا تھا کہ ہر کسی کو بھاتا تھا۔ سارے شہر میں اس کی عزت تھی۔ راجا بھی اسے بہت عزیز رکھتا تھا۔ راجا کا کوئی بیٹا نہ تھا فقط ایک بیٹی تھی جس کی شادی کی فکر تھی۔ آس پاس کتنے ہی راجکمار تھے لیکن ان میں اس کی بیٹی کے لائق کوئی بَر نہ ملا۔ لڑکے کی نیک عادتیں دیکھ کر راجا نے اسے اپنی بیٹی کے لائق سمجھا اور اپنی رانی اور وزیر سے یہ بات کی۔ انہوں نے بھی یہ بات پسند کی۔ لڑکے نے کچھ وقت وہاں رہنے کے بعد واپسی کی اجازت چاہی۔ راجا نے مجبوراً اسے اجازت دے دی۔ وہ رخصت ہوکر سورم راجا کے پاس پہنچا اور اسے تمام حقیقت سے آگاہ کیا، جسے سن کر وہ بہت خوش ہوا۔

کچھ وقت کے بعد بیکھٹ راجا نے منگنی کے شگن کے طور پر ناریل بھیجا، سورم راجا نے ناریل لے لیا، اور لانے والے کو بہت سا انعام واکرام دے کر عزت کے ساتھ واپس کیا۔ پھر لگن دیکھ کر، دن مقرر کیا اور شادی کی تیاریاں شروع کردیں۔ دولہا اور دولہن والوں میں شادی کی تیاریاں خوب زوروں پر تھیں۔ شہر سجائے گئے۔ خیراتیں بٹنے لگیں۔ دیگیں چڑھادیں گئیں۔ غریب غربا، خاص وعام سب کھا کر دعائیں دیتے تھے۔ مقرر دن پر بارات تیار ہوکر روانہ ہوئی۔ کنواریوں نے خوب خاطر مدارات کیں۔ رواج کے مطابق ساتھ رسمیں کرکے شادی کی رسوم پوری ہوئیں۔ بارات کئی دن وہاں رہنے کے بعد واپسی کے لیے تیار ہوئی۔ بیکھٹ راجا کی صرف یہی ایک لڑکی تھی۔ لہٰذا اس نے لڑکے کو لڑکی دان کی اور اپنا ولی عہد بھی مقرر کردیا۔ ہر طرف مبارکیں دی گئیں۔ بالآخر رخصت لے کر بارات دلہن سمیت گھر آ پہنچی۔

خدا کی قدرت کہ سورم راجا کا بھی کوئی بیٹا نہ تھا فقط ایک بیٹی تھی۔ جس کے لیے وہ بھی لائق بَر کی تلاش میں تھا لیکن ایسا شخص اسے ملتا ہی نہ تھا۔ اس نے بھی جب ایسا اچھا لڑکا دیکھا اپنی رانی اور وزیر سے اس بارے میں صلاح کی۔ انہوں نے بھی یہی صلاح

دی کہ ایسا اچھا لڑکا دوسرا مشکل ہی ملے گا۔ بس پھر تو شبھ وقت دیکھ کر راجا نے منگنی کا اعلان کردیا اور کچھ دن بعد شادی کا دن بھی مقرر کردیا۔ بالآخر اس شبھ دن راجکماری کے ساتھ اس کی شادی کی گئی۔ سورم راجا نے کتنا ہی دان دیا اور اسے بہت جہیز دیا اور لڑکے کو اپنا ولی عہد مقرر کرلیا۔ اس طرح یہ لڑکا، دو راجکماریوں سے شادی کر کے، دونوں راجوں کا راجکمار کہلانے لگا۔

تھوڑے ہی دنوں میں دونوں راجا ایک دوسرے کے پیچھے پرلوک سدھارے اور راجکمار تخت پر بیٹھا۔ دونوں ملک ساتھ ساتھ تھے لہٰذا ایک بادشاہی بن گئی اور وہ عدل وانصاف سے حکومت کرنے لگا۔

لڑکا اب راجا بھی بن چکا تھا اور جس بات کے لیے اس کی سوتیلی ماں نے اسے جان سے مارنے کے لیے جلادوں کے حوالے کیا تھا وہ بھی پوری ہوگئی تھی۔ یعنی خواب والی بات، جس میں وہ سو رہا تھا اور سورم راجا کی بیٹی اور بیکھٹ راجا کی بیٹی دونوں کھڑی اسے پنکھا جھل رہی تھیں۔ اب اسے اپنی سوتیلی ماں کی یاد آئی۔

اس دوران وہاں کیا ہوا کہ رانی اچھی طرح حکومت نہ چلاسکی۔ پھر اس نے لڑکے کے ساتھ جو برتاؤ کیا تھا اس سے رعایا بھی ناراض ہوگئی۔ امیر وزیر بھی اس کے خلاف ہوگئے۔ ملک میں چاروں طرف گڑبڑ اور بدانتظامی ہوگئی۔ یہ موقع پاکر کسی دشمن نے ملک پر چڑھائی کردی اور معمولی جنگ کے بعد حکومت پر قبضہ کر بیٹھا۔ رانی نے بھاگ کر اپنی جان بچائی اور چھپتی چھپاتی پہلے ایک گوٹھ میں پہنچی، لیکن وہاں سے بھی پکڑے جانے کے خوف سے بھاگ نکلی اور سورم راجا کے ملک میں آ پہنچی۔ وہاں بہراڑی میں ایک جگہ گمنام رہ کر، محنت مزدوری کر کے پیٹ پالنے لگی۔ اس کا گزر اوقات بہت تنگی ترشی سے ہوتا تھا۔ کہاں ایک راجا کی رانی اور کہاں مزدوری کرکے پیٹ پالنا! پر قدرت کے کھیل بھی عجیب ہیں۔ اسے اپنے کیے کی سزا ملی۔ لڑکا تو اس کے دل ہی سے اُتر چکا تھا۔ جسے اس کے حکم سے جلاد مارنے کے لیے گئے تھے اور وہ سمجھی تھی کہ جلادوں نے اسی لڑکے کی آنکھیں لاکر اسے دی تھیں۔ لہٰذا اسے یاد کرنے کے لیے اس کے پاس کوئی سبب ہی نہ تھا۔

ادھر لڑکا جب راجا بن گیا تو اسے اپنے ملک کا خیال آیا۔ اس نے یہ بھی سنا کہ وہ حکومت کسی غیر نے قبضہ کرلی اور اس کی ماں چھپ چھپا کر کہیں بھاگ گئی ہے۔ مگر پہلے تو وہ کچھ نہ کرسکتا تھا لیکن اب راجا ہونے کی وجہ سے سب کچھ کرسکتا تھا۔ اس لیے اس نے سوچا کہ آبائی ملک واپس حاصل کروں۔ اس نے اپنے امیروں وزیروں سے صلاح مشورہ کیا، انہوں نے بھی اس کا حوصلہ بڑھایا ادھر اس کے ملک کی رعایا اور امیروں وزیروں کو

بھی پتہ چل گیا کہ ان کا راجکمار درحقیقت مارا نہیں گیا ہے، جلادوں سے انہیں تمام حقیقت معلوم ہو چکی تھی۔ ایسی بات سننے کے بعد سارا ملک بہت خوش تھا۔ وہاں کے لوگوں نے خفیہ طور پر اسے کہلا بھیجا کہ اپنا ملک واپس حاصل کر لے، اس کے علاوہ انہوں نے اپنی طرف سے ہر طرح کی مدد کا بھی یقین دلایا۔

راجا نے اب اپنے آبائی ملک کو حاصل کرنے کے لیے اپنا لشکر تیار کیا اور جب حملہ کیا تو وہاں کی رعایا اور امیروں وزیروں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ چنانچہ اپنا ملک واپس حاصل کرنے میں اسے ذرا بھی تکلیف نہ ہوئی۔ حکومت حاصل کرنے کے بعد اس نے سب امیروں وزیروں کو ان کی اپنی اپنی جگہوں پر مقرر کیا اور انہیں انعام واکرام دیا۔

سب کا وقت خیر و خوبی سے گزرنے لگا۔ راجا کو کسی بات کا غم فکر نہ تھا البتہ ایک بات رہ رہ کے اسے ستاتی تھی یعنی اپنی سوتیلی ماں کو تلاش کرنے کی، جس کا اسے کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ کہاں ہے! ایک روز اس نے یہ بات اپنے وزیروں کو بتائی اور ان کی صلاح لی، جنہوں نے سوچ سمجھ کر جواب دیا کہ: ''اور تو کوئی راستہ رانی کو پالینے کا نہیں سجھائی دیتا البتہ یوں کرو کہ خیرات اور طعام کا بندوبست کیا جائے۔ لنگر خانے میں طعام تیار ہوتا رہے اور سارے ملک میں ڈھنڈورا پٹوا دیا جائے کہ تمام غریب غربا یا جس کا دل چاہے سو اُس کھانے سے کھا کر جائے اور کھانے کے بعد آپ کو منہ دکھا کر جائے۔ اس طرح سے ہوسکتا ہے کہ شاید وہ کہیں سے آپہنچے اور آپ اسے پہچان لیں۔'' راجا کو یہ صلاح پسند آئی اور فوراً اشتہار جاری کیا کہ: ''آج سے لنگر جاری ہے جس کا دل چاہے وہ دونوں وقت آئے، شاہی لنگر خانے سے کھانا کھائے اور جاتے ہوئے راجا کو اپنا منہ دکھا کر جائے۔''

ملک بھر میں ڈھنڈورا پیٹ دیا گیا۔ لنگر خانے میں کھانے کی دیگیں چڑھ گئیں۔ آتا جاتا جو بھی آیا کھاپی کر راجا کے لیے دعا کرتا، راجا کے سامنے حاضر ہوتا، سلام کرتا اور روانہ ہو جاتا۔ اس طرح کافی وقت تک یہ دعوتِ عام چلی پر راجا کے من کی مراد پوری نہ ہوئی۔ آخر ایک دن، رانی نے جب نئے راجا کی باتیں سنیں تو اس نے خیال کیا کہ: ''بہت دن تکلیفیں اٹھائیں، ساری خلقت راجا کے شاہی لنگر خانے سے کھاپی کر آرہی ہے تو کیوں نہ میں بھی کھاپی کر آجاؤں۔ یہی سوچ کر وہ وہاں پہنچی اور خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ کھانے کے بعد دستور کے مطابق اسے راجا کے سامنے سے ہو کر جانا تھا۔ اس لیے وہ بھی راجا کے پاس آئی۔ پھٹے پرانے میلے کچیلے کپڑے، منہ اور بدن کا رنگ کالا پڑ چکا تھا۔ وہ پہچاننے میں بھی نہ آرہی تھی لیکن راجا نے بعض خصوصیتوں کے باعث اسے پہچان لیا اور فوراً ایک خاص نوکر کو حکم دیا کہ: ''انہیں لے جاؤ اور زنان خانے کی فلاں حویلی میں رکھو!''

۔۔۔۔ راجا ایک دم اُس کے پیروں پر گر گیا،

ادب سے کھڑا ہوگیا۔۔۔

رانی جب محل میں آ گئی تو اسے بہت ڈر لگا اور سوچنے لگی کہ: ''میری قسمت میں جانے کیا لکھا ہے کہ اس مصیبت میں آ پھنسی ہوں۔ خبر نہیں میرے ساتھ ہوگا کیا؟ میں ناحق یہاں آئی۔''

ادھر راجا نے خاص باندیوں کو بلایا اور حکم دیا کہ: ''فلاں عورت، جو فلاں حویلی میں ہے اسے نہلا دھلا کر نئے کپڑے پہناؤ اور اس کی خدمت میں حاضر رہو۔'' حکم ملتے ہی باندیوں نے اسے نہلا دھلا کر نئے کپڑے پہنائے، رانی کو بہت عجیب لگا کہ یہ سب کیا؟ باندیوں سے پوچھا: ''یہ تم کیا کررہی ہو؟'' انہوں نے جواب دیا کہ: ''ہمیں اس سے زیادہ کچھ پتہ نہیں۔ صرف ہمیں جو حکم دیا گیا ہے وہی کررہے ہیں۔'' پھر کھانے کے وقت اس کے لیے باندیاں طرح طرح کے طعام لے آئیں۔ اسے اور بھی ڈر لگا کہ نہ جانے میرے ساتھ کیا مصیبت پیش آنی ہے؟ اسی لیے اس سے کھانا نہ کھایا جاسکا۔ لیکن جب باندیوں نے اسے تسلی دی تو بمشکل کھانا کھایا۔ باندیوں نے اس کے ہاتھ دُھلائے اور اس کے آرام کے لیے بستر جھاڑ کر تیار کیا اور چلی گئیں۔

تھوڑی دیر کے بعد راجا اپنی دونوں رانیوں سمیت اس کے پاس آیا۔ انہیں دور سے آتا دیکھ کر ادب اور خوف کے مارے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ لیکن راجا یکدم آ کر اس کے پیروں پر گرا اور عزت سے پلنگ پر بٹھایا۔ اسی طرح راجا کی دونوں رانیاں بھی اس کے پیروں پر گریں۔ اور اس کی حاضری میں کھڑی ہوگئیں۔ وہ الجھن میں پڑ گئی۔ راجا نے اس سے پوچھا: ''مجھے پہچانتی ہو؟'' لیکن اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ تب راجا نے اسے بتایا کہ میں وہی لڑکا ہوں جس نے خواب دیکھا تھا کہ ''مجھے سورم راجا کی بیٹی اور بیکھنٹ راجا کی بیٹی پنکھا جھل رہی ہیں، یہ خواب آخر کار سچا ہوا، اور یہ ہیں میری وہی رانیاں اور میں ہوں تمہارا بیٹا!'' یہ سن کر رانی نے بظاہر تو انھیں گلے لگایا لیکن اندر سے ڈر رہی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو راجا مجھ سے وہی بدلہ لے، اسی لیے اس سے معافی مانگنے لگی۔ راجا نے اسے عزت سے کہا: ''تم میری ماں ہو۔ مجھے تم سے بدلہ لینے کا کوئی خیال نہیں۔ اگر مجھے ایسا خیال ہوتا تو میں تبھی بدلہ لے لیتا۔ تم میری ماں ہو، یہ راج پاٹ بھی تمہارا ہے۔ مجھے بھی جو حکم کروگی وہی کروں گا۔'' یہ سن کر رانی کو تسلی ہوئی اور اسے دعائیں دیں۔ پھر سب ساتھ ساتھ خوش وخرم رہنے لگے۔ ان کا ملن وہاں ہوا، اپنا یہاں!

☆

شاہ بھی ہو تو چکّی پیسے

کسی زمانے میں ایک بادشاہ تھا جو نہایت ہی عادل اور انصاف پسند تھا۔ اس بادشاہ کا دستور تھا کہ رات کے وقت چہرا پوش ہو کر رعیت کے دکھ سکھ جاننے کے لیے نکلتا۔ ایک رات خدا کا کرنا کیا ہوا کہ جب بادشاہ چہرا پوش ہو کر اپنے وزیر کے ساتھ ایک جھونپڑی کے پاس سے گزرا تو اس کے کان میں، دو نوجوان لڑکیوں کی گفتگو، پڑی۔ بادشاہ نے سوچا رات کے اِس پہر، جب تمام جہان سو رہا ہے یہ دو جوان جہان لڑکیاں جو ایسی محبت کے ساتھ باتیں کر رہی ہیں تو ضرور کوئی ایسی ہی بات ہوگی! یہ سوچ کر بادشاہ ان کی باتیں سننے کے لیے ایک طرف ہو کر کھڑا ہو گیا۔ بڑی لڑکی نے چھوٹی لڑکی سے کہا: ''بہن، کسی ایسے ویسے کو تو چھوڑ، اگر میں بادشاہ کی بیوی بھی بنوں تو اسے ہاتھ کے اشارے سے اٹھاؤں ہاتھ کے اشارے سے بٹھاؤں۔ بالکل ایسا مطیع کر کے رکھوں۔'' اس پر چھوٹی لڑکی نے بڑی لڑکی سے کہا: ''بہن، ہاتھ کے اشارے سے اٹھانے بٹھانے میں کیا ہے، میں تو، ہوسکتا ہے اس سے چکّی پسوا دوں۔'' بادشاہ نے جو یہ بات سنی تو دل میں سوچا: ''ارے یہ لڑکی اس قدر چالاک!'' خیر مجھے اب دیکھنا ہے کہ یہ لڑکی کس طرح ایک بادشاہ سے چکّی پسواتی ہے۔ یہ سوچ کر بادشاہ اسی وقت اپنے محل کو لوٹ آیا۔ صبح ہوتے ہی اس نے اپنے وزیر کو بلایا اور اس کو رات والی جگہ کا پتہ بتا کر ادھر روانہ کیا کہ: ''وہاں دو لڑکیاں ہیں۔ ان میں سے چھوٹی لڑکی کا رشتہ اس کے والدین سے میرے لیے مانگو۔'' وزیر سیدھا ادھر روانہ ہوا اور جا کر لڑکیوں کے والدین سے ملا اور کہا: ''تمہاری چھوٹی بیٹی پر بادشاہ کا دل آ گیا ہے تم جو چاہو گے ملے گا بس اس لڑکی کا رشتہ بادشاہ سے کر دو۔'' لڑکی کے والدین بیچارے غریب، انہوں نے جو یہ بات سنی تو دل سے یا بیدلی سے انہیں بادشاہ کی بات ماننی پڑی۔ وزیر نے ان سے اس طرح 'ہاں' کرائی اور جا کر فوراً بادشاہ کو مبارک باد دی۔ تھوڑے دنوں میں بادشاہ کی شادی اس لڑکی کے ساتھ نہایت دھوم دھام سے ہوگئی۔ بادشاہ نے اس کے والدین کو بھی بہت کچھ نواز کر خوش کر دیا۔

بادشاہ اپنی دلہن کو لے کر محل میں پہنچا اور پہنچتے ہی بولا: ''اے رانی تجھے وہ رات یاد ہے جو تو اپنی بہن سے بیٹھی بڑ مار رہی تھی کہ: ''اگر کہیں میں بادشاہ سے بھی شادی کروں تو اس سے بھی چکّی پسوا دوں۔'' میں نے تم دونوں بہنوں کی باتیں سنیں اور صرف اس لیے

تم سے شادی کی ہے کہ دیکھوں تم کس طرح مجھ سے چکّی پسواتی ہو!'' اس پر رانی نے جواب دیا کہ ''بادشاہ سلامت! اس بات کو چھوڑیں، ہم بہنیں ایسا نہیں سمجھتیں، وہ تو صرف یونہی باتوں باتوں میں کہہ دیا۔'' بادشاہ نے کہا ''نہیں، اب تمہیں اپنی بات ضرور نبھانی ہوگی، ورنہ مجھے تمہاری کوئی ایسی خواہش نہیں ہے کہ میں تم سے شادی کرتا۔ تم سے کہیں زیادہ حسین رانیاں پہلے ہی میرے محل میں موجود ہیں۔ اب جب تک تم اپنی بات ثابت نہ کردو گی، اس وقت تک تمہارا آنا جانا یا میرا تمہارے پاس آنا جانا، ممکن نہیں۔ ویسے تم رانی ہو اور جو کچھ طلب کروگی تو تمہارے لیے حاضر کردیا جائے گا۔ رانی بیچاری نے بادشاہ کو سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر بادشاہ نے اپنی ضد نہ چھوڑی اور اس سے رخ پھیرلیا۔ کتنے ہی مہینے ایسے گزر گئے۔ ایک دن اس نے دل میں سوچا کہ ''اس مشکل کا کوئی نہ کوئی حل نکالنا چاہئے، ورنہ بادشاہ ضد باندھ کر بیٹھا ہے، ممکن نہیں کہ اپنی ضد سے دستبردار ہو۔'' اگلے دن اس نے اپنے بھائی کو بلایا اور ساری بات اسے کہہ سنائی۔ انہوں نے آپس میں صلاح کی کہ کچھ وقت کے لیے یہاں سے نکل کر باہر کسی طرف جانا چاہئے۔ بالآخر ایک روز دونوں بہن بھائی بہت سا مال متاع ساتھ لے کر نکلے اور ایک طرف کو چل دیے۔ راہ میں انہوں نے صلاح کی کہ: ''جنگل میں، جہاں بادشاہ شکار کرنے جاتا ہے، وہیں کہیں چل کر رہنا چاہئے۔'' یہ صلاح کر کے اسی جنگل میں پہنچے وہاں خار دار جھاڑیوں کی باڑھ لگا کر تنکوں کی جھونپڑی بنائی اور دوسرا بہت سا ساز وسامان اکٹھا کیا اور وہاں رہنے لگے۔

ایک روز رانی نے اپنے بھائی سے کہا کہ: ''بھائی میں نے خبر سنی ہے کہ بادشاہ کے شکار کھیلنے کے دن آگئے ہیں۔ اب ضرور وہ ادھر آئے گا۔ اس لیے تم ایسا کیا کرو، اور یہ ریوڑ جو ہم نے اکٹھا کیا ہے پکانے کھانے کو، یہ سارا کسی چرواہے کے سپرد صبح سویرے ہی کردیا کرو اور خود کسی طرف نکل جایا کرو، اس لیے کہ اگر میں اکیلی ہوں گی تو بادشاہ کو کسی نہ کسی طرح پھنسا ہی لوں گی۔ رات کے وقت پھر تم واپس لوٹ آیا کرنا۔'' بھائی نے اس کی بات مان لی اور ایسا ہی کرنے لگا۔

ایک دن بادشاہ بھی تیار ہوا اور اپنے امیروں وزیروں کے ساتھ شکار کے لیے روانہ ہوا، اور اسی جنگل میں آکر ڈیرہ ڈالا۔ اگلے روز شکار کے خیال سے بادشاہ جنگل میں نکلا۔ دور ایک ہرن نظر آیا۔ اس نے گھوڑا ہرن کے پیچھے لگادیا۔ ہرن کچھ دور دوڑنے کے بعد، اس کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ بادشاہ اس ہرن کو تلاش کرنے لگا۔ پر ہرن ہاتھ نہ آیا۔ ادھر دوپہر سر پر آگئی تھی تپش بڑھ چکی تھی، بادشاہ بہت تھک چکا تھا اور اسے سخت

پیاس لگی تھی۔ سو ادھر ادھر پانی کی تلاش میں پھرنے لگا۔ تلاش کرتے کرتے اسی جھونپڑی پر آ پہنچا اور دروازے پر پکار کر بولا: ''اندر کوئی آدمی موجود ہو تو مجھے پانی پلادے۔ مجھے سخت پیاس لگی ہے۔'' رانی نے فوراً بادشاہ کی آواز پہچان لی۔ لیکن بادشاہ کو پکار کر بولی: ''اندر مرد آدمی کوئی نہیں ہے......آپ کون ہیں؟'' بادشاہ نے جواب دیا کہ: ''میں بادشاہ ہوں۔'' اس پر بادشاہ سے بولی: ''بادشاہ سلامت! آپ سے کوئی پردہ نہیں ہے۔ آپ اندر آ کر پانی پی کر جائیں۔'' بادشاہ اندر داخل ہوگیا۔ رانی نے بڑے ادب سے پانی بھر کر بادشاہ کو پیش کیا۔ ہار سنگھار کر کے تیار بنی سنوری تو وہ پہلے ہی بیٹھی تھی، پھر تھی بھی حسین، بادشاہ نے جو اس پر نظر کی تو بس مفتون ہوگیا۔ پانی تو اس نے پی لیا مگر دل نہ چاہتا تھا کہ وہاں سے اٹھے۔ رانی کیونکہ بھیس بدلے ہوئی تھی اس لیے بادشاہ اسے بالکل نہ پہچان سکا۔ بادشاہ کا دل ایسا مائل ہو چکا تھا کہ چاہتا تھا وہیں بیٹھا رہے۔ اس پر رانی نے کہا: ''بادشاہ سلامت! آپ جنگل میں آئے ہونگے سو ضرور بھوکے بھی ہونگے۔ اگر آپ کہیں تو آپ کو کھانے کے لیے کچھ لا کردوں، کھا کر کچھ دیر آرام کر لیں، دن ڈھلتے ہی چلے جانا۔'' بادشاہ نے صبح ہلکا سا ناشتہ کیا تھا اس لیے اسے سچ مچ بھوک لگی رہی تھی۔ اس لیے اس نے آمادگی ظاہر کی۔ رانی نے یکدم عالیشان ناشتہ تیار کیا اور بادشاہ کو کھلایا پھر بادشاہ کے لیے بستر بچھا دیا کہ آرام کرے۔ بادشاہ نے آرام تو نہ کیا البتہ سارا وقت اس کے ساتھ باتوں میں مشغول رہا۔ رانی نے بھی اسے باتوں میں ایسا پرچایا کہ وہ چاہتا تھا محل کو واپس ہی نہ جاؤں۔ جب سورج غروب ہونے لگا تو بادشاہ نے رخصت لی اور اپنے تنبو کی طرف چل دیا۔ چلتے وقت رانی نے اس سے کہا: ''اے بادشاہ سلامت! کوئی بھی کام اگر مجھ سے یا میرے بھائی سے ہو تو میں اور میرا بھائی ہر وقت حاضر ہیں۔ غریب ہیں تو پرواہ نہیں، آپ کوئی حجاب نہ کرنا۔'' جب اپنے تنبو میں پہنچا تو تمام لوگ وہاں بادشاہ کے لیے پریشان تھے، بادشاہ کے خیر سے پہنچنے پر انہوں نے سکھ کا سانس لیا۔

بادشاہ وہاں پہنچ تو گیا مگر اسے کسی کَل چین نہ تھا سو یکدم اس نے روانگی کا حکم دیا اور اپنے ملک کا رخ کیا۔ آخر بادشاہ اپنے محل میں آ پہنچا مگر وہاں بھی آرام نہ آیا۔ ہر وقت دھیان اس جنگل والی رانی کی طرف لگا ہوا تھا اور ایک ایک دن ایک ایک برس بن کر گزرا۔ بالآخر دو تین دن بعد بادشاہ پھر ادھر روانہ ہوا۔ رانی کو تو پورا یقین تھا کہ بادشاہ ضرور آئے گا۔ اس نے جب بادشاہ کو آتے دیکھا تو فوراً ہار سنگھار کر، بن سنور کر بادشاہ کے استقبال کے لیے دروازے پر آ گئی۔ بادشاہ کو بڑے مان سے پوری شان وشوکت کے

ساتھ لے کر اندر آئی، بٹھایا۔ پھر تو سارا دن ہنسی خوشی کے ساتھ باتوں میں گزر گیا۔ شام ہوئی تو بادشاہ اس سے رخصت لے کر واپس اپنے محل کو روانہ ہوا۔ اسی طرح بادشاہ ہر دوسرے تیسرے دن اس کے پاس آتا یہاں تک کہ اس سے حد سے زیادہ محبت ہوگئی۔ مگر اب تک وہ اس سے اس کا اظہار بھی نہ کر پایا تھا۔ آخر ایک دن اس نے اس پر حالِ دل ظاہر کیا اور اس سے شادی کا آرزو مند ہوا۔ رانی نے جواب دیا ''اے بادشاہ، تم نے سنا ہوگا کہ شادی کرنے کا مطلب ہے کنوئیں میں چھلانگ لگانا۔ اگر محبت ہو تو واہ وا، ورنہ جنجال۔ اس لیے میری صلاح ہے کہ اگر ہم محبت کرتے ہیں تو شادی کی کیا ضرورت ہے...... میں یہاں ہوں آپ آتے رہا کریں آپس میں محبت کیا کریں گے۔'' یہ باتیں سن کر بادشاہ تو پھولے نہ سمائے۔ پھر اگلے دن کے بعد وہ اسی طرح آنے جانے لگا۔ اس طرح یہ قصہ کتنے ہی عرصے چلتا رہا یہاں تک کہ بادشاہ سے اسے حمل ہوگیا اور بادشاہ بھی اب آٹھ آٹھ دن میں آنے لگا۔ ایک دن رانی نے بادشاہ سے کہا: ''بادشاہ سلامت مجھے آپ سے اتنی محبت ہے کہ ایک دن بھی ایک برس بن کر گزرتا ہے۔ میرے پاس تمہاری کوئی ایسی نشانی بھی نہیں کہ اسے دیکھ کر دل بہلالیا کروں۔'' یہ سن کر بادشاہ نے فوراً اپنے ہاتھ سے سونے کی انگوٹھی اتاری اور رانی کو دے دی۔ کچھ وقت اس سے باتیں کر کے بادشاہ تو رخصت لے کر اپنے شہر کو روانہ ہوگیا۔ ادھر رانی نے اپنے بھائی سے کہا ''اب یہاں رہنا ٹھیک نہیں، آج کے آج یہ سارا ساز وسامان بیچو اور واپس اس شہر کو چلو۔'' رانی کے بھائی نے وہ سارا سامان اونے پونے فروخت کیا اور دونوں شہر کی طرف روانہ ہوگئے۔ چلتے وقت انہوں نے اپنی رہائش اور اس کے گرد لگی باڑھ کو جلا کر خاک کر دیا۔ اس ساری بات کی کسی کو خبر نہ ہوئی۔ ادھر بادشاہ نے آٹھویں دن جو وہاں آکر دیکھا تو خاک اڑ رہی ہے، نہ پاؤں نہ نشان۔ بس پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ حیران پریشان ہوکر ادھر ادھر پوچھا گچھا، مگر کوئی کچھ نہ بتاسکا آخر تمام دن ادھر ادھر بھٹکتے، پھرنے کے بعد وہ واپس شہر کو روانہ ہوا۔

محل میں پہنچتے ہی اس نے فوراً وزیر کو بلایا اور کہا: ''وزیر آج میری دنیا ویران ہوگئی ہے۔ کوئی حیلہ وسیلہ کرو، ورنہ جینا محال ہے۔'' وزیر نے پریشان ہوکر کہا ''سائیں! آخر ماجرا کیا ہے؟'' اس پر بادشاہ نے اسے ساری حقیقت بتادی اور کہا: ''اب کسی بھی طرح میرے محبوب کو ڈھونڈ کر لاؤ اور وہ چور جس نے اس جگہ کو جلایا ہے۔ اسے بھی پیدا کرو۔'' وزیر نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور سارے شہر میں فرمان جاری کردیا مگر اس بات کا

کہیں کسی سے بھی کوئی پتہ نشان نہ مل سکا۔ بادشاہ بہت بے چین ہوگیا۔ اس پر وزیر نے بادشاہ کو صلاح دی کہ ''آپ کوئی ایسا جانور پال لیں جس سے آپ کا دل بہل جائے اللہ نے چاہا تو آپ کو سکون ملے گا۔ میں بھی کوشش میں لگا ہوا ہوں۔ آخر کار آپ کے محبوب کا پتہ چل جائے گا۔'' بادشاہ جس نے رانی کے پاس دنبوں کا ریوڑ دیکھا تھا۔ سو دل بہلانے کے لیے اس نے وزیر کی صلاح مانتے ہوئے ایک چھوٹا دنبہ منگا کر پال لیا جس سے وہ محبت کرنے لگا۔

ادھر خیر سے دسویں مہینے رانی کے بیٹا پیدا ہوا۔ رانی نے اسے بڑے لاڈ پیار کے ساتھ پال پوس کر بڑا کیا۔ جب وہ سمجھدار ہوگیا تو اسے پڑھانے کے لیے استاد بھی رکھ دیا۔ لیکن کسی کو بھی یہ خبر نہ تھی کہ یہ کس کا بیٹا ہے۔ ایک روز وزیر نے بادشاہ سے کہا ''سائیں! اس دنبے کو شہر میں کھلا چھوڑ دیا کریں بھلے ادھر ادھر گھومے پھرے ہوسکتا ہے کہ کبھی وہ بھی کہیں اسے دیکھ لے، آپ کے پیار کی نشانی سمجھے اور کہیں سے آکر خود کو ظاہر کردے۔'' اس پر بادشاہ نے دنبے کو کھلا چھوڑ دیا۔ وہ سارا دن شہر میں گھومتا پھرتا، کسی کا نقصان کرے تو کیا اور جو کسی کے گھر کے اندر گھس جائے تو کیا اس لیے کہ سبھی کو خبر تھی کہ یہ بادشاہ کا دنبہ ہے۔ ایک دن اسی طرح گھومتے پھرتے یہ دُنبہ اسی رانی کے گھر کے نیچے سے گزرا۔ رانی نے جو اسے دیکھا تو سمجھ گئی کہ ضرور بادشاہ کا دنبہ ہے۔ بیٹے سے بولی: ''آج تو اللہ نے گھر بیٹھے بھیجا ہے اب دیر نہ کرو۔'' بس پھر تو یکدم دنبے پر تکبیر کی، ذبح کیا، پکایا کھایا اور خوش باش بیٹھ رہے۔ جب شام ہوگئی اور دنبہ واپس محل میں نہ آیا تو بادشاہ کو تشویش ہوئی۔ وزیر کو بلا کر کہا ''پتہ تو لگاؤ کہ دنبہ گیا کہاں؟'' وزیر نے شہر بھر میں پوچھ گچھ کی مگر دنبے کا کوئی پتہ نہ چلا۔ آخر آکر بادشاہ کو آگاہ کیا۔ بادشاہ کو بڑا غصہ آیا، کہنے لگا: ''تو وزیر ہے کون ہے؟ تجھ سے کوئی کام نہیں ہوتا! اگر تم نے دونوں کام نہ کیے تو وزیر کے عہدے سے ہٹا دوں گا۔'' وزیر کو جو اپنا خوف لاحق ہوا تو دل وجان سے کوشش کرنے لگا۔ ادھر شہزادے نے رانی کے کہنے کے مطابق اشتہار لکھ کر دیوار پر لگا دیا کہ:

''اے بادشاہ سلامت، دنبہ کھا کر تمہیں بہت دعائیں دیں، اب کوئی دوسرا دنبہ پال کر موٹا تازہ کرو تاکہ کھا کر پیٹ بھریں! آپ کے شہر میں ڈیڑھ ٹھگ پیدا ہوا ہے جو تمہارے ساتھ ڈھائی ٹھگیاں کرے گا۔'' یہ اشتہار پڑھ کر بادشاہ وزیر پر برس پڑا۔ وزیر نے کہا: ''میرے سائیں! تسلی رکھیں۔ میں تھوڑے دنوں میں چور پکڑ دوں گا پر میری ایک صلاح ہے۔ اگر ایسا کیا تو جھٹ پٹ چور پکڑا جائے گا۔ بادشاہ نے پوچھا: ''وہ کیا؟'' وزیر نے

عرض کیا کہ: ''بادشاہ سلامت! آپ کے خزانے میں پیسے کی تو کوئی کمی نہیں۔ اب ایسا کیجیے کہ شہر کی گلیوں میں پیسے بکھیر دیتے ہیں اور اعلان کر دیں کہ: یہ بادشاہی پیسے ہیں۔ جو اٹھائے گا اسے پکڑ لیا جائے گا۔ دنبے کا چور ایسا دلیر ہے کہ ضرور پیسے اٹھائے گا اور پھر جھٹ پٹ پکڑا جائے گا۔'' بادشاہ کو وزیر کی بات دل کو لگی کہنے لگا: ''جو سمجھ میں آئے کرو، پر مجھے چور ضرور پکڑ کر دو۔'' وزیر یہ کہہ کر باہر نکلا اور اگلے دن راستوں پر پیسوں کی بکھیر کردی اور پہریدار کھڑے کر دیے جنہیں ہدایت کردی کہ ''خبردار، ہوشیار رہو! اگر کوئی بھی شخص یہ پیسے اٹھائے گا تو فوراً اسے گرفتار کرلینا، ذرا دیر نہ کرنا۔''

شہزادہ، جو روزانہ بھیس بدل کر دربار میں بادشاہ اور وزیر کی باتیں سنا کرتا تھا، اس نے یہ ساری بات آ کر ماں کو بتادی۔ ماں نے کہا ''بیٹا! تم پرواہ نہ کرو۔ یہ ہے موم، اسے جوتوں کے تلے پر لگالو، پھر انہی راستوں پر پہلے ایک ایک چکر لگا لینا، لیکن ادھرادھر نہ دیکھنا تاکہ چوکیدار کو شک نہ ہو، اسی طرح دو تین چکر لگاؤ گے تو ہر پیسا چُن لیا جائے گا اور کسی کو پتہ بھی نہ چلے گا۔'' شہزادے نے ماں کے کہنے کے مطابق موم لیا اور دونوں جوتوں کے تلوں میں لگا لیا۔ اب جو دو تین چکر لگائے تو سارے پیسے چن لیے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا۔ یہ سب کر کے وہ تو چل دیا گھر کو، ادھر چوکیدار کی جو نظر پڑی دیکھا تو پیسے موجود ہی نہیں! اسے لگا ڈر۔ سو ڈرتے ڈرتے سیدھا بادشاہ اور وزیر کے پاس پہنچا اور عرض کیا: ''سائیں یہ چور تو کوئی جادوگر لگتا ہے، کیونکہ ہمیں تو خبر ہی نہ ہوئی اور ہمارے دیکھتے دیکھتے پیسے سارے گم ہوگئے۔'' جب رات ہوئی تو شہزادے نے پھر ایک دوسرا اشتہار لکھا اور شہر میں لگادیا، کہ: ''اے بادشاہ سلامت! تمہارا دنبہ کھایا تمہیں بہت دعائیں دیں اور اب جو یہ مفت کے پیسے دیے ہیں۔ کچھ اور بھی راستوں پر ڈال دو تو اور زیادہ دعا کریں! تمہارے شہر میں ڈیڑھ ٹھگ پیدا ہوا ہے جو تم سے ڈھائی ٹھگیاں کرے گا اب تمہیں جو کرنا ہے کرلو!'' یہ اشتہار پڑھ کر بادشاہ نے وزیر سے کہا: ''اے وزیر! اب کسی نہ کسی طرح اس چور کو پکڑ ورنہ عزت جاتی رہے گی۔'' وزیر نے عرض کیا کہ ''قبلہ سلامت! نوکر اور چوکیدار چور نہیں پکڑ سکیں گے۔ اب آج رات میں بذاتِ خود جاتا ہوں سکھ برباد کر کے، پھر دیکھنا کہ چور کیسے پکڑا نہیں جاتا۔'' بادشاہ نے وزیر کو اجازت دے دی۔ اگلے دن وزیر نے لکڑی کی ایک پھانسی تیار کرائی اور اسے لوگوں کی گزرگاہ پر رکھوادیا۔ دو نقارے بھی وہاں رکھوادیے۔ پھر شہر کے لوگوں کو اطلاع کردی کہ: ''آج آدھی رات کو کوئی بھی گھر سے باہر نہ نکلے۔ میں فلاں گزرگاہ پر چور پکڑنے کے لیے بھیس بدل کر بیٹھوں گا۔ اگر چور کسی طرح

اس لکڑی کی پھانسی میں پھنس گیا تو ہوسکتا ہے کہ اکیلے بچ کر بھاگ نکلے، سو یہ نقارہ میں بجاؤں گا، بس جو بھی نقارے کی آواز سنے تو ڈنڈے لے کر نکل آئے اور چور کی مرمت کرے۔'' اس طرح اس نے لوگوں کو اچھی طرح سمجھا کر پکّا کر دیا۔ شہزادے نے یہ تمام باتیں آ کر ماں کو بتادیں۔ ماں نے اسے سمجھایا کہ: ''بیٹا تم پرواہ نہ کرو۔ اب وزیر کی شامت آئی ہے۔ پھر بیٹے کو کان میں کچھ سمجھایا۔ جب رات ہوئی تو شہزادہ ماں کے سمجھانے کے مطابق زنانہ کپڑے پہن، ہاتھ میں چُوری کا کٹورہ لیا اور جدھر وزیر گھات لگائے بیٹھا تھا اسی طرف کو چل دیا۔ اب ایک تو وہ پہلے ہی حسین پھر جو زنانہ کپڑے پہنے تو اور سونے پر سہاگہ، نہایت حسین لڑکی بن گئی۔ پھر وہ سیدھا وزیر کے پاس پہنچا۔ وزیر نے جو آدھی رات کو ایک عورت اکیلے جاتے دیکھی تو پکار کر پوچھا: ''اے حسینہ! تو اس وقت کہاں جارہی ہے؟'' شہزادے نے جواب دیا کہ: ''پیر کی منت مانی تھی۔ رات کو تنہائی ہے اور دن میں اجنبی لوگ آتے جاتے رہتے ہیں، اسی لیے اس وقت جارہی ہوں!'' وزیر نے کہا: ''اب اس وقت تو درگاہ بند ہوگئی ہوگی اور صبح تک انتظار کرنا پڑے گا۔ اس لیے یہاں بیٹھو تو دو چار باتیں کریں۔ یہ ملیدے کا کٹورہ یہاں رکھو تو میں کھا کر ختم پڑھ دوں۔'' شہزادے نے کہا ''یہ تو بہت ہی اچھا ہے۔ میری جان بھی ہلاکت سے چھڑادی۔'' یہ کہہ کر شہزادے نے ملیدے کا کٹورہ وزیر کو دے دیا اور خود بھی اس کے پاس بیٹھ گیا۔ وزیر ملیدہ بھی کھاتا رہا اور شہزادے سے میٹھی میٹھی باتیں بھی کرتا رہا۔ بیچ میں شہزادے نے پوچھا کہ: ''تم کون ہو، اور یہاں بیٹھے کیا کررہے ہو؟'' اس پر وزیر نے جواب دیا کہ: ''میں وزیر ہوں۔ یہاں شہر میں ایک چور پیدا ہوا ہے اس کو پکڑنے کے لیے پھانسی لگائی ہے۔'' شہزادے نے وزیر سے پوچھا: ''اس میں بھلا چور کیسے پکڑو گے۔'' وزیر نے کہا کہ: ''اس پھانسی (پھندہ) میں چور کا پیر پڑے گا تو پھندہ کس جائے گا۔'' شہزادے نے پھر پوچھا: ''تو پھر کیسے؟'' وزیر نے بتایا کہ: ''اب تم دیکھو۔ اس پھندہ میں، میں ٹانگ ڈالتا ہوں، اس کے بعد تم اس کیل کو ہلادینا تو بس ٹانگ پھنس گئی۔'' وزیر نے ابھی ٹانگ پھندے میں ڈالی ہی تھی کہ شہزادے نے بڑھ کر کیل کو ہلادیا، وزیر بیچارے کی ٹانگ بندھ گئی۔ بس اب شہزادے نے نقارے پر ایک دو ضرب لگائیں، اور خود رفو چکر ہوگیا۔ چلتے چلتے وزیر سے کہا: ''بادشاہ کو جا کر میرا سلام دینا! ڈیڑھ ٹھگ میرا نام ہے۔'' نقارے کی آواز پر وہ لوگ جو پہلے ہی سے چوکنا بیٹھے تھے، سو یکدم آ کر وزیر پر پل پڑے۔ وہ سمجھے کہ یہ چور ہے جو پھندے میں پھنسا ہوا ہے۔ مار مار کر انہوں نے وزیر کو سجادیا۔ وزیر نے بہتیرا شور

مچایا، واویلا کیا مگر کسی نے اس کی ایک نہ سنی۔ اس لیے کہ رات کا اندھیرا تھا جس میں کوئی بھی اسے پہچان نہ سکا۔ جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ ہیں! یہ تو وزیر ہے جو پھنسا ہوا ہے! سو یکدم وزیر کو اس سے باہر نکالا۔ وزیر جیسے تیسے بادشاہ کے پاس پہنچا اور فریاد کرنے لگا: ''اے بادشاہ سلامت! یہ چور تو کوئی جادوگر ہے۔ میں نے بمشکل اسے پھندے میں پھنسایا ہی تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ ذرا ہی دیر میں وہ تو چھوٹ گیا اور میں پھنس گیا!'' بادشاہ نے کہا: ''اے وزیر! اس چور کو اب میں خود ہی پکڑوں گا۔ تو تسلی رکھ۔'' ادھر شہزادے نے پھر شہر میں اشتہار لگا دیا کہ: ''اے بادشاہ! تم نے ہمیں دنبہ کھلایا، پھر مفت میں پیسے دیے، اب تمہارے وزیر نے بھی موچڑے کھائے، اب آگے دیکھو کہ ہوتا کیا ہے! تمہارے شہر میں ڈیڑھ ٹھگ پیدا ہوا ہے۔ جو تم سے ڈھائی ٹھگیاں کرے گا۔'' بادشاہ عاجز ہوگیا کہ آخر اس چور کو کیسے پکڑے! اب اس نے شہر میں ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ: ''جو بھی اس چور کو پکڑ کر لائے گا اسے خوب انعام واکرام ملے گا۔'' بے شمار لوگ اس اعلان پر لالچ میں آ کر شہر بھر میں پھیل گئے پر چور ہو تو ان کے ہاتھ آئے۔ اب ایک کٹنی بادشاہ کے پاس پہنچی اور کہنے لگی: ''بادشاہ سلامت! اب دیکھنا میں کیسے چور کو پکڑتی ہوں، اور لے کر آپ کے پاس آتی ہوں۔'' بادشاہ نے کہا کہ: ''اگر تم چور کو پکڑ کر لے آؤ گی تو منہ مانگا انعام پاؤ گی۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر انعام دوں گا۔'' کٹنی نے بادشاہ کو سمجھایا: ''سائیں! میں شہر والے راستے پر چارپائی بچھا، خوب ہار سنگھار کر، بیٹھ جاؤں گی۔ چور مجھے اکیلا پاکر ضرور میرے پاس آئے گا۔ بس اسے قابو کر کے میں آپ کے پاس لے آؤں گی۔ یوں چور قابو میں آ جائے گا۔'' ادھر شہزادہ، جس نے یہ ساری باتیں خود اپنے کانوں سے سنی تھیں، اس نے جا کر ساری حقیقت اپنی ماں کو بتائی۔ ماں نے کہا: ''بیٹا! تو فکر نہ کر۔ میں اس کٹنی کی بھی استاد ہوں۔'' پھر ماں نے اسے کان میں کچھ سمجھا دیا۔

شام کو جب کچھ اندھیرا پھیل گیا تو شہزادے نے تلوار اٹھائی اور شہر کو چلا۔ ایک گلی سے گزرا تو دیکھا کہ ایک 'بنیا' دوکاندار اپنا بہی کھاتہ لکھنے میں مشغول ہے۔ اس نے دوکان کے دروازے سے بنیے کو پکارا، کہا: ''مجھے بھوک لگی ہے۔ جلدی سے مجھے چار پیسے کی چیز دے تو میں کھاؤں۔'' بنیے نے دیکھا، سوچا آئی روزی کیوں ٹھکراؤں، سو یکدم ڈبے سے چیز نکالی اور ہاتھ بڑھایا، جیسے ہی شہزادے کو چیز دی ویسے ہی شہزادے نے جھٹ سے تلوار کا وار کیا، بنیے کا ہاتھ فرش پر آ رہا۔ شہزادے نے یکدم اس کا کٹا ہوا ہاتھ اٹھایا اور بھاگ اٹھا۔ بنیے نے بہت چیخ پکار کی جس پر لوگ اکٹھے ہوگئے پر کسی کے ہاتھ بھی کوئی نہ

آیا۔ شہزادے نے آدھی رات کو وہ کٹا ہوا ہاتھ اور پانی کا ایک مشکیزہ چھپایا اور وہاں پہنچ گیا ، جہاں کٹنی بیٹھی تھی۔ کٹنی نے جو ایسے حسین جوان کو دیکھا تو دل قابو سے جاتا رہا۔ پھر جو اسے انعام کا لالچ یاد آیا تو یکدم بڑی مکاری کے ساتھ اس کی آؤ بھگت کرتے ہوئے بڑی شان مان سے اسے اپنے پاس بٹھایا اور اس سے پیار محبت کی باتیں کرنے لگی۔ شہزادہ بھی جانتے بوجھتے، کٹنی کے ساتھ بیٹھا مزے مزے کی باتیں کرتا رہا۔ کہنے لگا: ''میں کوئی ایسا ویسا ٹھگ نہیں ہوں جو دُم دبا کر بھاگ جاؤں۔ میری بہادری کے ہر طرف قصے ہیں۔ کسی عورت مرد نے اب تک تو مجھے نہیں پھنسایا میرا من موہ نہیں لیا، پرنجانے تو نے کیسا جادو کیا ہے کہ میرا دل موہ لیا ہے۔'' اس پر کٹنی نے جواب دیا: ''تیری بہادری کی میں نے بھی ہر طرف تعریف سنی ہے، جبھی تو دیکھنا اتنا سارا سونے کا زیور پہنے تیرے پاس بیٹھی ہوں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میرا دل بھی تیرے ساتھ بندھ گیا ہے۔ اب چور پکڑنے کو تو عمر پڑی ہے، آج رات تو میرے پاس رہو تا کہ آپس میں باتیں کریں۔'' شہزادے نے کہا: ''ہاں ہاں، کیوں نہیں، میں کسی سے ڈرتا ہوں کیا جو بھاگ جاؤں! بیشک آج رات ہم باتیں کریں گے۔'' کٹنی کو یقین ہوگیا کہ: ''میں نے اسے موہ لیا ہے۔ اب یہ مجھ سے بچ کر کہاں جائے گا۔'' اب وہ زیادہ اس کی چاپلوسی کرنے لگی اور اس پر اپنا اعتبار قائم کرنے لگی۔ اس نے کیا کیا کہ قہقہہ لگاتے ہوئے اپنی انگوٹھیاں وغیرہ اتار کر شہزادے کو پہنانے لگی اور اس سے طرح طرح سے لگاوٹ کی باتیں کرنے لگی۔ دل میں صرف یہ سوچ رہی تھی کہ شہزادہ کسی طرح بے خبر ہو کر سو جائے تو بادشاہ اور سپاہیوں کو بلا کر اسے پکڑوا دوں اور اپنا انعام حاصل کروں۔ یہی سب سوچتے سوچتے وہ شہزادے کے ساتھ لیٹ کر سو گئی۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد شہزادے نے کٹنی کو کہا: ''مجھے آرہا ہے پیشاب، میں ذرا کر کے آتا ہوں۔'' کٹنی نے روہانسی ہو کر کہا: ''تم یہ کیا کرتے ہو، مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو!'' شہزادے نے کہا: ''میں تو صرف تمہاری چارپائی کے قریب ہی بیٹھ کر پیشاب کر رہا ہوں۔ کوئی دور تھوڑا ہی جا رہا ہوں۔ اگر تمہیں اعتبار نہیں ہے تو یہ لو، میرا بازو پکڑ کر سو جاؤ۔ میں نیچے بیٹھ کر پیشاب کر لیتا ہوں۔'' کٹنی نے دیکھا کہ اب یہ مجھ سے بچ کر کہاں بھاگ سکتا ہے، سو منہ لپیٹ کر سو رہی۔ شہزادے نے چپکے چپکے، بنیے کا کٹا ہوا بازو اس کے ہاتھ میں دے دیا اور خود چارپائی سے اتر، پانی کے مشکیزے کو فرش پر رکھا اور اس میں سوئی سے سوراخ کر دیا، مشکیزے سے پانی شر، شر، کر کے بہنے لگا۔ خود شہزادہ وہاں سے آہستہ آہستہ کھسک کر بھاگ لیا۔ مشکیزے سے پانی جو شر، شر کر کے بہہ رہا تھا تو کٹنی سمجھ رہی تھی کہ

چور بیٹھا پیشاب کر رہا ہے۔ اس نے سوچا اب وقت ہے کہ میں چلانا شروع کردوں۔ اس کے چلانے کی آواز سن کر بادشاہ اور اس کے آدمی سب دوڑتے ہوئے آ پہنچے۔ آتے ہی پوچھا ''کہاں ہے چور؟'' کٹنی نے کہا نیچے پڑا ہے۔ دیکھا تو مشکیزہ، جس کے سوراخ سے پانی شر، شر کر کے بہہ رہا ہے۔ بادشاہ نے کہا: ''نیچے تو کوئی نہیں۔'' اس پر کٹنی نے یکدم بادشاہ کے ہاتھ میں بازو تھما دیا، بولی: ''لو پکڑو۔ قابو کرو کہیں بھاگ نہ جائے! یہ دیکھو اس کا بازو!'' بادشاہ نے جوں ہی بازو پکڑ کر کھینچا تو سارا بازو نکل کر باہر آ گرا۔ بادشاہ کی یکدم چیخ نکل گئی، چلا کر اس نے پوچھا: ''یہ کیا؟'' کٹنی نے روتے ہوئے کہا: ''سائیں! ظلم ہوگیا۔ میں نے تو چور کو بازو سے ایسا قابو کر رکھا تھا کہ کہیں بھی جا نہیں سکتا تھا پر چور نے کیا کیا کہ اپنا بازو ہی کاٹ دیا اور رفو چکر ہوگیا۔ میرا کپڑا لتّا زیور پاتا سب لے گیا، اب پیچھا کرو، چور زیادہ دور نہیں گیا ہوگا۔'' کٹنی کی بات سُن کر، سپاہیوں نے بہتیرا ادھر ادھر ڈھونڈا پر چور ہو تو ہاتھ آئے۔ آخرکار تلاش کرتے کرتے تھک ہار کر بادشاہ تو اپنے محل کو لوٹ گیا اور کٹنی دل ہی دل میں جل بھن کر رہ گئی بولی میرے ساتھ بڑا ظلم ہوا۔ انعام تو گیا بھاڑ میں، اپنا گہنا کپڑا بھی جاتا رہا۔'' بادشاہ جب یہ کٹا ہوا بازو لیے وزیر کے پاس پہنچا تو اسے بازو دکھاتے ہوئے ساری بات کہہ سنائی اور بولا: ''اب تو چور کو پکڑنا بالکل آسان ہے کیونکہ یہ اسی کا بازو ہے۔ وہ ضرور شہر میں موجود ہوگا۔ اب اعلان کرادو کہ: ''جس کا بازو کٹا ہوا ہو سو، چور وہی ہے۔ جس کسی کو کہیں نظر آئے تو اسے پکڑ کر حاضر کرے۔'' چوبداروں کو بھی حکم کردیا گیا کہ 'فوراً شہر میں تلاش کرو اور ایسے بازو کٹے ہوئے شخص کو ڈھونڈو۔'' چوبداروں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور بنیے کو پکڑ کر بادشاہ کے سامنے پیش کردیا۔ بادشاہ نے بنیے کو دیکھا اور بولا: ''او موالی! یہ جو چوریاں ہوئی ہیں وہ سب تو نے کی ہیں؟!'' بنیا بیچارہ رونے لگا اور اپنا بازو کٹنے کا سارا ماجرا سنایا۔ وزیر نے بادشاہ سے کہا: ''سائیں! یہ بیچارہ غریب بنیا، اس کا ایسا کام کہاں؟ اس بیچ کوئی اور شہزور چور ہے۔ یہ جو کچھ کہہ رہا ہے سب سچ ہے۔'' بادشاہ کو وزیر کی بات دل کو لگی۔ اس نے بنیے کو مرہم پٹی کے پیسے دیے، خوش کیا اور اس کے گھر بھیج دیا۔

رات کو بادشاہ نے وزیر سے صلاح کی کہ اب اس چور کو کیسے پکڑا جائے۔ نہیں تو یہ یونہی فساد مچاتا رہے گا۔ مگر کوئی صلاح نہ ہوسکی۔ جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ شہر کی دیوار پر اشتہار لگا ہوا ہے کہ: ''اے بادشاہ تیرا دنبہ کھایا تیرے لیے دعائیں کیں، پھر تیرے بکھیرے ہوئے پیسوں پر کتنے ہی دن عیش کیا، اب کٹنی کے ہاتھوں اتنا زیور کپڑا دلایا،

اس سب کے لیے ہم تمہارے شکر گزار ہیں۔ تمہارے شہر میں ڈیڑھ ٹھگ پیدا ہوا ہے جو تمہارے ساتھ ڈھائی ٹھگیاں کرے گا!'' بادشاہ نے جو یہ اشتہار پڑھا تو آگ بگولا ہو گیا اور کہنے لگا: ''اب میں خود اس چور کو پکڑوں گا۔'' شہزادے نے یہ ساری بات سنی اور جا کر ماں کو بتائی۔ ماں نے کہا: ''بیٹا! تم کوئی فکر نہ کرو۔ اب سب کام صحیح ہو جائیں گے۔'' پھر اس نے اسے کان میں کچھ سمجھایا۔ شہزادے نے کیا کیا کہ بادشاہ کے آمد و رفت کے راستے میں، ایک مکان کرائے پر لیا، اس میں چکی رکھ چھوڑی۔ جب رات ہوئی تو زنانہ کپڑے پہن، آہستہ آہستہ، اٹھتے بیٹھتے، چکی پیسنے لگا۔ جب بادشاہ کے گزرنے کی آواز کانوں میں پڑی تو چیخنے چلانے لگا۔ بادشاہ نے جو یہ چیخ پکار سنی تو یکدم مکان کے اندر آ گیا۔ آ کر پوچھا: ''لڑکی! کیا بات ہے؟'' شہزادے نے جواب دیا کہ: ''سائیں کوئی چور اندر گھس آیا اور مجھ پر ہاتھ ڈالا۔ اس لیے میں چیخنے چلانے لگی۔'' بادشاہ نے ادھر ادھر نظر ڈالی اور باہر بھی تلاش کیا مگر کوئی بھی دکھائی نہ دیا۔ لڑکی سے کہنے لگا کہ: ''یہاں تو کوئی بھی نہیں۔'' شہزادے نے کہا کہ: ''سائیں! پر مجھے تو ڈر لگتا ہے۔ لہٰذا میری حفاظت کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ پھر آ جائے اور مجھ پر ہاتھ ڈالے۔ اب کوئی ایسی ترکیب کرو کہ وہ پکڑا جائے۔'' بادشاہ نے کہا کہ: ''اگر میں ایسے ہی بیٹھا رہوں تو وہ آئے گا ہی نہیں، اس لیے تم اپنے کپڑے اتار کر مجھے دے دو، اور میرے کپڑے تم پہن کر چھپ جاؤ۔ پھر دیکھو کہ کیسے چور کو پھنساتا ہوں! اسی چور کو تو میں تلاش کر رہا ہوں۔'' بادشاہ نے شہزادے کے زنانہ کپڑے پہنے، آہستہ آہستہ بیٹھ کر چکی پیسنے لگا۔ ادھر شہزادہ کھسک لیا، جا کر ماں کو ساری بات بتائی۔ وہ فوراً تیار ہو کر وہاں آ گئی اور دروازہ کھولتے ہوئے بادشاہ سے بولی: ''واہ سائیں واہ! بیٹھے چکی پیس رہے ہیں۔ آپ نے تو کہا تھا کہ میں چکی نہیں پیسوں گا، پھر کیسے بیٹھے یہ دو من کی چکی پیس رہے ہو!'' بادشاہ نے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' رانی نے جواب دیا: ''میں تمہاری رانی ہوں۔ جس کو تم نے کہا تھا کہ: ''دیکھتا ہوں کہ مجھ سے کیسے چکی پسواتی ہو؟'' بادشاہ نے شرم سے گردن جھکا لی اور پوچھا: ''یہ تیرے ساتھ دوسرا کون ہے؟'' رانی نے جواب دیا: ''یہ آپ کا بیٹا ہے۔'' بادشاہ نے پوچھا: ''میرا بیٹا! یہ کہاں سے آیا۔'' رانی نے جواب دیا: ''وہاں جنگل میں میرے پاس جھونپڑی میں کون آتا تھا؟ یہ اپنی انگوٹھی پہچانو۔ جو تم مجھے دے کر گئے تھے!'' پھر جب بادشاہ کو تمام حقیقت سے آگہی ہوئی تو بہت خوش ہوا۔ رانی اور اپنے بیٹے کو محل میں لے آیا جہاں وہ خوش و خرم زندگی گزارنے لگے۔

☆

لعل بادشاہ اور ہیرا رانی

ایک غریب شخص تھا جو اُپلے چن کر بیچتا اور گزران کرتا تھا۔ ایک بار جیسے ہی اُپلوں کی گٹھڑی لیے وہ گھر کو لوٹا تو ایک ناگ اس کے پیچھے چلا۔ جب دیکھا کہ ناگ آ کر پیروں میں پڑ گیا تو اس نے اُپلوں کی گٹھڑی اٹھا کر ناگ پر دے ماری اور ڈنڈا اٹھا کر اُپلوں کو کوٹنے لگا۔ جب دل میں یقین ہو گیا کہ اب ناگ ضرور مر گیا ہو گا تو اُپلوں کو بکھیر کر دیکھنے لگا۔ دیکھتا کیا ہے کہ ناگ تو نہیں باقی ایک لال منکا اُپلوں میں پڑا ہے۔ سو اُسے اپنے گھر اُٹھا لایا اور لا کر اپنی بیوی کو دیا اور بولا کہ یہ منکا شہر جا کر بیچ آؤ۔

اس شہر کے بادشاہ کے اولاد ہوتی ہی نہ تھی اور اس کی رانی کا منکے اکٹھے کرنے پر بہت دل تھا۔ غریب لکڑہارے کی بیوی نے یہ منکا لے جا کر رانی کو دیا۔ منکا بالکل بے بہا تھا اور ایسا منکا رانی نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس نے یہ منکا لیا، سونے کے تھال میں رکھا اور ہنڈولے میں رکھ دیا۔ لکڑہارے کی بیوی کو اچھا انعام واکرام اور بہت سے پیسے دے کر خوش کیا اور اسے روانہ کر دیا اس کے گھر کو۔

دوپہر کو بادشاہ بھی رانی کے پاس آیا۔ رانی نے بادشاہ سے لعل منکا خریدنے کی بات کی۔ بادشاہ نے رانی سے کہا: ''یہ لعل منکا لے کر آؤ، تاکہ میں بھی تو دیکھوں۔'' رانی جب منکا لینے ہنڈولے کے پاس پہنچی تو دیکھتی کیا ہے کہ سبحان اللہ! تھال میں منکے کی جگہ ایک خوبصورت بچہ پڑا ہے اور رو رہا ہے۔ رانی فوراً لڑکے کو بادشاہ کے پاس لے آئی پھر تو دونوں کی خوشی کی حد ہی نہ رہی۔ کیونکہ ان کے ہاں اولاد جو نہ ہوتی تھی، خوش کیوں نہ ہوتے! انہوں نے شہزادے جیسا بچہ ایک لعل منکے سے حاصل کیا تھا اس لیے اس کا نام ہی رکھ دیا 'لعل شہزادہ'۔

لعل شہزادہ آج چھوٹا کل بڑا، آخر جوان ہو گیا۔ اس کا حسن تو ہر کسی کو حیران کر دیتا تھا۔ انسان تو کیا حوریں اور پریاں بھی اس کی سوہنی صورت اور موہنی مورت پر حیران تھیں۔

لعل شہزادہ جب بلوغت کو پہنچا تو اپنے باپ سے بولا: ''جیسا حسین میں ہوں ایسی ہی حسین عورت سے میری شادی کرنا۔'' پھر تو بادشاہ نے اپنی بادشاہی میں فرمان پھرا دیا کہ: ''جو بھی کنواری لڑکیاں ہیں وہ سب فلاں تاریخ پر، فلاں جگہ، ہار سنگھار کر کے جمع ہو جائیں۔ جس پر میرے بیٹے کا دل آ جائے گا اسی سے اس کی شادی کرا دی جائے گی۔'' رعیت کے

غریب لوگ تو کیا لیکن امیر لوگ بھی چاہتے تھے کہ لعل بادشاہ جیسا سدا سوہنا ہمارے پلے میں ہو۔ سو مقررہ تاریخ پر ساری رعیت کی کنواری لڑکیاں آ کر ایک جگہ جمع ہو گئیں۔

ہر لڑکی کی یہی مرضی تھی کہ لعل شہزادہ شادی کے لیے مجھے منتخب کرے۔ لیکن لعل شہزادے کا دل کسی پر بھی نہ مچلا۔ ان لڑکیوں میں ایک کانی بھی آئی تھی۔ اس نے لعل شہزادے کو طعنہ دیا، کہا: ''بہنو! یہ ہمیں قبول لے گا کیا؟ یہ تو بیاہے گا ہیرا رانی!'' لعل شہزادے نے کانی کا یہ طعنہ سنا اور کہا: ''ہاں! میں بیاہوں گا ہی ہیرا رانی!''

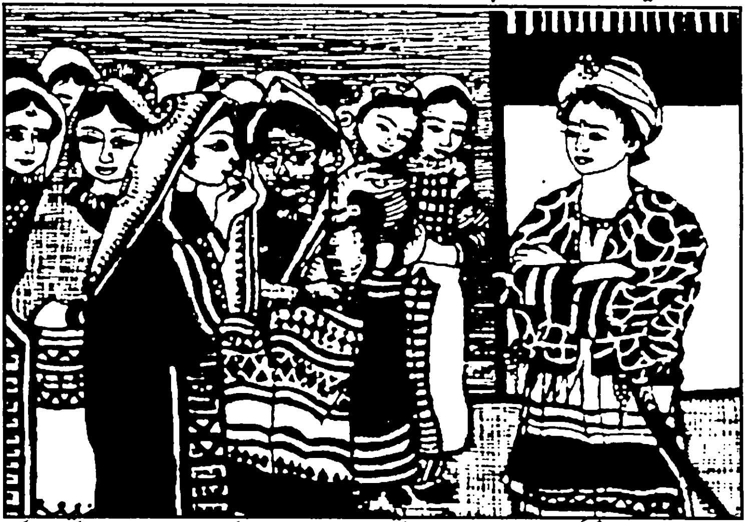

ہیرا رانی کسی ولایت میں رہتی تھی۔ اس کے حسن کی شہرت ہر طرف تھی۔ کتنے ہی شہزادے اس کی چاہت میں مبتلائے آلام ہو چکے تھے۔ لیکن وہ تھی کہ کسی کو قبول ہی نہ کرتی تھی۔ اُسے بھی اسی سبب سے کسی سہیلی نے طعنہ دیا تھا کہ: ''ہائے ہائے۔ یہ مائی بھی شادی کرے گی تو لعل شہزادے سے کرے گی، اور کوئی مرد اسے پسند آئے گا کیا!؟''

ادھر لعل شہزادے کو کانی کے طعنے نے تاؤ دلایا تھا اور ادھر ہیرا رانی کو سہیلی کے تیر نے چھید دیا تھا، اس لیے ان دونوں کے دل میں ایک دوسرے کی محبت کا پودا، بنا دیکھے ہی، پلنے لگا تھا۔ ادھر لعل شہزادہ ہیرا رانی کی چاہت میں نکلا تو ادھر ہیرا رانی لعل شہزادے کی محبت میں بیقرار، اس کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ آخر چلتے چلتے ایک جگہ آ کر دونوں ایک دوسرے سے مل گئے اور ایک دوسرے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور ایک دوسرے کی محبت میں مست مگن ہو گئے۔

آخر لعل شہزادہ ہیرا رانی کو لے کر اپنے باپ کے پاس آیا۔ بادشاہ اور رانی ایسی نازک بدن، سدا سوہنی من موہنی دلہن دیکھ کر باغ باغ ہو گئے اور بڑی دھوم دھام سے ان کی شادی کر دی۔ لعل شہزادہ اور ہیرا رانی اب ہمیشہ ساتھ رہنے لگے دونوں کا ایک دوسرے سے دور ایک پل بھی نہ گزرتا تھا۔

کانی جس نے لعل شہزادے کو طعنہ دیا تھا، وہ انہیں خوش دیکھ کر جلنے بھُننے لگی اور دل میں تہیہ کر لیا کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دوں گی۔ پس اس کے لیے وہ ہمیشہ ہی حیلے وسیلے کرتی رہتی۔ اسے یہ خبر تھی کہ لعل شہزادہ اس ملک کے بادشاہ اور رانی کے پیٹ سے نہیں جنما ہے۔ پر یہ ناگ سے لعل، اور لعل سے بدل کر لعل شہزادہ بنا ہے، اور اس کی اصل بنیاد ناگ ہے۔

پس اس کانی نے آ کر ہیرا رانی کے ساتھ سہیلی کا رشتہ جوڑا اور روزانہ آ کر اسے نئی نئی خبریں سناتی رہتی۔ یہ دوستی گہری ہوتی ہوتی اتنی گہری ہو گئی کہ وہ رانی کی بھیدی ہو گئی۔ آخر ایک دن رانی سے کہا کہ: ''بہن تم کبھی اپنے شوہر سے یہ تو پوچھو کہ تمہاری ذات کیا ہے؟ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ وہ تمہیں اپنی اصلی ذات نہیں بتائے گا لیکن تم کسی بھی طرح اس کی ذات ضرور پوچھنا!''

رات کو جب لعل شہزادہ اور ہیرا رانی اکیلے ہوئے تو ہیرا رانی نے بہت چاہت کے ساتھ لعل شہزادے سے کہا: ''پیارے! اگر گستاخی معاف ہو تو ایک سوال تم سے پوچھوں؟'' لعل شہزادے نے کہا: ''بیشک پوچھو۔'' اس پر ہیرا رانی نے کہا کہ مجھے بتاؤ کہ

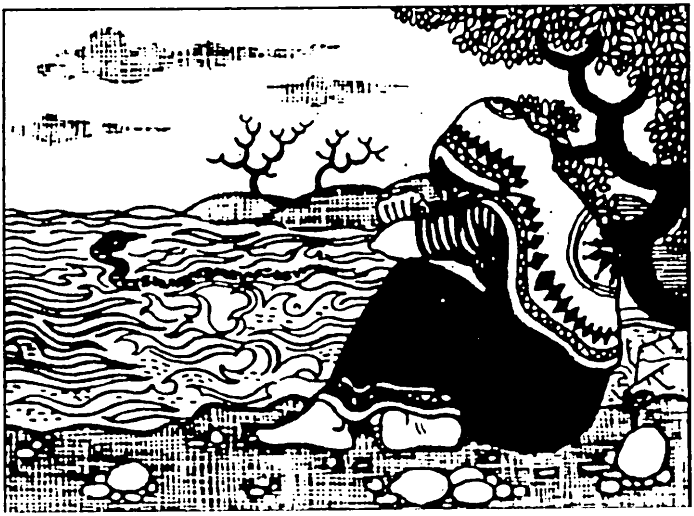

''تمہاری ذات کیا ہے؟'' لعل شہزادے نے کہا کہ: ''رانی، اس بات سے دستبردار ہوجاؤ۔ یہ بات مجھ سے نہ پوچھو۔ کیونکہ اس کے سبب بہت دکھ دیکھو گی۔''

اس وقت تو رانی نے زیادہ نہ پوچھا لیکن دوسرے دن کانی ڈائن نے ہیرا رانی کو پھر کچوکا لگایا، بولی: ''ہیرا رانی! یہ کیسا محبت کا دستور ہے کہ لعل شہزادہ کہلاتا تو ہے تم سے محبت کرنے والا اور تمہارا کہا مانتا ہی نہیں۔ جو تمہیں اپنی ذات تک نہیں بتاتا!'' یہ سن کر جب دوسرا دن ہوا تو ہیرا رانی لعل شہزادے سے ضد باندھ کر بیٹھ گئی کہ: ''بس تم مجھے اپنی ذات بتاؤ۔'' آخر لعل شہزادے نے زچ ہوکر ہیرا رانی سے کہا: ''اچھا کل تیل اور ملتانی مٹی مَل کر چلیں گے تالاب پر غسل کرنے، پھر وہاں میں تمہیں اپنی ذات بتاؤں گا۔''

دوسرے دن ہیرا رانی تیل اور ملتانی مٹی ملا کر لعل شہزادہ کے پاس لے آئی اور آتے ہی بولی: ''لعل شہزادے اب چلو۔ چل کر اپنا وعدہ پورا کرو۔'' پھر لعل شہزادہ اور ہیرا رانی دونوں تالاب پر آئے اور تیل اور ملتانی مٹی ملی پھر پانی میں داخل ہوگئے۔ وہاں پھر ہیرا رانی نے لعل سے وہی سوال کیا۔ اس پر لعل شہزادے کی آنکھوں میں پانی آ گیا، اس نے پھر رانی سے کہا: ''رانی اس ضد سے باز آجاؤ۔'' لیکن اسے تو عورتوں والی ضد تھی اس لیے باز نہ آئی۔ اس پر لعل شہزادے نے کہا: ''اچھا رانی! اب دیکھنا کہ میں ذات کا کون ہوں؟'' یہ کہہ کر تالاب میں ڈبکی لگائی، اور ناگ بن کر باہر نکلا۔ پھر ہَے ہَے رانی، ہے ہے ہیرا رانی، کہتا وہاں سے چلا گیا۔ یہ حال دیکھ کر ہیرا رانی نے آہیں بھرنا اور چیخنا چلانا شروع کردیا اور اپنے دوست کی جدائی میں واویلا کرنے لگی۔ اس کی آہ وفغاں دور دور تک سنائی دے رہی تھی۔

اتفاق سے ہیرا رانی کی ایک سہیلی جس کا نام نور پری تھا، وہ دریا پر سے اڑتی ہوئی جارہی تھی۔ ہیرا رانی کی فریاد سنی تو وہ نیچے اتر آئی اور ہیرا رانی سے ایسے دکھ اور تکلیف کا سبب پوچھنے لگی۔ اس پر ہیرا رانی نے سارا قصہ کہہ سنایا۔ نور پری نے کہا: ''تم نے سب کچھ اپنے ہاتھوں کیا ہے۔ اب اپنی نادانی کو کس سے کہو! تم نے اپنے اوپر خود ہی ظلم کیا ہے۔ اب لکھا ہوا بھگت۔ لیکن بہن، اللہ سے آسرا نہ اٹھا۔ ہوسکتا ہے وہ تم بچھڑے ہوؤں کو پھر سے ملادے! اب غم نہ کر۔ میں آج ہی لعل شہزادے کا پتہ نکالنے کی کوشش کرتی ہوں۔ رکھ اللہ پر، سب ٹھیک ہوجائے گا۔''

یہ کہہ کر نور پری تو اڑتی ہوئی چلی گئی اور ہیرا رانی ہَے ہَے کرتی حسرت اور ارمان لیے گھر پہنچی۔ کھانا پینا زہر ہوگیا تھا۔ دو تین دن کے بعد نور پری اچانک ہیرا رانی کے پاس پہنچی اور بولی کہ: ''بہن! لعل شہزادے کا کچھ پتہ چلا ہے۔ اب مولا بہتری کرے گا، تو تسلی

رکھ۔'' اس پر ہیرا رانی کے پیٹ میں کچھ سانس سمایا اور نور پری سے پوچھا: ''ادی، بھلا کر خبر۔'' نور پری نے کہا: ''فلاں ولایت میں کالے ناگوں کا مکان ہے، وہ ہیں تو ناگ پر انسانی صورت میں بھی آسکتے ہیں۔ لعل شہزادہ ان کے بادشاہ کا بیٹا ہے جو اپنے باپ سے ناراض ہوکر انسانی صورت اختیار کرگیا تھا۔ اسی وجہ سے تجھ سے آملا۔ اس کی جدائی میں اس کے والدین کی بہت بری حالت ہوچکی تھی، اور تیری بدقسمتی ہے جب وہ تجھ سے جدا ہوکر اپنے والدین سے جاملا تو وہ خوش ہوگئے ہیں اور اس وقت بہت بشاش ہیں۔''

اب لعل شہزادے کو حاصل کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ اس کے باپ کو راگ سننے کی بہت خواہش رہتی ہے۔ اس لیے وہ کہاں کہاں سے راگ سنانے والوں کو بلواتا ہے اور انسانی صورت میں آکر ہر جمعہ کی رات گانے بجانے کی محفل جماتا ہے۔ اب میری صلاح ہے کہ تو اس کے سامنے جاکر، ناچ گانا دکھا کر اسے راضی کر۔ پھر خوش ہوکر وہ خود ہی تجھ سے کہے گا: ''اب مانگو کیا مانگتی ہو۔'' پھر تو اس وقت لعل شہزادے کو مانگ لینا۔ اس تجویز کے سوا اور کوئی ترکیب نہیں۔''

ہیرا رانی یہ تجویز سن کر خوش ہوگئی۔ کیونکہ گانے بجانے اور رقص کرنے میں وہ پہلے ہی مہارت رکھتی تھی۔ اس کے علاوہ اپنے دوست کی جدائی میں اس کے سُر اور آواز میں بھی بہت سوز واثر پیدا ہوگیا تھا۔ پس وہ نور پری کے ساتھ لعل شہزادے کے باپ کی محفل والی جگہ پر پہنچ گئی۔ اتفاق سے وہ دن بھی جمعہ کا تھا۔ اس وجہ سے لعل شہزادے کا باپ بھی اپنے راگ بجانے والوں کی ٹولی کے ساتھ آکر براجمان ہوگیا۔

فوراً فرش فروش بچھادیے گئے۔ محفل باقاعدہ منظم ہوگئی۔ بادشاہ آبیٹھا۔ گانے والے بھی اپنے ساز طنبورے تیار کیے اپنے کام میں جُت گئے۔ کچھ وقت کے بعد ہیرا رانی جو کسی کونے میں اپنی سہیلی نور پری کے ساتھ چھپی بیٹھی تھی وہ بھی ظاہر ہوکر آبیٹھی۔ پھر بادشاہ سے گانے کی اجازت لے کر ناچ گانا شروع کیا اور ایسے سوز کے ساتھ گایا کہ ساری محفل پر مدہوشی طاری ہوگئی۔ بادشاہ بھی مست مگن ہوکر ہیرا رانی سے بولا: ''اے گانے والی، جو مانگنا ہو مانگ!'' اس پر ہیرا رانی نے کہا: ''اے بادشاہ، عالم پناہ، مجھے صرف میرا محبوب لعل شہزادہ عنایت کر، کیونکہ اس کی جدائی نے میری جان سُکھادی ہے۔'' یہ سن کر بادشاہ نے انکار کیا اور کہا: ''نہ نہ، وہ تجھے نہ ملے گا، باقی اور جو کچھ مانگو حاضر کردیا جائے گا۔'' رانی نے پھر سے وہی صدا لگائی۔ لیکن کچھ حاصل نہ ہوا۔ محفل برخواست ہوگئی۔ ناگ چلے گئے۔ ہیرا رانی مایوس ہوکر اگلے جمعے کا انتظار کرنے لگی۔

خیر سے دوسرا جمعہ بھی آ گیا۔ اس دفعہ رانی نے بہت درد وسوز کے ساتھ گایا بجایا۔ بادشاہ نے پھر اس سے کہا: ''اے گانے والی، مانگ کیا مانگتی ہے۔'' اس پر ہیرا رانی نے پھر وہی صدا لگائی۔ مگر بادشاہ نے پھر انکار کر دیا۔ اسی طرح تیسرا جمعہ بھی آ گیا۔ اس دفعہ رانی نے ایسے درد بھرے انداز اور سوز وفراق کے ساتھ گایا کہ سننے والوں کے دل موم کی طرح پگھل گئے۔ اس دفعہ بادشاہ کے دل میں رحم آ گیا اور ہیرا رانی سے کہا: ''ہیرا رانی! لعل شہزادہ میں نے تجھے دیا۔ اب میرے ساتھ چل کہ لعل شہزادہ، میرے جگر کا ٹکڑا اپنے ہاتھوں سے چل کر تجھے دے دوں۔'' پھر ہیرا رانی کو بادشاہ اپنے محل میں لے آیا۔ وہاں لعل شہزادہ پلنگ پر لیٹا پڑا تھا اور ہیرا رانی کے فراق میں بیچین اور بیقرار، گھڑی گھڑی 'ہے ہے ہیرا رانی۔ ہے ہے ہیرا رانی' کہہ رہا تھا۔ ہیرا رانی بھی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے سرہانے آ کھڑی ہوئی۔ لعل شہزادے نے جب کروٹ لی اور آنکھیں کھولیں، اور ہیرا رانی کا نام لیا تو ہیرا رانی بھی اچھل کر اس کی آغوش میں جا گری اور بولی: ''جی، میرے سر کے سائیں۔'' اس طرح یہ دونوں بچھڑے ہوئے ایک دوسرے سے ملے اور ایک دوسرے کو گلے لگایا۔ جیسے دو نہ ہوں ایک ہوں۔ اس کے بعد ہیرا رانی اور لعل شہزادہ کچھ وقت وہاں رہ کر بادشاہ سے رخصت کی اجازت لے کر اپنے اصل ملک میں آ گئے، اور دونوں عیش آرام کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے لگے۔

جس طرح ان بچھڑے ہوؤں کا والی نے وصل کرایا اسی ہمیشہ سارے جگ جہان کی مرادیں مولیٰ سائیں پوری کرے۔

شہزادہ لال ملوک

کسی ملک میں ایک لکڑہارا رہتا تھا۔ جو لکڑیاں کاٹ کر دکھ سکھ سے اپنے بچوں کا پیٹ پالتا تھا۔ ایک روز اس کے گھر میں اناج ختم ہوگیا تو اس کی بیوی بولی: ''گھر میں کھانے کو ایک دانہ بھی نہیں، دو ایک مٹھی اناج لاؤ تو بچوں کو کھلاؤں۔'' وہ گھر سے نکلا تو پریشان تھا۔ جا کر ایک مکان میں بیٹھ گیا جہاں کسی نے اسے بھنگ پلا دی۔ جب دو، پہر گزر گئے تو وہ نشے میں چُور گھر آ کر سو رہا۔ اس کی بیوی جو پاڑے میں اناج کے دانے ادھار مانگنے گئی تھی، واپس آئی تو دیکھا کہ شوہر چاروں شانے چت پڑا سو رہا ہے۔ اس نے اسے جگا کر کہا: ''میاں، بچے روٹی کے ٹکڑے کے لیے چلّا رہے ہیں اور تم پتہ نہیں کہاں گھوم پھر کر آئے سو گئے ہو!'' لیکن شوہر نے چپ چاپ کروٹ بدلی اور پھر خراٹے لینے لگا۔ اس کی بیوی نے غم کو پی لیا اور پاڑے میں سے جو اناج کے دانے لائی تھی انہیں پیس کر بچوں کے لیے روٹی پکائی اور پھر خود بھی لقمہ کھایا اور بچوں کو بھی کھلا پلا کر سلا دیا۔

اب مائی کو خبر لگی کہ گوٹھ کے دو تین آدمی روزگار حاصل کرنے کے لیے مسافری پر جارہے ہیں چنانچہ شوہر سے کہنے لگی: ''بیٹھ کر کتنا وقت گزارو گے؟'' تم بھی ان آدمیوں کے ساتھ چلے جاؤ۔'' پہلے تو اس نے انکار کیا لیکن پھر عورت کے زبردستی کرنے پر جانے کے لیے تیار ہوگیا۔ دوسرے دن بیوی نے میٹھی روٹی پکا کر دی جسے لے کر وہ دوسرے ساتھیوں کے ساتھ سفر پر روانہ ہوگیا۔

چلتے چلتے ایک جگہ انہیں رات ہوگئی۔ اس لیے وہیں ٹھہر گئے۔ ہر ایک نے کھایا پیا اور سو گئے۔ اس نے بھی تھیلے سے سوکھی میٹھی روٹی نکالی، کھائی اور تھیلے کو ساتھ کھڑے کریر کے درخت پر پھینک دیا، خود لیٹ گیا۔ صبح کو اس کے ساتھیوں نے اسے آگے چلنے کو اٹھایا تو اس نے انکار کردیا اور کروٹ بدل کر سوگیا۔ جب سورج کافی اوپر چڑھ آیا تو اس کی آنکھ کھلی۔ دیکھا تو اس کے سب ساتھی جاچکے تھے اور کریر پر پھینکے ہوئے اس کے تھیلے میں ایک بڑا ناگ ہے جو سرسراتا ہوا اندر جارہا ہے۔ جب ناگ تھیلے میں چلا گیا تو اس نے دوڑ کر تھیلے کا منہ بند کردیا اور دل میں کہنے لگا کہ: ''بیوی بھی روز روز تنگ کرتی ہے۔ اب لے جاکر یہ تھیلا ہاتھ میں دیتا ہوں۔ کم ازکم اس کی مصیبت سے تو نجات ملے گی۔'' یہی سوچ کر اس نے ناگ والا تھیلا اٹھایا اور گوٹھ واپس آ گیا۔ دیکھا تو بیوی گھر میں ہے ہی نہیں سو یکدم وہ ناگ والا تھیلا، آٹے کی ہانڈی میں رکھا اور خود بھنگ کی چسکی کے لیے مکان کی طرف چل دیا۔

مائی جب لوٹ کر گھر آئی تو بچوں نے بتایا کہ: ''بابا آیا ہے۔'' بیوی بہت خوش ہوئی اور دل میں کہنے لگی کہ مسافرت سے ضرور کچھ نہ کچھ لائے ہوں گے اس لیے وہ سارے گھر کا سامان دیکھنے لگی۔ آخر ڈھونڈتے ڈھونڈتے، اس ہانڈی کا ڈھکنا کھولا جس میں وہ ناگ والا تھیلا پڑا تھا۔ تھیلا نکالا، بسم اللہ کر کے کھولا دیکھا تو نولکھا ہار پڑا ہے۔ بیوی بہت خوش ہوئی اور نولکھا ہار لیے ایک جوہری کے پاس پہنچی اور کہا: ''مجھے اس کے پیسے دے دو۔'' جوہری نے نولکھا ہار دیکھا تو بدحواس ہوگیا اور عورت سے بولا: ''مائی! اس ہار کے پیسے میرے پاس تو کیا لیکن بادشاہ کے پاس بھی مشکل سے ہوں گے، باقی میں تجھے اتنا دے دیتا ہوں کہ ساری عمر کھانا۔'' مائی کو جوہری نے ٹکوں سے بھرا جھول دے دیا جسے لے کر وہ گھر آ گئی اور فوراً اناج وغیرہ لے کر، دوپٹے اور اوپر تلے رکھے مٹکے بھر دیے۔ دو ایک روز اناج باہر سکھانے کو رکھ دیا، مزید جس چیز کی بھی ضرورت تھی لاکر گھر بھر دیا۔ جب سورج بھی غروب ہونے لگا اور شوہر واپس نہ لوٹا تو لڑکے کو بھیجا کہ: ''جاکر باپ

کو بُلا لا۔'' لڑکا سیدھا مکان پر پہنچا اور باپ کو گھر چلنے کو کہا۔ اس نے سوچا: ''شاید ناگ نے ڈس لیا ہے، اسی لیے مجھے بلا رہی ہے لیکن ایسے تو میں بھی کہاں جانے والا! بھلے مرجائے، اس کے بعد جاؤں گا۔'' اسی لیے بیٹے سے کہا: ''تو چل میں آتا ہوں۔'' لڑکا واپس گھر آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد عورت نے پھر لڑکے کو بھیجا۔ لکڑہارے نے پھر سوچا کہ: ''بھلے مرے۔ بعد میں جاؤں گا۔'' جب لڑکا پھر سے اکیلا گھر آیا تو مائی نے غصے میں اسے دو تھپڑ لگائے اور اسے پھر باپ کو بلانے بھیجا۔ اس دفعہ جب لڑکا روتا ہوا باپ کے پاس آیا تو اس نے دل میں سوچا کہ شاید اب مرچکی ہے...... سو دل میں خوش ہوا، اور کہا: ''چلو اچھا ہوا کہ اس ظالم سے اللہ نے جان چھڑائی۔'' پھر بیٹے کے ساتھ گھر آیا۔ گھر پہنچ کر دیکھا تو مار! یہاں تو قصہ ہی دوسرا ہے! ایک طرف اناج کا ڈھیر پڑا سوکھ رہا ہے اور دوسری طرف کپڑوں اور اشیاء کا انبار لگا ہے! اور تیسری طرف بہت سے کھانے تیار ہورہے ہیں۔ پہلے تو شک ہوا کہ شاید اس کے جانے کے بعد اس کی بیوی کسی کے ساتھ خراب ہوچکی ہے لیکن پھر جب بیوی سے حقیقت پوچھی اور اس نے نولکھے ہار کا بتایا تو بالکل پاگل سا ہوگیا۔ لیکن دل میں کچھ سوچ کر سیدھا اس جوہری کے پاس گیا اور اسے ڈرانے کے لیے کہا: ''میری بیوی جو ہار تمہیں دے گئی ہے وہ میں بادشاہ کے لیے لایا تھا لیکن وہ بھول میں تجھے دے گئی ہے۔ وہ مجھے واپس دے ورنہ جا کر بتاتا ہوں بادشاہ کو۔'' بادشاہ کا نام سنا تو

جوہری ڈر گیا۔ آخر ہاتھ جوڑ کر جھول ٹکوں کا بھر کر اسے بھی دیا۔ وہ خوش ہو کر گھر لایا اور لا کر بیوی کو دیا۔ پھر تو لکڑہارا، اور اس کی بیوی بچے بڑے مزے سے دن گزارنے لگے۔

جوہری دوسرے دن وہی ہار لے کر بادشاہ کے پاس گیا۔ بادشاہ نولکھا ہار دیکھ کر تعجب میں پڑ گیا اور دل میں بولا: ''ایسا ہار تو میری ساری بادشاہی میں نہ ہوگا۔'' سو جوہری سے کہا: ''یہ ہار مجھے دے دو، اس کے عوض تجھے جو مانگنا ہو مانگ لے۔'' جوہری تو آیا ہی اسی نیت سے تھا، سو ہار بادشاہ کو دیا اور دی ہوئی رقم سے چوگنی پانچ گنی رقم، بادشاہ سے لی اور چلا گیا۔ بادشاہ ہار لے کر سیدھا محل میں آیا اور رانی کی گردن میں پہنا دیا۔

کچھ دن کے بعد رانی نے وہ ہار اتار کر صندوق میں رکھ دیا بس خاص خاص موقعوں پر پہن لیتی۔ ایک دن رانی نہا دھو کر تیار ہوئی، آ کر آرسی کے سامنے بیٹھی اور دل میں سوچا: ''آج نولکھا ہار پہننا چاہیے، یہ سوچ کر باندھی کو بلا کر کہا: ''جا کر نولکھا ہار لے آ۔'' باندی نے آ کر پیٹی جو کھولی تو دیکھا کہ ہار تو ہے ہی نہیں...... اس کی جگہ ایک موتیوں جیسا حسین بچہ سو رہا تھا۔ وہ دوڑتی ہوئی رانی کے پاس آئی اور کہا: ''رانی! آپ کو مبارک ہو اللہ نے تمہیں بیٹا دیا ہے۔''

رانی کے ہاں اولاد ہوتی ہی نہ تھی اس نے سمجھا کہ شاید باندی تمسخر کر رہی ہے۔ وہ آگ بگولہ ہوگئی اور کہا: ''گستاخ! تو مجھ پر طنز کر رہی ہے؟'' باندی قسم کھا کر کہنے لگی کہ: ''آپ خود چل کر دیکھ لیں کہ بچہ ہے یا نہیں۔'' رانی باندی کے ساتھ آئی، آ کر دیکھا کہ واقعی باندی کی بات سچی ہے۔ رانی بہت خوش ہوئی اور بسم اللہ کر کے اٹھایا گود میں لیا۔ پھر تو یکدم اسی باندی کو بادشاہ کی طرف مبارک کے لیے بھیجا۔ باندی نے جا کر بادشاہ کو مبارک دی اور کہا کہ: ''بادشاہ سلامت! قدرت نے آپ کو بیٹا نصیب کیا ہے!'' بادشاہ نے سوچا: ''کتنا عرصہ گزر چکا ہے کہ ہمارے ہاں کوئی اولاد ہوئی ہی نہیں اور کوئی امید بھی نہیں تھی سو اَب بیٹا کیسے پیدا ہوگیا؟ شاید باندی مذاق کر رہی ہے۔'' سو یکدم غصے میں آپے سے باہر ہوگیا اور باندی پر برس پڑا۔ آخر باندی کے قسمیں کھانے پر بادشاہ محل میں آیا اور آ کر دیکھا تو واقعی رانی ایک خوبصورت بچے کو گود میں لیے بیٹھی ہے۔ پھر تو بادشاہ بہت خوش ہوا، اور اس باندی کو بڑا انعام واکرام دے کر خوش کیا اور لڑکے کا نام ''لال ملوک'' رکھا۔

آج چھوٹا کل بڑا، آخر لال ملوک بھی بڑا ہوگیا اور بادشاہ نے اسے مکتب میں بٹھا دیا۔ جب پڑھ کر قابل ہوگیا تو بادشاہ نے خیال کیا کہ جیسا لال ملوک خوبصورت ہے ویسی ہی خوبصورت اس کی دلہن بھی ہو۔ اس وقت بادشاہوں کا یہ دستور ہوتا تھا کہ بڑ

ڈھونڈنے کے لیے اپنے وزیر کو دولہا یا دلہن (لڑکا یا لڑکی) کی تصویر دے کر دوسری بادشاہی میں بھیجتے تھے۔ اس نے بھی اپنے ایک وزیر کو لال ملوک کی تصویر دے کر لال ملوک کی دلہن تلاش کرنے بھیجا اور کہا کہ: ''ایسی دلہن ڈھونڈ کر لاؤ کہ جیسا لال ملوک ویسی اس کی دلہن ہو! دوسرے جب تک کہیں کفو ڈھونڈ نہ لو واپس نہ پلٹنا۔''

وزیر تو اسی وقت روانہ ہوگیا۔ لیکن کچھ دن بعد، پیچھے بادشاہ کا انتقال ہوگیا۔ لال ملوک جس راستے پر روزانہ سیر وشکار کو جاتا تھا اس راستے پر ہمیشہ ایک فقیر بیٹھا ہوتا تھا جو ویسے تو بیٹھا روتا ہوتا لیکن لال ملوک کو دیکھ کر ہنس دیتا تھا۔ ایک روز لال ملوک نے فقیر سے پوچھا: ''مجھے بتاؤ کہ ویسے تو تم بیٹھے روتے رہتے ہو مگر مجھے دیکھ کر ہنس پڑتے ہو، آخر ایسا کیوں؟'' فقیر نے کہا: ''بابا سائیں! اس بات کو چھوڑو۔'' لیکن لال ملوک جب ضد سے باز نہ آیا تو فقیر نے کہا: ''میں تیری موت دیکھتا ہوں تو مجھے رونا آتا ہے اور جب تجھے دیکھتا ہوں تو ہنستا ہوں۔'' لال ملوک نے پوچھا: ''ایسا کیسے؟'' فقیر نے کہا: ''تیرے باپ کا فلاں وزیر، جو تیرے لیے دلہن تلاش کرنے گیا ہوا ہے، وہ دلہن تلاش کر کے واپس آرہا ہے لیکن راستے میں بادشاہ کے انتقال کا سن کر اس کی نیت خراب ہوگئی ہے، وہ یہاں پہنچ کر تجھ سے بادشاہی چھین کر تجھے ماردینے کا خیال کیے ہوئے ہے اور یہ نیت بھی ہے کہ تیری دلہن کسی طرح اپنے بیٹے سے بیاہ لے۔ بس وہ یہاں پہنچا تو تیری خیر نہیں۔ اس لیے میری صلاح یہ ہے کہ جتنی جلد ہوسکے اپنا شہر چھوڑ کر چلے جاؤ...... پھر اگر بادشاہت اور دلہن نصیب میں ہوگی تو دونوں مل جائیں گی۔'' فقیر کی بات سن کر لال ملوک سیدھا ماں کے پاس آیا اور تمام حقیقت بتادی پھر کہا: ''میں یہ شہر آج ہی چھوڑ جاؤں گا، پھر اگر زندگی رہی تو آ کر وزیر سے بدلہ لوں گا۔'' رانی نے اسے بہتیرا سمجھایا لیکن لال ملوک نہ مانا اور کچھ خزانہ ساتھ لے کر، گھوڑے پر سوار ہوا، ماں سے رخصت لے، فقیر سے اجازت لی اور فقیر کے کہنے کے مطابق سورج غروب ہونے والی سمت کو چل دیا۔

چلتے چلتے تھوڑے بہت دن گزرے تو لال ملوک اس شہر میں جا پہنچا جہاں اس کی منگنی ہوئی تھی۔ ادھر وزیر بھی لال ملوک کے شہر چھوڑنے کے دوسرے دن، اس کے پیچھے وہاں پہنچا اور یکدم تخت پر قبضہ کر کے لال ملوک کو پوچھا۔ اسے پتہ چلا کہ لال ملوک اس کے آنے سے پہلے شہر چھوڑ گیا ہے۔ وزیر نے لال ملوک کی تلاش میں بہت گھوڑے دوڑائے لیکن کچھ نہ ملا۔ کچھ وقت کے بعد وزیر کے ذہن سے لال ملوک کا خیال بھی اُتر گیا، لہٰذا سوچا کہ: ''اب چل کر لال ملوک کی منگیتر سے بیٹے کی شادی کرا لاؤں۔'' یہ سوچ کر وہ بیٹے کی شادی کی تیاریاں کرنے لگا۔

ادھر لال ملوک بھی اندرونی طور پر اپنی منگیتر کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے لگا۔ آخر جلد ہی اسے پتہ چل گیا کہ اسکی منگیتر بھی اسی شہر میں ہے۔ بادشاہی منگیتر تھی بھلا کیسے چھپی رہ سکتی تھی! اس نے کیا کیا کہ اپنی تصویر بنوائی، اس کے ساتھ ایک خط میں اپنی ساری حقیقت لکھی اور شہزادی کو بھیج دیا اور خط میں یہ بھی لکھ دیا کہ: ''وزیر تمہاری شادی اپنے بیٹے سے کرنا چاہتا ہے۔ اگر تم وہاں راضی ہو تو پھر تمہاری مرضی، اگر نہیں تو پھر مجھے خط کا جواب بھیجو۔'' شہزادی کے پاس جب تصویر اور خط پہنچا تو سارا قصہ سمجھ گئی اور جواب لکھ بھیجا کہ: ''اگر تمہاری یہ حقیقت درست ہے تو پھر میں تمہاری ہوں اور ہر وقت تمہارا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔'' یہ حقیقت پڑھ کر شہزادہ لال ملوک بہت خوش ہوا اور اب وہ وزیر کے بیٹے کی بارات کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔

آخر ایک دن وزیر بھی اپنے بیٹے کی بارات لیے وہاں آ پہنچا۔ لال ملوک نے فوراً شہزادی کو خط لکھا کہ: ''دن پرایا اور رات اپنی ہے...... اب صرف تمہاری سچائی چاہئے ورنہ بات ہاتھ سے گئی تو خالی افسوس کے ہاتھ ملنے پڑیں گے۔'' شہزادی کو بھی اب یقین ہو گیا تھا کہ وزیر واقعی دغا کر رہا ہے سو لال ملوک کو کہلوا بھیجا کہ: ''تم آدھی رات کو دو گھوڑے تیار کرا کر محل کے عقب میں آ کھڑے ہونا...... میں خود ہی تمہارے پاس پہنچ جاؤں گی۔'' لال ملوک وعدے کے مطابق تیار ہو کر، آدھی رات کو آ کر محل کے پیچھے کی طرف کھڑا ہو گیا اور شہزادی بھی موقع دیکھ کر نکل آئی اور یہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔

چلتے چلتے کسی دوسری بادشاہی میں ان پر سورج ابھرا۔ ساری رات مسافری کے باعث وہ تھک چکے تھے اس لیے ایک جگہ اُترے۔ لال ملوک نے شہزادی سے کہا: ''اس وقت دن نکل آیا ہے اس لیے میری مرضی ہے کہ تم یہ زنانہ پوشاک اتار کر میرے کپڑوں میں سے کوئی مردانہ لباس پہن لو، کہیں کوئی پہچان نہ لے۔'' کپڑے بدلنے کے بعد، شہزادی گھوڑوں کے پاس ٹھہر گئی اور شہزادہ کھانے پینے کا کچھ سامان لانے کے لیے شہر کو روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر گھومتے پھرتے وہ ایک دوکان پر آ کھڑا ہوا، اور کھڑے کھڑے سامان خریدنے لگا۔ اس دوکان پر ایک عورت بیٹھی تھی، جو سامان دیتے ہوئے لال ملوک کی طرف دیکھتی رہی پھر اسے کچھ جھکنے کے لیے کہا، لال ملوک نے ابھی ذرا گردن جھکائی، ہی تھی عورت نے فوراً ایک دھاگا لے کر اس کی گردن میں ڈال دیا۔ دھاگا پڑتے ہی لال ملوک یکدم دنبہ بن گیا۔

دوسری طرف شہزادی کو راہ دیکھتے دیکھتے دو، پہر گزر گئے اب اس کو شک ہوا کہ شاید لال ملوک کی خیر نہیں، آخر گھوڑے وہاں چھوڑے، تیر کمان لیا اور مردانہ لباس میں سیدھی اسی شہر میں پہنچی اور لال ملوک کو ادھر ادھر تلاش کرنے لگی۔ لیکن لال ملوک کہیں نظر نہ آیا۔ اچانک اس نے دیکھا کہ ایک جگہ لوگ بھیڑ لگائے کھڑے ہیں، پوچھنے پر کسی نے بتایا کہ: ''جو بھی اس جگہ سے رانی کے محل تک تیر پہنچائے گا، اس کی شادی بادشاہ کی بیٹی کے ساتھ کی جائے گی۔ سو دور نزدیک کے جوان یہاں جمع ہوئے ہیں اور دوسرے لوگ ان کا یہ کھیل دیکھ کر دل بہلانے آئے ہیں۔'' یہ بات سن کر شہزادی نے بھی بسم اللہ کر کے، تیر کمان میں رکھ کر اس زور سے چلایا جو سیدھا جا کر رانی کے محل میں گرا۔ شہزادی نے اوپر بیٹھے یہ رنگ جو دیکھا، ایسے حسین نوجوان کو شرط جیتتے دیکھ کر فوراً اپنے باپ کے پاس آدمی بھیجا اور حقیقت سے آگاہ کیا۔ جس نے فوراً وزیر کو بھیج کر اسے اپنے پاس بلایا۔ پہلے تو لال ملوک کی وجہ سے اس نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی لیکن پھر بادشاہ کے آدمیوں کی زبردستی کے سبب آ کر بادشاہ کے سامنے حاضر ہوئی۔ بادشاہ اپنے سامنے ایک خوبصورت شہزادے کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور بولا: ''جیسی خوبصورت بیٹی ہے ویسا ہی اس کے لیے شہزادہ بھی مل گیا۔'' خیر خبر پوچھنے پر اس نے خود کو شہزادہ لال ملوک ظاہر کیا، اس کی شادی بھی شہزادی کے ساتھ ہوگئی۔

خیر، پھنسنے کے بعد تڑپنا کیا! رات ہوئی تو اس نے اپنی بیوی سے کہا: ''سنو، بیچ میں تلوار رکھیں گے کیونکہ میں نے قول کیا ہے کہ جس کام سے نکلا ہوں جب تک وہ پورا نہ ہوگا تب تک مجھ پر ہر خوشی حرام ہے۔ اس لیے میری صلاح ہے کہ ہم دونوں اپنی اپنی سمت کروٹ لے کر سو رہیں۔'' شہزادی نے یہ بات قبول کرلی اور دونوں تلوار بیچ میں رکھ سو گئے۔

شہزادی نے نقلی شہزادہ بن کر شادی تو کرلی لیکن اس سے اس کی اپنی پریشانی بڑھ گئی، کم نہ ہوئی۔ وہ ہمیشہ لال ملوک کی فکر میں رہتی اور اپنے طور پر لال ملوک کو تلاش کرتی رہی۔ ایک دن یونہی گھومتے پھرتے اس نے ایک آدمی کے ہاتھ میں ایک پنجرہ دیکھا جس میں بیٹھا طوطا بہت میٹھی میٹھی باتیں کر رہا تھا اسے وہ مٹھو پسند آ گیا سو طوطا خرید کر محل میں لا رکھا اور پھر روزانہ اس سے دل بہلاتی رہتی۔

شہزادی (شہزادے کے بھیس میں) بادشاہ کے دربار میں روز جایا کرتی۔ ایک روز ایک وزیر نے اسے تاڑ لیا کہ یہ مرد نہیں عورت ہے۔ اس نے فوراً اپنے بادشاہ کو حقیقت بتائی۔ تب بادشاہ نے کہا: ''تیرا شک بیکار ہے، اگر یہ عورت ہوتا تو کم از کم میری

بیوی تو مجھ سے یہ بات کرتی۔ تجھے بھول ہوئی ہے۔" وزیر نے بادشاہ کا یہ خشک جواب سنا تو چپ ہو بیٹھا اور اس راز کو آشکار کرنے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔

شہزادی کو جب وزیر کے شک کی سُن گُن ملی تو اندر ہی اندر پریشان ہوگئی اور سوچنے لگی کہ اب کیا کیا جائے؟ اس دن کے بعد اس نے بادشاہ کے دربار میں آنا جانا بھی کم کردیا۔ ایک روز شہزادی کو پریشان دیکھ کر مٹھو نے کہا: "شہزادے! تیری پریشانی کا سبب کیا ہے؟" مٹھو کے پوچھنے پر شہزادی نے دل میں سوچا کہ "مٹھو کو ہی رازدار بنالیا جائے۔ ویسے بھی پرندہ ہے۔" پس یہی سوچ کر ساری حقیقت مٹھو کو بتادی، مٹھو نے کہا: "اگر ایسا ہے تو تم کچھ خیال نہ کرو میں تمہاری ہر طرح مدد کرنے کو تیار ہوں۔" اس پر شہزادی مطمئن ہوگئی اور مٹھو سے کہا: "اب تم ایک کام کرو کہ جب میں دربار میں جاؤں تو تم بھی کنارہ کر کے وہیں آ بیٹھنا۔ پھر جب میں وہاں سے اُٹھ آؤں تب بھی تم وہیں بیٹھے رہنا، بادشاہ اور وزیر کی باتیں سننا اور مجھے آ کر بتانا۔ جب تک لال ملوک ملے تو تب تک دکھ سکھ سے وقت گزار لیں، پھر دیکھا جائے گا۔"

دوسرے دن شہزادی دربار میں گئی تو مٹھو بھی اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ کچھ وقت باتیں کر کے شہزادی تو واپس چلی آئی لیکن مٹھو وہیں بیٹھا رہا۔ شہزادی کے جانے کے بعد وزیر نے پھر بادشاہ سے کہا کہ: "قبلہ! آپ مانتے نہیں ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ عورت ہے۔" بادشاہ نے کہا: "مجھے تو یقین نہیں آتا کہ یہ عورت ہے، لیکن اگر تم کہتے ہو تو پھر کوئی ایسی ترکیب بتاؤ جس سے یقین ہوجائے کہ یہ عورت ہے۔" وزیر نے کہا: "سائیں ایک ترکیب ہے وہ یہ کہ عورت دروازے میں باہر یا اندر جاتے وقت پہلے بایاں پیر اٹھاتی ہے اور پھر داہنا۔ لیکن مرد پہلے داہنا پیر اٹھاتا ہے پھر بایاں۔ لہٰذا کل آپ جانچیں اور دیکھیں کہ دربار میں آنے کے وقت یہ پہلے سیدھا پیر اٹھاتی ہے یا الٹا، چوکھٹ پر سے گزرتے ہوئے، پھر خود بخود اصلیت ظاہر ہوجائے گی۔"

مٹھو سیدھا شہزادی کے پاس آیا اور ساری حقیقت اسے کہہ سنائی۔ دوسرے دن دربار میں جانے کے وقت مٹھو پہلے ہی اڑ کر دربار میں جا بیٹھا اور شہزادی نے بھی چوکھٹ پھلانگتے وقت پہلے سیدھا پیر اٹھایا اور پھر الٹا پیر۔ بادشاہ اور وزیر بھی اس کے پیروں کو جانچ رہے تھے۔ شہزادی آ کر اپنی جگہ پر بیٹھ رہی۔ کچھ وقت باتیں کیں، پھر جب شہزادی جانے لگی تب بھی پہلے سیدھا پیر اٹھایا اور پھر الٹا پیر اٹھایا، دروازہ پھلانگا اور چلی گئی۔

اس پر بادشاہ نے وزیر سے کہا: ''اب تو اعتبار کرو گے یا اب بھی کہو گے کہ عورت ہے؟'' وزیر نے کہا: ''سائیں کچھ بھی ہو، مگر یہ عورت ہے۔'' تو بادشاہ نے کہا: ''اگر اب بھی نہیں مانتے تو پھر دوسرا کوئی امتحان لیں۔'' وزیر نے کہا: ''ہاں سائیں! کیا کریں کہ کل اس کی دعوت کی جائے کہ ہمارے ساتھ کھانا کھائے۔ عورت کو ہمیشہ میٹھا کھانا پسند آتا ہے۔ اگر اس نے بھی میٹھا کھایا تو پھر یقین ہو جائے کہ یہ مرد نہیں عورت ہے۔'' بادشاہ نے بھی یہ بات مان لی اور اسے دعوت بھیج دی۔

مٹھو نے بھی سب باتیں سنیں، سیدھا شہزادی کے پاس آیا اور ساری حقیقت اسے بتادی اور تاکید کردی کہ: ''کل دعوت میں میٹھے کھانے کے نزدیک بھی نہ جانا۔''

دوسرے دن شہزادی پھر تیار ہوئی، مردانہ کپڑے پہن کر دعوت میں پہنچ گئی۔ مٹھو بھی اس کے ساتھ اڑتا آ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ کھانا کھانے کے وقت وزیر نے کیا کیا کہ میٹھا کھانا اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ تب شہزادی نے وزیر کی طرف دیکھا اور کہا: ''میٹھا کھانا تو عورتیں کھاتی ہیں۔ کوئی چٹپٹا کھانا نہیں ہے کیا؟'' اس پر وزیر کا منہ پھیکا پڑ گیا اور گوشت بھری ڈشیں اٹھائیں اور شہزادی کے آگے رکھ دیں۔ خیر شہزادی تو کھانا کھا کر ان سے اجازت لے کر چلی گئی۔ بعد میں بادشاہ نے وزیر سے کہا: ''اب تو یقین آ گیا یا نہیں؟'' وزیر نے پھر بھی ماننے سے انکار کر دیا تو بادشاہ نے کہا: ''بھلا تمہیں کیسے یقین آئے گا کہ یہ مرد ہے؟'' وزیر نے کہا: ''ایک بات ہے اس میں ضرور یہ راز ظاہر ہو جائے گا۔ وہ یہ ہے کہ کل نہانے کی ترکیب کریں، پھر تالاب پر نہانے کے وقت سب ظاہر ہو جائے گا۔'' بادشاہ کو بھی یہ بات پسند آئی لہٰذا شہزادی کو نہانے کی دعوت بھجوادی۔

مٹھو، جو یہ ساری بات سن رہا تھا وہ سیدھا شہزادی کے پاس پہنچا اور اسے ساری بات بتادی۔ یہ بات سن کر شہزادی پریشانی میں پڑ گئی اور ''اب کیا کیا جائے؟ کیونکہ یہ تو ایسی بات ہے جس سے بچنے کا کوئی طریقہ ہی نہیں۔'' مٹھو نے شہزادی کو غمگین جو دیکھا تو اسے دلاسہ دیا کہ: ''شہزادی تم فکر نہ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا فقط نہانے کو جانے کے وقت ایک کپاس کی جلی ہوئی بتی میری چونچ میں لگا کر چلی جانا پھر دیکھنا کہ کیا ہوتا ہے! میں یہ جلی ہوئی بتی لے جا کر بارود خانے میں ڈال دوں گا۔ پھر بیٹھ کر دیکھنا خدا کا رنگ! بادشاہ اور وزیر تمہیں چھوڑ کر شہر کے بچاؤ کے لیے بھاگیں گے پھر جب تک واپس آئیں تم نہا ڈالنا۔'' شہزادی یہ صلاح سن کر بہت خوش ہوئی۔

دوسرے دن وہ وزیر کے ساتھ تالاب پر نہانے کو روانہ ہوئی اور جانے سے پہلے مٹھو کی چونچ میں دہکی ہوئی بتی رکھ گئی۔ بادشاہ، وزیر اور شہزادی ابھی بمشکل تالاب پر پہنچے ہی تھے کہ اچانک بارود پھٹنے کے دھماکے ہونے لگے۔ بادشاہ اور وزیر اٹھ کر بھاگے اس دوران شہزادی نہالی۔ جب بادشاہ اور وزیر آگ بجھوا کر واپس آئے اور دیکھا کہ شہزادی پہلے ہی نہا کر بال سکھا رہی ہے تو دل میں جل بھن گئے لیکن بات ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ اس لیے دل کی جلن دل میں لیے دونوں اکیلے نہائے اور پھر سب اپنے اپنے گھر کو روانہ ہوگئے۔

اگلے دن شہزادی پھر دربار میں آئی اور تھوڑی دیر باتیں کر کے مٹھو کو وہاں چھوڑ کر خود واپس آگئی۔ شہزادی کے جانے کے بعد وزیر نے پھر بادشاہ سے کہا: ''کل کا وار تو بچا گئی لیکن اب ایک صلاح ہے کہ کل شہر کا گشت کریں بازار میں عورتوں کی بھی دوکانیں ہیں۔ اگر اس نے جا کر عورتوں سے بیوپار کیا یا ان کی طرف خصوصی خیال کیا تو سمجھیں کہ یقیناً عورت ہے۔'' بادشاہ نے بھی حامی بھری اور شہزادی کو بھی کہلوا دیا گیا۔

مٹھو تو پہلے ہی وہاں بیٹھا تھا وہ پھر سیدھا شہزادی کے پاس آیا اور ساری بات اسے بتادی۔ شہزادی نے ساری بات دماغ میں رکھ لی اور دوسرے دن بے دھڑک ان کے ساتھ گشت پر نکلی۔ گھومتے پھرتے اسے بازار میں ایک دنبہ دکھائی دیا۔ شہزادی وہاں کھڑی اس پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ وزیر نے بادشاہ کو اشارہ کیا اس پر بادشاہ نے پوچھا: ''شہزادے! شاید تم نے پہلے دنبے زیادہ نہیں دیکھے؟'' شہزادی نے جواب دیا: ''بادشاہ سلامت! اور تو اس میں کوئی خاص بات نہیں، لیکن بابا کے پاس ایک ریوڑ ہوا کرتا تھا اس میں بالکل اس جیسا ایک دنبہ تھا اسی لیے دل تھوڑا اس کی طرف مائل ہوگیا اور میں نے اسے ہاتھ لگا کر دیکھا۔ لیکن بادشاہ سلامت، اس شہر میں صرف عورتوں ہی کی دوکانیں ہیں کیا؟ کوئی مردوں کی دوکان نہیں۔'' اس سوال سے شہزادی نے یہ وار تو کاٹ دیا اور وزیر جل کر رہ گیا۔ بادشاہ بھی شرمسار ہوا۔ خیر پھر وہ مردانے بازار میں آئے۔ جہاں شہزادی نے بعض چیزیں خریدیں...... پھر سب روانہ ہوئے۔

اگلے دن دستور موجب، شہزادی پھر مٹھو کے ساتھ دربار میں آئی اور تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد واپس چلی گئی۔ شہزادی کے جانے کے بعد وزیر اور بادشاہ پھر سے شہزادی کے عورت ہونے کے بارے میں گفتگو کرنے لگے جو مٹھو بیٹھا سنتا رہا۔ وزیر کہنے لگا: ''بادشاہ سلامت! باقی ایک تجویز یہ ہے کہ میں اپنی بڑی بیٹی کی شادی بھی اس شہزادی کے ساتھ کرتا ہوں۔ پھر خود ہی سیاہ سفید ظاہر ہو جائے گا۔'' بادشاہ کو یہ تجویز بہت پسند آئی اور وزیر کو بیٹی کا رشتہ کرنے کی اجازت دے دی۔

مٹھو نے ساری بات آ کر شہزادی کو بتادی اور کہا: ''یہ تو ایسی بات ہے کہ میری عقل بھی کام نہیں کرسکتی۔'' شہزادی یہ بات سن کر چکرا گئی اور سوچنے لگی کہ 'اب کیا ہوگا؟' آخر سوچتے سوچتے خیال آیا کہ: ''لال ملوک جو اس شہر میں آ کر گم ہوگیا ہے سو اس کے ساتھ ضرور کوئی دھوکا فریب یا جادوٹونا ہوا ہے۔'' یہ سوچتے ہوئے اسے یکدم بازار میں دیکھے ہوئے دنبے کا خیال آیا اور اس نے فوراً دنبہ منگوانے کے لیے آدمی بھیج دیے۔ دکان پر بیٹھی کٹنی نے پہلے تو دنبہ دینے سے انکار کیا، مگر بادشاہ کے آدمیوں کا زور دیکھ کر کچھ کہہ نہ سکی اور شہزادی کے بھیجے ہوئے آدمی زبردستی دنبہ اٹھا لے گئے اور لا کر شہزادی کے حوالے کردیا۔

دو تین دن کے بعد وزیر نے اپنی بیٹی کا رشتہ شہزادی، کو دینا طے کیا۔ جس نے لاچار قبول کرلیا۔ آخر تھوڑے ہی وقت میں شادی بھی ہوگئی۔ لیکن شادی کی رسمیں ختم ہونے کے بعد، شہزادی اور زیادہ فکر میں پڑگئی کہ 'اب اگر کہیں راز فاش ہوگیا تو پتہ نہیں کیا حشر ہوگا۔' انھی خیالوں میں ڈوبی وہ دنبے کے پاس آئی اور اس پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ ہاتھ پھیرتے پھیرتے، شہزادی کے ہاتھ جاکر دنبے کے گلے میں بندھے دھاگے پر لگے اور دھاگہ ٹوٹ گیا۔ اور دھاگہ ٹوٹتے ہی وہ یکدم دنبے سے بدل کر لال ملوک ہوگیا۔ لال ملوک کو اس طرح اچانک سامنے دیکھ کر شہزادی تو پاگل سی ہوگئی لیکن جب ہوش حواس ٹھکانے پر آئے تو بہت خوش ہوئی۔ پھر تو دونوں بغلگیر ہوکر ایک دوسرے سے ملے اور شہزادی نے ساری حقیقت اسے بتادی اور اپنے شادی کے دولہا والے کپڑے لال ملوک کو پہنائے۔ شہزادی نے اپنی نئی بیاہی ہوئی بیوی کو بھی راز بتایا جس نے خود اس راز کو چھپائے رکھنے اور لال ملوک سے شادی کا وعدہ کیا۔

رات کو جب دولہا دلہن سوئے تو وزیر نے بھی ایک کٹنی بھیج دی۔ جو چھپ کر کھڑکی کے پاس کھڑی ہوگئی اور یقین کرلینے کے بعد وزیر کو حقیقت بتادی۔ صبح بادشاہ نے وزیر کو بلایا۔ وزیر نے کہا: ''بادشاہ سلامت! بیشک مجھ سے بھول ہوئی وہ واقعی مرد ہے۔ یہ حقیقت سن کر بادشاہ بھی خوش ہوا کہ داماد پر سے لعن طعن کا بوجھ اُترا۔

اب تو لال ملوک بھی کھلم کھلا اپنی تینوں رانیوں کے ساتھ خوش وخرم زندگی گزارنے لگا۔ بادشاہ کی بیٹی بھی جو اتنے عرصے اداس چلتی پھرتی تھی اس کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔

ایک روز لال ملوک شکار پر گیا ہوا تھا کہ اچانک اس کے محل میں ایک بڑھیا داخل ہوئی جو لال ملوک کی ماں تھی اور خود کو اصل صورت میں لاکر ملکوں ملک لال ملوک کو ڈھونڈتی آ کر اس محل میں پہنچی تھی۔ موقع پا کر اس نے لال ملوک کی بڑی بیوی سے کہا:

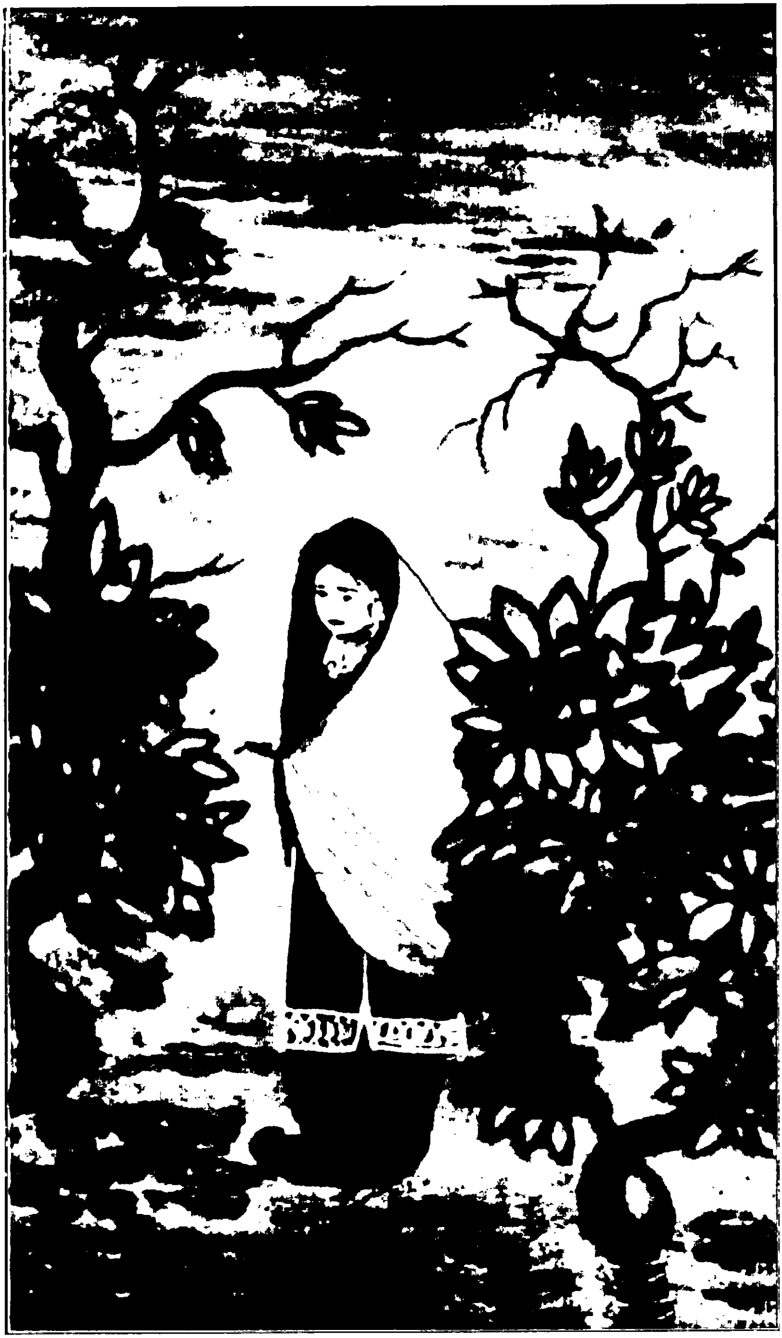

......شہزادی ابھی اٹھی ہی تھی کہ اچانک اسے ایک ناگ دکھائی دیا۔

''لال ملوک ذات کا کون ہے؟'' رانی نے کہا: ''مجھے خبر نہیں۔ واپس آئے تو پوچھتی ہوں۔'' بڑھیا تو پھر گم ہوگئی لیکن شام کو جب لال ملوک شکار سے واپس آیا تو بڑی بیوی سے پوچھا: ''تمہاری ذات کیا ہے؟'' لال ملوک نے بہتیرا انکار کیا لیکن جب رانی نے ضد نہ چھوڑی تو کہا: ''اگر تم اپنی ضد نہیں چھوڑتیں تو پھر کل تمہیں اپنی ذات بتادوں گا۔''

دوسرے دن جب شہزادی پھر اس سے ذات کے بارے میں پوچھنے لگی تو لال ملوک اسے تالاب پر لے آیا اور بولا: ''میں پانی کے اندر جاؤں تو پھر تمہیں اپنی ذات بتاتا ہوں۔'' لال ملوک پانی میں چلا گیا اور پھر سے رانی سے کہا: ''دیکھو اب بھی وقت ہے۔ اپنی ضد سے باز آجاؤ اور ذات نہ پوچھو، ورنہ تمہیں پچھتانا پڑے گا۔'' لیکن جب شہزادی نے پھر بھی ضد نہ چھوڑی تو لال ملوک نے کہا: ''ٹھیک ہے اگر تم ضد نہیں چھوڑتیں تو میں ابھی ڈبکی لگا کر نکلتا ہوں، پھر جو تم دیکھو گی وہی ہے میری ذات۔'' یہ کہہ کر لال ملوک نے ڈبکی لگائی، باہر نکلا تو انسان سے ناگ کی صورت میں آ گیا اور پھر دوسری ڈبکی لگا کر گم ہوگیا۔ رانی اس امید میں رہی کہ ابھی نکلتا ہے لیکن جب وہ نہ نکلا تو شہزادی کو یقین ہوگیا کہ لال ملوک اس سے ناراض ہوگیا ہے...... سو غمگین ہوکر واپس لوٹی اور محل میں آ کر دوسری دونوں شہزادیوں کو ساری حقیقت بتادی اور ان سے کہا: ''تم خدا پر بھروسہ رکھو۔ لیکن تب تک یہ راز کسی پر ظاہر نہ کرنا جب تک ہم لال ملوک کو ڈھونڈ نہ لیں۔ اس درمیان میں کوئی بھی پوچھے تو کہنا کہ لال ملوک باہر شکار پر گیا ہے۔''

پھر تو انہوں نے لال ملوک کو حاصل کرنے کے لیے بہت حیلے وسیلے کئے لیکن اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ ایک دن بڑی شہزادی کو، جو بہت فکرمند رہا کرتی تھی، پتہ چلا کہ ''فلاں جگہ ایک بڑ کا درخت ہے۔ وہاں جمعے جمعے از غیبی راگ روپ سنائی دیتا ہے۔ تیرا مطلب بھی وہاں پورا ہوگا۔''

یہ سن کر جمعہ کی رات بڑی شہزادی جا کر اس بڑ کے درخت تلے بیٹھ گئی۔ جب بیٹھے بیٹھے تھک گئی اور ناامید ہوکر واپس لوٹنے لگی تو ابھی اٹھی ہی تھی کہ اچانک اسے ایک ناگ دکھائی دیا۔ پہلے تو وہ ڈری لیکن تھوڑی ہی دیر میں جب وہ ناگ لوٹ پوٹ ہوکر انسانی صورت میں آ گیا تو کچھ سانس سمایا اور یکدم خوش ہوگئی جب اس نے دیکھا کہ وہ لال ملوک تھا۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر پہلے تو دونوں بہت خوش ہوئے اور ایک دوسرے سے ملے۔ لیکن پھر لال ملوک نے کہا کہ: ''شہزادی افسوس ہے کہ اب میں تب تک تمہارے ساتھ نہیں چل سکتا جب تک مجھے میرا مرشد اجازت نہ دے۔'' اس پر رانی کا منہ

پھیکا پڑ گیا اور کہا: ''بھلا تمہارا مرشد تمہیں کس طرح اجازت دے گا؟'' لال ملوک نے کہا: ''ہر مہینے کی چودھویں تاریخ کو، اس بڑ کے نیچے ہمارے مرشد کی بڑی مجلس ہوتی ہے جس میں جنات آ کر جمع ہوتے ہیں۔ اس رات تم یہ میدان صاف کرا کے یہاں میٹھے دودھ کا مٹکا بھر رکھنا اور خود ایک طرف ہوکر بیٹھ جانا۔ پھر جب راگ شروع ہو اور تم دیکھو کہ طبلچی سُر تال سے باہر نکل گیا تو پھر تم اس جگہ بیٹھ کر طبلہ بجانا شروع کر دینا۔ پھر اگر مرشد راضی ہوگیا تو تم سے پوچھے گا کہ 'مانگو طبلچی کیا مانگتے ہو؟' پھر تم میری طلب کرنا۔ وہ مجھے تمہارے حوالے کر دے گا۔ اور میں ہمیشہ کے لیے تمہارے ساتھ چلا چلوں گا۔'' یہ سن کر شہزادی بہت خوش ہوئی اور لال ملوک سے اجازت لے کر محل کو روانہ ہوئی۔ اور لال ملوک پھر سے لیٹ کر ناگ بن کر چل دیا۔

شہزادی نے دکھ سکھ سے یہ وقت گزارا، اور چودھویں تاریخ کا انتظار کرنے لگی، اس کے ساتھ ہی وہ طبلہ بجانے کے فن میں مہارت حاصل کرنے کی کوشش بھی کرنے لگی۔ آخر چودھویں تاریخ بھی آ گئی اور وہ تیار ہوکر اس بڑ کے نیچے پہنچ گئی۔ پہلے تو سارا میدان صاف کرایا، وہاں میٹھے دودھ کا مٹکا بھروا کر رکھا۔ پھر ایک طرف ہوکر جنّوں کی آمد کے انتظار میں بیٹھ گئی۔ آخر تھوڑی دیر کے بعد جنات نے آنا شروع کیا، آخر میں ان کے مرشد کی سواری آئی۔ اس پر سبھی جن اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ انہوں نے آتے ہی چاروں طرف نظر دوڑائی۔ میدان صاف اور دودھ کا مٹکا بھرا ہوا دیکھا، بہت خوش ہوئے اور کہا: ''جس نے بھی یہ خاطر داری کی ہے اسے محفل میں شریک ہونے کی اجازت دی جاتی ہے اور محفل ختم ہونے پر اسے انعام بھی دیا جائے گا۔'' یہ کہہ کر خود مسند پر جا بیٹھے اور راگ کی مجلس شروع ہوگئی۔ رانی نے جب دیکھا کہ اب طبلے والا سرتال سے نکل گیا ہے تو اسے دھکا دے کر خود بیٹھ کر طبلہ بجانے لگی۔ طبلہ ایسا سریلا بجایا کہ جنّوں کے مرشد نے خوش ہوکر کہا: ''واہ رے طبلچی واہ! اتنے دنوں میں آج تو نے خوش کیا ہے۔ اب مانگ کیا مانگتا ہے؟'' جنوں کے مرشد کی یہ آواز سنی، شہزادی نے ہاتھ باندھ کر عرض کی: ''قبلہ پہلے وعدہ چاہیے۔'' وعدہ لینے کے بعد اس نے کہا: ''سائیں! مجھے لال ملوک چاہیے۔'' جنوں کے مرشد نے کہا: ''کہیں تو لال ملوک کی بیوی تو نہیں؟'' شہزادی نے حامی بھری۔ اس پر جنوں کے مرشد نے پوچھا: ''دودھ اور صفائی کا بندوبست بھی تم نے کیا ہے؟'' رانی نے پھر 'ہاں' کہا۔ تب جنوں کے مرشد نے لال ملوک کا ہاتھ ہمیشہ کے لیے رانی کو دے دیا اور لال ملوک سے کہا: ''تم رانی کے ساتھ جاؤ...... تمہیں اجازت ہے۔''

مرشد کی اجازت ملنے پر لال ملوک یکدم انسانی صورت میں آ گیا اور رانی کے ساتھ خوش خوش اپنے محل کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں جا کر سب رانیوں سے ملا۔ ایک دوسرے سے مل کر سب بہت خوش ہوئے۔

تھوڑے بہت دن گزرنے کے بعد ایک روز لال ملوک نے اپنی تینوں رانیوں سے کہا: ''مجھے گوٹھ چھوڑے بہت لمبا عرصہ ہوگیا ہے۔ میری ماں کی، نہ معلوم کیسی حالت ہوگی، اس لیے میری مرضی ہے کہ اب وطن واپس لوٹوں۔'' تو تینوں رانیوں نے کہا: ''ہم بھی تمہارے سر سے بندھے ہیں، جہاں تم وہاں ہم۔'' رانیوں کی رائے دیکھ کر لال ملوک نے سسرال والوں، بادشاہ اور وزیر سے رخصت لی اور اپنے گوٹھ کو روانہ ہوا۔ کچھ دن بعد اپنے گوٹھ کے باہر آ کر تنبو لگا دیے۔ پھر اپنے آدمی شہر میں بھیجے۔ شہر کا حال احوال لیا۔ اسے پتہ چلا کہ وزیر ابھی حکومت کر رہا ہے لیکن ساری رعایا اس سے بہت تنگ ہے۔ پھر تو اس نے خفیہ طور پر آدمی روانہ کیے اور شہر کے لوگوں کو کہلا بھیجا کہ: ''میں آ گیا ہوں۔ لہٰذا تم لوگ آ کر مجھ سے ملو۔'' شہر کے لوگوں کو جب لال ملوک کے واپس آنے کی خبر ملی تو سب اس کے پاس آ کر جمع ہو گئے اور اس سے کہا کہ: ''ہم اب وزیر کی حکومت سے بالکل تنگ آ چکے ہیں۔ اب تم کسی بھی طرح حکومت ہاتھ میں لو۔ ہم سب تمہارے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔''

لال ملوک نے شہر کے تمام لوگوں کو جو اپنے ساتھ دیکھا تو فوراً وزیر کو کہلا بھیجا کہ: ''اس حکومت کا میں ہی حقدار ہوں۔ لہٰذا سیدھی طرح حکومت میرے حوالے کر دو، نہیں تو پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' لال ملوک کا پیغام سن کر وزیر کو تھرتھری لگ گئی اور جب اس نے دیکھا کہ تمام رعیت لال ملوک کے ساتھ ہوگئی ہے تو دل میں کہا کہ اب بھلائی اسی میں ہے کہ یہ حکومت لال ملوک کے حوالے کر دوں۔ یہ سوچ کر وزیر لال ملوک کے پاس آیا اور گردن میں کپڑا ڈال کر اس سے معافی کا خواستگار ہوا اور حکومت لال ملوک کے حوالے کر دی۔

لال ملوک نے حکومت ہاتھ میں لی۔ وزیر کو اس کے بیٹے سمیت یکدم شہر چھوڑ کر نکل جانے کا حکم دیا، اور پھر سیدھا اپنی ماں کے پاس آیا، جو اس سے بچھڑ جانے پر رو رو کر اپنی آنکھوں کا نور گنوا بیٹھی تھی۔ اس نے جو بیٹے کی آواز سنی تو خوشی سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اور اس کی آنکھوں سے پردہ اُتر گیا، اور ان کا نور واپس آ گیا۔ اس نے فوراً اٹھ کر بیٹے کو گلے لگا لیا۔ پھر لال ملوک نے اسے اپنی تینوں رانیوں سے ملایا۔ پھر یہ سب، اپنی حکومت واپس حاصل کرنے کے بعد، ساری عمر خیر و خوشی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔

☆

گنگل رانی

ایک بادشاہ کے سات بیٹے تھے۔ جب وہ بڑے ہوئے تو بادشاہ کو انہیں بیاہنے کی فکر ہوئی۔ ایک روز وزیر کو بُلا کر صلاح کی اور اس سے کہا: ''شہزادوں کی شادی اس بادشاہ کے ہاں کروں گا جس کے سات بیٹیاں ہوں گی۔'' پھر وزیر کو مال واسباب کے خچر بھروا کر دیے اور وزیر کو کسی ایسے بادشاہ کی تلاش کر کے پتہ لانے کے لیے روانہ کیا۔

وزیر گھومتے پھرتے ایک بادشاہی میں جا پہنچا۔ مگر وہاں اس کے من کی مراد پوری نہ ہوئی۔ اسی طرح اس نے چھ بادشاہیاں گھوم لیں مگر کہیں بھی اس کا مطلب پورا نہ ہوا۔ آخر چلتے چلتے ساتویں بادشاہی میں آ کر پہنچا۔ جب شہر میں آیا تو ایک کٹنی کو بلا کر اسے انعام واکرام دیا اور اس سے وہاں کے بادشاہ کی اولاد کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا: ''یہاں کے بادشاہ کی سات بیٹیاں ہیں جو ویسے تو حسن میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں لیکن بڑی شہزادی کانوں سے بہری اور زبان سے گونگی ہے۔ اس بادشاہ کی یہ مرضی ہے کہ ساتوں شہزادیوں کی شادی کسی ایک ہی بادشاہی کے سات شہزادوں کے ساتھ ہو تو بہتر ہے۔'' کٹنی سے یہ خبریں لینے کے بعد، وزیر بادشاہ کے دربار میں آیا اور آ کر بادشاہ سے ملاقات کی۔

بھرے دربار میں اس بادشاہی کے وزیر نے اس وزیر سے حال احوال معلوم کیا، کیونکہ وہاں کا رواج یہ تھا کہ وزیر، وزیر سے احوال لے، بادشاہ، بادشاہ سے۔ لیکن اس نے وزیر کو احوال نہ دیا اور کہا: ''میں بادشاہ کو اپنا احوال خود ہی دوں گا۔'' جب دربار ختم ہوا تب بادشاہ سے کہا: ''میں آپ سے اپنا احوال روبرو کہوں گا لہٰذا مجھے اجازت دی جائے۔'' بادشاہ نے اسے اجازت دے دی۔ اس نے پہلے تو اپنے بادشاہ کی طرف سے بھیجی ہوئی سوغات اور تحفے تحائف اس کے سامنے پیش کیے پھر اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔

بادشاہ احوال سے واقف ہوکر خوش ہوا اور اسے کہا: ''شہزادوں کی تصویریں دکھاؤ۔'' اس نے تصویریں بادشاہ کو دے دیں اور وزیر نے بھی بادشاہ سے شہزادیوں کی تصویریں طلب کیں، بادشاہ نے اسے دے دیں۔ پھر بادشاہ اور وزیر نے آپس میں رشتے پکے کرنے کی باتیں کیں۔ آخر وزیر بادشاہ سے اجازت لے کر، شہزادیوں کی تصویریں لے کر اپنے وطن لوٹا۔ آتے ہی اس نے اپنے بادشاہ کو مبارک بادیں پیش کیں، تصویریں

سامنے رکھیں، جنہیں دیکھ کر بادشاہ بڑا خوش ہوا۔ وزیر نے بادشاہ کو بتایا کہ: ''چھ بادشاہیاں رُلتا رہا تب کہیں جا کر بڑی مشکل سے ساتویں بادشاہی میں یہ سات شہزادیاں دیکھیں۔ ویسے تو یہ ساتوں ہی حسن میں لاثانی ہیں لیکن بڑی شہزادی البتہ کانوں سے بہری اور زبان سے گونگی ہے۔'' بادشاہ یہ بات سن کر کچھ سوچ میں پڑ گیا لیکن لاچار، دوسری کوئی راہ نہ پا کر، سب سے صلاح کی، تاریخ مقرر کی اور اس بادشاہ کو بھی تاریخ کی نسبت پیغام دے کر بھیج دیا جو اس نے بھی بڑی خوشی سے قبول کر لیا۔

اس تاریخ پر بادشاہ، وزیر امیر امراء بارات لے کر چلے گئے مگر بادشاہ کے بڑے شہزادے نے چلنے سے انکار کر دیا۔ آخر اسے بھی کسی طرح بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ لے چلے۔ لے جا کر وہاں اس کو بھی بیاہ دیا۔ شادی کرنے کے بعد شہزادہ الٹے پیروں اٹھ بھاگا مگر وزیر اسے واپس لے آیا۔ جب شہزادہ واپس آ گیا تو اس کی ساس نے ناراض ہو کر اس سے کہا: ''میری بیٹی کیا بدصورت ہے، کانی ہے، جو اس سے ایسے بھاگ رہے ہو! تم اپنی بھی صورت دیکھو۔ تم کیا میری بیٹی سے بھی زیادہ خوبصورت ہو؟ میری اس حسین پیاری شہزادی سے صرف ایک 'گنگل رانی' ہی زیادہ بڑھ کر ہے، باقی اوروں سے تو میری بیٹی ہی زیادہ حسین خوبصورت ہے!'' اس پر شہزادے نے کہا: ''تمہاری بیٹی سے شادی کر لی ہے سو یہ بھی قبول ہے، لیکن میں 'گنگل رانی' سے ضرور شادی کروں گا۔''

پھر سسرال ہی سے شہزادہ گھوڑے پر سوار ہوا، اور تن تنہا گنگل رانی کی تلاش میں نکلا۔ چلتے چلتے ایک پہاڑ کے پاس جا پہنچا۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ ایک گھر ہے مگر اس کا دروازہ بند ہے۔ اس نے دروازہ کھولا اور اندر گیا تو ایک دیو سوتا ہوا نظر آیا۔ اسے دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ جب دیو نے کروٹ لی تو دوڑ کر ماما۔ ماما کہتا اس سے لپٹ گیا۔ اس پر دیو نے کہا: ''اگر ماما۔ ماما نہ کہتے تو رائی برابر دانے کر ڈالتا لیکن اب خیر۔ کیونکہ بھانجے شیر کو بھی پیارے ہیں۔ اب کہو جو کچھ کہنا ہو۔''

اس پر شہزادے نے کہا: ''میرے پاس اللہ کا دیا سبھی کچھ ہے۔ لیکن گنگل رانی پر غائبانہ عاشق ہوں۔ اس کا پتہ بتا دو'' اس پر دیو بولا: ''گنگل رانی کی وجہ سے تو گھٹنوں پر گھاس جم گئی ہے۔ مجھے گنگل رانی کی کچھ خبر نہیں ہے۔ آگے میرا دوسرا بھائی ہے شاید اسے کچھ خبر ہو تو وہ تمہیں پتہ بتا دے گا۔ اسے جا کر میرا سلام دینا تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔''

پھر شہزادے نے اس سے پتہ لیا اور نشانی بھی، پھر اٹھ کر آگے روانہ ہوا۔ تھوڑے بہت دن چلتے چلتے آخرکار وہ دوسرے دیو کے پاس پہنچا۔ جب وہاں پہنچا تو

دیکھا کہ وہ بھی سو رہا ہے۔ اس لیے شہزادہ خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گیا۔ جب دیو نے کروٹ لی تو یہ ماما۔ ماما کہتا اس کے پیروں پر گر گیا۔ دیو نے کہا: ''اگر ماما۔ ماما نہ کرتے تو چینی جیسے دانے کر ڈالتا لیکن اب خیر ہے۔'' شہزادے نے اسے بھائی کا سلام دیا اور نشانی بھی دی۔ اس پر دیو نے خوش ہو کر خبریں لیں۔ شہزادے نے کہا کہ: ''میں گنگل رانی کی محبت میں گرفتار ہوں۔ اس کا پتہ معلوم کرنے کے لیے یہ مشکلیں اٹھا رہا ہوں۔'' اس پر دیو نے کہا: ''گنگل رانی کی مجھے کوئی خبر نہیں۔ البتہ میرا تیسرا بھائی ہے تم اس کے پاس چلے جاؤ۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تمھیں خبر دے سکے۔'' شہزادے نے اس سے بھی پتہ نشان لیا اور اس تیسرے دیو کی طرف روانہ ہوا۔ آخر راستہ طے کرتے کرتے وہ اس دیو کے پاس جا پہنچا۔ دیو اسے دیکھ کر حملہ کرنے ہی والا تھا کہ وہ ماما۔ ماما کہتے ہوئے دیو سے لپٹ گیا۔ دیو نے کہا کہ ''اگر ماما۔ ماما نہ کہا ہوتا تو پُرزا پُرزا کر ڈالتا لیکن اب جو مانگنا ہو مانگو۔'' اس پر شہزادے نے کہا: ''میں گنگل رانی کی تلاش میں نکلا ہوں۔ کوئی پتہ نشان بتادو۔'' اس دیو نے کہا: ''مجھے خبر نہیں ہے۔ میرے چوتھے بھائی کے پاس چلے جاؤ۔ وہی تمھیں بتائے گا۔'' خیر یہ اس چوتھے کے پاس بھی گیا۔ اس نے پانچویں کا پتہ بتایا۔ یہ بیچارہ مصیبتیں سہتا، مشکلات اٹھاتا، پانچویں سے چھٹے اور چھٹے سے ساتویں دیو کے پہنچا۔ اس نے اس کے چھٹوں بھائیوں کا سلام بھی دیا اور نشانیاں بھی۔ اس دیو نے بھی اس سے حال احوال لیا۔ اس پر شہزادے نے اپنا سارا قصہ سنادیا۔ دیو نے کہا: ''یہاں پر دیو اور پریاں آتے ہیں کیونکہ یہاں میرے پاس راگ اور ناچ (رقص وسرود) کی محفل جمتی ہے۔ میں تجھے کپاس کی کوٹھری میں ڈال دیتا ہوں تاکہ کسی کو تیری بُو نہ آئے۔'' دیو اسے چھپا کر فارغ ہوگیا تو اوپر سے دیو اور پریاں آگئے، وہ آدم بُو، آدم بُو، کرتے آئے تھے۔ اس پر اس دیو نے کہا: ''یہاں آدم کہاں سے آیا، تمھیں بھول ہوئی ہے۔ چپ کر کے اپنا رقص وسرود کرو۔'' آخرکار یہ راگ ناچ پورا کر کے چلے گئے۔

پھر دیو نے شہزادے کو باہر نکالا اور پتہ دیا کہ: ''فلاں جگہ ایک کنواں ہے۔ اس میں جا کر ڈبکیاں لگاؤ۔ پانی تمھیں کھینچے گا۔ لیکن تم جوانمرد ہو۔ ہوشیار رہنا۔ اگر قسمت اچھی ہوئی تو ڈبکیاں لگانے میں تمھیں ایک انڈا ہاتھ آجائے گا۔ اس میں تمھیں رانی ملے گی۔ کیونکہ گنگل رانی اس میں بند ہے۔ اس انڈے کو بڑی حفاظت سے سنبھال کر اپنے گھر کو چل کھڑے ہونا۔'' شہزادہ اللہ پر آسرا کر کے، ہمت کی کمر کس کر، اس پتے کو روانہ ہوا۔ وہ اس کنوئیں پر جا پہنچا۔ اللہ کا نام لے کر وہ کنوئیں میں اُتر گیا اور ڈبکیاں

لگانے لگا۔ ڈبکیاں لگاتے ہوئے وہ انڈے کو تلاش کرنے لگا۔ آخرکار کوئی غوطہ زبردست تھا، ساتویں ڈبکی کے بعد اسے یہ انڈا ہاتھ لگا۔ پھر اس نے شکرانہ ادا کیا۔ انڈا لے کر ساتوں دیوؤں کے پاس آیا۔ جنہوں نے اسے فتحیاب دیکھ کر مبارک بادیں، دیں، اسے ہدایت کی کہ: ''اب دیر کئے بغیر اپنے گھر جاؤ۔'' اور چلتے وقت اسے اپنا ایک بال بھی توڑ کر دیا اور کہا کہ: ''کسی بھی وقت کوئی مصیبت پڑے تو اسے گرمی پہنچانا، تو میں وہاں آ کر حاضر ہو جاؤں گا۔''

شہزادہ ان سے رخصت ہوکر، سب دیوؤں کے پاس سے ہوتا ہوا، ہر ایک کو اپنی کامیابی کا حال احوال دیتا، آ کر اپنے گھر پہنچا۔ آتے ہی اس نے اپنے گھر میں انڈے کو توڑا، تو اس کے اندر سے ایک چاند جیسی سدا سوہنی نوجوان عورت نکل آئی۔ جسے دیکھ کر شہزادے کا سارا دکھ درد جاتا رہا۔

کچھ دن کے بعد، شہزادے نے بڑی دھوم دھام سے گنگل رانی کے ساتھ شادی کی اور اس گونگی بہری شہزادی کو بھی اپنے پاس لا بٹھایا۔ پھر زندگی کے باقی دن نہایت خوش وخرم گزارنے لگا۔

غیبی رانی

ایک تھا ہاری (کسان)۔ جس نے اپنی زمین میں تربوز بوئے تھے۔ ایک روز کسان نے اپنی بیوی سے کہا: ''جا کر تربوز توڑ لاؤ تو کھائیں۔'' کسان کی بیوی کھیت پر پہنچی اور ایک بڑا تربوز تلاش کر کے اسے جیسے ہی توڑنے لگی تو تربوز میں سے آواز آئی: ''آہستہ لو، آہستہ لو۔'' کسان کی بیوی نے جو یہ آواز سنی تو ڈر گئی اور تربوز کو وہیں چھوڑ کر، بھاگتی ہوئی شوہر کے پاس آئی اور اسے ساری بات بتادی۔ کسان نے بیوی سے کہا کہ: ''پاگل ہوگئی ہو کیا؟ تربوز میں سے آواز بھلا کیسے آسکتی ہے؟ چلو چل کر مجھے وہ تربوز دکھاؤ۔ دونوں ساتھ ساتھ تربوز کے پاس آئے۔ کسان ابھی تربوز کو اٹھانے ہی لگا تھا کہ اس میں سے آواز آئی ''آہستہ اٹھاؤ۔ آہستہ اٹھاؤ۔'' یہ سن کر کسان بھی حیرت میں پڑ گیا۔ آخر تربوز کو گھر لاکر کاٹا تو اس میں سے ایک نہایت ہی حسین معصوم سی لڑکی نکل آئی۔ کسان اور اس کی بیوی کے ہاں اولاد ہوتی ہی نہ تھی۔ انہوں نے قدرت کی طرف سے ملی اس حسین لڑکی کو اپنی بیٹی سمجھ لیا اور بڑے لاڈ پیار سے اس کی پرورش کرنے لگے۔

لڑکی آج چھوٹی کل بڑی آخر جوان ہوگئی۔ لڑکی ایسی حسین تھی کہ سارے ملک میں اس کی شہرت ہوگئی۔ کسان سے بڑے بڑے لوگ اور امیر امراء لڑکی کا رشتہ مانگنے لگے لیکن کسان نے سب کو جواب دے دیا۔ آخر یہ بات بادشاہ کے کانوں تک جا پہنچی۔ بادشاہ لڑکی کے حسن کا سن کر ان دیکھا عاشق ہوگیا اور کسان کو پیغام بھیجا کہ: ''لڑکی کا رشتہ مجھے دے دو، میں تمہیں مالا مال کردوں گا۔ ورنہ زبردستی بھی اٹھالوں گا۔'' کسان نے جب یہ بات سنی تو دل میں سوچا کہ بادشاہ کے ساتھ ضد کیسے چلے گی لہٰذا کہلوا بھیجا کہ: ''یہ تو قسمت کی بات ہے۔ رشتہ دینے کو میں تیار ہوں۔''

بادشاہ یہ سن کر بہت خوش ہوا، اور بڑی دھوم دھام سے شادی کی، کسان کو انعام واکرام دیا اور لڑکی اپنے محل میں لے آیا۔ بادشاہ کی دوسری رانیوں نے جو ایسی حسین خوبصورت ننھی رانی کو دیکھا تو دیکھتے ہی اندر ہی اندر جل بھن گئیں۔ دل میں کہنے لگیں: ''بادشاہ کی ساری محبت اب اس پر ہوگی، ہمیں تو پوچھے گا بھی نہیں اس لیے ابھی سے ہی کچھ کرنا چاہیے۔'' ہوا بھی یہی کہ بادشاہ کا رات دن نئی بیوی کے ساتھ پیار محبت ہونے لگا اور پہلے والی رانیوں کی تو صورت دیکھنا بھی چھوڑ دیا۔ تھوڑے بہت دن گزرے کہ نئی رانی امید سے ہوگئی۔ پہلی رانیوں نے جو یہ سنا تو یکدم جل اٹھیں، اور اسے نکالنے اور جدا کرنے کے لیے ترکیبیں کرنے لگیں۔ بہت کچھ جادو ٹونے، تال مکر کیے مگر وہاں تو کوئی اثر ہی نہ ہوتا تھا۔ ایک دوسرے سے کہنے لگیں: ''جس کا باپ نہ ماں، بُن نہ بنیاد۔ پیدا ہوئی تو ٹوٹے تربوز سے، اس پر کسی کا جادو بھی کیسے چلے؟'' آخر ان سب نے آپس میں صلاح کی اور ایک بڑی بلا کٹنی عورت کو بلوایا۔ جو بظاہر تو زاہدوں جیسی مگر اندرون میں بالکل شیطان تھی۔ اسے بڑا انعام واکرام دے کر اور مزید دینے کا وعدہ کر کے نئی رانی کا راز معلوم کرنے روانہ کیا۔

یہ عورت بڑے طمطراق سے اس انجانی رانی کے پاس آئی اور ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس سے اصل حقیقت اور حال احوال پوچھنے لگی، اور پھر اس کے پاس آنا جانا شروع کردیا۔ تھوڑے بہت دن میں نئی رانی بھی اس کی پُرفریب باتوں میں پھنس گئی اور اس سے اپنی حقیقت بیان کرنے بیٹھ گئی، بولی: ''نانی، میں تو تربوز سے پیدا ہوئی ہوں...... لیکن خبر نہیں کہ اس میں آئی کیسے؟ باقی اتنا جانتی ہوں کہ میری جان ہار کے موتی میں ہے، اور یہ موتی جب تک سلامت ہوگا تب تک میں بھی سلامت ہوں......لیکن اگر یہ موتی ہاتھ سے گیا تو پھر جیسی پیدا ہوئی نہ ہوئی برابر۔'' کٹنی نے یہ بات سنی تو کہنے لگی کہ: ''بیٹی، وہ

ہار بھلا تیرے پاس رکھا ہے یا کسی دوسری جگہ؟'' اس نے کہا: ''ہاں اماں! یہ ہار میری جان کے ساتھ ہے۔ میرے پاس رکھا ہے۔ دوسرا کون اس کی اتنی حفاظت کرسکتا ہے!'' کٹنی نے پھر اونچ نیچ دیکھی، اس سے کہا: ''بیٹی، تم معصوم بچی، جوانی کا تجربہ کم، سانس جیسی شے۔ کہیں گنوا نہ بیٹھنا۔ کسی مجھ جیسی بوڑھی نانی کے پاس امانت کے طور پر رکھ دو! ہاں یہ دیکھو۔ پیتل کی جھوٹی (نقلی) انگوٹھی ہے لیکن پرنانی کے ہاتھوں کی نشانی ہے۔ اپنی جان کے ساتھ لگائے اس کی حفاظت کرتی ہوں!'' بیچاری سادہ لوح رانی کٹنی کے فریب میں پھنس گئی اور ہار نکال کر اسے رکھنے کے لیے دے دیا۔ بوڑھی ڈائن اس سے ہار لے کر چل دی اور لے جا کر اس کی سوکنوں کو دیا۔ رانیوں نے ہار دیکھ کر بہت خوشی منائی لیکن وہ اصل موتی کون سا جس میں اس کی جان ہے، اس کی خبر ہی نہ تھی۔ سو کیا کیا کہ ہار کو دوہرا تہرا کیا، کمبل میں لپیٹا، اس کے اوپر دو من وزن رکھا اور ایک طرف کر کے رکھ دیا۔ ادھر بیچاری چھوٹی رانی کا بھی دم گھٹنے لگا اور مچھلی کی طرح تڑپنے لگی، جانتی تھی کہ یہ مصیبت اپنے ہاتھوں لائی ہوئی ہے مگر کہہ نہ سکی۔ بادشاہ بھی یہ حال دیکھ کر بہت پریشان ہوا، اور اس سے وصیت پوچھنے لگا۔ رانی نے کہا: ''بادشاہ سلامت! اب میری روانگی ہے۔ آپ میری میت کو دفن نہ کرنا، دفن کرنے کے بجائے مجھے کسی کمرے میں رکھ کر دروازہ بند کر دینا۔'' بادشاہ کو بہت دکھ ہوا اور ایک عالیشان کوٹھی میں رانی کی لاش پلنگ پر رکھوائی اور کوٹھی بند کرادی۔

رانیاں بہت خوش ہوئیں اور آپس میں قہقہے لگانے لگیں۔ تھوڑے بہت دن گزرے تو چھوٹی رانی بادشاہ کے دل سے بھی جاتی رہی۔ رانیوں کو خوف لگا رہتا تھا کہ کہیں ہار چوری نہ ہو جائے۔ سو کیا کرتیں کہ روزانہ رات کو اسے کھول کر اپنے پاس رکھ لیتیں اور دن کو اسی طرح اسے لپیٹ کر اس پر وزن رکھ دیتیں۔ جب رات کو وہ اسے کھول دیتیں تو ادھر رانی کے اندر بھی سانس واپس آ جاتا اور دن کو پھر سے ہار کے دب جانے کی وجہ سے اس کا دم گھٹ جاتا اور وہ پھر سے لاش بن کر پڑ جاتی۔ اسی طرح کتنے ہی دن گزر گئے۔

دس مہینے بعد رانی کے اس کوٹھی میں بیٹا بھی پیدا ہوا، جسے وہ رات کو ہوش میں آنے کے بعد دودھ بھی پلاتی اور پیار بھی کرتی۔ اسی طرح جب یہ شہزادہ سمجھدار ہو گیا تب اس سے ساری حقیقت بیان کر کے کہا: ''بیٹا، جب جوان ہو جاؤ تو ضرور جا کر اپنے باپ کو دیکھنا اور یہ بات بتا دینا۔''

ایک روز اچانک بادشاہ کے دل میں خیال آیا کہ جا کر دیکھوں تو سہی کہ کوٹھی میں میری بیوی کا کیا حال ہوا! سو یہ خیال کر کے جا کر کوٹھی کا دروازہ کھلوایا۔ دیکھتا کیا ہے

کہ لڑکا بیٹھا کھیل رہا ہے اور اس کی بیوی پہلے کی طرح سو رہی ہے۔ لڑکے نے جو دروازہ کھلتے اور بادشاہ کو اندر آتے دیکھا سو چونک کر اماں۔ اماں کہتا جا کر ماں سے چمٹ گیا۔ بادشاہ کو حیرت ہوگئی۔ وہ بُت بنا کھڑا رہا۔ گزرے وقت کی باتیں یاد آنے لگیں اور کھڑے کھڑے سورج غروب ہوگیا۔ جب رات ہوئی تو رانی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بادشاہ پر جو نظر پڑی تو چیخ کر اس سے آملی۔ بادشاہ کو یکا یک حیرت نے آلیا اور اس سے اس طرح مرنے اور پھر جی اٹھنے اور بچے کے بارے میں پوچھا۔ رانی نے اپنی اور بچے کی ساری حقیقت بتادی۔

بادشاہ حقیقت سن کر سوچ بچار میں پڑ گیا۔ دل میں سوچا کہ اگر ان رانیوں کو یہ خبر ہوگئی تو پھر وہ اس ہار اور اس موتی کو بالکل ہی ذرّہ ذرّہ کر ڈالیں گی، اور یہ یہاں مرجائے گی! لہٰذا یہ ترکیب کی کہ ایک چالاک بھکاری فقیر کو بلایا اور تنہائی میں کہا: ''تو کل صبح میرے محل کے دروازے پر صدا لگانا اور ایک ہار مانگ کر لانا، اور جب تک وہ نہ ملے تب تک جانا نہیں۔ دھرنا دے کر کھڑے رہنا۔ پھر جب ہار تمہیں مل جائے تو لا کر مجھے دینا، میں اس کے عوض تجھے مالا مال کردوں گا۔'' فقیر کو بھلا اور کیا چاہئے تھا؟ سو دوسرے دن صبح سویرے جاکر دروازے پر صدا لگائی اور اڑ کر کھڑا ہوگیا۔ بہت وقت گزر گیا، بادشاہ بھی دربار سے محل میں آ گیا اور اس فقیر کو محل کے دروازے پر کھڑے صدائیں لگاتے جو

دیکھا سو منہ پکا کر کے رانیوں سے کہا: ''بیچارہ فقیر کتنی دیر سے کھڑا دروازہ پر صدا لگا رہا ہے، تم اسے کوئی نہ کوئی ایک ہار اٹھا کر دے دو۔'' رانیوں ے بہت انکار کیا، اپنے ہار ہر ایک کو پیارے۔ کسی کے دل سے نہ اُترے۔ سو بادشاہ کے کہنے پر، آخر صلاح کر کے اٹھا کر وہی ہار فقیر کو دے دیا۔ فقیر نے چکر لگا کر وہی ہار بادشاہ کو لے جا کر دے دیا۔ انعام لیا اور چل دیا اور بادشاہ نے یہ ہار لا کر اپنی چھوٹی رانی کے گلے میں پہنا دیا...... تو وہ پہلے سے بھی جلدی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

پھر بادشاہ نے اس رانی کو اپنے بیٹے سمیت لا کر محل میں بٹھا دیا۔ رانیوں نے جو یہ حالت دیکھی تو اپنے کیے پر پشیمان ہو کر بادشاہ کے قدموں پر آ گریں اور زار و قطار روتی ہوئی معافی مانگنے لگیں۔ بادشاہ کو ان کی آہ و زاری اور عاجزی پر رحم آ گیا اور ان کی پھانسی کی سزا معاف کر کے طلاق دے دی اور خالی ہاتھوں دیس نکالا دے دیا۔ پھر وہ آپس میں بیٹے سمیت خوش و خرم زندگی گزارنے لگے۔

شہزادہ تاج الملوک

بادشاہ تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن اس فانی دنیا کا ایک بادشاہ تھا جس کے ہاں اولاد ہوتی ہی نہ تھی۔ رانی کا بہت دوا علاج کیا، جھاڑ پھونک اس کے علاوہ۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یکے بعد دیگرے، رانی کے علاوہ، دو شادیاں اور بھی کیں۔ لیکن پھر بھی اولاد نہ ہوئی۔ نئی رانیوں کی محبت میں بادشاہ ایسا محو ہوگیا کہ اپنی پہلی پرانی بیوی کو بالکل ہی بھول گیا۔ رانی کو دکھ تو بہت ہوا لیکن دکھ سکھ میں خموشی اختیار کر کے بیٹھ رہی اور خدا کو عجز وانکساری کے ساتھ پکارنے گڑگڑانے لگی۔ ہمیشہ حیلے رزق بہانے موت آتی ہے۔ سو ایک دن بادشاہ کہیں سے گزر رہا تھا کہ دو آدمیوں کے بولنے کی بھنک کان میں پڑی۔ ایک، دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ: ''یار، دیکھ تو سہی، بادشاہ نے کیسا اندھیر کیا ہے جو اپنی پہلی دادی پوتی بیوی کو بھول کر غیروں کو آنکھوں سے لگا رکھا ہے! آگے کیا جواب دے گا؟'' بادشاہ نے بات سنی تو دل میں کہنے لگا کہ واقعی میں نے بیچاری کے ساتھ ظلم کیا ہے۔ پس وہ سیدھا محل میں پہنچا اور وہاں پہنچ کر اپنی دونوں رانیوں سے کہا کہ: ''آج میں کسی طرف جارہا ہوں۔ میرا انتظار نہ کرنا۔'' یہ کہہ کر بادشاہ اپنی پہلی رانی کے محل کی طرف چل دیا۔ بادشاہ کو اندر آتے دیکھ کر خوشی سے رانی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور بڑے اشتیاق کے ساتھ، روتے ہوئے بادشاہ کے گلے لگی۔ رانی کی محبت اور سچائی دیکھ کر بادشاہ کے دل پر گہرا اثر ہوا۔ وہ بڑی محبت سے رانی کے ساتھ بیٹھ کر دل کا حال سنانے لگا۔ اور رات رانی کے پاس گزار کر، صبح کو جلدی ہی دربار میں آ بیٹھا۔

نئی رانیوں کو کیا خبر کہ بادشاہ کہاں گیا لہٰذا ان میں کوئی بھی شک یا گمان پیدا نہ ہوا۔ خدا کی قدرت کہ اسی رات دادی پوتی رانی کو حمل رہ گیا۔ وقت اور بدلہ کسی کے لیے نہیں ٹھہرتے۔ پلک جھپکتے پہر، پہروں سے دن، اور دن سے مہینہ۔ وقت گزرتا رہا۔ آخر دس مہینے بعد بادشاہ کے ہاں چودھویں رات کے چاند جیسا بیٹا پیدا ہوا۔ جس کا نام تاج الملوک رکھا۔ ہر طرف خوشیاں منائی گئیں۔ بادشاہ بھی بڑی دھوم دھام سے خیراتیں کرنے لگا۔ نئی رانیاں اس خبر کو سنتے ہی حسد میں جل بھن گئیں۔ بادشاہ کی چاہت بھی اب اگلی رانی اور بیٹے پر ہوگئی تھی۔ سو ان دونوں کے پاس اس نے زیادہ آنا جانا چھوڑ دیا تھا۔ اس پر وہ اور زیادہ حسد کرنے لگیں اور انتقام لینے کے لیے بہانے ڈھونڈنے لگیں۔

ادھر شہزادہ آج چھوٹا کل بڑا، آخر کو جوان ہوگیا۔ ایک روز کسی کام سے بادشاہ کو کہیں جانا تھا اس نے ضروری گھر کا کام وغیرہ بیٹے کو سمجھایا اور چلا گیا۔ پیچھے دونوں رانیاں صلاح کرنے لگیں کہ کوئی ایسا بہانہ بنائیں کہ بادشاہ شہزادے کو مروا ڈالے تو ہم آزار سے چھوٹیں۔ بہت دماغ لڑانے کے بعد ایک رانی نے دوسری سے کہا: ''مجھے ایک ترکیب سوجھی ہے۔ اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً بادشاہ کو غصہ آجائے گا اور بیٹے کو مروا دے گا۔ اب ایسا کرو کہ جب بادشاہ محل میں آئے تو اپنے منہ ہی منہ میں اپنے آپ سے باتیں کریں، جب نزدیک آئے تو چپ کر کے بیٹھ جائیں۔ دور سے باتیں کرتے اور نزدیک آکر خاموش پاکر بادشاہ کو ضرور شک ہوگا اور بات بتانے کے لیے زور دے گا لیکن ہم انکار کرتے رہیں گے۔ جب بادشاہ زچ ہوکر غصہ کرے گا تو ہم کہیں گے کہ شہزادے نے ہمارے ساتھ دست درازی کی ہے۔ پھر دیکھنا نظارہ! کیسے گھڑیوں میں فیصلہ ہوتا ہے!'' دوسری رانی نے کہا: ''بات تو خوب ہے! ایسا ضرور کرو۔ پھر اپنا نصیب۔''

تھوڑے بہت دن بعد بادشاہ واپس لوٹا تو سوچی سمجھی ترکیب کے مطابق، زاروقطار روتے ہوئے بادشاہ سے کہا: ''آپ باہر گئے ہوئے تھے تب آپ کا شہزادہ ایک رات آکر ہم سے ہاتھا پائی کرنے لگا۔ ہمیں بہت ہی تنگ کیا۔ کم از کم اسے باپ کی لاج کا خیال اور حیا تو کرنی چاہئے تھی۔'' بادشاہ یہ سن کر غصے سے آگ بگولہ ہوگیا اور باہر آکر نوکروں کو حکم دیا کہ: ''شہزادے کو کسی جنگل بیابان میں لے جاکر قتل کردو اور اس کی دونوں آنکھیں نکال کر مجھے لاکر دکھاؤ۔'' یہ قہر جیسا حکم سن کر نوکر دکھی ہوگئے لیکن بادشاہ کے سامنے انکار کی مجال کس میں! آخر وہ شہزادے کو لے کر ایک سنسان جگہ پر پہنچے۔ وہاں شہزادے کو پکڑ کر قتل کرنے لگے۔ تب شہزادہ چیخنے چلانے لگا اور نوکروں سے کہا کہ: ''مجھے کیوں مارتے ہو؟ میں نے کیا گناہ کیا ہے؟'' نوکروں نے جواب دیا کہ: ''ہمیں بادشاہ کی طرف سے ایسا حکم ملا ہے۔ اور ہمیں کچھ خبر نہیں۔'' اس پر شہزادے نے منتیں کرتے ہوئے کہا: ''اگر ایسا ہے تو تم کسی ہرن کو مار کر اس کی آنکھیں نکال کر بادشاہ کو دے دو۔ میری زندگی بھی بچ جائے گی اور بادشاہ بھی خوش ہوجائے گا۔'' اتنے میں ایک ہرن، اس شور سے، ادھر آنکلا اور شہزادے کے چلانے کا سبب پوچھنے لگا۔ نوکروں نے اسے ساری حقیقت بتادی۔ یہ دردناک خبر سن کر ہرن کو شہزادے پر رحم آگیا اور نوکروں سے کہا کہ: ''میری آنکھیں بھی شہزادے جیسی ہی ہیں۔ تم میری آنکھیں نکال کر لے جاؤ اور شہزادے کو چھوڑ دو۔'' نوکروں کو بھی رحم آگیا۔ سو ہرن کی آنکھیں نکالیں اور لے جاکر بادشاہ کو دے دیں

اور شہزادے کو وہیں چھوڑ دیا۔ پھر شہزادہ وہیں جنگل میں اس اندھے ہرن کی خدمت کرنے بیٹھ رہا۔

خدا کی قدرت سے ایک دن ہرن جب سو کر اٹھا تو اس کی نظر پھر سے صحیح سالم ہوگئی اور شہزادے سے کہا: ''تمہیں شاباش ہے کہ میں تو حیوان تھا لیکن تم انسان ہو کر اس جنگل میں رہے اور میری خدمت کی۔ اب تمہیں اجازت ہے۔ تم بھلے کسی شہر میں جاکر آدمیوں کے ساتھ گزارو۔ میں تو حیوان ہوں سو یہیں گزاروں گا۔''

خیر! شہزادے تاج الملوک نے ہرن کو صحیح دیکھا تو اس سے رخصت ہو کر چل دیا۔ بھلا شاہی بچہ وہ بھی اکیلا جنگل میں! اوپر سے سورج غروب ہوگیا تو وہ یکدم پریشان ہوگیا۔ لیکن اور کوئی چارہ نہ پاکر آگے ہی چلتا رہا۔ کچھ دور چلنے کے بعد، دور سے اسے ایک شہر دکھائی دیا۔ شہزادے نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اس شہر کی طرف جلدی جلدی چلنے لگا۔ شہر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ ایک گھر میں کوئی بوڑھی عورت ہے جو آہ وزاری کر رہی ہے۔ گھر میں دوسرا کوئی نہیں۔ شہزادے کو اس کی یہ حالت دیکھ کر رحم آگیا اور اندر جاکر اس سے کہنے لگا: ''اے اماں، کچھ بتاؤ تو سہی، اتنا کیوں رو رہی ہو؟'' عورت نے کہا: ''بیٹا! تم کوئی مسافر دکھتے ہو۔ تم اپنا رستہ پکڑو اور چلے جاؤ۔ میرے رنج وغم سے تمہیں کیا؟'' شہزادے نے کہا: ''تم مجھے اپنا حال تو بتاؤ۔ میں تمہاری ہر طرح مدد کروں گا۔'' آخر لاچار ہو کر بڑھیا نے شہزادے سے کہا کہ: ''اس شہر میں روزانہ رات کو دیو آتا ہے جسے ایک آدمی باری پر ملتا ہے۔ آج میرے بیٹے کی باری ہے۔ دین دنیا میں میرا یہ ایک ہی بچہ ہے اس لیے اس بچے کے واسطے فریاد کر رہی ہوں۔ اپنی قسمت کو کوس رہی ہوں، اور کس کو دوش دوں۔''

شہزادے نے دل میں خیال کیا کہ اس بیچاری بڑھیا کی مدد ضرور کرنی چاہیے، سو بڑھیا سے کہا: ''اماں، تم بالکل غم نہ کرو۔ آج تمہاری مدد کے لیے اللہ نے مجھے بھیجا ہے۔ آج تیرے بیٹے کے بجائے میں جاکر اپنا سر دوں گا، باقی آگے تیرا نصیب یاوری کرے۔'' شہزادے کو ایسا کہتے دیکھ کر، بڑھیا کی جان میں جان آئی اور شہزادے کو دعائیں دینے لگی۔

بادشاہ کا اعلان تھا کہ 'جو بھی اس دیو کو مارے گا اسے آدھی بادشاہی اور اپنی بیٹی دے گا۔' شہزادہ وقت پر دیو کے آنے کی جگہ پر پہنچا اور دیکھا کہ ایک بیل بندھا کھڑا ہے۔ اس نے سمجھا کہ یہ بھی دیو کے لیے ہی ہوگا۔ پس چپ چاپ وہیں بیٹھ گیا۔ بیٹھے بیٹھے اسے خیال آیا کہ مرنا تو ہے ہی، پھر کیوں نہ مقابلہ کر کے مروں۔ یہ سوچ کر ساتھ

بنے بادشاہ کے باغ میں چلا گیا اور مالی کو تلوار اور ڈھال لانے کو کہا۔ مالی نے اسے ایک شاندار تلوار اور ڈھال لا کر دے دی۔ شہزادہ یہ تلوار اور ڈھال لے کر واپس اسی جگہ پر آ گیا اور بیل کو مار کر، اس کی پیٹھ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔

تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ دیو آندھی طوفان کی طرح وہاں آ پہنچا۔ شہزادہ بھی تلوار سنبھال کر چست ہو بیٹھا۔ دیو نے آتے ہی بیل پر جھپٹا مارا۔ شہزادے نے احتیاط کے ساتھ اچانک تلوار کا ایسا وار کیا کہ دیو کا سر، سرسراہٹ کرتا دور جا گرا۔ پھر اللہ کا شکر ادا کر کے شہزادے نے واپس آ کر مالی کو خبر کی۔ مالی کی بھی جان میں جان آئی۔ پھر شہزادہ رات کو وہیں مالی کے پاس رہا۔ ایک تو کئی راتوں کو جاگا ہوا، دوسرے پیدل چلنے کی تھکان، پس شہزادے کو فوراً نیند نے آ لیا اور مالی بھی سو رہا۔ مالی کے سوا کسی کو بھی خبر نہ تھی کہ دیو کو کس نے مارا ہے۔

پو پھٹتے سمے، ہاری ناری اور کمی کاری کام پر روانہ ہوئے تو دیکھا کہ دیو مرا پڑا ہے۔ انعام کے لالچ میں کوئی گھاس کاٹنے کی درانتی خون میں بھر کر چلا، تو کوئی گھاس کھودنے والی کھرپی لیے ہوئے، اور کوئی کلہاڑی کو خون لگا کر بادشاہ کی طرف چلا۔ دل میں یہ خیال تھا کہ اگر بادشاہ بیٹی نہ بیاہے گا تو بھی انعام سے گھر تو بھر دے گا اور گھاس پھونس ڈھونے سے تو نجات ملے گی۔ پس وہ سبھی بادشاہ سے آ کر کہنے لگے: ''سائیں، دیو میں نے مارا ہے۔ مجھے انعام دیا جائے۔'' بادشاہ دیو کے مرنے کے باعث خوش تو ہوا لیکن زِچ ہو گیا کہ اب انعام کس کو دوں؟ آخر وزیر سے پوچھا کہ: ''وزیر، صلاح دو کہ انعام کسے دیا جانا چاہئے؟''

وزیر کہنے لگا کہ: ''بادشاہ سلامت، درانتی اور کھرپی سے بھی کبھی دیو مرے ہیں؟ باقی کلہاڑی والے شخص کی کلہاڑی تیز دکھائی دیتی ہے۔ دیو یقیناً اسی نے مارا ہے۔'' اس پر بادشاہ نے کہا: ''اگر دیو اسی نے مارا ہے تو پھر دیر نہ کرو! بس مجھے وعدے کے مطابق بیٹی اسی کو دینی ہے، تم شادی کی تیاری کرو۔''

بادشاہ کا حکم دینا تھا کہ ڈھول شہنائیاں بج اٹھیں۔ چاروں طرف خوشی کا غُلغلہ مچ گیا۔ شور سے شہزادہ کی آنکھ کھل گئی اور مالی سے پوچھنے لگا: ''مجھے بتاؤ یہ شور کیسا ہے؟ ڈھول اور شہنائیاں کیوں بج رہے ہیں؟'' مالی نے کہا: ''تمہیں خبر نہیں کیا، کہ دیو کو مارنے پر بادشاہ نے بڑا انعام رکھا تھا؟ ادھر بادشاہ کو کسی نے جا کر جھوٹ بول دیا ہے کہ دیو میں نے مارا ہے، اس لیے شاید بادشاہ اپنی بیٹی کی اس سے شادی کر رہا ہے۔'' شہزادہ یہ بات

سن کر تعجب میں پڑ گیا اور مالی سے کہا: ''اب دانو کر...... دیو کو مارا میں نے اور شادی کر رہا ہے دوسرا! یہ بات بہت خراب ہوگی۔ اس لیے ابھی جا کر بادشاہ سے کہو کہ 'جلدی کر کے بیٹی مت بیاہو۔ اس دیو کا بڑا بھائی انتقام لینے ضرور آئے گا۔ اسے جو بھی مارے، رشتہ بھی اسی کو دینا۔'' مالی اٹھ کر بھاگا اور سارا ذکر جا کر بادشاہ سے کر دیا۔ کلہاڑی والا جو ابھی تک پھولے نہ سما رہا تھا اس کے تو دانت ہی بھینچ گئے اور لرزنے کانپنے لگا۔ بادشاہ نے بات سن کر کہا کہ: ''یہ تو خوب بات کی ہے۔ ارے کلہاڑی والے جوان! شام کو تیرا اور دیو کے بڑے بھائی کا مقابلہ ہے۔''

کلہاڑی والے نے کہا: ''سائیں! میں نے توبہ کی...... یہ تو خیر۔ لیکن دیو کے چھوٹے بھائی کو بھی میں نے نہیں مارا ہے! میری جان بخشی ہو۔'' بادشاہ نے درانتی اور کھرپی والے سے پوچھا کہ: ''ارے تم تو سچ کہو۔ دیو کس نے مارا ہے؟'' وہ بھی خوفزدہ ہو کر بولے: ''بادشاہ سلامت! معافی ملے۔ ہم نے نہ دیو مارا ہے نہ ہی خبر ہے کہ کس نے مارا ہے؟'' بادشاہ نے اب مالی سے پوچھا: ''تم ساتھ میں ہی ہو، تم بتاؤ دیو کو کس نے مارا ہے؟'' مالی کہنے لگا کہ: ''حضور سچی حقیقت تو یہ ہے کہ ایک پردیسی جوان جو میرے پاس مہمان ہے اسی نے یہ جوانمردی دکھائی ہے، اور انعام بھی اسی کو دیا جائے۔'' آخر بادشاہ نے اس نوجوان کو بلایا۔ شہزادہ بھی بن سنور کر بادشاہ کے سامنے حاضر ہوا۔ بادشاہ نے اسے دور سے دیکھا اور دل ہی دل میں اسے داد دینے لگا۔ نزدیک آنے پر شہزادے سے پوچھا: ''اے نوجوان! دیو کو تم نے مارا ہے؟'' شہزادہ نے حامی بھری۔ اس پر بادشاہ نے کہا: ''شام کو اس دیو کے بڑے بھائی کو آنا ہے، اس سے مقابلہ کرنا تو تم کو وعدے کے مطابق انعام دیا جائے۔'' شہزادہ یہ بات سن کر ہنس پڑا۔ بادشاہ نے پوچھا: ''ہنستے کیوں ہو؟'' اس پر شہزادے نے کہا کہ: ''سائیں! دیو کا کوئی بھی چھوٹا بڑا بھائی نہیں۔ وہ نامراد تو اکیلا ہی تھا جو ڈھیر ہو گیا۔ پڑا سڑ رہا ہے باہر! مجھے آپ کے انعام کی بالکل بھی خبر نہ تھی لیکن جب ڈھول شہنائیاں سنیں تو آپ کے مالی سے پوچھا جس نے ساری بات مجھے بتائی۔ اسی کو میں نے دوسرے دیو کے آنے کا کہہ کر آپ کے پاس بھیجا تھا تاکہ وہ جھوٹے رُستم بھاگ جائیں اور انعام حقدار کو ملے۔'' بادشاہ اس کے بولنے کی فضیلت، بہادری اور عقل سے سمجھ گیا کہ یہ کوئی شاہی بچہ ہے اور دل میں بہت خوش ہوا کہ ایسا عقلمند داماد تو مجھے ڈھونڈنے سے نہ ملتا۔ پھر یکدم اس نے شادی کا حکم دیا۔ بڑی دھوم دھام سے شہزادے کی شادی ہوگئی اور آدھی بادشاہی بھی مل گئی۔

دولہا دلہن ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگے۔ نہ فکر نہ غم۔ قادر کی قدرت ہے۔ کبھی دکھ کبھی سکھ، کبھی رونے اور کبھی ہنسنے کی باری آتی ہے۔ شہزادی کی ماں گزر چکی تھی باقی سوتیلی مائیں تھیں۔ وہ ان کی ایسی پیار محبت دیکھ کر دل میں جلنے لگیں۔ اٹھتے بیٹھتے انہیں بیزار کرنے لگیں۔ شہزادی بیچاری ان کا عذاب سہہ سہہ کر ایک دن شہزادے کے پاس آئی اور روتے ہوئے بولی کہ: ''اب انہوں نے میرا یہاں رہنا دوبھر کردیا ہے۔ میری مرضی ہے کہ ہم یہ شہر چھوڑ کر کسی دوسری طرف جاکر رہیں۔ وہاں نہ یہ ہوں گی نہ کچھ کرسکیں گی۔'' شہزادے کو بیوی سے بڑی محبت تھی اس نے فوراً یہ بات منظور کرلی۔ پھر بادشاہ سے رخصت لے کر دونوں میاں بیوی اللہ پر توکل کر کے، اٹھ کر چل دیے۔ چلتے چلتے جا کر کسی دوسری بادشاہی میں پہنچے۔ وہاں ایک مکان لے کر رہنے لگے۔ شہزادہ دل میں کہنے لگا کہ بیٹھ کر کھانے سے تو کنوئیں بھی خالی ہوجاتے ہیں۔ بہتر یہی ہوگا کہ کوئی نوکری حاصل کر کے مزے سے وقت گزاریں۔ ایک دن پکا ارادہ کر کے وہ اس شہر کے بادشاہ کے پاس چلا گیا اور نوکری کے لیے عرض کیا۔ بادشاہ نے اسے اپنے پاس پہریدار کے طور پر رکھ لیا۔

بادشاہ کے محل پر تین دوسرے چوکیدار بھی تھے۔ بادشاہ شہر کی خیر خبر لینے کے لیے کبھی کبھی چہرا پوش ہوکر خود جا کر شہر گھومتا تھا۔ شہزادے کی عادت تھی کہ محل پر پہرے کا ایک پہر پورا کر کے، خود بخود آ کر شہر کا پہرہ دیتا تھا۔ بادشاہ نے اسے کئی دفعہ ایسا کرتے دیکھا تو دل میں کہنے لگا: ''یہ کیسا حلالی ہے کہ ساری رات پہرہ دیتا ہے لیکن مجھے کبھی نہیں بتایا۔'' اسی لیے بادشاہ اس پر مہربان ہوگیا۔ شہزادے کے گھر میں امید واری تھی اور وقت پر اس کے ہاں ایک نہایت حسین لڑکا پیدا ہوا۔ دن گزرتے رہے اور بادشاہ اس پر روز بروز مہربان ہوتا گیا۔ ایک رات شہزادہ محل کے پہرے سے فارغ ہوکر شہر کا پہرہ دینے چلا گیا۔ پہرہ دیتے ہوئے کیا دیکھتا ہے کہ ایک عورت ہے جو عالیشان کپڑوں اور سونے کے زیورات سے آراستہ، بادشاہ کے محل سے باہر نکل کر جارہی ہے۔ مائی کے پاس جاکر شہزادے نے کہا: ''اے مائی! بے وقت، اکیلی کہاں جارہی ہو؟'' لیکن عورت نے کوئی جواب نہ دیا اور چپ چاپ چلتی رہی۔ شہزادے نے پھر پکار کر کہا: ''اے مائی! اس وقت کہاں جارہی ہو؟'' اس پر عورت نے جواب دیا کہ: ''میں بادشاہ کی بچھی ہوں اور اب میں بادشاہ سے ناراض ہوکر جارہی ہوں۔'' قدرت خدا کی کہ اس وقت بادشاہ بھی گھومتا پھرتا وہاں آ کر چھپا ہوا، ان کی باتیں سننے لگا۔ شہزادے نے عورت کی بات سنی تو افسوس کرنے لگا۔ عورت کو بہت روکا مگر اس نے ایک نہ سنی۔ شہزادے نے اپنے بادشاہ کی بچھی جاتے

دیکھی تو عورت سے کہا: ''آخر تو کسی وعدے قول پر واپس بھی ہوگی؟'' عورت نے کہا کہ: ''ہاں، اگر کوئی شخص میرے سامنے اپنا بیٹا کاٹ دے، بادشاہ پر قربان کردے، تو میں پھر سے بادشاہ کے پاس واپس لوٹ جاؤں گی۔'' شہزادے نے کہا: ''مجھے تیری شرط قبول ہے۔'' شہزادے نے عورت کو وہاں ٹھہرادیا اور خود دوڑتا ہوا اپنی بیوی کے پاس گیا اور کہا: ''آج اپنے بادشاہ کی لچھمی اس سے روٹھ کر جارہی ہے، اس لیے بادشاہ کی لچھمی کو واپس لانے کے لیے اپنے بچے کی قربانی کرنی ہے۔ سوتم رنجیدہ نہ ہونا۔'' شہزادے کی بیوی نے کہا: ''میں بھی تمہاری اور یہ شے بھی تمہاری۔ جس میں تم خوش، اس میں ہم پہلے ہی خوش ہیں۔'' پھر شہزادے نے یکدم اپنا معصوم بچہ لاکر اس عورت کے سامنے مار دیا اور وہ اس کی یہ قربانی دیکھ کر واپس محل کو چلی گئی۔ بادشاہ اس کی ایسی وفاداری دیکھ کر حیران ہوگیا، دل میں کہا: ''پہلے تو ساری رات پہرہ دیتا رہا لیکن بات نہ کہی، اور آج تو ایسی قربانی کی ہے۔ سو صبح کو ضرور آکر بات کرے گا۔''

شہزادے نے ساری رات پہرہ دیا۔ صبح اپنے مردہ بچے کو لے کر گھر کی طرف چل دیا۔ اسے غسل دے کر زمین کے حوالے کردیا۔ پھر اٹھ کر بادشاہ کے دربار کی طرف چل دیا۔ کچھ دیر ہوگئی تھی وہ خاموش ہوکر دربار میں بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے دل میں کہا کہ ابھی رات کی بات کرے گا۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے دربار برخواست ہونے کا وقت ہوگیا لیکن شہزادے نے کچھ بھی نہ کہا۔ بادشاہ چپ رہ گیا۔ دل میں کہنے لگا کہ ایسی حلال پائی اپنا بیٹا بھی نہ کرے، اسے ضرور اچھا بدلہ دینا چاہیے۔

دوسرا دن ہوا تو بادشاہ نے اپنے پہلے والے بڑے وزیر کو ہٹا کر اسے اپنا بڑا وزیر مقرر کیا اور اسے بہت سا انعام واکرام دے کر خوش کیا۔ شہزادہ تو اپنی ایمانداری کے ساتھ وزارت چلانے لگا لیکن پہلے والے وزیر کو جلن ہوئی۔ سو اُسے نقصان پہنچانے کے بہانے ڈھونڈنے لگا۔ ایک روز بادشاہ کا مالی آکر بادشاہ سے کہنے لگا: ''سائیں! آپ کے باغ میں جو خوبصورت پھولوں والا پیڑ ہے اسے پتہ نہیں کیا ہوگیا ہے کہ روز بروز سوکھتا جاتا ہے، میں نے بہت علاج کیے لیکن یہ میری طاقت سے بعید ہے اور اب تو بالکل ہی سوکھ رہا ہے۔ مہربانی کر کے اس کا علاج کرائیں۔'' بادشاہ نے تو کوئی دھیان نہ دیا۔ مالی نے دو تین دفعہ بادشاہ سے یہی عرض کی لیکن بادشاہ دھیان ہی نہ دیتا تھا۔ وہاں دربار میں کسی دوسرے ملک کا ایک سوداگر بھی بیٹھا تھا جس نے مالی سے کہا: ''بابا، اس پیڑ کا علاج یہ ہے کہ اگر پاکدامن میاں بیوی اس درخت کی جڑ میں نہائیں تو اسے بیماری چھوڑ دے گی۔''

بادشاہ نے سوداگر کی بات سن کر نوکروں کو پاکدامن میاں بیوی لانے کا حکم دیا۔ لیکن شہزادے نے نوکروں کو روک کر بادشاہ سے کہا کہ: ''سائیں! ناحق تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ میری بیوی اور میں جب سے پیدا ہوئے ہیں تب سے کسی غیر انسان کا انگ نہیں دیکھا ہے اس لیے ہم ہی اس کام کو پورا کریں گے۔'' اس پر اگلے وزیر کو انتقام لینے کا بہانہ ہاتھ آ گیا۔ اس نے بادشاہ سے کہا: ''سائیں! یہ جھوٹ بولتا ہے۔ اس کی بیوی بدچلن ہے۔ دوسروں کو تو خیر چھوڑو، خود میرا بھی لحاظ چاہئے۔ آپ نے دانشمند ہوتے ہوئے بھی اس کی بات پر اعتبار کرلیا۔'' شہزادے نے یہ بات سن کر بادشاہ سے کہا: ''سائیں! ہمارا ایک خدا شاہد ہے۔ یہ ناحق بہتان لگاتا ہے۔ اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں۔'' اس پر بادشاہ نے اگلے وزیر سے کہا: ''ٹھیک ہے تم اس کی بیوی کی کوئی پکی نشانی دکھاؤ۔ ورنہ تمہیں پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔'' وزیر نے چار پانچ دن کی مہلت لی اور خوش ہو کر اپنے گھر کو چل دیا۔ سامان کا تھیلا بھرا، ایک بڑی کٹنی کے پاس جا پہنچا۔ اس سے کہا: ''بادشاہ کے وزیر کی بیوی کے بدن کی خاص نشانیاں دیکھ اور آ کر مجھے بتا تو اس سے بھی بڑا انعام ملے گا۔'' کٹنی نے اتنے پیسے دیکھے تو فوراً تیار ہوگئی اور اس سے کہا: ''بس اتنی سی بات! تم تیسرے دن نشانیاں لے جانا۔''

پھر کٹنی نے کیا کیا کہ عالیشان کپڑے سلوائے اور دوسرے تحفے تحائف اور سوغات کا سامان تیار کیا، پھر نوکر چاکر ساتھ لے کر بڑے ٹھاٹ باٹ سے وزیر کی بیوی کی طرف چلی۔ محل میں پیغام بھجوایا کہ: ''تیری ماسی جو فلاں ولایت میں تھی وہ آج تجھ سے ملنے آئی ہے۔'' شہزادے کی بیوی کی ماسی تو کوئی تھی ہی نہیں لیکن وہ سمجھی کہ: 'میں چھوٹی ہوں۔ شاید میں نے دیکھا نہ ہو۔ میری ماسی ہی ہوگی۔'' سو باندیوں کو بھیجا کہ یکدم لے آؤ۔ کٹنی اندر آئی اور روتے ہوئے اُسے گلے لگالیا اور اسے ادھر ادھر کی باتیں سنانے لگی۔ شہزادے کی بیوی کا شک دور ہوگیا اور وہ اسے سگی ماسی سمجھنے لگی اور بیٹھ کر اسے اپنا احوال سنانے لگی۔ مطلب کہ کٹنی نے پیار دے کر اس کے سارے شکوک وشبہات دور کردیے۔ پھر کٹنی رات بھر وہیں رہی۔ جب صبح ہوئی تو شہزادے کی بیوی سے بولی: ''آؤ بیٹی۔ ہم ساتھ مل کر نہائیں۔'' وہ بیچاری بھی ماسی کی مرضی دیکھ کر انکار نہ کرسکی اور دونوں ساتھ نہانے لگیں۔ نہاتے ہوئے کٹنی نے اس کی کمر کا تل تاڑ لیا۔ نہا دھو کر دونوں آ کر کھانا کھانے لگیں۔ کھانا کھاتے ہوئے کٹنی کی آنکھ اچانک ایک کوزہ پر پڑی۔ شہزادے کی بیوی سے پوچھا: ''بیٹی یہ کوزہ کہاں سے آیا ہے؟'' اس نے کہا: ''ماسی یہ بادشاہ نے میرے شوہر

کو تحفے میں دیا ہے۔'' اس پر کٹنی کہنے لگی کہ: ''بیٹی یہ تو تم مجھے دے دو۔ تیری کوئی نشانی مجھ ماسی کے پاس بھی تو رہے!'' شہزادے کی بیوی دل میں کہنے لگی کہ: ''اب کیا کروں اگر کوزہ دیتی ہوں تو شوہر ناراض ہوگا کیونکہ بادشاہ نے اسے تحفے میں دیا ہے اور اگر نہیں دیتی تو ماسی کہے گی اتنی دنیا ہوتے ہوئے ایک ذرا سا کوزہ نہیں دے رہی۔'' آخر اس نے کٹنی سے کہا: ''ماسی، بھلے۔ کوزے کی بات ہے، لے جاؤ۔'' کٹنی اس روز بھی سارے دن وہیں رہی پھر شہزادی سے رخصت لی اور اٹھ کر چل دی۔ سیدھے آ کر اگلے وزیر کو نشانی بھی بتائی اور کوزہ بھی ہاتھ میں دے دیا۔

وزیر نے دیکھا تو پھولے نہ سمایا۔ بولا: ''دو چار پیسے گئے تو کیا ہوا، بادشاہ کے سامنے تو سچا ہو جاؤں گا۔'' سو بڑے ڈھول تاشے بجاتا بڑے کرّ وفر کے ساتھ اٹھ کر بادشاہ کی طرف چلا۔ بادشاہی دربار میں آ کر شہزادے کے منہ پر بادشاہ سے کہا: ''سائیں! اس سے پوچھو کہ اس کی بیوی کی کمر پر کالا تل ہے؟'' بادشاہ نے شہزادے سے پوچھا جس نے حامی بھری۔ پھر کوزہ نکال کر بادشاہ کے سامنے رکھ دیا اور کہا: ''سائیں! یہ ہے دوسری نشانی۔'' بادشاہ نے دیکھا کہ واقعی یہ سچا ہے۔ یہ کوزہ تو میں نے ہی شہزادے کو تحفے میں دیا تھا۔ سو یکدم شہزادے کو وزیری سے اتار کر ہتھکڑیاں لگوادیں اور اگلے وزیر کو پھر سے وزارت دے دی۔

جب وزیر ڈھول شہنائیاں بجاتا بادشاہ کی طرف جا رہا تھا تو شہزادے کی بیوی نے ایک باندی بھیجی کہ جا کر پتہ کر کے آئے کہ یہ اچانک ڈھول تاشے کیوں بج رہے ہیں۔ باندی نے پوچھ گچھ کر کے بات معلوم کی اور واپس آ کر اسے بتایا کہ: ''اگلے وزیر کو اس طرح وزیری ملی ہے اور تمہارا شوہر پھانسی پر چڑھ رہا ہے۔'' شہزادے کی بیوی نے جو یہ بات سنی تو گھٹنوں پر ہاتھ مارے۔ کیونکہ اپنے کاٹے کا دوا نہ علاج! وید نہ طبیب!

آخر سوچ بچار کر کے بادشاہ کی خاص رقاصہ کے پاس آئی اور اس سے روتے ہوئے کہا کہ: ''اس طرح میرے سر کا سہارا پھانسی چڑھ رہا ہے، خدا کے نام پر میری مدد کرو۔'' رقاصہ نے اسے بیحال ہوتے دیکھا تو اسے دم دلاسہ دیا پھر اس سے صلاح کی اور تیار ہو کر بادشاہ کے پاس گئی اور کہا: ''بادشاہ سلامت! میری بہن آپ کے دربار میں گانے کے لیے دور سے مشکلات سہتی یہاں آئی ہے۔ آپ مہربانی کر کے اسے اپنے پاس آنے کی اجازت دیں۔'' اس پر بادشاہ نے کہا کہ: ''تمہارا راگ تو روز ہی سنتے ہیں۔ آج تمہاری بہن کی نئی آواز اور نئی صدا سنیں گے۔''

شہزادی ہار سنگھار کر کے بادشاہی دربار میں گئی۔ سامنے شوہر کو بندھے دیکھا، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ شہزادہ بھی اسے دیکھ کر جل بھن گیا اور آنکھوں سے آنسو بہانے لگا۔ بادشاہ نے اسے گانے کا حکم دیا۔ بس ساز سرود بجنے شروع ہو گئے۔ شہزادے کی بیوی نے ایسا دردناک گیت گایا کہ بادشاہ کے روئیں روئیں میں چبھ گیا۔ اس سے بولا: ''مانگو کیا مانگتی ہو؟'' اس پر شہزادے کی بیوی کہنے لگی کہ: ''بادشاہ سلامت! مجھے مال ومتاع کی بھوک نہیں، میں آپ کا نام سن کر، دور سے مشکلات اٹھاتی، آپ کے پاس فریاد لے کر آئی ہوں۔ خدا کے لیے مجھ مسکین کی عرض سنو۔'' بادشاہ نے کہا: ''تجھے جو کچھ کہنا ہو سو بے خوف ہو کر کہو۔ میں تمہارا انصاف ضرور کروں گا۔'' اس پر شہزادے کی بیوی رو کر کہنے لگی: ''میرے سائیں! میں آپ کے ساتھ والے بادشاہ کے دربار میں راگ گاتی ہوں۔ ایک دن یہ آپ کا وزیر میرے پاس آیا اور میرا راگ سن کر، میرے اتنے اتنے پیسے اور زیورات اور انگوٹھیاں چوری کر کے بھاگ کر یہاں آ گیا۔ میں حضور کے سامنے یہ فریاد لے کر آئی ہوں تا کہ آپ مجھے میرا حق دلوا دیں۔'' بادشاہ نے بات سن کر وزیر سے کڑک کر پوچھا: ''بات کیا ہے؟'' اس پر وزیر بولا: ''سائیں، نجانے یہ کون ہے؟ اور کہاں سے آئی ہے...... میں تو اسے پہچانتا بھی نہیں ہوں۔ یہ مجھے ناحق بدنام کر رہی ہے۔'' وزیر کی بات سن کر شہزادے کی بیوی نے کہا: ''سائیں! آپ کا وزیر جھوٹ بول رہا ہے۔ اس سے قسم کھلوا کر پوچھو کہ اب سے پہلے اس نے مجھے کبھی نہیں دیکھا؟ یا میرے سامان کی چوری نہیں کی ہے؟'' وزیر دس قرآن سر پر رکھے کھڑا رہا اور بولا: ''سائیں میں نے نہ اس کی چوری کی ہے اور نہ اس کو ساری عمر میں کبھی دیکھا ہے۔ میں تو اسے پہچانتا بھی نہیں ہوں۔'' اس پر شہزادے کی بیوی نے یکدم کہا: ''سائیں اگر اس نے مجھے کبھی بھی نہیں دیکھا ہے تو پھر میرا بیگناہ شوہر کیوں پھانسی چڑھ رہا ہے؟'' اس پر وزیر کے ہوش وحواس جاتے رہے۔ دل میں کہا: ''ہائے اس سے بہتر تھا کہ میں اسے وہی پیسے بھر دیتا تو وزیری تو نہ جاتی۔ بادشاہ نے یکدم اسے پھانسی کا حکم دیا اور شہزادے کو فوراً بڑی دھوم دھام کے ساتھ اپنے پاس وہی وزیر مقرر رکھا۔ پھر بڑے بڑے انعام دے کر اسے خوش کر دیا۔ پھر شہزادہ اور اس کی بیوی پہلے کی طرح آپس میں شیر وشکر ہو کر زندگی گزارنے لگے۔

تھوڑے بہت دن بعد، بادشاہ سے رخصت لے کر شہزادہ، شہزادی سمیت اپنے اصل ملک کو لوٹا اور آ کر اپنے باپ سے ملا۔ جو رانیوں کے کہنے پر، جلد بازی میں ایک تو اس کے قتل کا حکم دے بیٹھا تھا لیکن پھر جلد ہی معاملے کو سمجھ بھی چکا تھا اور بہت پچھتا تا رہا تھا۔ رو رو کر وہ اپنی آنکھوں کا نور بھی گنوا بیٹھا تھا۔ اس نے ان رذیل رانیوں کو پہلے ہی دیس نکالا دے دیا تھا۔ اور اب جو اپنے اکلوتے بیٹے کو جیتا جاگتا اپنے سامنے دیکھا تو بہت خوش ہوا، اور اسے یکدم اپنی مہارانی کے پاس لے گیا اور جاتے ہی پھر روتے ہوئے اس سے معافی مانگی۔ پھر وہ سب ہمیشہ کے لیے ساتھ ساتھ اپنی عزت وآبرو اور راج بھاگ کے ساتھ خوش خوش زندگی گزارنے لگے۔

☆

شہزادہ ساعت ملوک

ایک سرکش بادشاہ تھا۔ جس کی چار بیٹیاں تھیں۔ جن پر اس کی بہت محبت، بہت پیار تھا۔ بادشاہ ہمیشہ ان شہزادیوں کے پاس آ کر ان کے دکھ سکھ پوچھا کرتا۔ ایک دن دستور کے مطابق جب بادشاہ اپنی بیٹیوں کی خیر وعافیت پوچھنے آیا تو ان میں سے بڑی تینوں شہزادیوں نے تو ہمیشہ کی طرح اس کی احسان مندی اور شکر گزاری کی لیکن سب سے چھوٹی شہزادی نے جواب میں کہا: ''بابا! آپ تو ہم پر بہت مہربان ہیں لیکن ہم اپنے نصیب کا کھاتے ہیں۔'' یہ جواب سن کر بادشاہ لال پیلا ہوگیا اور غصے میں بھر کر فوراً نوکروں کو حکم دیا کہ: ''جاؤ اور ایک ایسے شخص کو لے کر آؤ جو بالکل ہی ناکارہ ہو۔'' نوکر گئے اور کتنے ہی اندھوں اور لُولوں لنگڑوں کو لے آئے۔ لیکن بادشاہ کو کوئی بھی شخص پسند نہ آیا اور کہا: ''یہ پھر بھی کچھ نہ کچھ کام کے لائق ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی ایسا شخص لاؤ جو بیکار ہو، کسی کام کا نہ ہو۔''

آخرکار ڈھونڈتے ڈھونڈتے، ایک نوکر نے دیکھا کہ گندگی کے ڈھیر پر ایک آدمی پڑا ہے جس کی ٹانگیں اور ہاتھ سوکھے ہوئے ہیں اور پیٹ بہت بڑا اور پھولا ہوا ہے۔ مطلب کسی کام کا نہیں صرف لوتھڑا کا لوتھڑا۔ گندگی میں سے بھوک کے سبب خراب اور گندی اشیا منہ سے ڈھونڈ کر کھا رہا ہے۔ نوکروں نے ہم کہا نہ تم، بس اس گٹھڑی کو گود میں اٹھالیا۔ بے چارہ بے طاقت، خوف سے چیخنے چلانے لگا لیکن اسے چھڑائے کون؟ پس نوکر اسے بادشاہ کے پاس لے آئے۔ بادشاہ نے اسے دیکھ کر کہا: ''ہاں یہی آدمی چاہئے۔ اب اس کو لے کر میری بیٹی کے پاس جاؤ اور کہو 'تیرے نصیب نے تجھے یہ شوہر دیا ہے۔ اب تجھے یہ کما کر کھلائے گا، اور بغیر کوئی سامان لیے دونوں فوراً اس ملک سے نکل جائیں۔'' نوکر اس گٹھڑی کو کندھے پر اٹھائے گئے اور جا کر ساری بات چھوٹی شہزادی کو سنادی۔ شہزادی نے جواب دیا: 'اگر ایسا ہے تو یہ بھی میرے سر آنکھوں پر، اور میں ابھی کے ابھی یہاں سے جارہی ہوں۔''

یہ کہہ کر خدا کا شکر کرتے ہوئے اس گٹھڑی کو اٹھایا اور پیادہ پا وہاں سے چل دی۔ بھلا بادشاہی بچہ پیدل چلنا کیا جانے! پس چلتے چلتے پیروں میں چھالے پڑ گئے۔ لیکن پھر بھی گٹھڑی کاندھے پر، راستہ ان دیکھا اور دور پرے۔ ٹھنڈی آہیں بھرتی، خدا کو یاد کرتی

آگے چلتی گئی۔ چلتے چلتے آخر رات ہوگئی اس لیے ایک جگہ اس گٹھڑی کو سُلا دیا اور خود بھی سوگئی۔ تھکاوٹ کے باعث فوراً نیند آ گئی۔ لیکن اس گٹھڑی کو بھوک نے ستایا سو پیٹ کے بل گھسٹتا گھسٹتا پاس ہی لگے سبز پودوں کے پتے بیٹھا کھاتا رہا۔ کھاتے کھاتے اس کا پیٹ اُتھل پتھل ہونے لگا یہاں تک کہ سب گند بلا نکل گئی اور پیٹ چھوٹا اور ہلکا ہوگیا اور سوکھی ٹانگوں اور بازوؤں میں کچھ جان پڑگئی۔ وہ پتے اسے دوا ہوکر لگے اور رات کے پچھلے پہر وہ اٹھ کر چلنے پھرنے ٹہلنے لگا۔

شہزادی کی جو آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہ گٹھڑی پاس میں ہے ہی نہیں۔ سو چونک کر اٹھ بیٹھی اور ادھر ادھر نظر دوڑا کر اسے دیکھنے لگی۔ اچانک اس کی نظر اس پر پڑی اور اسے چلتے پھرتے دیکھ کر خوشی سے چھلانگ مار کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ خدا کی احسان مندی اور شکر گزاری ادا کرنے لگی۔ آخر صبح ہوئی اور یہ دونوں اٹھ کر آگے چل دیے۔

کچھ دور چلے ہوں گے کہ اس شخص کو پیاس لگی اور شہزادی سے پانی مانگنے لگا۔ شہزادی اسے دم دلاسہ دینے لگی لیکن وہ تھا کہ چیختا چلاتا کل کل کرتا چلتا رہا۔ چلتے چلتے دور ایک پہاڑ نظر آیا۔ اس پر شہزادی نے کہا: ''اب اچھا ہوا کہ پہاڑ پر چڑھ کر کسی نہ کسی بستی کا کنواں آسانی سے پالیں گے۔'' آخر اس پہاڑ کے پاس پہنچے۔ اس پر چڑھ کر شہزادی نے ادھر ادھر چاروں طرف دیکھا۔ کیا دیکھتی ہے کہ میدان بیابان ہے لیکن پہاڑ

کے نیچے ساتھ ہی ایک درخت ہے۔ پھر وہ گھسٹتے ہوئے وہ اس درخت کی طرف بڑھنے لگے۔ راستہ بہت زیادہ تھا سو چلتے چلتے دو، پہر لگے کہ وہ اس درخت تک جا کر پہنچے۔

دیکھتے کیا ہیں کہ سبحان اللہ! ایک نہایت صاف شفاف ٹھنڈے اور میٹھے پانی کی نہر بہہ رہی ہے۔ شہزادی درخت کے پاس بیٹھ گئی اور اس گٹھڑی کو کہا: ''جا، تو بھی پانی پی آ، اور میرے لیے بھی لے آ۔ میں آگے چل نہیں سکتی۔''

وہ نہر پر گیا، پانی پی کر سیر ہوا، اور نہانے کے خیال سے کپڑے اتار کر پانی میں اُتر گیا۔ وہاں نہاتے ہوئے اس نے محسوس کیا کہ کبھی کبھی اس کے پیروں کو چھوٹے چھوٹے پتھر آ کر لگتے رہے۔ اس نے ڈبکی لگا کر ایک پتھر کو باہر نکالا تو چمکتا ہوا سونے کے رنگ کا اور بہت حسین، اس نے اور بھی کئی پتھر وہاں سے نکال لیے اور پانی کے ساتھ انہیں بھی شہزادی کے پاس لے آیا اور شہزادی سے کہا: ''ان خوبصورت پتھروں سے ہم کبھی کبھی آپس میں کھیلا کریں گے۔'' شہزادی نے جو دیکھا کہ مار! یہ تو انمول پتھر ہیں جن میں سے ایک ایک کی قیمت تو ہوسکتا ہے کہ کئی بادشاہیاں ملیں! دل میں بہت خوش ہوئی کہ شوہر کو طاقت بھی مل گئی اور اتنی ساری دولت بھی ہاتھ آئی۔ اب سب سکھ ہوگئے لیکن اس گٹھڑی کو نہ بتایا کہ یہ پتھر ایسے بے بہا ہیں۔

آخر پتہ کرتے کرتے کسی بادشاہی شہر کے باہر آ پہنچے۔ وہاں شہزادی نے ایک انمول موتی اپنے ساتھ لیا اور گٹھڑی کو کہا: ''تم یہاں بیٹھو۔ میں شہر جا کر کھانے پینے کا کچھ سامان لے آؤں۔'' آخر شہر جا کر کسی جوہری کا پتہ پوچھنے لگی۔ کسی آدمی نے پتہ دیا کہ فلاں جگہ ایک شاہی جوہری کی دوکان ہے۔ شہزادی سیدھی دوکان پر گئی اور جوہری سے کہا: ''یہ انمول موتی لو اور مجھے اس کے پیسے دے دو۔'' جوہری نے سوچا کہ موتی تو بہت قیمتی ہے سو جمع کر کے جو کچھ اندر باہر رقم موجود تھی، لاکر اسے دے دی۔ شہزادی نے شہر میں جا کر کھانے پینے کا شاندار سامان لیا اور ایک زنانہ دوسری مردانہ قیمتی پوشاک بھی تیار کرائی۔ پھر دو سجے سجائے عمدہ شاہی گھوڑے خریدے اور دوسرا ضروری سامان لے کر اس گٹھڑی کے پاس پہنچی۔ اسے نہلا دھلا کر قیمتی پوشاک پہنائی، ہار سنگھار کر، اسے اچھے خاصے پیسے دے کر کہا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر تو شہر کی سیر کر آ۔ لیکن جو بھی شخص تجھ سے تیرا نام پوچھے تو اسے اپنا نام ''ساعت ملوک'' بتانا۔ اور شہر میں جو جگہ سب سے اچھی اور عالیشان دیکھو اسے خرید لو۔ پیسے جتنے چاہئے ہوں ان سے بھی بڑھ کر دینا لیکن مالک مکان سے یہ شرط طے کر لینا کہ سورج غروب ہونے تک اس گھر سے جو سامان وہ لے جائے وہ اس کا، اور اس کے بعد جو سامان رہ گیا وہ ہمارا ہوگا۔''

"ساعت ملوک" شہر میں پتہ کرتا ایک عالیشان سات منزلہ عمارت کے پاس جا پہنچا۔ یہ جگہ ایک سوداگر کی تھی۔ اس سے مل کر عمارت کی قیمت طے کی اور کہا: "تم نے جو پیسے بتائے ہیں میں اس سے دُگنے تمہیں دوں گا وہ اس شرط پر کہ تم سورج غروب ہونے تک جتنا سامان یہاں سے لے جاؤ، وہ تمہارا، اور سورج غروب ہونے کے بعد جو بھی رہ گیا وہ میرا ہوگا۔" سوداگر نے دل میں خیال کیا کہ جتنے پیسے دے رہا ہے وہ تو ویسے بھی عمارت کی قیمت سے بڑھ کر ہیں اور میں مزدور لگا کر سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے اپنا سب سامان لے جاؤں گا اور باقی رہا سو اِس کا۔ لہٰذا اس نے ساعت ملوک کی شرط قبول کرلی۔ بادشاہی مہر سے، گواہوں کے روبرو اور ان کے دستخطوں کے ساتھ، دستاویز لکھوا کر قابو کی، اور مزدور کر کے، کھڑا اپنا سامان اٹھوانے لگا۔ آخر کار سارا قیمتی سامان عمارت سے اٹھوا لیا اور اس پر سورج بھی غروب ہوگیا۔ لیکن ساتویں منزل پر بیٹھی سوداگر کی بیٹی باندیوں سمیت وہاں رہ گئی۔ عمارت پر ساعت ملوک نے آ کر قبضہ کرلیا اور پھر شہزادی کو بھی لے آیا اور عمارت کو گھوم پھر کر دیکھنے لگے۔ ساعت ملوک اور شہزادی جب ساری منزلیں گھوم کر ساتویں منزل پر پہنچے تو انہیں بتی کی شعاع دکھائی دی۔ اس پر شہزادی ساعت ملوک سے بولی: "میں عورت ذات ہوں تم اوپر جا کر دیکھ آؤ۔" ساعت ملوک اوپر گیا تو باندیاں آڑے آ گئیں، کہا: "تجھے لاج نہیں آتی جو پرائی جگہ پر بغیر اجازت چلے آئے ہو۔ فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔" اس پر وہ ہنسا اور ساری حقیقت بتادی اور شہزادی کو بھی خبر کردی۔ شہزادی بہت خوش ہوئی اور کہا: "واہ! باندیاں بھی ہاتھ آ گئیں اور سوداگر کی بیٹی بھی۔ سو تم ابھی قاضی لاکر اِس سے بھی نکاح کرلو۔" یکدم قاضی آیا، شادی ہوگئی اور تینوں ساتھ ساتھ زندگی گزارنے لگے۔

ایک روز ساعت ملوک نے بیویوں سے کہا: "گھر میں بیٹھے بیٹھے پریشان ہوگیا ہوں کچھ دنیا کی خیر خبر بھی تو لُوں۔" پھر وہاں سے نکل کر شہر کے بازاروں کو دیکھنے لگا۔ گھومتے پھرتے ایک جگہ دیکھا کہ کچھ نوجوان بیٹھے شطرنج کھیل رہے ہیں۔ اسے بھی شوق ہوا اور ان سے بولا: "بھائی، مجھے بھی کھیلنے دو گے؟" انہوں نے حامی بھری اور یہ بیٹھ کر ان کے ساتھ کھیلنے لگا۔ کھیلتے کھیلتے اسے نہر سے اٹھائے ہوئے پتھر یاد آ گئے۔ سو اُن سے کہنے لگا: "ٹھہرو، میں ابھی بہت خوبصورت مُہرے لے کر آتا ہوں۔" اور سیدھا شہزادی کے پاس پہنچا اور کہا: "نہر والے پتھر دو، تاکہ میں ساتھیوں کے ساتھ کھیلوں۔" شہزادی نے بہت انکار کیا لیکن پھر اس کا خیال دیکھ کر ایک موتی کے اوپر موم چڑھا کر اسے دے دیا۔

وہ آ کر کھیلنے لگا۔ کھیلتے کھیلتے انمول موتی پر سے ایک جگہ سے موم کا ذرہ ہٹ گیا اور وہ وہاں سے چمکنے لگا۔ مگر کسی کو خبر نہ ہوئی۔ اتفاق سے وہاں کے بادشاہ کا وزیر بھی چمڑا پوش ہوکر گھومتے پھرتے آ کر ان کا کھیل دیکھنے بیٹھ گیا۔ اور اچانک اس کی نظر موتی پر پڑگئی۔ سو اُس نے پہچان کر جھپٹا مارا، اور لے بھاگا۔ دوسرے ساتھی اس کے پیچھے دوڑنے لگے لیکن ساعت ملوک نے کہا: ''پرواہ نہیں، میرے پاس ایسے بہت سے مُہرے گھر پر پڑے ہیں۔''

وزیر نے یہ انمول موتی لے جاکر بادشاہ کو دیا۔ بادشاہ کی ایک لڑکی تھی۔ جسے وہ بہت چاہتا تھا۔ سو اسے ہار میں جڑوا کر، سوغات کے طور پر وہ ہار اپنی بیٹی کو دیا۔ اس کی بیٹی کے پاس ایک نہایت سیانا اور بولنے والا طوطا پلا ہوا تھا جس سے وہ دل بہلایا کرتی۔ ایک دن ہار سنگھار کر اور یہ ہار پہن کر طوطے سے بولی: ''مٹھو، بتا تو سہی، میں خوبصورت لگتی ہوں!'' طوطے نے دیکھا تو بولا: ''دو۔ دو۔'' یعنی اس کے ساتھ دوسرا ہیرا بھی ہو تو پھر۔ اس نے فوراً ہار توڑ دیا اور باپ کو بھیج کر کہلوادیا: ''ایسا دوسرا ہیرا بھی ہونا چاہئے ورنہ میں زندہ نہ رہوں گی!'' بادشاہ نے وزیر سے کہا: ''تو نے تو مجھے مصیبت میں ڈال دیا۔ اب ایسا دوسرا ہیرا بھی مجھے لاکردو۔'' وزیر نے کیا کیا کہ بہت عجیب عجیب تحفے تحائف لیے اور ساعت ملوک کے پاس پہنچا۔ اسے تمام حقیقت بتائی اور کہا: ''ایک اور بھی ایسا ہیرا دو۔'' ساعت ملوک نے وہ بادشاہی تحفے تحائف لاکر شہزادی کے سامنے رکھے اور کہا: ''ان پتھروں میں سے ایک اور دے دو۔'' شہزادی چڑھ گئی، اس نے بہت انکار کیا لیکن وہ نہ مانا۔ آخر لاچار ایک اور ہیرا اسے دے دیا اور اس نے وہ وزیر کو دیا۔ وزیر نے یہ ہیرا لے جاکر بادشاہ کو دیا اور اس نے اسے فوراً ہار میں لگوا کر اپنی بیٹی کو بھجوادیا۔ بادشاہ کی بیٹی ہار پہن کر خوش ہوکر طوطے کے پاس آئی اور کہا: ''مٹھو! اب بتاؤ میں اچھی لگ رہی ہوں؟'' طوطے نے ڈرتے ہوئے کہا کہ: ''میں عرض تو کروں مگر تم مجھے مار ڈالوگی۔'' اس نے کہا: ''ڈرو نہیں، بتاؤ۔'' طوطے نے کہا: ''اس دن میں کسی سوچ میں بیٹھا تھا، میں سمجھا کہ تم پوچھ رہی ہو، تم کتنے بھائی ہو؟ میرا ایک بھائی اور بھی تھا اس لیے میں نے کہا 'دو، دو۔' اے شہزادی، ابھی اگر ایک تیسرا ہیرا بھی اس ہار میں ہو تو تم اور بھی زیادہ خوبصورت لگو۔'' بس یہ سنتے ہی شہزادی نے ہار توڑ کر بادشاہ کو بھیج دیا اور کہا: ''ایسا تیسرا ہیرا بھی ہو، ورنہ میں نہ جیئوں گی!''

بادشاہ یہ سن کر فکر میں پڑگیا، بولا: ''مجھے تو یہ بیٹی پاگل کر کے چھوڑے گی۔'' آخر وزیر سے کہا: ''مشکل میں تو ڈال ہی چکے ہو، اب پھر سوغاتیں لے کر جاؤ ساعت

شہزادی ہار پہن کر خوش ہو کر طوطے کے پاس آئی اور کہا: 'مٹھو! اب بتاؤ میں اچھی لگ رہی ہوں؟'

ملوک کے پاس اور کہو کہ یار، کچھ مہربانی کرو اور ایک تیسرا ہیرا اور دے دو۔" وزیر پھر ساعت ملوک کے پاس جا پہنچا اور ساری بات بتائی، سوغاتیں دیں اور اس سے تیسرے ہیرے کے لیے کہا۔ وہ فوراً شہزادی کے پاس آیا اور آ کر تیسرے پتھر کی طلب کی۔ اس پر بیوی نے تنبیہ کی۔ اس نے کہا: "ٹھیک ہے، تم نہ دو، وہ جگہ میری دیکھی ہوئی نہیں ہے کیا؟" اور یکدم گھوڑا تیار کرا کر اس نہر پر پہنچا اور کئی انمول ہیرے وہاں سے لے لیے۔ پھر وہیں دل میں سوچا کہ دیکھوں تو سہی یہ ہیرے آخر کہاں سے آتے ہیں۔ بس یہ سوچتے ہی اس نے کنارے کنارے چلنا شروع کیا۔ گھوڑا دوڑاتے دوڑاتے آخر ایک جگہ پہنچ کر وہ تعجب میں پڑ گیا اور کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ دیکھتا کیا ہے کہ ایک بہت بڑا پہاڑ جیسا قلعہ ہے جس میں اندر جانے کے لیے کوئی دروازہ نہیں۔ دل میں سوچا کہ یہ قلعہ اندر سے ضرور گھومنا چاہیے۔ پس گھوڑے کو نزدیک لے جا کر اسے مہمیز جو لگائی تو گھوڑا ایک ہی جھٹکے میں قلعے کی دیوار پھلانگ اندر پہنچ گیا۔ اندر دیکھا تو مار! عجیب اسرار ہے، طرح طرح کے درخت، رنگا رنگ پھولوں سے سجے کھڑے ہیں اور کتنی ہی کوٹھریاں ہیں جن میں چھوٹے چھوٹے دنبے کھڑے ہیں۔ اسی طرح گھومتے پھرتے ایک کنواں دیکھا۔ اس کنوئیں میں جھانکا تو حیرت میں پڑ گیا۔ دیکھتا کیا ہے کہ ایک عورت الٹی لٹکی ہوئی ہے۔ اس نے یونہی ایک تختہ ترچھا کر کے لگایا تو وہ عورت اوپر چڑھ آئی، اس کو حیرت میں کھڑے دیکھ کر بولی: "اے انسان کے بچے! تم یہاں موت کے منہ میں کیوں آ گئے ہو؟" ساعت ملوک نے ساری بات بتا دی۔ اس پر اس عورت نے کہا: "یہ قلعہ ایک دیو کا ہے اور یہ دنبے، سب انسان ہیں جن میں سے وہ روزانہ ایک کو کھاتا ہے۔ میں اس کے پاس قید ہوں۔ وہ رات کو آتا ہے اور میرے ساتھ گزار کر، پھر سورج نکلنے سے پہلے ہی چلا جاتا ہے۔" ساعت ملوک نے یہ بات سنی تو ڈر گیا اور اس سے کہا: "پھر آخر کیا کیا جائے؟" اس نے کہا: "میں تمہیں فی الحال ایک غار میں چھپا دیتی ہوں، رات گزرنے کے بعد جب دن آئے گا تو تم وہاں سے نکل کر مجھے اس کنوئیں سے نکال لینا، پھر صلاح کریں گے۔" یہ کہہ کر اسے ایک غار دکھایا اور کہا: "اب دیو کے آنے کا وقت ہے، اب مجھے پہلے کی طرح لٹکا دو۔" ساعت ملوک نے سورج غروب ہونے سے کچھ پہلے اسے پہلے کی طرح لٹکا دیا اور خود غار میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب رات ہوئی تو دیو آیا اور 'آدم بو، آدم بو' کرنے لگا۔ اس پری نے کہا: "تم مجھے کنوئیں میں لٹکا کر چلے جاتے ہو اور میں اوندھے منہ اس میں پڑی ہوں، مجھے آدم کی کیا خبر؟ اس کے علاوہ اگر تم مر جاؤ تو پھر میں تو ساری عمر وہیں پڑی

رہ جاؤں۔" دیو نے کہا: "پیاری، خیال نہ کر، میری موت آسان نہیں۔ میری جان اس قلعہ کے اندر ہی ہے، جسے کوئی بھی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ وہ سامنے جو سرکنڈوں کی جھاڑی ہے اسی کے ایک سرکنڈے میں ایک بھونرا ہے جس میں میری جان ہے، جب تک وہ نہ مرے گا تب تک میں بھی نہ مروں گا۔"

رات گزرنے کے بعد دن کو دستور موجب دیو عورت کو کنوئیں میں لٹکا کر خود چلا گیا۔ ساعت ملوک گھوڑے سمیت غار سے نکلا اور آ کر اسے باہر نکالا۔ پھر دونوں اسی وقت دیو کا کام تمام کرنے کو تیار ہو گئے۔ اس سرکنڈے کو کاٹا اور اس پر ڈنڈوں پر ڈنڈے برساتے گئے۔ گھڑی بھر بھی نہ گزری تھی کہ اسی وقت آندھی، مینہ اور طوفان آ گیا۔ عورت نے کہا کہ: "بھونرے کو جلدی ماردو۔ ورنہ دیو ابھی پہنچا۔" ایسے ہی کرتے کرتے بس ایک چوٹ بھونرے پر پڑ گئی اور وہ مر گیا۔ بھونرے کا مرنا تھا اور دیو کا قلعہ زمین میں آ کر دھڑام سے گرنا۔ دیو دیو کا وہیں ڈھیر ہو رہا۔ دونوں بہت خوش ہوئے اور اب باہر نکلنے کا سامان کرنے لگے۔ اس سے پہلے ساعت ملوک نے سوچا کہ ان بیچارے دنبوں کو تو رہا کر دوں۔ پھر ایک ایک کی رسی کاٹتا گیا اور وہ انسان بنتے گئے اور اس کے شکر گزار ہوئے، اور خود اس پری کو ساتھ میں گھوڑے پر بٹھایا اور زور سے گھوڑے کو ایڑھ جو لگائی تو گھوڑا قلعہ کے اس پار آ کھڑا ہوا، اور وہیں جا پہنچا جہاں وہ پتھر رکھے ہوئے تھے۔ ساعت ملوک انہیں اٹھانے لگا تو اس پری نے پوچھا: "یہ کیوں اٹھا رہے ہو؟" اس پر اس نے ساری بات اسے بتا دی۔ پری بولی: "بوجھ اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں، یہ ہیرے میرے خون کی بوندوں سے بنے ہیں۔ جب دیو مجھے کنوئیں میں الٹا لٹکا جاتا تھا میرے منہ اور ناک سے جو خون کی بوندیں بہتی تھیں انہی سے یہ ہیرے بنتے تھے، جب تمہیں ضرورت ہو گی تو میں اپنے جسم سے خون کے دو تین قطرے نکال دوں گی، وہ موتی بن جائیں گے! یاد رکھنا میرا نام "موتی جان پری" ہے۔ ساعت ملوک یہ بات سن کر بہت خوش ہوا اور دونوں ساتھ ساتھ آگے چل دیے، آخر اپنے شہر میں آ پہنچے۔ وزیر تو پہلے ہی انتظار میں تھا سو اس سے موتی طلب کیا۔ ساعت ملوک نے آ کر موتی جان پری سے مانگے۔ اس نے کیا کیا کہ چاقو اٹھا کر اپنا خون نکالنے لگی۔ اس پر شہزادی نے کہا کہ: "بہن، میرے پاس کچھ موتی پڑے ہیں میں لاتی ہوں۔ تم یہ تکلیف نہ کرو۔" یہ کہہ کر وہ ایک موتی لے آئی۔ ساعت ملوک نے وہ موتی لے کر وزیر کو دیا اور اس نے جا کر بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا۔ جس نے ہار میں ڈلوا کر، بیٹی کو بھیج دیا۔

بادشاہ کی بیٹی اب بہت خوش ہوئی۔ تیل سرمہ لگا، پوشاک پہن، ہار گلے میں ڈالا، آ کر طوطے کے سامنے کھڑی ہوئی اور کہا: ''مٹھو اب بتا میں خوبصورت لگتی ہوں؟'' طوطے نے جواب دیا: ''سائن، اگر جان کی امان دیں تو ایک بات کہوں؟'' بادشاہ کی بیٹی نے کہا: ''ڈرو نہیں، بھلے بتاؤ۔'' طوطے نے کہا: ''اب یہ ہار ایسے تو اچھا لگتا نہیں۔ اگر گل پھل، کے کپڑے پہنو تو پھر بلا کی خوبصورت لگو!'' بس یہ بات سنتے ہی شہزادی نے یکدم ہار توڑا اور باپ کو بھجوا دیا، کہا: ''گل پھل کے کپڑے لا کر دو، ورنہ میں نہ جیوں گی!'' بادشاہ نے یہ سن کر وزیر سے کہا: ''اب تو مصیبت میں پڑ گئے ہیں۔ گل پھل کے کپڑے کہاں سے آئیں؟'' وزیر نے جواب دیا کہ: ''بادشاہ سلامت! یہ کام بھی ساعت ملوک کے سوا کوئی نہیں کرے گا۔ پس اسی کے پاس جا کر منت سماجت کرتا ہوں، مناتا ہوں، آپ تسلی رکھیں۔'' یہ کہہ کر ساعت ملوک کے پاس آیا اور آتے ہی بولا: ''بھائی، ہم پر جس قدر مہربانی کی ہے ویسی ہی کرو۔ بادشاہ تم سے بہت خوش ہے۔ اب ہمیں ایک گل پھل کا لباس لا دو۔'' ساعت ملوک کہنے لگا: ''میں آپ میں اچھا پھنسا۔ گل پھل کا لباس میرے پاس کہاں سے آیا؟'' اسی طرح غصے سے کہتا ہوا وہ گھر چلا گیا۔ قلعے والی پری نے جو اس کا بدلا ہوا رویہ دیکھا تو پوچھا: ''سائیں! کیوں؟ کسی پر ناراض ہو گئے ہو کیا؟'' اس پر اس نے ساری بات بتا دی۔ بات سن کر اس پری نے کہا: ''ایسا لباس لانا کونسی بڑی بات ہے! اب تم تیز رفتار گھوڑا تیار کرو، فلاں رستہ پکڑ کر سیدھے چلے جاؤ اور کسی طرف بھی نہ پھرنا، ورنہ واپس نہ آ سکو گے۔ یہ سیدھا ہی سیدھا رستہ پکڑے چلتے رہو گے تو ایک تالاب پر جا پہنچو گے۔ اس تالاب پر نہانے کے لیے پریوں کا ایک ٹولہ آتا ہے۔ انہیں آتا دیکھ کر تم چھپ کر بیٹھ جانا۔ جب دیکھو کہ سبھی پریوں نے نہانے کے لیے اپنے کپڑے اتار کر نیچے رکھ دیے ہیں اور ان میں سے ایک پری نے اپنے کپڑے اتار کر لال کھاٹ پر رکھے ہیں، اس وقت تم اس کے کپڑے لے کر کھاٹ پر چڑھ کر پیٹھ پھیر کر بیٹھ جانا۔ پھر وہ بہتیرے جنتر منتر پڑھیں گی اور تمہیں جلا ڈالنے کی کوشش کریں گی لیکن یہ میری انگوٹھی اپنے ساتھ لے جانا جسے پہننے کے بعد تم پر اُن کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ پھر حیلے ترکیب سے باقی سب پریاں اپنے اپنے کپڑے لے کر اس اپنی شہزادی کو اکیلے چھوڑ کر چلی جائیں گی۔ پھر وہ تمہیں اپنے کپڑے لینے کے لیے منتیں کرے گی۔ لیکن تم اس کے کپڑے اچھی طرح سنبھال کر پکڑے رہنا اور کھاٹ پر چڑھے بیٹھے رہنا۔ جب وہ منتیں کر کر کے عاجز ہو جائے تو تم اپنی چادر اسے ڈھکنے کے لیے دینا۔ جب وہ یہ چادر لپیٹ کر تمہارے پاس آئے تو یہ

انگوٹھی اس کے کسی بھی عضو پر لگا دینا تو اس کا سارا جادو ختم ہو جائے گا۔ بس پھر وہ کپڑے لے کر چلے آنا۔ لیکن اتفاق سے جاتے جاتے اگر تالاب کا رستہ بھول جاؤ تو راہ میں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے فقیروں سے 'گلاں پری' کے تالاب کا پوچھو گے تو وہ تمہیں راستہ بتا دیں گے۔"

ساعت ملوک موتی جان پری سے یہ باتیں سن کر گھوڑے پر سوار ہوا اور بتائے ہوئے راستے پر روانہ ہو گیا۔ راہ میں ایک فقیر کو بیٹھے دیکھا۔ اس کے پاس جا کر اس سے تالاب کا راستہ پوچھا۔ جس نے کہا: "بھائی مجھے خبر نہیں۔ آگے دوسرا فقیر بیٹھا دیکھو گے جس سے پتہ مل جائے گا۔" ساعت ملوک گھوڑا دوڑاتا دوسرے فقیر کے پاس پہنچا اور پتہ پوچھا۔ فقیر نے کہا: "مجھ سے بھی بڑا فقیر ابھی آگے بیٹھا ہے اس سے جا کر پوچھو۔" پھر اس نے گھوڑا ہنکایا اور تیسرے فقیر کے پاس پہنچا۔ پوچھنے پر اس فقیر نے کہا: "اسی راستے پر سیدھے چلے جاؤ آگے گلاں پری کا تالاب ہے۔" ساعت ملوک خوش ہو گیا اور گھوڑے کو چابک دی۔ آخر تالاب پر جا پہنچا اور چھپ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد پریوں کا ایک ٹولہ بڑے تجمل اور شان سے چھپر کھٹ سمیت تالاب پر آ کر اُترا، اور شہزادی سمیت اپنے کپڑے اور پوشاکیں اتاریں اور مزے سے تالاب میں نہانے لگیں۔ ساعت ملوک نے موقع پاتے ہی کھاٹ پر پڑے شہزادی کے کپڑے لپیٹ کر جھولی میں رکھے اور کھاٹ پر

چڑھ کر خوش خوش بیٹھ رہا۔ پریوں نے اس آدم زاد کو دیکھا تو یکدم منتر پڑھنے لگیں لیکن انگوٹھی کے سبب اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ جب متھا ماری کر کر کے عاجز ہو گئیں تو گلاں پری سے کہا: ''یہ آدمی کوئی بہت زور والا اور پہنچا ہوا عالم لگتا ہے کہیں ہم بھی تمہاری آئی میں نہ پڑ جائیں اس لیے تم جانو تمہارا کام۔ ہمارا اللہ مالک ہے۔'' یہ کہہ کر انہوں نے اپنے کپڑے پہنے اور چلی گئیں۔ گلاں پری ششدر سی رہ گئی۔ ساعت ملوک کو کپڑے دینے کے لیے منتیں کرنے لگی لیکن یہ بھی بڑے استاد کا پڑھایا ہوا تھا سو ہاتھ آئے کپڑے کہاں دیتا تھا! آخر اس کی منت وزاری پر اسے پہننے کے لیے اپنی چادر دے دی۔ جسے لپیٹ کر وہ تالاب سے نکل کر اس کے پاس آئی۔ اس نے یکدم وہ انگوٹھی لے کر اس کے ہاتھ پر لگادی تو اس کا سارا جادو جاتا رہا۔ پھر گلاں پری نے رو کر کہا: ''اب میں اپنوں میں سے تو نکل چکی ہوں۔ سو جہاں چاہو مجھے ساتھ لے چلو۔ اب میں تمہاری ہوں۔'' ساعت ملوک خوش ہو گیا اور اس کے کپڑوں میں سے کچھ کپڑے اسے پہننے کو دیے پھر دونوں گھوڑے پر سوار ہو، واپس چل دیے۔

چلتے چلتے بڑے فقیر کے پاس پہنچے۔ فقیر نے دونوں کو دیکھا اور پکار کر کہا: ''او شہزادے! ہم نے گلاں پری کو پہلے کبھی نہیں دیکھا لیکن کبھی کبھی یہ یہاں سے اپنی سہیلیوں کے ساتھ، ساز وسرود کے ساتھ ناچتی، گزرتی تھی۔ میں صرف اس رسیلی آواز پر فریفتہ ہو کر سالوں سے یہاں بیٹھا ہوں۔ اب خدا کے واسطے کچھ اس کے ناچ کا تماشہ دکھا دو۔'' اس پر ساعت ملوک نے کہا: ''اگر تجھے اس کا ناچ دکھادوں تو تم انعام کیا دو گے؟'' اس نے جواب دیا: ''سائیں! میرے پاس اور تو کچھ نہیں البتہ ایک رسی اور ڈنڈا، میں تجھے دوں گا۔ اگر تم کتنے ہی بڑے لشکر پر کہو گے، پکڑ لے رسی، مار اے ڈنڈے، تو ان میں سے ایک بھی نہ بچے گا۔'' ساعت ملوک نے کہا: ''تم جھوٹ بول رہے ہو، مجھے دو، دیکھوں تو سہی۔'' فقیر نے رسی اور ڈنڈا، اٹھا کر اسے دے دیا۔ ساعت ملوک نے دونوں لے لیے اور کہا: ''پکڑ لے رسی، مار اے ڈنڈے۔ نہ چھوڑنا فقیر کو!'' تو فقیر پر ڈنڈوں کی بوچھار ہو گئی اور اسے جان سے مار ڈالا۔ خیر رسی اور ڈنڈا لے کر وہ آگے چل دیے۔ چلتے چلتے آ کر دوسرے فقیر کے پاس پہنچے۔ اس نے بھی پکار کر کہا: ''سائیں! خدا کے واسطے مجھے گلاں پری کا ناچ دکھاؤ۔ مجھے اس خواہش میں سالوں گزر گئے ہیں۔'' اس پر ساعت ملوک نے اس سے بھی وہی سوال کیا۔ فقیر نے جواب دیا کہ: ''میرے پاس ایک ایسی کرامتی دیگچی ہے کہ اگر صرف اس میں پانی ڈال کر کہو کہ فلاں فلاں طعام تیار ہو جائے، تو تھوڑی

ہی دیر میں وہی کھانا تیار ہوجائے گا۔ پھر اس کے اوپر کپڑا ڈال کر اس میں سے نکالو گے تو خلقتیں کھالیں، کھانا ختم نہ ہوگا۔'' آخر اس سے آزمانے کے لیے وہ دیگچی لی، تھوڑا پانی اس میں ڈالا، آگ پر رکھی، ساعت ملوک نے کہا: ''پلاؤ تیار ہوجائے۔'' تو منٹوں میں پلاؤ تیار ہوگیا۔ جو انہوں نے خوب سیر ہوکر کھایا پھر رسی نکالی، کہا: ''پکڑ لے رسی، مار اے ڈنڈے نہ چھوڑنا فقیر کو۔'' بس فقیر کے سانس وہیں پورے ہوگئے۔ پھر وہ دیگچی اٹھائی اور پھر آگے چل دیے۔ چلتے چلتے آکر تیسرے فقیر کے پاس پہنچے۔ فقیر نے انہیں دیکھا تو چلا کر کہا کہ: ''اے سائیں! خدا کے نام پر گلاں پری کا ناچ گانا دکھاتے جاؤ۔'' ساعت ملوک نے اس سے بھی وہی سوال کیا۔ جس پر اس نے جواب دیا کہ: ''سائیں! میرے پاس ایک اڑن کھٹولا ہے۔ جس پر اگر چڑھ کر بیٹھو اور کہو کہ 'چل فلاں جگہ' تو فوراً وہاں پہنچادے گا۔'' یہ سن کر ساعت ملوک نے کہا کہ: ''تم جھوٹ بولتے ہو۔'' اس پر فقیر نے اڑن کھٹولا حاضر کردیا۔ بس پھر تو ساعت ملوک پری اور گھوڑے سمیت اس پر چڑھ بیٹھا اور کہا: ''چل رے اڑن کھٹولے، جہاں میرا گھر۔'' تو منٹوں میں اپنی جگہ پر آپہنچے اور فقیر وہاں آنکھیں پھاڑے بیٹھا رہ گیا۔

ساعت ملوک کے آنے کی خبر سنی تو وزیر فوراً اس کے پاس آپہنچا اور اس سے گل پھل لباس، لیا اور خوش ہوکر بادشاہ کے سامنے لے جاکر رکھ دیا۔ جس نے اسے اپنی بیٹی کے پاس بھجوادیا۔ بادشاہ کی بیٹی تیل سرمہ اور ہار سنگھار کر، عطر عبیر لگا، گل پھل لباس پہن اور اس پر ہار جو پہنا تو پرستان کی پری ہوگئی۔ یکدم آکر طوطے کے سامنے کھڑی ہوگئی اور کہا کہ: ''مٹھو، اب بتا، میں سوہنی لگ رہی ہوں۔'' طوطے نے کہا: ''شہزادی، میں کچھ کہوں گا تو تم مجھے مروا دو گی۔'' اس نے کہا: ''ڈرو نہیں، بھلے بتاؤ۔'' طوطے نے کہا: ''اچھا تو سنو! یہ ہار اور کپڑے تمہاری شکل سے بڑھ کر ہیں۔ اس لیے ایک ہی وقت میں یک رنگی پہلوٹھی سو بھینسوں کا دودھ پیو، تو پھر ہوسکتا ہے کہ بہت خوبصورت لگو۔'' شہزادی نے فوراً ہار اور کپڑے اتار دیے اور باپ کو بھجوا کر کہا: ''مجھے فوراً یک رنگی پہلوٹھی سو بھینس منگوا کر دو، ورنہ میں زندہ نہ رہوں گی۔'' بادشاہ کو غصہ تو بہت آیا لیکن لڑکی تھی ایک اکلوتی۔ سو غصہ پی گیا۔ نوکر چاکروں کو بھیجا لیکن کوئی کیسی بھینس لے آیا تو کوئی کیسی۔ پہلوٹھی کی تو ہزاروں لیکن یک رنگی کہاں سے آئیں؟

آخر وزیر کو پھر ساعت ملوک کے پاس بھیجا۔ جس نے اسے بھینسیں لانے کو کہا۔ ساعت ملوک کو غصہ آگیا، وزیر سے کہا سنا اور گھر چلا گیا۔ گلبدن پری نے اس سے غصہ کا

سبب پوچھا۔ اس نے ساری بات بتادی اور کہا: ''میں تو اس وزیر میں پھنس کر رہ گیا ہوں۔ اب ایک سو یک رنگی پہلوٹھی بھینسیں میں کہاں سے لاؤں؟'' یہ سن کر گلبدن پری نے کہا کہ: ''دل نہ ہارو، دوستوں کے لئے سر بھی دے دیتے ہیں۔ اب یہ نتھ لو، اڑن کھٹولے پر بیٹھو، بڑے دیو کی جگہ پر جاؤ، اور رسی اور ڈنڈا بھی ساتھ لو، وہاں پہنچو گے تو قبہ نظر آئے گا جس میں دروازہ نہیں ہے۔ پھر تم یہ نتھ اس قبے کی دیوار کو لگا دینا تو اس میں ایک کھڑکی پیدا ہوگی۔ وہاں اندر چھپر کھٹ میں ایک عورت بیٹھی دکھائی دے گی وہ میری 'خالہ زاد' ہے۔ تم بے دھڑک جا کر اس کے ساتھ کھاٹ پر جا بیٹھنا۔ تو یکدم ایک دیو طوفان کی طرح آئے گا تم بھی اپنی رسی اور ڈنڈے کو حکم دینا۔ پھر وہ مار سے عاجز ہو کر تم سے کام پوچھے گا۔ تم یہ کام اس پر ڈال دینا پس وہ پلک جھپکنے میں گویا ہاتھوں پر سرسوں، فوراً بھینس پیدا کر، تمہیں دے دے گا۔ وہ لے کر تم میری خالہ زاد سمیت یہاں چلے آنا۔'' یہ بات سنی تو وہ رسی ڈنڈے سمیت اڑن کھٹولے پر بیٹھا اور کہا: ''چل رے وہاں جہاں گلاں پری کی خالہ زاد۔'' تو فوراً وہاں پہنچ گیا۔ پھر بتانے کے مطابق اس نے قبے کی دیوار سے نتھ لگادی۔ اس میں یکدم ایک کھڑکی بن گئی۔ ساعت ملوک بیخوف ہو کر اس پری کے ساتھ کھاٹ پر جا بیٹھا۔ پری پہلے تو اجنبی شخص کو دیکھ کر چونکی پھر جب اس کے پاس اپنی خالہ زاد بہن کی نتھ دیکھی تو پھولی نہ سمائی۔ بیٹھ کر ساعت ملوک سے باتیں کرنے لگی۔ اتنے میں دیو بھی شور وغل کرتا آ کر قبے کے نزدیک پہنچا اور ساعت ملوک سے کہا: ''اے آدم زاد! تیری اتنی ہمت کہ میرے آستانے کے اندر آ کر بیٹھا ہے! ٹھہر تو سہی، تجھے ابھی سمجھاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر جب وہ قبے کے اور نزدیک آنے لگا تو ساعت ملوک نے یکدم 'رسی ڈنڈا' سنبھالا اور کہا: ''پکڑ لے رسی، مار اے ڈنڈے نہ چھوڑنا اس دیو کو!'' بس اس پر ڈنڈوں کی برسات ہوگئی۔ دیو کی چیخ پر چیخ نکلتی رہی۔ آخر تنگ آ کر اس نے کہا: ''اے آدم کے بچے، تو بھلے پری کو لے جا، لیکن ان موچڑوں سے جان چھڑا۔'' ساعت ملوک نے کہا: ''یہ پری تو ضرور لے جاؤں گا لیکن ایک سو پہلوٹھی یک رنگی بھینسیں فوراً لا کر دو۔'' دیو نے کہا کہ: ''حاضر! ابھی لا دیتا ہوں۔ لیکن اس ڈنڈے کو تو پکڑو۔'' ساعت ملوک نے کہا: ''نہ، جب تک بھینسیں نہ لا دو گے تب تک یہ موچڑے لگتے رہیں گے۔'' دیو نے چھوٹے دیووں سے پوچھا لیکن بھینسیں مقررہ جگہ پر تو تیار کھڑی نہ تھیں کہ فوراً آ جاتیں؟ آخر کار جب بھینسیں ساری کی ساری لا کر جمع کی گئیں تب تک دیو بھی مار کھا کھا کر بیدم ہو کر ڈھیر ہو چکا تھا۔ ساعت ملوک پری اور بھینسوں سمیت اڑن کھٹولے پر چڑھ بیٹھا اور اس سے کہا: ''چل رے

اڑن کھٹولے، جہاں میرا گھر۔'' پس اسی گھڑی گھر آ پہنچا۔ سبھی خوش ہوئے اور وزیر بھی خبر سنتے ہی دوڑا ہوا آیا اور بھینسیں لے جاکر بادشاہ کے سامنے پیش کردیں۔ آخر بادشاہ کی بیٹی ان بھینسوں کا دودھ پینے لگی اور تھوڑے دنوں میں اس کا بدن بھر کر خوب صحتمند ہوگیا اور وہ مست مگن ہورہی۔

ایک دن پھر ہارسنگھار کر اور گل پھل کپڑے پہن، طوطے کے سامنے کھڑی ہوئی اور کہا: ''مٹھو! اب بتاؤ میں حسین لگتی ہوں؟'' طوطا بیچارہ خوف کے مارے لرزنے لگا اور شہزادی سے کہا: ''سائں! میں پرندہ ذرّے جتنا ہوں۔ اب اگر سچ کہتا ہوں تو تم مجھے فوراً ہی مروا دوگی۔'' اس نے کہا: ''کیا میں نے پہلے کبھی تمہیں ستایا ہے؟ تم بیشک کہہ ڈالو۔'' طوطے نے کہا: ''اے شہزادی! تم اب بہت ہی حسین ہوچکی ہو، اورتم میں طاقت بھی پیدا ہوگئی ہے۔ سوتم اب شوہر کرو۔ ورنہ تمہارا حسن اور جوانی سب بیکار ہے۔'' طوطے کی بات سن کر شہزادی نے کہا: ''واہ! صلاح تو اچھی دی ہے۔'' بس فوراً باپ کو کہلوا بھیجا کہ: ''اب میری شادی کراؤ، ورنہ میں نہ جیوں گی۔'' بادشاہ یہ بات سن کر بہت خوش ہوا، اور وزیر سے کہا: ''صلاح دو کہ شہزادی کے لیے شوہر کون چاہیئے؟'' وزیر نے کہا: ''سائیں! ساعت ملوک کے سوا دوسرا کوئی اس کے لائق ہے ہی نہیں، جو اس کی آرزوئیں پوری کرسکے۔'' بادشاہ کو یہ صلاح پسند آئی اور بیٹی کی شادی ساعت ملوک کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے کی۔ اسے اپنے تخت پر بٹھا کر کہا: ''بیٹا، اب میں بوڑھا ہوگیا ہوں لہٰذا یہ ملک اور تخت وتاج سب تمہارے حوالے ہیں۔ بیٹھ کر مزے سے حکومت کرو۔'' ساعت ملوک کی چار بیویاں تو پہلے ہی تھیں پانچویں اس کی بیٹی بھی بیاہ لی، مزے سے بیٹھا راج بھاگ سنبھالنے لگا۔

کچھ دن کے بعد ساعت ملوک کی بڑی رانی نے اس سے کہا کہ: 'کچھ سامان اور لشکر، رسی اور ڈنڈا ساتھ لے کر میرے باپ کے پاس جانا چاہئے تاکہ اسے بھی پتہ لگ جائے کہ بخت کی بازی کیا ہے!'' ساعت ملوک اس کی یہ بات سن کر تیار ہوگیا، اس بیوی کو بھی ساتھ لیا۔ اور آخر اس بادشاہی کے شہر کے باہر آکر خیمے لگادیے۔ اسے پیغام بھیج دیا کہ: ''آ کر ملو، ورنہ تم سے جنگ ہوگی۔'' بادشاہ یہ پیغام سن کر غصے سے لال ہوگیا اور پیغام لانے والے شخص کو فوراً ہی مروادیا اور خود ساعت ملوک سے جنگ کا سامان فوراً کرکے، میدان میں پہنچ کر یلغار کردی۔ اس پر ساعت ملوک نے ڈنڈے کو چھوڑ دیا اور سارے لشکر پر ڈنڈوں اور موچڑوں کی مارا مار ہوگئی۔ یہ حال دیکھ بادشاہ حیران ہوگیا اور

ساعت ملوک کو صلح کا پیغام بھیجا۔ جو اس نے منظور کرلیا اور بادشاہ کو کھانے کی دعوت دی۔ جب بادشاہ اس کے خیمے میں آیا اور کھانے سے فارغ ہوا تب شہزادی بادشاہ کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور کہا: ''آپ مجھے پہچانتے ہیں؟'' بادشاہ نے اس کی طرف دیکھا اور کہا: ''نہیں۔'' شہزادی نے کہا: ''میں تمہاری وہی بیٹی ہوں جسے تم نے ایک لوتھڑے کے ساتھ دیس نکالا دے دیا تھا۔ اے بادشاہ! دیکھئے میرے مالک کی عطا اور عنایت۔ بخت کی بازی اسے کہتے ہیں۔'' بادشاہ نے یہ سنا، اپنے کِیے کو یاد کیا اور دکھی ہوگیا، آنکھوں میں آنسو آ گئے اور بیٹی کو گلے لگالیا اور اسے لے جا کر اس کی بہنوں سے مِلایا جو اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ پھر کتنے ہی دن ان سب نے ساتھ ساتھ ہنسی خوشی گزارے۔

پھر ساعت ملوک شہزادی کو ساتھ لے کر واپس اپنی بادشاہی میں آ گیا اور سبھی رانیوں سمیت، آرام سے وہاں بیٹھ کر حکومت کرنے لگا۔

☆

گنجا فقیر اور گلشن شہزادی

کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں، شہزور نامی ایک بادشاہ تھا۔ جس کی دو شہزادیاں 'روشن' اور 'گلشن' نام کی تھیں۔ روشن بڑی تھی اور گلشن چھوٹی۔ بادشاہ کسی کے ساتھ بھی شہزادیوں کی شادی کرنا پسند نہ کرتا تھا۔ بڑی شہزادی کا تو بیٹھے بیٹھے سر سفید ہو چکا تھا۔ چھوٹی شہزادی اپنی بڑی بہن کا یہ حال دیکھ کر دل ہی دل میں سوچتی: ''بے شک، بابا مجھے بھی بٹھا کر سر سفید کر دے گا۔'' آخر ایک روز اس نے کیا کیا کہ دو خربوزے منگائے۔ ایک بڑا مگر باسی، دوسرا چھوٹا اور تازہ۔ تھالی میں رکھ کر پہیلی کے طور پر بادشاہ کے دربار میں بھجوا دیے۔ بادشاہ نے یہ خربوزے دیکھے تو وزیر سے پوچھا: ''ان میں کیا بھید چھپا ہے؟'' وزیر نے کہا: ''قبلہ، بڑا اور باسی خربوزہ آپ کی بڑی شہزادی کی طرف اشارہ ہے اور یہ چھوٹا اور تازہ خربوزہ آپ کی چھوٹی شہزادی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ ان خربوزوں کو بھیجنے کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ آپ کی چھوٹی شہزادی شادی کرنا چاہتی ہے۔'' بادشاہ یہ بات سن کر آگ بگولہ ہو گیا۔ یکدم کوتوال کو حکم دیا کہ: ''کوئی ایسا شخص حاضر کرو جو گندے سے گندہ اور ذلیل ہو۔ جسے دور سے دیکھ کر ہی کراہیت آئے۔'' یہ سن کر کوتوال باہر نکلا۔ دیکھا تو ایک گنجا فقیر، جسے شہر کے بچے پاگل، پاگل کہہ کر پتھر مار رہے ہیں۔ کوتوال اسی فقیر کو بادشاہ کے پاس لے آیا۔ بادشاہ نے شہزادی کو پھٹے پرانے کپڑوں میں، فقیر کے حوالے کیا۔ بولا: ''آج کے بعد یہ تمہاری بیوی ہے۔ جہاں چاہو اسے لے جاؤ۔''

فقیر نے شہزادی کو ساتھ لیا اور اپنی بوڑھی ماں کے پاس پہنچا۔ اس نے جو بیٹے کے ساتھ ایک حسین اور نوجوان عورت دیکھی تو بولی: ''ارے موئے، یہ پرائی جائی کہاں سے لے کر آیا ہے؟'' اس پر شہزادی نے اسے جواب دیا ''اماں یہ مجھے زبردستی اٹھا کر نہیں لایا ہے۔ پر میرے باپ نے اپنی مرضی سے مجھے اس کے سپرد کیا ہے۔ اب میں تمہارے بیٹے کی بیوی اور تمہاری بہو ہوں۔'' شہزادی کے میٹھے بول سن کر بڑھیا بہت خوش ہوئی، اسے گلے لگا کر پاس بٹھایا۔ شہزادی نے دیکھا کہ گھر میں اور تو کچھ بھی نہیں ہے البتہ کھانے پکانے کو تانبے کی دیگچیاں اور تھالیاں پڑی ہیں۔ اس نے وہ تانبے کا سامان گنجے کو دے کر کہا: ''یہ بیچ کر مٹی کے برتن لے آؤ، باقی جو پیسے بچیں ان سے رسی اور کلہاڑی لے آؤ۔ تاکہ لکڑیاں کاٹ کر گزر بسر کریں۔'' گنجے کو خدا نے ایسی بیوی عطا کر دی۔ اس نے

فوراً تانبے کے برتن اٹھائے، بیچے اور مٹی کے برتن، کلہاڑی اور رسی لے آیا۔ لکڑیاں بیچ کر جو کچھ کماتا، لاکر شہزادی کے ہاتھ میں دے دیتا۔ شہزادی اس سے گھر کا خرچ بھی چلاتی اور کچھ بچا کر بھی رکھ دیتی۔

ایک روز ایک سوداگر نے شہر بھر میں ڈونڈی پٹوادی کہ: ''مجھے نوکر کی ضرورت ہے۔ جو میرے پاس نوکری کرے گا میں اسے اچھی تنخواہ دوں گا۔'' گنجے نے سنا تو آ کر شہزادی کو بتایا۔ شہزادی نے اسے سوداگر کے پاس نوکری کرنے کی اجازت دے دی اور اس سے کہا: ''سوداگر سے ایک ماہ کی تنخواہ پیشگی لے لو، مجھے خرچ وغیرہ کے لیے دے کر تم چلے جاؤ۔'' اس نے سوداگر سے چھ ماہ کی تنخواہ پیشگی وصول کی اور شہزادی کو دے کر سوداگر کے ساتھ روانہ ہوگیا۔

کچھ دن بعد سوداگر کا قافلہ ایک بیابان صحرا میں پہنچا۔ وہاں ان کا پانی ختم ہوگیا۔ نوکر پانی کے لیے ادھر ادھر دوڑنے لگے۔ گنجے نے بھی پانی کا ڈول اٹھایا اور ایک طرف کو چل دیا۔ راستے میں کنواں دیکھا تو وہ بہت خوش ہوا۔ فوراً کنویں میں ڈول ڈالا اور پانی کھینچنے لگا۔ اس نے ڈول کو تھوڑا جھٹکا ہی تھا کہ کوئی شے ڈول کے ساتھ چمٹ گئی۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، فوراً اپنے بازوؤں کے زور پر ڈول کو باہر کھینچ لیا۔ دیکھا تو ایک حسین عورت ڈول کے ساتھ چمٹی ہوئی ہے۔ اس نے اسے باہر نکالا اور حال احوال پوچھا۔ اس نے بتایا: ''میں پری ہوں۔ میرا نام گلزار پری ہے۔ مجھے میرے باپ نے ناراض ہوکر اس کنویں میں پھنکوادیا تھا۔ آج تم نے آ کر مجھے باہر نکالا۔ آج سے تم میرے شوہر اور میں تمہاری بیوی ہوں۔'' گنجے نے کہا: ''میری تو پہلے ہی ایک بیوی موجود ہے۔ اگر اس نے اجازت دے دی تو پھر میں تم سے شادی کرلوں گا۔ اجازت نہ دی تو نہیں کروں گا۔'' پری نے کہا ''تم مجھے اپنی بیوی کے پاس لے چلو تاکہ میں اسے منت سماجت کر کے منالوں۔'' گنجے نے کہا کہ: ''میں ایک سوداگر کا نوکر ہوں۔ اس کے کاموں کے پیچھے دوڑتا رہتا ہوں۔ اس لیے تمہارے ساتھ واپس اپنے گوٹھ نہیں جاسکتا۔'' پری نے کہا ''اچھا تم وعدہ کرو کہ جب تم سفر سے لوٹو گے تب مجھے بھی ساتھ لے چلو گے۔'' گنجے نے کہا: ''اگر زندہ رہا، تو واپسی میں تمہیں بھی اپنے ساتھ لے چلوں گا۔'' یہ کہہ کر ڈول پانی سے بھرا، اور چلنے لگا۔ پری نے اسے دو انار دیے۔ اس نے انار لے لیے اور واپس قافلے سے آملا۔ سب لوگوں نے کھایا پیا، آرام کیا اور قافلہ آگے روانہ ہوا۔ راستے میں ایک اور قافلہ ملا جو شہزور بادشاہ کے ملک کو جارہا تھا۔ دونوں قافلوں کے سوداگروں نے اپنے اپنے لوگوں سے

کہا "جسے بھی اپنے عزیزوں کے لیے پیغامات بھیجنے ہوں بھیج دیں۔" یہ سن کر گنجے نے بھی پری کے دیے ہوئے دونوں انار سوداگر کے ذریعے اپنے گھر کا پتہ نشان بتا کر، بھیج دیے۔

گنجے فقیر والا قافلہ، پھر منزلیں مارتا، ایک شہر میں پہنچا۔ سامان وغیرہ اُتار رکھنے کے بعد، سوداگر نے حکم دیا کہ: "جسے بھی شہر گھومنے کا شوق ہو تو بھلے جا کر گھومے پھرے۔ یہاں ہم دو تین دن آرام کریں گے۔" دوسرے نوکروں کے ساتھ گنجا بھی شہر گھومنے چلا۔ مگر اتفاق سے راستہ بھول گیا۔ ایک جنگل میں جا پھنسا۔ وہیں سورج غروب ہوگیا اور رات سر پہ آ گئی۔ گنجے نے سوچا کہ: "اب صبح تک یہیں ٹھہرنا چاہیئے۔ پھر صبح تو خیر ہے۔ پوچھتے پوچھتے جا کر قافلے میں پہنچ لوں گا۔"

یہ سب سوچ کر وہ ایک پیڑ پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ ابھی بمشکل رات کے دو پہر ہی گزرے ہوں گے کہ اسے کچھ لوگوں کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز سن کر اس بیچارے کا دم خشک ہوگیا۔ وہ سمجھا کہ چور ہیں۔ ضرور آ کر مجھے پکڑ لیں گے۔ اس نے پیڑ پتوں کے گھنے جھنڈ میں خود کو اچھی طرح چھپالیا۔ کچھ دیر نہ گزری تھی کہ دیکھا چار آدمی ایک لکڑی کی پیٹی اٹھائے آ رہے ہیں۔ اسی درخت کے نیچے گڑھا کھودا، پیٹی کو اس میں چھپایا اور چلے گئے۔ اسے یقین ہوگیا کہ ضرور پیٹی میں خزانہ ہوگا۔ فوراً نیچے اترا۔ گڑھا کھودا، پیٹی کو باہر نکالا۔ پیٹی کا تالا توڑ کر ڈھکنا اٹھایا تو سبحان اللہ! پیٹی میں ایک ننھا بچہ سو رہا ہے۔ اس نے سوچا "صبح ہونے پر، بچے کو لے جا کر کسی اچھے آدمی کے حوالے کردوں گا۔" اور سو گیا۔

جس ملک میں گنجا، سوداگر کے ساتھ آ کر ٹھہرا ہوا تھا، اس بادشاہ کی چار رانیاں تھیں پھر بھی اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ آخر خدا کی مہربانی سے ایک رانی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ شہزادے کی پیدائش کا سن کر، بادشاہ بہت خوش ہوا۔ مگر اس کی بقیہ رانیوں کو بہت افسوس ہوا۔

اس خیال سے کہ "شہزادے کی پیدائش کے سبب بادشاہ کی ساری محبت اس رانی سے ہوجائے گی اور پھر بادشاہ ہمیں پلٹ کر پوچھے گا بھی نہیں۔" انہوں نے آپس میں صلاح کی کہ "اگر شہزادہ سلامت رہا تو محل میں ہماری آبرو سلامت نہ رہے گی۔ لہٰذا کسی نہ کسی طرح شہزادے کو مار دینا چاہیئے۔" یہ صلاح کر کے ایک روز موقع پا کر شہزادے کو چرا کر لے گئیں۔ پھر چار آدمیوں کو بلایا، انہیں انعام کا لالچ دے کر تاکید کی کہ "شہزادے کو پیٹی میں بند کر کے، کسی جگہ لے جا کر دفن کردو۔" شہزادے کی گمشدگی کا سن کر بادشاہ بہت

پریشان ہوا۔ بے شمار لوگ شہزادے کی تلاش میں بھیجے۔ پر شہزادے کا کچھ پتہ نہ چلا۔ جب سورج چڑھ آیا تو گنجا بھی نیند سے جاگا۔ بچے کو پیٹی سمیت اٹھا کر شہر روانہ ہوا۔ شہر میں پہنچ کر کیا دیکھتا ہے کہ تمام لوگ سیاہ لباس پہنے ہوئے ہیں۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ''بادشاہ سلامت کا اکلوتا شہزادہ رات کو اچانک غائب ہوگیا ہے۔ لہٰذا بادشاہ کے غم میں شریک ہونے کے لیے رعیت نے بھی کالا لباس پہنا ہوا ہے۔'' گنجے نے لوگوں کی زبانی یہ باتیں سنیں تو فوراً سمجھ گیا کہ میرے پاس جو بچہ ہے وہ بلا شبہ شہزادہ ہے۔ وہ سیدھا بادشاہ کے دربار میں پہنچا، اور عرض کی: ''قبلہ سلامت، میں نے سنا ہے کہ آپ کا شہزادہ رات سے غائب ہے۔ مجھے رات جنگل میں ایک بچہ ملا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ آپ ہی کا بچہ ہو۔'' یہ کہہ کر اس نے پیٹی بادشاہ کے آگے رکھ دی۔ بادشاہ شہزادے کو دیکھ کر باغ باغ ہوگیا۔ بادشاہ کے پوچھنے پر گنجے نے شہزادہ کے ہاتھ آنے کا پورا قصہ اسے سنادیا۔ بادشاہ گنجے سے خوش ہوگیا۔ اسے بہت سارا انعام واکرام دیا اور ساتھ ہی ایک امیر زادی کا رشتہ بھی۔ مگر گنجے نے کہا: ''عالم پناہ، میری ایک بیوی پہلے ہی موجود ہے۔ میں اس کی اجازت کے بغیر دوسری شادی نہیں کرسکتا۔'' اس پر بادشاہ نے گنجے سے کہا ''تم امیر زادی کو اپنے ساتھ اپنے ملک لے جاؤ، اگر تمہاری بیگم تمہیں شادی کرنے کی اجازت دے دے تو ٹھیک ہے ورنہ امیر زادی کو واپس ہمارے پاس بھیج دینا۔'' گنجا اس بات پر راضی ہوگیا۔ بادشاہ نے اسے بیشمار لشکر، خزانہ اور امیر زادی کو ساتھ کر کے، رخصت کیا۔ گنجا، بادشاہ اور سوداگر سے رخصت لے کر واپس اپنے ملک پہنچا۔

ادھر گنجے نے جو پری کے دیے ہوئے انار اپنے ملک بھیجے تھے وہ انار شہزادی گلشن کو ملے۔ شہزادی نے جیسے ہی اناروں کو کاٹا تو اس میں دانوں کے بدلے قیمتی ہیرے کے دانے نظر آئے۔ شہزادی نے ہیروں کی چمک دمک یکدم پرکھ لی اور تمام ہیرے باہر نکال لیے۔ ان میں سے کچھ ہیرے بیچ کر اپنی جھونپڑی کی جگہ عالیشان محل بنوایا اور ساس سمیت محل میں رہنے لگی۔ اُدھر گنجا فقیر بھی کنوئیں والی پری کو ساتھ لیے، منزلیں مارتا اپنے ملک آ پہنچا۔ شہر کے باہر اس نے تنبو لگوایا، پری اور امیر زادی کو لشکر سمیت وہاں ٹھہرایا اور خود اپنے گھر آیا۔ وہاں پہنچ کر دیکھتا کیا ہے کہ وہاں نہ تو جھونپڑی ہے اور نہ ہی شہزادی! بلکہ وہاں عالیشان محل کھڑا ہے، وہ بیچارا یہ سب دیکھ کر پریشان ہوگیا۔ اچانک محل کی کھڑکی سے شہزادی گلشن کی نظر گنجے پر پڑی۔ اس نے یکدم باندی کو بھیج کر اسے اندر بلوایا۔ محل کا اندرونی رنگ وروپ، شان وشوکت دیکھ کر گنجے کے اوسان خطا ہوگئے۔ گنجے کے پوچھنے پر

شہزادی گلشن نے اسے اناروں کے اندر سے ہیروں کے نکلنے کا قصہ بتایا۔ گنجے نے بھی شہزادی کو اپنا سب حال احوال سنایا اور اس سے پری اور امیر زادی سے شادی کرنے کی اجازت طلب کی، جو اس نے خوشی سے دے دی۔

ادھر شہزور بادشاہ کو خبر ملی کہ شہر کے باہر کسی ولایت کا غنیم آ کر پہنچا ہے۔ اس نے فوراً اپنے وزیر کو حال احوال پتہ کرنے بھیجا۔ جب گنجے کو وزیر کے آنے کی اطلاع ملی تو شہزادی سے پوچھا ''کیا جواب دوں اُسے؟'' شہزادی نے کہا ''وزیر سے جا کہہ دو کہ میں ایک شہزادہ ہوں۔ صرف سیر وتفریح کے لیے ادھر آ نکلا ہوں۔ یہاں دو تین دن ٹھہر کر پھر کسی اور طرف روانہ ہو جاؤں گا۔'' گنجا، وزیر سے جا کر ملا اور اس سے بات چیت کی۔ وزیر اس کی باتیں سن کر خوش ہوا، اور اسے بادشاہ کی طرف سے تین دن لشکر سمیت دعوت دے کر واپس لوٹا۔ گنجے نے دعوت کی بات آ کر شہزادی کو بتائی۔ اس پر شہزادی نے کہا: ''تین دن بادشاہ کی دعوت کھا کر تم بھی ایک دن اس کی دعوت کر دینا۔'' دعوت کے تین دن پورے ہو گئے تو اس نے بھی بادشاہ کو دعوت دے دی، بادشاہ نے دعوت قبول کر لی۔ جب بادشاہ وزیر کے ساتھ تنبو میں دعوت کھانے آیا، تو شہزادی گلشن بھی ایک عمدہ لباس پہنے بادشاہ کے سامنے آئی اور بولی: ''بادشاہ سلامت! مجھے پہچانا؟'' بادشاہ نے اسے غور سے دیکھا، بولا: ''بالکل نہیں۔'' اس پر شہزادی گلشن آنکھوں میں آنسو بھرے بولی: ''بابا سائیں، میں تمہاری وہی بیٹی گلشن ہوں جسے آپ نے ناراض ہو کر ایک گنجے فقیر کے حوالے کر دیا تھا۔ یہ جو شہزادہ تمہارے سامنے بیٹھا ہے سو وہی گنجا فقیر ہے۔ جسے آپ گندہ کہہ کر اس سے نفرت کر رہے تھے۔

پھر تو بادشاہ نے گنجے اور شہزادی کو پہچان لیا، اپنی خطا کی ان سے معافی مانگی۔ دونوں کی بڑی دھوم دھام سے شادی کی، پھر گنجے فقیر نے پری اور امیر زادی سے شادی کی اور تینوں بیویوں کے ساتھ زندگی کے بقیہ دن عیش وعشرت سے گزارنے لگا۔

عقلمند بادشاہ

ایک بادشاہ کے سات بیٹے تھے۔ چھوٹے بیٹے سے بادشاہ زیادہ محبت کرتا تھا۔ اس بیٹے کا نام تھا عقلمند۔ سچ مچ یہ شہزادہ اپنے سب بھائیوں سے زیادہ عقلمند تھا۔ ان سب بھائیوں میں آپس میں بھی بڑی محبت تھی۔ایک روز سب کے سب، ایک ساتھ شکار کو چلے۔ سوچا دو چار دن شکار کر کے گھر لوٹ آئیں گے۔ اسی خیال سے شکار کی تلاش میں پھرتے پھراتے اپنے ملک کی حد سے باہر نکل گئے۔ سارا دن شکار کرنے کے بعد انہیں آرام کے لیے جگہ کی طلب ہوئی۔ دیکھا تو انہیں دور ایک بڑا محل نظر آیا۔ جا کر دیکھا تو چاروں طرف باغ لگا ہوا ہے۔ باغ کے ساتھ ہی ایک محل ہے۔ جس میں دوسرے چھوٹے کمروں کے علاوہ سات بڑے کمرے تھے۔ ساتوں کمروں کے دروازوں پر سات نوجوان شہزادیاں ہار سنگھار کیے کھڑی تھیں۔ جب یہ نزدیک پہنچے تو ان میں سے بڑی نے کہا: ''بہن: ہمارے شوہر آ گئے ہیں۔'' پھر ایک ایک آگے بڑھی اور ان میں سے ایک ایک شہزادہ کا گھوڑا لے لیا۔ یہ حیران ہو گئے پھر دل مضبوط کر کے ان سے حال احوال پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ ''ہم اس ملک کی شہزادیاں ہیں۔ ہمارے باپ کا انتقال ہو چکا ہے۔ مرتے وقت اس نے ہم سے کہا تھا کہ تمہارے شوہر تمہاری تلاش میں یہاں آئیں گے۔ کتنے دن انتظار کے بعد آج آپ لوگ یہاں آئے ہیں، اب ہم تمہاری ملکیت ہیں۔''

پھر تو عورتوں کے شوق میں وہ عزیز رشتے دار، مال ملکیت سب بھول گئے۔ سب بھائیوں نے وہیں ڈیرا ڈال لیا۔ صبح ہوتی تو شکار کو چل دیتے، شام ہوتی تو واپس لوٹ آتے۔ عقلمند، اپنے بھائیوں کے گھوڑے سنبھالتا تھا جس کی وجہ سے شہزادیاں سمجھتی تھیں کہ وہ، ان کا نوکر ہے۔ چنانچہ چھوٹی بہن کو اس ذکر سے چڑاتی رہتی تھیں۔ چھوٹی رانی سب سے سیانی تھی۔ اس نے ان کی باتوں کا کچھ بھی خیال نہ کیا۔ پر ایک رات 'عقلمند' سے حقیقت جاننے کی کوشش کی۔ عقلمند نے کہا ''اب تم ایسا کرو، جب میرے بھائیوں کو نیند آ جائے تو جا کر انہیں جگانا اور کہنا کہ تمہارے بھائی 'عقلمند' کے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔'' اس نے ایسا ہی کیا، اس پر چھٹوں شہزادے روتے پیٹتے اٹھ بیٹھے۔ انہیں اپنے جوتوں اور پگڑیوں کا ہوش بھی نہ رہا۔ اس کی بیوی کو یقین آ گیا کہ وہ سب آپس میں بھائی ہیں اور انہیں 'عقلمند' سے بہت محبت ہے۔ اس پر اس نے 'عقلمند' کو بتایا کہ ''ہم شہزادیاں نہیں ہیں بلکہ ڈائنیں ہیں جب تمہیں یہاں سات

راتیں پوری ہوجائیں گی تو ہم تمہیں مار کر تمہارا گوشت کھائیں گے۔'' عقلمند یہ سن کر کانپ اٹھا، پوچھا: ''اچھا، کیا تم مجھے بھی کھا جاؤ گی۔'' ڈائن نے کہا ''تمہیں کھانے کا خیال ہوتا تو کیا تمہیں یہ سب بتاتی؟ اب تم ایسا کرو کہ اپنے بھائیوں کو کل شکار پر روانہ کر کے تم یہیں ٹھہرنا اور ہمارا تماشہ دیکھنا۔'' عقلمند نے صبح اپنے بھائیوں سے کہا ''تم آج بھلے شکار پر جاؤ، میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔'' پہلے تو اس کے بھائی شکار پر جانے کو رضامند نہ ہوئے لیکن پھر تیار ہوگئے۔ گھوڑے پر زین ڈالنے لگے تو ڈالی نہ گئی، عقلمند اٹھا اس نے ان کے گھوڑے سجا سنوار کر تیار کیے۔ اب چھوٹی ڈائن کو پتہ چلا کہ روزانہ 'عقلمند' ہی بھائیوں کے گھوڑوں کو کیوں سنوارتا تھا۔ جب عقلمند کے بھائی شکار پر جا چکے تو عقلمند کی بیوی نے اسے کنجیاں دیتے ہوئے کہا: ''ہم شکار پر جائیں گی، بعد میں تم سب کمروں کو دیکھ لینا۔''

جب دن اچھی طرح نکل آیا تو ڈائنیں شکار کے لیے اڑتی ہوئی رخصت ہوگئیں۔ ان کے جانے کے بعد عقلمند نے پہلا کمرہ کھولا، دیکھا تو اس میں سات گھوڑے ایسی قسم کے کھڑے ہیں کہ اگر وہ دلکی چال چلیں تو بھی پرندوں کی مجال نہیں کہ ان کا مقابلہ کریں۔ دوسرا کمرہ دیکھا تو پورا کا پورا ہتھیاروں سے بھرا تھا۔ تیسرا کمرہ کھول کر دیکھا تو سارا کمرہ انسانوں کی کھوپڑیوں سے بھرا پڑا تھا۔ جو پہلے تو اسے دیکھ کر رونے لگیں پھر ہنسنے لگیں۔ عقلمند نے حیران ہوکر ان سے رونے اور ہنسنے کا سبب پوچھا۔ انہوں نے بتایا ''رونے کا سبب یہ ہے کہ تجھ سا حسین جوان، سات راتوں کے بعد مار دیا جائے گا اور تمہاری کھوپڑی بھی ہمارے ساتھ آملے گی۔ ہنسنا اس سبب سے تھا کہ پھر بھی کیا ہوا؟ ہم بھی تو تجھ جیسے شہزادے ہی کی کھوپڑیاں ہیں۔'' عقلمند کو یقین ہوگیا کہ یہاں تو زندہ رہنا محال ہے۔ پھر اس نے کمرے بند کردیے اور جا کر چپ چاپ سوگیا۔

شام ہوئی تو ڈائنیں اور اس کے بھائی واپس لوٹے۔ رات کو عقلمند نے بیوی سے کہا ''میں نے سب کچھ دیکھ لیا۔ اب مجھے یقین آ گیا ہے کہ تم نے جو کچھ کہا سچ ہے۔ پر خدا کے واسطے میرے بھائیوں کو بچاؤ۔ ان کے بجائے میں حاضر ہوں۔'' ڈائن نے کہا فکر نہ کرو تمہارے صدقے میں وہ بھی بچ جائیں گے۔ اب تم ایسا کرو کہ صبح سویرے شکار کے بہانے اٹھ کر اپنے ملک کو روانہ ہوجاؤ۔ جب شام ہو تو کسی ٹیلے پر چڑھنا، گھوڑوں کے ٹخنے کاٹ کر وہیں بیٹھ رہنا۔ جب ہم تمہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہاں پہنچیں تو تم کہنا ''ہم آج رات یہیں رہیں گے، صبح کو شکار کرتے کرتے گھر واپس پہنچیں گے البتہ تم اپنے گھوڑے ہماری طرف بھیج دینا۔''

جب صبح ہوئی تو یہ شکار پر روانہ ہوئے۔ اب عقلمند نے بھائیوں کو ساری حقیقت بتائی اور کہا ''جتنا ہو سکے گھوڑوں کو تیز دوڑاؤ۔'' سب کو جان کی فکر پڑ گئی۔ گھوڑوں کو ایسا دوڑایا کہ دو دن کا راستہ ایک دن میں طے کرلیا۔ شام ہوئی تو ایک ٹیلے پر جا پہنچے۔ وہاں گھوڑوں کے ٹخنے کاٹ دیے اور بیٹھ گئے۔

شام ہوئی مگر وہ نہ لوٹے تو ڈائنوں کو شک ہوا کہ شاید بھاگ گئے۔ سب نے صلاح مشورہ کیا اور انہیں ڈھونڈنے نکلیں۔ بالآخر ڈھونڈنے میں کامیاب ہوگئیں۔ جب وہ نزدیک پہنچیں تو شہزادوں نے کہا 'آج ہمیں کوئی شکار نہیں ملا۔ ٹیلے پر آ کر گھوڑوں کے سم بھی ٹوٹ چکے ہیں۔ اب تم ہمارے لیے گھوڑے بھیجو تو ہم گھر پہنچیں۔'' یہ سن کر وہ واپس لوٹ گئیں اور فوراً اپنے سمندری گھوڑے لے آئیں۔ جب انہوں نے شہزادوں کو واپسی پر زور دیا تو عقلمند نے کہا: ''ہماری عادت ہے کہ خالی ہاتھ گھر نہیں لوٹتے۔ کل شکار کرلیں پھر گھر واپس لوٹیں گے۔'' ڈائنیں چلی گئیں تو انہوں نے گھوڑوں پر زینیں کسیں اور جس قدر ہو سکا گھوڑوں کو تیز دوڑایا۔ ساری رات اور دن بھر گھوڑے دوڑائے۔ پھر رات آ گئی، وہ نہ لوٹے۔ ڈائنوں نے صلاح کی اور ان کی تلاش میں نکلیں۔ چھوٹی بہن نے ادھر اُدھر بہت ڈھونڈا مگر وہ نہ ملے! دور نظر جو ڈالی تو کیا دیکھتی ہے کہ وہ اُڑے جا رہے ہیں۔ انہوں نے جو ڈائنوں کو دیکھا تو گھوڑوں کو ایڑھ لگائی۔ سرحد ابھی دو چار قدم کے فاصلے پر تھی، باقی سب تو وہاں پہنچ گئے۔ البتہ عقلمند جو سب سے پیچھے تھا اس کے گھوڑے کی دُم پر ایک ڈائن کا ہاتھ پڑ گیا۔ چھوٹی ڈائن سمجھی کہ اب جوان کا سر جاتا ہے۔ چلا کر بولی ''اندھے! گھوڑے کی دم نہیں کاٹتا۔'' عقلمند نے تلوار نکالی اور گھوڑے کی دُم کاٹ ڈالی۔ دم کٹ کر دور جا گری اور گھوڑا چھلانگ مار کر سرحد پار کرگیا۔ ڈائنیں ہاتھ ملتی رہ گئیں اور اپنی بہن کو طعنے دیتیں وہاں سے واپس چل دیں۔ شہزادے صحیح سلامت واپس اپنے ملک پہنچے۔

کچھ دن گزرے تھے کہ عقلمند کو بیوی کی یاد ستانے لگی۔ اس نے سوچا کہ کچھ بھی ہو جائے اپنے محبوب کا منہ ضرور دیکھوں گا۔ بھائیوں نے بہیترا سمجھایا پر وہ ضد باندھ کر بیٹھ گیا۔ آخر عقلمند کے بڑے بھائی نے کہا ''بھائی اگر تم جاؤ گے تو میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ تمہیں اکیلے کیسے جانے دوں؟'' پھر دونوں ادھر روانہ ہوئے۔

چلتے چلتے ایک کنوئیں کے پاس دوپہر کا کھانا کھانے اور آرام کرنے کے لیے پیپل کے نیچے ٹھہرے۔ عقلمند کے بھائی نے گھوڑے کی لگامیں نکال دیں اور خود پانی پینے چل دیا۔ اس نے دیکھا کہ کنویں کے پاس ایک پتھر پر ایک ایسی مورت بنی ہوئی ہے کہ

ایسی حسین عورت دنیا میں پیدا ہوئی نہ ہوگی۔ اس نے سوچا کہ اگر کہیں عقلمند نے یہ مورت دیکھ لی تو اس پر عاشق ہوجائے گا۔ یہ پہلے سے بھی برا ہوگا۔ یہی سب سوچ کر اس نے کنوئیں سے پانی نکالا، گارہ بنایا اور اس سے مورت کو ڈھانپ دیا۔ پھر پانی بھر کر واپس آ گیا۔ آ کر کھانا بنایا، کھایا پیا اور سو گئے۔ جب سو کر اٹھے تو پھر پانی کی ضرورت پڑی۔ عقلمند کا بھائی پانی لینے جانے لگا۔ عقلمند نے اُسے روکا اور بولا: ''اب میری باری ہے۔'' اس نے بہت روکا مگر عقلمند نہ پلٹا۔ جب کنوئیں پر پہنچا، مورت پر نظر پڑی تو بیہوش ہوگیا۔ بھائی نے جا کر اسے اٹھایا اور پانی چھڑک کر ہوش میں لایا۔ پھر اس نے منہ پھیر کر دیکھا تو وہی مورت، جیسے پہلے دیکھی تھی پتھر پر صاف نظر آ رہی ہے۔ عقلمند جب ہوش میں آیا تو بھائی سے بولا: ''اگر اسی مورت والی عورت سے شادی کی تو واہ واہ! ورنہ میرا ٹھکانہ اسی کنوئیں پر ہوگا۔'' عقلمند کا بھائی حیران ہو کر بیٹھ رہا۔ کوئی چارہ نہ پا کر، بھائی سے بولا: ''تم اسی جگہ جا کر بیٹھو اور میں تلاش کرتا ہوں۔'' اس نے پھر سے گارہ بنایا اور اس مورت کو اس مٹی سے ڈھانپ دیا۔ پھر خود وہاں بیٹھ کر تماشہ دیکھنے لگا۔ کچھ دیر نہ گزری تھی کہ ایک کالا ناگ آیا اور اس مورت پر لیٹنے لگا۔ اسی وقت وہ مورت پہلے کی طرح صاف دکھائی دینے لگی۔ وہ سمجھ گیا کہ جو کچھ بھید ہے اسی کالے ناگ میں ہے۔ پھر اس نے کنوئیں میں جھانک کر جو دیکھا تو اسے ایک کھڑکی دکھائی دی جو بند تھی۔ اسے گمان ہوا کہ ضرور اسی بند کھڑکی کے اندر سے راز کا پتہ چلے گا۔ یہ سوچ کر وہ بھائی کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''گھوڑے کی باگیں باندھو اور مجھے کنوئیں میں اُتارو۔ پھر ہونا ہوگا تو بہت کچھ ہو جائے گا۔'' عقلمند نے باگیں باندھیں اور اسے کنوئیں میں اتارا۔ یہ سیدھا اس کھڑکی پر پہنچا۔ اندر وہی مورت والی شہزادی بیٹھی تھی۔ ایک دیو اس کے گھٹنے پر سر رکھے سو رہا تھا۔ شہزادی نے اسے دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئی۔ اشارے سے اسے چُپ رہنے کو کہا۔ پھر اس نے آہستہ آہستہ اٹھ کر نظر اٹھا کر دیکھا تو عقلمند نظر آیا۔ دونوں کی نظریں لڑیں۔ عقلمند کے بھائی نے شہزادی کو اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''تم گھٹنا نکال کر الگ ہو جاؤ تو میں گھٹنا رکھ کر بیٹھ جاؤں گا۔'' پہلے تو شہزادی تھوڑی جھجکی لیکن پھر ہمت کر کے اٹھی اور گھوڑے پر سوار کیا اور ایڑھ لگا دی۔ پیچھے مڑ کر بھائی کی طرف دیکھا تک نہیں۔

جب دیو نیند سے جاگا تو کہنے لگا: ''او میرے یار!'' عقلمند کے بھائی نے جواب دیا: ''تیرے یار کو لے گیا میرا یار۔'' دیو خار کھا کر بولا: ''بیوقوف! وہ یار نہ تھا مگر یاروں کا خار تھا۔ یاری کا راستہ ابھی دور ہے۔'' دیو کو پھر نیند آ گئی۔ پھر اٹھا تو بولا: ''او میرے یار!''

اس نے پھر وہی جواب دیا: ''تمہارے یار کو لے اُڑا میرا یار۔'' دیو نے پھر وہی جواب دیا: ''بیوقوف، وہ یار نہ تھا یاروں کا خار تھا۔ یاری کی راہ ابھی دور ہے۔'' اسی طرح جب دیو نے تیسری دفعہ پکارا، اور اس نے وہی جواب دیا، تو دیو بولا: ''سن بیوقوف! میں اب تجھے یاروں کی کتھا سناؤں۔''

سوداگر زادے اور تیلی کی آپس میں بہت دوستی تھی۔ جب سوداگر تجارت کو جاتا اور چھ چھ مہینے بعد لوٹتا تو اس درمیان، تیلی سوداگر کے گھر جا کر رہتا اور رات کو سوداگر کی بیوی کے ساتھ ایک ہی چارپائی پر سوتا۔ شہر میں اس بات کا چرچا ہوا اور کسی نے جا کر بادشاہ کے کان بھر دیے۔ بادشاہ، چہرا پوش ہوکر، سوداگر کے گھر کے پاس جا چھپا۔ شام ہوئی تو تیلی آ پہنچا۔ بستر بچھایا اور سوداگر کی بیوی کے ساتھ جا سویا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ سوداگر کی بیوی بہت خوبصورت ہے۔ اسے یقین ہوگیا کہ تیلی کے اس کے ساتھ ناجائز تعلقات ہیں۔ مگر یہ بات آنکھوں سے دیکھنی چاہئے۔ تھوڑی دیر میں ان دونوں کو نیند آ گئی۔ نیند میں اگر عورت کا پلّوٗ تیلی کو لگ جاتا تو تیلی بولتا: ''بہن اپنا کپڑا سنبھالو۔'' اور اگر تیلی کا پلّا عورت کو لگتا تو وہ کہتی: ''بھائی اپنا کپڑا سنبھالو۔'' بادشاہ رات بھر یہ تماشہ دیکھتا رہا۔ صبح اس نے وزیر سے کہا ''تیلی بیشک وفادار دوست ہے۔'' وزیر نے کہا: ''بیشک، تیلی وفادار دوست ہے۔'' پھر وہ دونوں تیلی کے پاس آئے۔ تیلی، گھانی چلانے میں لگا ہوا تھا۔ بڑھ کر بادشاہ اور وزیر سے ادب کے ساتھ ملا۔ ہاتھ باندھ کر ان کے آنے کا مقصد پوچھا۔ بادشاہ نے کہا: ''میں تم سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔'' تیلی نے عرض کیا: ''قبلہ، میں تیلی ہوں۔ میرے پاس کھانے جتنا بھی میسر نہیں۔ بھلا میں آپ کی دوستی کے لائق کہاں! آپ میری دوستی کے خواہشمند کیوں!'' بادشاہ نے کہا: ''کچھ بھی ہو، میں ضرور تم سے دوستی کروں گا۔'' تیلی نے جب دیکھا کہ بادشاہ واپسی کے لیے آمادہ نہیں تو اس نے ایک پرانا کپڑا بچھادیا اور بیوی سے بولا کہ: ''جوار کی راب ایسی تیار کرو جو پینے کے لائق ہو۔'' جب راب تیار ہوگئی تو مٹی کے دوٹوٹے پھوٹے پیالوں میں لاکر حاضر کی۔ وزیر تو جل بھن کر رہ گیا پر بادشاہ نے بسم اللہ کر کے راب پینی شروع کی۔ لاچار وزیر کو بھی پینی پڑی۔ پھر تیلی سے اجازت لے کر دونوں رخصت ہوئے۔ وزیر نے بادشاہ سے کہا: ''کمینے تیلی نے ہماری بے عزتی کی ہے آپ بھی قہر کریں۔'' بادشاہ نے اسے جواب نہ دیا، مگر دوسرے دن تیلی کے پاس اکیلا ہی جا پہنچا۔ تیلی نے بادشاہ کو اکیلا دیکھا، اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور اوپر لے جا کر ادب سے بٹھایا اور بیوی سے بولا: ''اچھے سے اچھا کھانا تیار کر۔'' بادشاہ نے کھانا کھایا تو تعجب میں پڑ گیا۔ پھر

جو تیلی کی بیوی پر نظر پڑی، دیکھا تو چودھویں کا چاند۔ پھر تو اور بھی حیران ہوا۔ اس کے دل میں کھوٹ آ گئی۔ تیلی بھی پہچان گیا کہ بادشاہ کی نیت میں خلل آ گیا ہے۔ وہ بیٹھ کر بادشاہ کے پاؤں دبانے لگا۔ بادشاہ کا خیال تھا کہ تیلی کو نیند آ جائے گی تو اس کی بیوی سے محبت کے دو بول بول لوں گا۔ پر، تیلی تھا کہ دبانے سے تھکتا نہ تھا۔ بادشاہ کے روکنے پر بھی وہ دبانے سے باز نہ آیا۔ ہوتے ہوتے بالآخر سورج نکل آیا۔ تیلی نے بادشاہ کے پاؤں پر ہاتھ رکھے، بولا: ''سائیں، یاری کی راہ ابھی دور ہے۔ اگر کہیں میں سو جاتا تو تمہاری نیت کچھ اور تھی۔ چلو میں تمہیں اپنے دوست سے ملاتا ہوں۔ اب تم کوتوال کا بھیس بدل لو۔ مجھے ہتھکڑیاں لگا کر، سوداگر کی بیوی کے سامنے لے چلو۔'' بادشاہ نے تماشہ دیکھنے کے خیال سے ایسا ہی کیا۔ جب تیلی، سوداگر کے گھر کے پاس پہنچا تو بادشاہ نے پکار کر کہا: ''چل رے تیلی، تو نے بھی بہت دن ملک کھایا ہے!'' سوداگر کی بیوی نام سنتے ہی، دوڑتی ہوئی دروازے پر آ گئی۔ کوتوال کو دیکھ کر دکھی ہوگئی، کہنے لگی ''بھائی، اسے چھوڑ دو۔ جتنی دنیا چاہیے، مجھ سے لے لو۔'' بادشاہ نے کہا ''بالکل نہ چھوڑوں گا اسے۔'' عورت کہنے لگی: ''یہ ساری جائداد تم لے لو۔ میں صرف دوپٹہ سر پر رکھے باہر نکل جاؤں گی۔ مگر تم تیلی کو چھوڑ دو۔'' تیلی نے بادشاہ سے کہا ''اچھا! اب فلاں مکان پر چلو۔'' بادشاہ اسے لے کر چلا۔ اس مکان پر پہنچ کر بادشاہ نے زور سے کہا ''چل رے تیلی، تو نے بہت دن ملک کھایا ہے۔'' مکان میں ایک ملنگ بیٹھا تھا۔ اس نے آواز سنی تو باہر نکلا۔ دیکھا تو وہی تیلی جو اس کا دوست ہے۔ بس اس نے بھنگ والا ڈنڈا اٹھایا، بادشاہ کی طرف آیا اور بولا: ''تیلی کو چھوڑ دو، ورنہ بس ایک ہی ڈنڈا سر پر پڑے گا۔'' بادشاہ نے لاچار ہو کر، تیلی کو چھوڑ دیا۔ چلتے وقت، تیلی نے بادشاہ سے کہا ''دوستی ایسی ہوتی ہے۔'' بادشاہ نے اعتراف کیا ''بیشک، تمہاری دوستی کے لائق میں نہیں ہوں۔''

دیو نے اتنا کہہ کر بازو پکڑا، اور ایک ایسا جھونٹا دیا کہ وہ فوراً کنوئیں کے باہر آ گرا۔ دیکھا تو وہاں اس کا گھوڑا بندھا کھڑا ہے۔ وہاں نہ عقلمند ہے اور نہ شہزادی۔ وہ سیدھا گھر پہنچا۔ وہاں عقلمند ملا، اس نے عقلمند سے کہا ''بھائی! دیو نے تمہیں سلام کیا ہے۔'' عقلمند بہت شرمندہ ہوا، اور بڑھ کر بھائی کو گلے لگا لیا۔

☆☆

شیر مار شہزادہ

ایک بادشاہ نے اپنی بڑی بیٹی کی شادی پڑوسی ملک کے ایک شہزادے کے ساتھ کردی۔ شہزادہ، اپنی بیوی سے باتیں تو بہت میٹھی میٹھی اور پیار بھری کرتا پر جہاں تک اسے چھونے کا سوال تھا، تو سب خیر! سارا سال یونہی گزر گیا۔ ایک بار سسرال سے پیغام پہنچا کہ شہزادی کے ساتھ آ کر مل جاؤ۔ چنانچہ شہزادہ اور شہزادی گھوڑے پر سوار، روانہ ہوئے شہزادے کے سسرال کو دو راستے جاتے تھے۔ ایک سیدھا اور نزدیکی راستہ تھا پر اس راستے پر ایک ببر شیر دیکھا گیا تھا۔ اس لیے کسی کو بھی اس راستے پر جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ دوسرا راستہ لمبے پھیر والا تھا اور دور سے گھوم کر جانا پڑتا تھا۔ اس راستے پر کوئی خوف یا خطرہ نہیں تھا۔ شہزادے نے کیا کیا کہ دھوکے سے سیدھا اور نزدیکی راستہ اختیار کیا اور گھوڑا ہنکانے لگا۔ گوٹھ چھوڑ کر تھوڑا آگے پہنچے تو سامنے ایک بڑا جنگل تھا۔ دل مضبوط کر کے شہزادہ اس گھور اندھیرے جنگل میں داخل ہوگیا۔ اچانک ایک شیر خدا کا، گھوڑے کے سموں کی آواز سن کر، راہ میں آ کھڑا ہوا۔ شیر کو دیکھ کر شہزادہ گھوڑے سے نیچے اتر آیا، الٹے ہاتھ میں گھوڑے کی باگ پکڑی اور سیدھے ہاتھ سے تلوار میان سے نکالی۔ خدا کا نام لے کر تلوار کا وار جو کیا شیر پر، تو شیر دو ٹکڑے ہو گیا۔ شیر کا کام تمام کر کے وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور دونوں میاں بیوی آگے چل دیے۔ راہ میں شہزادے نے بیوی سے کہا

> ”خبردار! جو یہ بات اپنے لوگوں سے کہی۔ شیر مارا ہے تو میں نے مارا ہے، اگر تم نے یہ بات اپنے رشتے کنبے والوں کو بتائی تو شیر کی طرح تمہاری گردن بھی اڑا دوں گا۔“

رانی نے جواب دیا ”اگر آپ کی یہی مرضی ہے تو مجھے بات کرنے کا کیا فائدہ!“ پھر دونوں منزلیں مارتے، خیر سے منزل مقصود پر جا پہنچے۔

شہزادہ تو بادشاہ کے پاس دربار میں ٹھہرا اور شہزادی محلات میں پہنچی۔ ماں، ماسیوں اور بہنوں بھابیوں سے بڑی محبت سے ملی۔ پھر بیٹھ کر آپس میں حال احوال کہنے سننے لگیں۔ شہزادی کے آنے کا سن کر آس پاس سے اس کی سنگی سہیلیاں بھی آ گئیں۔ کوئی اس کے چہرے کو جانچ رہی تھی تو کوئی اس کے قدموں کو۔ جب جانچ پڑتال پوری کر چکیں تو ناامید ہو کر ایک دوسرے کو تکنے لگیں۔ ”اری تیرے ساتھ ہوا کیا؟ جیسی گئی تھی ویسی کی

ویسی لوٹ آئی۔ دو.جی والی بات کیا ہوئی! کچھ تو راز ہمیں بھی بتاؤ!'' شہزادی بیچاری، شرم کی ماری، حال تو کچھ کہہ نہ سکی، البتہ ٹھنڈی سانسیں لیتی رہی کہ وہ سب دکھی ہوگئیں۔ پھر بہت منت سماجت کرنے پر، آنکھیں دھرتی پر جماتے بولی:

''اب کیا ناجائز بچہ پیدا کروں۔ پھر میں قصور وار ہوں۔ بَر جو
ہو دیکھنے دکھانے کے لائق، اس میں کسی کا کیا قصور!''

اس پر شہزادی کی ماں نے فوراً بادشاہ کو بلایا۔ اپنے منہ سے تمام ماجرا بادشاہ سے کہہ سنایا۔ بادشاہ بہت غمگین ہوا۔ اپنے خاص امیروں وزیروں سے خاموشی کے ساتھ صلاح مشورہ کیا کہ ''شہزادی ظلم کا شکار ہوگئی ہے۔ اب کیا کیا جائے؟'' سب نے صلاح دی کہ ''شہزادی کو اس شہزادے سے فوراً آزاد کرالیا جائے اور اسے فوراً کسی دوسری جگہ بیاہنے کا بندوبست کیا جائے۔''

بادشاہ نے سوچا کہ اگر بیٹی کا نکاح زبردستی چھڑایا گیا (نکاح توڑا گیا) تو اسے گلہ ہوگا...... اور اگر شہزادے کو چپ چپاتے ماردیا جائے تو بھی بات چھپی نہ رہے گی، خدا کا قصوار وار الگ ہوں گا۔ جسے خبر پہنچے گی وہی کہے گا کہ بادشاہ نے نجانے کس لالچ میں بیٹی سے ایک شوہر چھڑا کر، دوسرے کے ساتھ بیاہ دیا! اسی لیے سوچتے سوچتے، امیروں وزیروں کے ساتھ صلاح مشورہ کرتے بالآخر بادشاہ نے یہ اسکیم بنائی کہ:

''اپنے فلاں جنگل میں ایک خوفناک بلا رہتی ہے۔ جو شے وہ دیکھ لیتی ہے یا جو بھی اس کے سامنے آجاتا ہے وہ اسے مار کر کھا جاتی ہے۔ کتنے ہی دلیر اور نامور شکاری وہ پہلے ہی ختم کر چکی ہے۔ کیوں نہ اس شہزادے کو اس بلا کے منہ کا لقمہ بنادیا جائے۔''

یہ یہی طے کر کے بادشاہ نے فرمان پھرادیا کہ ''ہماری بادشاہی میں، جس شخص میں ذرہ برابر بھی جوانمردی ہو، وہ مقررہ دن آکر ہمارے ساتھ شکار میں شامل ہو۔ فلاں جنگل میں شکار کھیلا جائے گا!'' عام لوگوں کو تو خبر تھی کہ اس شکار پر جانا موت کو دعوت دینا ہے لہٰذا کوئی بھی شامل نہ ہوا...... باقی بادشاہ کے کچھ خاص سکھائے پڑھائے لوگ، ہتھیار لگائے، گھوڑوں پر سوار ہو، مقرر دن پر دوڑتے، آکر جمع ہوگئے۔ یہ شہزادہ بھی، پوری طرح تیار ہوکر آکر ان میں شامل ہوگیا۔ اب یہ سب اس علاقے کی طرف روانہ ہوئے۔ جب چلتے چلتے اس کے نزدیک پہنچے اور شکار کی حد میں پاؤں دھرا، تو یہ صلاح ٹھہری کہ ''شکار پر ہر شخص اپنے اپنے طور پر حملہ کرے گا۔ سامنے والا بڑا پیڑ، میتل ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے راستے پر چل دے۔ پھر جس کو شکار ملے وہ خود جانے۔ کس طرح اس سے نمٹتا ہے۔ اس دوران دوسرے بھی وہاں پہنچ گئے تو وہ اس کی مدد کریں گے۔ آخر میں جو جہاں، وہ وہاں، سب اس پیڑ کے پاس اکٹھے ہوں گے۔ اس بات کو پیشِ نظر رکھ کر ہر کوئی اپنے اپنے رستے پر ہولیا۔

شہزادے نے اُس درخت کو آنکھوں میں محفوظ کر کے، اپنے راستے پر آگے روانہ ہوا۔ باقی تمام لوگ، طے شدہ منصوبے کے مطابق، موقع پاتے ہی کھسک لیے اور واپس شہر جا پہنچے۔ سب کو پکا یقین تھا کہ بلا شہزادہ کو کھا جائے گی۔ اب اس سے ہمیشہ کے لیے جان چھوٹ گئی۔ دل میں اس یقین کے ساتھ، وہ سب شہزادی کو شیر کے کاندھوں پر بٹھانے کی تیاری میں لگ گئے۔ اب انہوں نے شہزادی کے لیے ایک جوانمرد دولہا تیار کیا۔ ڈھول اور شہنائیاں بھی آگئیں۔ بینڈ باجے بجنے لگے۔ شہزادی کو 'ونواہ' میں بٹھادیا گیا۔ دولہا کو کنگنا بندھ گیا۔ وہ سجا سنورا جاکر سجی سجائی سیج پر بیٹھا۔ خوب دھوم دھڑکا ہونے لگا۔ ہر طرف تالیوں کا شور تھا۔ ہر طرف خوشیوں اور شادمانیوں کا میلہ تھا۔ شہزادی نے 'ونواہ' والے کمرے کی کھڑکی سے یہ تمام منظر دیکھا۔ اس نے دولہا پر نظر ڈالی۔ دیکھا تو وہ ایک چوہے کو دم سے پکڑے بیٹھا ہے اور ساتھ سمیت، جو بھی اس کے نزدیک بیٹھا ہے، انہیں چوہا دکھاتے ہوئے کہہ رہا ہے ''دیکھو یہ چوہا! میرے سامنے سے گزر رہا تھا، میں نے ایسی لات ماری کہ یہ جان سے گیا۔''

یہ تماشا دیکھ کر شہزادی کی حیرت کی حد نہ رہی۔ اس نے دل میں سوچا کہ ''میرا پہلا شوہر تو ایسا تھا کہ راہ میں شیر مار دیا تو بھی مجھے تنبیہ کی کہ یہ بات کسی سے نہ کہنا! اور اس موئے نے ملک بھر میں مارا ہے تو ایک چوہا، تو بھی سب کو کتنے فخر سے دکھا رہا ہے! ایسے چھچھورے شخص سے بھلا مجھے کیا ملے گا، کہ میں اپنے شیر مار شوہر کو بلا کے منہ میں دے کر، اس سے شادی کر کے بیٹھ رہوں؟'' یہ سوچ کر اس نے اٹل فیصلہ کرلیا کہ ''ایسی شادی پر خاک ڈالو۔ اس سے بہتر کہ میں بھی اس بلا کے منہ میں چلی جاؤں۔ جہاں میرے شوہر کو دھوکے سے بھیج دیا گیا ہے۔'' یہی سوچ کر وہ کسی وقت محلات سے چپ چاپ نکل گئی۔ لوگوں کی نظروں سے بچتے بچاتے وہ اس جنگل کی طرف دوڑنے لگی۔ اسی طرح دوڑتے دوڑتے بالآخر اس درخت کے نزدیک جا پہنچی۔ دیکھتی کیا ہے کہ قادر کی قدرت کا عجب نمونہ ہے۔ اژدھا مرا پڑا ہے اور اس کے پاس شہزادہ تلوار سونتے کھڑا ہے۔ شہزادے نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو سامنے شہزادی، اس کی بیوی، کھڑی ہے۔ تعجب میں پڑ گیا۔ شہزادی سے پوچھا ''خیر تو ہے، تم یہاں کہاں؟ کیسے؟'' شہزادی بولی ''میں بعد میں بتاؤں گی۔ پہلے تم اپنی کہو کہ تم یہاں کیسے کھڑے ہو؟'' شہزادے نے کہا ''تمہارے باپ کے یہاں پہنچنے کا انتظار کر رہا ہوں۔ وہ اب تک پہنچے نہیں۔ مجھے اور تو کوئی شکار ہاتھ نہ لگا، البتہ یہ بلا سامنے آ گئی، جسے خدا کے حکم سے تلوار کے ایک ہی وار سے دو ٹکڑے کر

ڈالا۔" شہزادی نے ٹھنڈی سانس بھری اور بولی: "میں یہاں تم سے ملنے نہیں آئی تھی۔ پر مرنے کے ارادے سے آئی تھی۔ تمہارے لیے تو یہ صرف شکار کا بہانہ تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب ماں ماسیوں اور سنگی سہیلیوں نے مجھ سے دن مہینوں کا پوچھا اور مجھے تنگ کیا تو میرے منہ سے نکلا کہ "میرا شوہر ہے تو لاکھوں میں ایک، پر وہ کسی اور بات کی تمنا نہیں رکھتا۔ خدا جانے کیا الجھن ہے...... اب کیا میں ناجائز اولاد پیدا کر کے دکھاؤں؟ اسی لیے صرف تم سے میری جان چھڑانے کے لیے یہ سارا کھیل کھیلا گیا۔ تم سے پہلے اس خوفناک بلا نے کتنے پہلوان اور نامور شکاریوں کو مار کر کھالیا ہے۔ پس ان لوگوں نے سوچا کہ تمہیں بھی اس بلا کی بھینٹ چڑھا دیا جائے۔ تمہیں ادھر بھیج کر وہ سب واپس پہنچ کر میری شادی کی تیاریاں کرنے لگے!" یہ ساری بات کہنے کے بعد اُس نے اپنے ہونے والے دولہا کی بہادری کا قصہ بھی سنا دیا۔ شہزادے نے یہ ساری بات سن کر رب کا شکر ادا کیا اور شہزادی سے بولا "میرے دل کی رانی! میں نے سن رکھا تھا کہ میرے سسر کی بادشاہت میں ایک اجگر بلا رہتی ہے جس نے کتنے ہی لوگوں کو مار کھالیا ہے۔ میں نے دل میں تہیہ کرلیا کہ جب تک اس بلا کو نہ مارلوں گا تب تک بیوی کے نزدیک نہ جاؤں گا، اللہ کے کرم سے آج میرا وہ وعدہ پورا ہوا۔

یہ کہہ کر بڑی محبت سے شہزادہ بیوی سے ملا اور اسے گھوڑے پر سوار کر کے باہر سے ہوکر اپنی بادشاہی میں پہنچا۔ شہزادہ نے راہ میں اپنی بیوی سے کہا "اب کیا منہ لے کر اپنے میکے جاؤ گی......؟" رانی نے جواب دیا کہ "میرا وجود اور میری جان اب تمہارے لیے ہے اور تمہی سے ہے۔ میکے میں میرا کیا رکھا ہے جو اس کے بعد وہاں جاؤں گی!"

کل دیکھا تو شہزادہ اور شہزادی، محلات کی کھڑکی میں کھڑے خوش باش، خوب قہقہے لگا رہے تھے اور بہت خوش وخرم دکھائی دے رہے تھے۔

☆

ٹھکرایا ہوا شہزادہ

ایک تھا بادشاہ۔ بادشاہ تو خیر اللہ تعالیٰ ہے۔ پر یہ بھی ایک وقت کا بادشاہ تھا۔ اس کی دو بیویاں تھیں۔ ایک سے ایک بیٹا تھا اور دوسری سے ایک بیٹی۔ اس کے دونوں بچے ابھی چھوٹے ہی تھے کہ بادشاہ نے وفات پائی۔ اس کے بعد، وزیروں امیروں نے صلاح کی کہ تخت ایک ایسے شخص کے حوالے کیا جائے جو اَن پڑھ ہو اور اس کی اولاد بھی نہ ہو۔ یہ اس وقت تک کے لیے جب تک کہ بادشاہ کا بیٹا عاقل بالغ ہو جائے۔ یہ صلاح کر کے ایک چرواہے کو حکومت کا مالک بنایا۔ اسے سنگھار سنوار کر، بادشاہی پوشاک پہنائی، اور تاج پوشی کر کے تخت پر بٹھایا۔

حکومت کا کاروبار، امیروں وزیروں نے اپنے ہاتھ میں ہی رکھا، اسے صرف نام کے لیے بادشاہ بنایا۔ جب یہ چرواہا تخت نشین ہو گیا تو کچھ عرصے حکومت کا کاروبار چلانے کے بعد، ایک روز وہ شاہی محلات میں گیا۔ وہاں بادشاہ کی چھوٹی رانی، جس کی ایک بیٹی تھی، اس کو دیکھتے ہی اس پر عاشق ہو گئی۔ کچھ ہی دن میں وہ اس کے ساتھ شادی کر کے رہنے لگی۔ لیکن بیٹے کی ماں (دوسری رانی) اس نئے بادشاہ کو ہمیشہ دھتکارتی نظروں سے دیکھتی۔ نیا بادشاہ بھی اسے طرح طرح کچوکے دیتا اور طرح طرح سے اس پر عذاب ڈھاتا رہتا۔ اس طرح جب اس کا محل میں رہنا محال ہو گیا تو ایک دن اپنے بیٹے کو ساتھ لے، رات کے اندھیرے میں، محلات سے چوری چھپے نکل گئی۔ چلتے چلتے، بیٹے سمیت، بالآخر ایک غریب لکڑہارے کے گھر پہنچی۔ اس گھر میں ایک بوڑھی ماں اپنے تین جوان جہان بیٹوں کے ساتھ رہتی تھی۔، انہوں نے رانی کو پہچانا تو نہیں، لیکن پھر بھی اس کو بہت عزت دی اور کہنے لگے کہ: ''تم اور تمہارا بیٹا بے دھڑک یہاں ہمارے ساتھ رہو۔ تمہارا بیٹا ہمارا بھائی ہے اور تم ہماری ماں ہو۔ پہلے تمہیں کھلائیں گے ہم بعد میں کھائیں گے۔''

تھوڑا عرصہ گزرا تھا کہ شہزادہ بڑا ہو گیا۔ وہ دل میں سوچنے لگا کہ ''آخر ان غریب بھائیوں پر میں بوجھ کیوں بنوں؟ میں اب کمانے کے لائق ہوں۔ اس لیے اب مجھے بھی کمانے جانا چاہیے؟'' آخر ایک دن اس نے ماں سے کہا: ''اماں، کل میں بھی لکڑیاں کاٹنے جاؤں گا۔ تم میرے لیے ایک رسی اور کلہاڑی تیار کر کے رکھ دینا۔'' خیر صبح ہوئی۔ دیکھا تو اس کے دوسرے بھائی صبح سویرے ہی، اس سے پہلے جا چکے ہیں۔ یہ بھی

خدا پر توکل کر کے، کلہاڑی اور رسی اٹھا کر ان کے پیچھے روانہ ہوا۔ جنگل میں چلتے چلتے کیا دیکھتا ہے کہ تین کوٹھریاں ہیں۔ جنہیں تالے لگے ہوئے ہیں۔ اس نے ہمت کر کے ایک کوٹھری کا تالا توڑا، اور اندر داخل ہوا۔ دیکھتا کیا ہے کہ چھت میں ایک ڈھول ٹنگا ہوا ہے۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، یکایک بیٹھ کر لگا ڈھول بجانے۔ اتنے میں ایک دیو آیا اور اس کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ اسے دیکھ کر شہزادہ ڈر گیا۔ پر دل مضبوط کر، خود کو سنبھالا اور وہیں کھڑا رہا۔

دیو، شہزادہ کو دیکھتے ہوئے بولا: ''اے چھوکرے، اس ڈھول میں میری جان ہے۔ تم کیوں ناحق مجھے ستا رہے ہو۔'' اس پر شہزادہ بولا: ''ارے دیو! تم کون ہو، کیا کرتے ہو؟ یہاں آئے کیسے ہو؟'' دیو نے کہا: ''میں ایک بادشاہزادی کا غلام ہوں۔ تم نے مجھے بلایا، میں آ کر حاضر ہوگیا۔'' اب شہزادہ بھی سمجھ گیا کہ دیو کی جان اس کی مٹھی میں ہے۔ اب میں اس کو جو کہوں گا یہ وہی کرے گا۔'' بس اس نے دیو سے کہا: ''اگر زندگی چاہتے ہو تو اس شہزادی کو فوراً حاضر کرو۔'' دیو اس کے حکم پر پل بھر میں شہزادی کو لے آیا۔ اب شہزادے نے ڈھول گلے میں ڈالا، شہزادی کا بازو پکڑا اور اسے اپنے ساتھ گھر لے آیا۔ آتے ہی اس نے فوراً شہزادی سے نکاح کیا۔ رات ہوئی تو دونوں چلے سونے۔ شہزادے کو فوراً ہی نیند نے آ لیا، اور وہ سو گیا۔

دیو نے شہزادے کو نیند میں غافل دیکھا تو ڈھول اٹھایا، شہزادی کو ساتھ لیا اور وہاں سے بھاگ نکلا۔ صبح کو شہزادہ اٹھا تو کیا دیکھتا ہے کہ خاک اڑ رہی ہے۔ سارا دن وہ اسی غم میں مبتلا رہا۔ اگلے روز صبح اس نے پھر وہی رسی اور کلہاڑی اٹھائی اور جنگل کی راہ لی۔ چلتے چلتے وہ پھر انہی کوٹھریوں پر جا پہنچا۔ اس نے سوچا کہ اب دوسری کوٹھری کھول کر دیکھنی چاہئے کہ اس میں کیا ہے؟ پس ہمت کر کے وہ تالا کھولنے میں جٹ گیا۔ آخرکار وہ تالا توڑنے میں کامیاب ہوگیا۔ دیکھتا کیا ہے کہ کوٹھری کی چھت میں ایک رومال ٹنگا ہوا ہے۔ اس نے چھلانگ لگا کر رومال قابو کیا۔ ایسا کرتے ہوئے رومال کو کچھ جھٹکا لگا تو اس میں سے ہیرے جواہرات چھن چھن کرتے گرنے لگے۔ شہزادے کو پتہ لگ گیا کہ یہ اس رومال کی کرامت ہے۔ وہ خوش ہوگیا، رومال لے کر واپس گھر لوٹا۔ وہاں اس نے پھر رومال کو جھٹکا تو اس سے ہیرے جواہرات چھن چھن کرتے گرنے لگے۔ یہ سب اس نے ماں اور بھائیوں کو دیے اور کہنے لگا: ”میں اب اپنی بیوی کو تلاش کرنے جا رہا ہوں اور تمہارے خرچ واسطے یہ خزانہ کافی ہے۔“

شہزادہ ماں اور بھائیوں سے رخصت ہوا۔ چلتے چلتے، راستہ پوچھتے پوچھتے، بالآخر اسی شہر میں جا پہنچا جہاں اس کی بیوی، وہ شہزادی تھی۔ وہ شہر میں داخل ہوا تو رومال اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اسے جھٹکتا، لوگوں کو ہیرے جواہرات بانٹتا ہوا، آخر اپنی بیوی تک جا پہنچا۔ وہ بیوی سے ملا اور کہنے لگا: ”تم راتوں رات مجھ سے چوری چھپے کیوں بھاگ آئیں؟“ اس نے جواب دیا: ”تم ایک کنگال آدمی ہو، تمہارے ساتھ رہ کر کیا کرتی؟“ اس پر شہزادے نے رومال جو جھٹکا دیا تو اس میں سے ہیرے جواہرات چھن چھن کر کے گرنے لگے۔ بیوی سے بولا: ”لو دیکھو! مجھ جیسا کوئی ساہوکار ہوگا؟“ اس کی بیوی، رومال کی کرامت دیکھ کر حیرت میں پڑ گئی اور اس سے کہنے لگی: ”بیشک تم ساہوکار ہو۔ تم بھلے میرے ساتھ رہو، میں تمہاری ہوں۔“ دو چار دن شہزادے کے ساتھ گزار کر، اس کی خوشامد درامد کر کے، کہنے لگی ”شہزادے، یہ رومال مجھے دے دو۔“ شہزادے کو اس کے مکر کی کچھ خبر نہ تھی، اس نے رومال اٹھا کر اسے دے دیا۔ اس نے رومال پاتے ہی نوکروں کو حکم دیا کہ ”اس کو ابھی کے ابھی نکال باہر کرو۔“ نوکروں نے شہزادے کو دھکے دے کر محل سے نکال باہر کیا۔

شہزادے کو بہت دکھ ہوا۔ وہ غمگین اٹھ کر چل دیا اور الٹے پیروں گھر واپس پہنچا۔ ہفتہ بھر تھکن اتاری، آرام کیا۔ پھر صبح اٹھ کر اپنی رسی اور کلہاڑی اٹھائی، لکڑیاں کاٹنے

جنگل کی طرف چل دیا۔ چلتے چلتے وہ پھر انہیں کوٹھریوں پر جا پہنچا۔ وہ رک کر سوچنے لگا 'میں نے باقی ایک کوٹھری چھوڑ دی ہے۔ اب ایک بار پھر قسمت آزمائی کر دیکھوں، پتہ تو چلے کیا ہے!' وہ ہمت کر کے تیسری کوٹھری کے تالے کو کھولنے میں جُت گیا۔ جیسے تیسے کر کے تالے کو توڑا۔ تالہ توڑ کر اندر داخل ہوا، دیکھا تو وہاں ایک ٹوپی پڑی ہے۔ اس ٹوپی میں یہ اسرار تھا کہ جو کوئی اسے پہن لے، تو دوسروں کو دکھائی نہ دے گا۔

شہزادے نے ٹوپی اٹھا کر سر پر پہن لی اور وہیں سے بیوی کی طرف روانہ ہو گیا، کہ کسی طرح اسے قابو کرے۔ بالآخر وہ وہاں جا پہنچا۔ بیوی نے اپنے مکر کے ذریعے، کسی طرح یہ ٹوپی بھی چھین لی اور اسے نکال باہر کیا۔ اس پر شہزادہ بالکل ہار گیا، سب حیلے وسیلے بھلا کر، مایوس جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ رُلتے رُلتے اسے بھوک نے بہت پریشان کر دیا۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ کھانے کے لیے کچھ ہاتھ آ جائے۔ دیکھا تو اس کے نزدیک ہی ایک میوہ دار درخت ہے۔ جس پر بہت سارے پکے ہوئے میوے لگے ہیں۔ اس نے جھٹ میوے توڑے اور منہ میں ڈال لیے۔ ابھی وہ کھا کر فارغ بھی نہ ہوا تھا، دیکھتا کیا ہے کہ اس کی شکل انسان سے بکری میں بدل گئی۔ اسے بڑا ڈر لگا کہ کہیں کوئی جنگلی جانور اسے پکڑ کر نہ لے جائے۔ سارے دن وہ چھپتا پھرتا رہا۔ یونہی پھرتے پھراتے، دیکھتا کیا ہے کہ وہاں ایک دوسرا میوہ دار درخت کھڑا ہے۔ درخت کے نیچے ایک دانہ گرا پڑا تھا وہ بھی اس نے کھا لیا۔ اس کا کھانا تھا کہ خدا کی قدرت سے وہ واپس وہی انسان بن گیا۔ اس پر اس نے خدا کا بہت شکر ادا کیا۔

شہزادہ نے کیا کیا کہ ان دونوں قسموں کے میووں کی ایک بڑی گٹھڑی باندھ لی۔ گیروے کپڑے پہنے، خود کو جوگی بنا کر بیوی کے شہر جا پہنچا۔ وہاں پہنچ کر اسے پتہ چلا کہ اس کی بیوی بیمار ہے۔ اس کے پاس کئی حکیم طبیب آئے مگر دواؤں سے اسے کوئی فرق نہیں پڑا۔ شہزادے نے یہ سن کر اپنے آپ کو سنیاسی حکیم کہلانا شروع کر دیا۔ شہر کے لوگوں نے بادشاہ کے سامنے اس کی تعریف کی کہ ''کہیں دور سے ایک سنیاسی حکیم آیا ہے۔ اس سے بھی شہزادی کا علاج کرا کے دیکھیں۔'' بادشاہ نے اس سنیاسی کو بلایا۔ اس نے کہا کہ ''میں شہزادی کا علاج کروں گا مگر ہمیں ایک تنہا محل چاہیے۔'' بادشاہ نے اس کی شرط قبول کر لی اور علاج کے واسطے علیحدہ جگہ دے دی۔ شہزادے نے اپنی بیوی کو طرح طرح کے میوے کھلائے۔ آخر ایک روز اس نے شہزادی کو وہی میوہ کھلایا جسے کھا کر پہلے وہ خود بکرا بن چکا تھا۔ اسی طرح اس کو بکری بنا کر اسے خوب مارا پیٹا۔ مارا بھی اتنا کہ سجا دیا۔ پھر

واپس انسان بنانے والا میوہ کھلا کر اسے پھر سے انسان بنادیا۔ اسی طرح کئی بار اس نے اسے بکری بنایا پھر مار بھی ایسی لگائی کہ بالآخر اس نے توبہ کی، کہنے لگی "اب مجھے بکری نہ بنانا۔ میں ساری عمر تمہاری بن کر رہوں گی۔"

پھر شہزادی نے باپ سے کہا کہ میں اسی سنیاسی سے شادی کروں گی۔ بادشاہ نے قبول کرلیا۔ اصل میں تو ان کا نکاح شادی سب پہلے ہی ہو چکا تھا باقی صرف شہزادی کے ماں باپ کی رضامندی کی ضرورت تھی سو بادشاہ نے اپنی رضامندی کے ساتھ شہزادی کی شادی سنیاسی سے کردی۔

تھوڑے دن بعد شہزادہ بیوی کو لے کر ماں کے پاس آ گیا۔ پھر اپنی ماں اور ان بیگانے بھائیوں اور ان کی بوڑھی ماں کو ساتھ لے کر اپنی بادشاہی میں پہنچا۔ جہاں اس نے چرواہے بادشاہ اور اس کی رانی کو پکڑ کر بکرا اور بکری بنایا اور ریوڑ میں شامل کردیا۔ پھر اپنے باپ کا تخت حاصل کیا اور اپنے پورے اہل وعیال سمیت پورے دبدبے کے ساتھ اپنی حکومت چلانے لگا۔

شہزادہ لعل اور شہزادی لعلان

ایک تھا بادشاہ۔ جس کے ہاں بہت ترس ترس کر ایک حسین و جمیل شہزادہ پیدا ہوا۔ ایک روز اس نے اپنے باپ سے کہا: ''بابا سائیں، میری شادی فلاں ولایت کی شہزادی لعلان سے کرادو، ورنہ میں یہاں نہیں رہوں گا۔'' بادشاہ نے اسے سمجھایا: ''بیٹا، اس ولایت کا بادشاہ ہمارے دشمنوں میں سے ہے۔ راستہ بھی بہت دور اور خراب ہے۔ پھر بھی اگر تمہارا یہی ارادہ ہے تو کچھ وقت انتظار کرو۔'' لعل شہزادہ، جس نے شہزادی لعلان کے حد سے زیادہ حسن و جمال کے بہت چرچے سن رکھے تھے، سو اسے قرار کیونکر آتا؟ رات ہوئی تو اس نے کچھ سامان اور روپیہ پیسہ ساتھ لیا اور تن تنہا اس ولایت کا رخ کیا۔

چلتے چلتے بالآخر ایک دن اسی ولایت میں جا پہنچا۔ وہاں پتہ کرنے پر معلوم ہوا کہ شہزادی لعلان ایک مُلّا کے مدرسے میں پڑھتی ہے۔ یہ بھی جا کر اسی مدرسے میں پڑھنے جا بیٹھا۔ تھوڑے دنوں میں یہ دونوں ایک دوسرے کی محبت میں بندھ گئے۔ اس قدر کہ ایک دوسرے کے بغیر کھانا پینا حرام ہوگیا۔ آخر ایک روز شہزادی نے اپنے باپ سے کہا: ''مجھے شوہر چاہئے تو یہی چاہئے۔'' بادشاہ نے بیٹی کا راز اور شہزادے کا حسن دیکھا تو شہزادی کی شادی شہزادہ لعل کے ساتھ کردی اور ان کے لیے ایک نیا محل تیار کرادیا جہاں دونوں رہنے لگے۔

ایک روز بادشاہ نے شہزادی سے کہا: ''بیٹی آج میں شکار پر جارہا ہوں۔ اس لیے تمہارے شوہر کو بھی ساتھ لیے جارہا ہوں۔'' شہزادی لعلان نے باپ سے کہا: ''بابا سائیں، بھلے ان کو ساتھ لے جائیں۔ مگر یہ ہے نازک مزاج لہٰذا اسے کوئی تکلیف نہ دینا اور اس کا خیال رکھنا۔'' اگلے روز بادشاہ، شہزادے لعل کو ساتھ لے کر شکار کو روانہ ہوا۔ شکار گاہ میں دھوپ اور گرمی کے سبب اس نے شہزادے کو ایک نہر کے کنارے، جہاں درختوں کا سایہ اور ٹھنڈک تھی، بٹھادیا اور خود شکار کو چلا گیا۔ اتفاق سے وہاں ایک دیو کھڑا تھا، وہ بھیس بدل کر شہزادے کو اپنے ساتھ لے گیا۔ بادشاہ نے شکار سے واپسی پر اس کو بہت تلاش کیا مگر اُس کا سراغ نہ ملا۔ بادشاہ کو بہت صدمہ ہوا۔ اس نے واپس آکر ساری حقیقت شہزادی کو کہہ سنائی۔ شہزادی لعلان یکدم بیہوش ہوگئی۔ پھر گلاب کا عرق اور خوشبو چھڑکنے سے وہ ہوش میں آئی۔ اب اسے رونے دھونے کے سوا رات دن کسی بات کا ہوش نہ تھا۔

آخر ایک روز مردانہ بھیس بدل کر، سہیلیاں اور زر زیور ساتھ لیا، ہتھیاروں کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر، اسی شکار گاہ کی طرف چل دی۔ جب وہ اس نہر پر پہنچی، تو وہاں ایک پری نظر آئی۔ شہزادی لعلان اس کے پیروں پر گر گئی اور اپنے شوہر کا پتہ پوچھا۔ پری نے جواباً کہا: ''بے شک تمہارے شوہر کو میرے شوہر نے لے جا کر چھپا رکھا ہے۔'' شہزادی گریہ و زاری کے ساتھ اس کی منت خوشامد کرنے لگی، اس پر پری کو رحم آ گیا اور بولی: ''اب تم یہاں سے چل دو، رات ہونے کو ہے اور دیو بھی اب آتا ہی ہوگا۔ اس کے آنے پر میں اس سے کہہ کر شہزادہ تمہیں لادوں گی۔'' رات کو جب دیو آیا تو اس نے اس کوٹھری کی چابی اس سے لے کر رکھ لی، صبح جب دیو باہر چلا گیا تو شہزادی بھی واپس آ چکی تھی۔ اسے پری اسی کوٹھری میں لے گئی اور شہزادے کو کوٹھری سے نکال کر اس کے سپرد کیا پھر بولی: ''اب تم یہاں سے فوراً چل دو، ورنہ اگر دیو یہاں آ گیا تو سب کو پکڑ کر یہیں قید کر ڈالے گا۔'' شہزادی لعلان، شہزادے لعل سے مل کر بہت خوش ہوئی۔ اسے گھوڑے پر سوار کیا اور محل میں لے آئی۔ اب وہ مزے سے زندگی گزارنے لگے۔

ایک دفعہ پھر بادشاہ شکار کو تیار ہوا اور شہزادی سے بولا: ''بیٹی میں لعل کو شکار پر لے کر جا رہا ہوں۔'' شہزادی بولی: ''بابا سائیں، پہلے بھی لعل کو کھو کر آ گئے تھے اور میں بڑی جدوجہد سے اسے واپس لائی ہوں۔ اب میں اسے اجازت نہیں دوں گی۔ ویسے آپ مالک ہیں۔'' آخر بادشاہ ضد کر کے لعل کو دوبارہ پھر شکار پر لے گیا۔ جا کر پھر اسی نہر کے کنارے شہزادے کو بٹھا دیا۔ اچانک اسی وقت وہی دیو آ کر اسے اٹھا لے گیا۔ شکار سے واپسی پر بادشاہ نے اسے بہت ڈھونڈا مگر اس کا پتہ نہ چلا۔ بالآخر مایوس ہو کر واپس لوٹا اور بیٹی کو سب ماجرا کہہ سنایا۔ شہزادی کو بہت صدمہ ہوا۔ پھر وہ پہلے ہی کی طرح تیار ہو کر ادھر چل پڑی۔ جا کر پری کے قدموں پر گری۔ رو رو کر سب حال کہا۔ پری نے کہا: ''بہن، تمہارے جانے کے بعد دیو واپس آیا اور لعل کو پوچھا، پھر جب اس نے اسے نہ پایا تو مجھ پر برس پڑا۔ اس دن سے آج تک وہ رخ دے کر مجھ سے بات نہیں کرتا۔ اس بار لعل کو کوٹھری میں قید کرنے کے بجائے، اسے اپنے سر کے بالوں میں چھپا کر رکھا ہے۔ اس لیے جب وہ آئے تو تم خود اسی کی منت سماجت کرنا شاید بات بن جائے۔ اگر وہ تمہیں کہے کہ میرے پاس نہیں ہے، تو تم کہنا کہ تمہارے بالوں میں چھپا ہوا ہے، مجھے امید ہے وہ اسے نکال کر تمہارے سپرد کر دے گا۔ پر ایک بات رکھنا کہ اگر اس بار شہزادہ تمہیں مل جائے تو پھر اسے اس طرف کبھی نہ بھیجنا۔'' شہزادی رات وہیں رہی اور جب دیو آیا تو ''ماما، ماما''

کرتے ہوئے جاکر دیو کے پیروں پر گری۔ دیو کہنے لگا ''اگر ماما، ماما نہ کرتی تو ابھی رائی جیسے دانے کر ڈالتا۔'' شہزادی نے اس سے کہا:''ماما اب بھی میں حاضر ہوں۔'' دیو کہنے لگا:''اب کہو کیا کہنا چاہتی ہو؟ کیوں آئی ہو یہاں؟'' شہزادی نے اسے ساری حقیقت کہہ سنائی۔ دیو کہنے لگا:'' وہ تو میرے پاس نہیں ہے۔'' شہزادی بولی:''ماما، وہ تمہارے سر کے بالوں میں چھپا ہوا ہے۔'' یہ سن کر دیو بہت شرمندہ ہوا۔ یکدم بالوں سے شہزادے کو نکال کر لعلان کے سامنے کھڑا کر دیا اور بولا:''اب اسے لے جاؤ اور آئندہ اسے میری حد میں کبھی نہ بھیجنا۔'' اب شہزادی لعلان، شہزادہ لعل کو ساتھ لے کر واپس اپنے شہر پہنچی اور دونوں ساتھ ساتھ ہنسی خوشی رہنے لگے۔

ایک دن شہزادے لعل نے بادشاہ سے کہا:''چاچا سائیں، میرے ماں باپ کا نہ جانے کیا حال ہوا ہوگا۔ اب بہتر ہے کہ آپ مجھے اجازت دیں کہ جاکر اپنے ماں باپ سے ملوں اور ان کے پاس رہوں۔'' بادشاہ نے یہ بات مناسب سمجھی اور اسے اجازت دے دی۔ شہزادی کے ساتھ ساتھ اسے حفاظتی لشکر اور ساز و سامان بھی دیا۔ چلتے چلتے بالآخر ایک دن وہ اپنی ولایت میں جا پہنچا اور جاکر ماں باپ سے ملا۔ وہ تو اسے مرا ہوا سمجھ کر، رو پیٹ کر ناامید ہو بیٹھے تھے۔ اب جو اسے زندہ سلامت دیکھا تو بادشاہ ملکہ اور سب امیر امراء بہت خوش ہوئے۔ اسی خوشی میں بادشاہ نے حکم دیا کہ پورے شہر میں کوئی اپنا کھانا نہ

پکائے، چالیس دن تک سب کو شاہی لنگر سے کھانا ملے گا۔'' بس پھر تو سارے شہر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور شہزادہ لعل کے آنے کی خوب خوشیاں منائی گئیں۔ بادشاہ کے حکم کے مطابق ساری رعایا کو چالیس روز گھر بیٹھے کھانا ملا۔ حفاظتی لشکر جو شہزادے لعل کے ساتھ آیا تھا اسے بادشاہ نے دو تین مہینے بڑی عزت کے ساتھ مہمان ٹھہرایا۔ پھر ان کی واپسی کی اجازت طلب کرنے پر اس نے ان کے بادشاہ کے لیے بہت سی سوغاتیں دیں اور سفر کا سامان ان کے ساتھ کرتے ہوئے انہیں واپسی کی اجازت دے دی۔ انہوں نے واپس جا کر ساری حقیقت بادشاہ کے گوش گزار کی۔ پھر دونوں ہی بادشاہوں نے زندگی بھر کا دشمنی کا زنگ دل سے ہٹایا اور ایک دوسرے کے گہرے دوست بن گئے۔ ان کے مرنے کے بعد، دونوں بادشاہوں کو ایک بادشاہت بنا کر، شہزادہ لعل پوری آب و تاب سے تخت نشین ہوا۔ شہزادی لعلان اور شہزادہ لعل، اپنی باقی زندگی، اسی بادشاہی میں، مزے سے گزارنے لگے۔

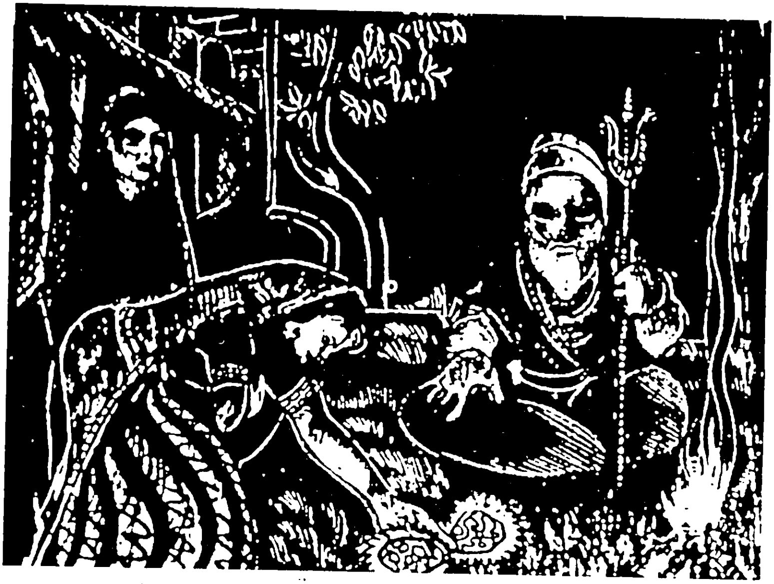

شہزادہ اور شہزادی

ایک تھا بادشاہ، جس کا ایک صرف ایک لڑکا تھا۔ ایک روز بادشاہ کو خیال آیا کہ بیٹے کی شادی ایسی جگہ کروں جہاں بادشاہ کی بھی صرف ایک ہی بیٹی ہو اور وہ بھی میرے بیٹے جیسی حسین خوبصورت ہو۔ یہ سوچ کر اس نے بیٹے کی تصویر بنوائی اور وزیر کو دے کر کہا: ''جاؤ جا کر اچھی طرح دیکھ بھال کر شہزادے کے لیے رشتہ تلاش کرو''۔

وزیر نے سامان سفر ساتھ لیا، شہزادے کی تصویر اٹھائی اور سفر پر روانہ ہوا۔ کچھ دن بعد وہ ایک ایسی سلطنت میں جا پہنچا جہاں کے بادشاہ کی صرف ایک ہی بیٹی تھی۔ وہ بھی ایک ایسے ہی شہزادے کی تلاش میں تھا۔ وزیر نے اس بادشاہ سے ملاقات کی۔ شادی کی بات چیت پکی کی۔ منگنی کا شگن کیا اور شادی کا دن طے کر کے واپس لوٹ کر اپنے ملک پہنچا۔ آ کر بادشاہ کو تمام حال احوال کہہ سنایا۔

شہزادے نے سوچا شادی میں ابھی کچھ دیر ہے۔ کیوں نہ اپنی دلہن کو پہلے ہی جا کر دیکھ آئے تو کتنا اچھا ہو۔ چنانچہ دو چار نوکر، سامان اور خزانہ لیا، ادھر روانہ ہوا۔ بالآخر

اس بادشاہی میں جا پہنچا، جہاں کا بادشاہ اس کا سسر تھا۔ شہزادے نے تھکان اتاری، شہر گھوما پھرا اور پھر فقیرانہ بھیس بھر کر دو ایک جگہ فقیرانہ صدا لگاتے ہوئے، اسی محل کی ڈیوڑھی پر جا کر صدا دی اور کھڑا ہوگیا، جہاں اس کی دلہن تھی۔ باندی خیرات لے آئی، لیکن اس نے کہا: ''میں خیرات شہزادی کے ہاتھ سے لوں گا۔''

اسی کشاکش میں سورج غروب ہوگیا۔ سورج غروب ہونے کے بعد شہزادے نے اپنی گودڑی سے دو لعل نکالے اور اپنے سامنے رکھ کر بیٹھ گیا۔ ان لعلوں کی چمک دمک اور شعاعیں محل کے بالا خانے تک جا پہنچیں۔ شہزادی نے دیکھا تو باندی سے کہا: ''اس فقیر سے ان دونوں لعلوں کی قیمت پوچھ کر آؤ۔'' باندی نے جا کر قیمت پوچھی تو وہ بولا، ''ان کی قیمت فقط یہ ہے کہ شہزادی خود آ کر انہیں اپنے ہاتھوں سے اٹھالے۔'' باندی نے ساری بات جا کر شہزادی کو بتائی۔ شہزادی لعل دیکھ کر ان پر فدا ہوچکی تھی، سو بلا سوچے سمجھے بالا خانے سے اتر کر نیچے آ گئی۔ فقیر نے کیا کیا کہ لعلوں کے گرد ایک لکیر کھینچ دی۔ شہزادی جو آئی تو ایکدم لکیر پھلانگ کر اس نے لعل اٹھالیے۔ لیکن اٹھانے کے بعد اس کی نظر جو شہزادے پر پڑی تو دیکھا کہ یہ تو فقیری بھیس میں میرا دولہا ہے۔ پھر تو اندر جا کر وہ بڑی پچھتائی۔ وہ اس پریشانی میں مبتلا ہوگئی کہ ''اب میں اس کے سامنے ہمیشہ کے لیے شرمندہ رہوں گی۔ بہتر یہی ہوگا کہ میں بھی بھیس بدل کر، کسی صورت اس کے گوٹھ جاؤں اور اسے بھی شرمندہ کرکے آؤں۔'' اسی لیے اس نے باپ سے شکار کے بہانے اجازت لی۔ ستر سہیلیوں کے ساتھ، مردانہ بھیس بھر کر، ادھر روانہ ہوئی۔

چلتے چلتے آخر وہاں جا پہنچی اور اس شہر کے باہر تنبو لگوائے اور ہر طرف اطلاع کرادی کہ ''آج کی رات ناچ گانا ہوگا، جسے بھی سننا ہو تنبو میں آجائے۔'' یہ سن کر کئی شوقین آ پہنچے۔ شہزادہ بھی آ گیا۔ اس نے ایک باندی کو مغنیہ بنایا اور ایک تنبو میں بٹھا دیا۔ پھر اس کے ساتھ والے خیمے میں خود اچھی طرح بناؤ سنگھار کرکے بیٹھ گئی اور آدمی بھیج کر شہزادے کو اپنے پاس بلوایا۔ پھر ایک دم ہر طرف خبر کرادی کہ نرتکی کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے ناچ رنگ کی محفل کل ہوگی۔ یہ سن کر تمام لوگ چلے گئے' یہ شہزادے کی خوب آؤ بھگت کرنے میں لگ گئی اور نہایت عمدہ شاہانہ طریق سے اس کی خاطر تواضع کی۔ شہزادہ بھی اس کی صحبت اور گفتگو سے مست ہوگیا۔ کچھ دیر بعد اس نے وہیں اپنے نوکروں کو بلایا، انہیں حکم دیا کہ کتے کا پلا ذبح کرکے اس کا اور شہزادے کا کھانا تیار کریں۔ ہم دونوں ساتھ ہی کھانا کھائیں گے۔ نوکروں کو اس نے پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ ''جب تمہیں حکم ملے

تو تم کتے کے پلے کے بجائے ہرن کاٹنا۔'' خیر کھانا تیار ہوگیا اور دونوں نے ساتھ بیٹھ کر کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد اس نے نوکروں کو رازدارانہ طور پر حکم دیا کہ ''تم لوگ سارا ساز و سامان اٹھا کر روانہ ہوجاؤ، میں خود ہی آ کر تمہارے ساتھ ملوں گی۔'' اشارہ ملتے ہی نوکروں نے اپنا کام شروع کردیا۔ اب شہزادی نے شہزادے کو اندر بٹھایا، باہر سے دروازہ بند کردیا اور خود وہاں سے روانہ ہوگئی۔ بعد میں شہزادے نے بہتیرا ڈھونڈا، لیکن شہزادی اپنے سارے ساز و سامان سمیت جیسے آئی تھی، ویسی ہی واپس اپنے ملک جا پہنچی۔

کچھ عرصے بعد دونوں کی شادی ہوگئی۔ پہلی ہی رات شہزادے نے کروٹ بدلی اور غصے میں منہ سر لپیٹ کر سو رہا۔ شہزادی نے پوچھا: ''کیوں، کیا آپ ناراض ہیں؟'' اس نے جواب دیا: ''غصہ کیوں نہ آئے لوگ دو لعلوں کی خاطر لکیر پھلانگ لیتے ہیں۔'' اس پر شہزادی بولی: ''تھوڑے سے لالچ میں لوگ کتے کے پلے کا گوشت بھی کھا لیتے ہیں۔ وہ تو آخر لعل تھے۔'' یہ بات شہزادے کے دل کو لگی۔ پھر دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کھلکھلا کر ہنسنے لگے اور آپس میں سکھ چین کے ساتھ زندگی گذارنے لگے۔

☆

ضمیمہ

کہانیوں کی روایتوں کا مقام

[اس کتاب میں جو بھی کہانیاں شامل کی گئی ہیں ان کی روایات سندھ کے مختلف حصوں سے ملیں۔ ذیل میں ان حصوں اور مقامات کی تفصیل دی جارہی ہے:]

۱- گل انداز بادشاہ: (۳۷-۶۱) اس کہانی کا مدار اُتر (قنبر اور روہڑی تعلقی) اور درمیانی (ٹنڈوالہیار اور حیدرآباد (تعلقوں) سے ملی ہوئی چار روایتوں پر ہے۔ تعلقہ قنبر اور تعلقہ ٹنڈوالہیار سے روایتیں عنوان کے بغیر ملیں۔ تعلقہ روہڑی سے 'نیند نگر' کے عنوان سے اور تعلقہ حیدرآباد سے ''گل انداز بادشاہ'' کے عنوان سے ملی۔ جسے بنیادی روایت کے طور پر رکھا گیا ہے۔

۲- ''گل بادشاہ، شوق شہزادہ'': (۶۲-۶۹) اس کہانی کی روایت اُتر (تعلقہ میرپور ماتھیلو) سے ملی۔

۳- ''محمود شاہ'': (۷۰-۸۱) اس کہانی کی روایت (تعلقہ سامارو) سے ملی۔

۴- ''ڈہول شہزادہ'': (۸۲-۹۰) اس کہانی کی روایت اُتر (تعلقہ اوباوڑو) سے ملی۔

۵- ''شہزور بادشاہ'': (۹۱-۱۰۵) اس کہانی کا مدار اُتر (تعلقہ پنوعاقل)، درمیانی تعلقہ (حیدرآباد)، لاڑ (تعلقہ بدین) اور تھر (تعلقہ مٹھی) سے ملی ہوئی چار روایتوں پر ہے۔ لاڑ والی روایت ''انصاف کس کا'' کے عنوان سے، اور تھر والی روایت بغیر نام کے، ملی۔

۶- ''لال ملوک بادشاہ'': (۱۰۶-۱۱۷) اس کہانی کی روایت تھر (تعلقہ سامارو) سے ملی۔ اس کہانی کے بعض واقعات ''امیر حمزہ اور کنک رانی'' (۴۰) اور ''محمود شاہ'' (۴۰) کہانیوں کے واقعات سے ملتے ہوئے ہیں۔

۷- ''امیر حمزہ اور کنک رانی'': (۱۱۸-۱۳۵) اس کہانی کی روایت اُتر (تعلقہ اوباوڑو) سے ملی۔

۸- ''سنہری بالوں والی شہزادی'': (۱۳۶-۱۴۵) اس کہانی کی روایت لاڑ (تعلقہ بدین) سے ملی۔

۹- ''کرمان اور کوری بادشاہ'': (۱۴۶-۱۵۳) اس کہانی کی روایت لاڑ (تعلقہ گونی) سے ملی۔

۱۰- ''بھاگوان بادشاہ'': (۱۵۴-۱۵۸) اس کہانی کی روایت اُتر (تعلقہ اوباوڑو) سے ملی۔

۱۱- ''بادشاہ اور چرواہا'': (۱۵۹-۱۶۶) اس کہانی کا مدار اُتر (تعلقہ قنبر) اور درمیانی (حیدرآباد وٹنڈوالہیار تعلقی) سے ملی ہوئی تین روایتوں پر ہے۔

۱۲- ''امید بھرا بادشاہ'': (بامراد بادشاہ)، (۱۶۷-۱۷۵) اس کہانی کی روایت اُتر (تعلقہ وارہ) سے ملی۔

۱۳- ''نور شاہ بادشاہ'': (۱۷۶-۱۸۴) اس کہانی کی روایت اُتر (تعلقہ میرپورماتھیلو) سے ملی۔

۱۴- ''جمڑو بادشاہ'': (۱۸۵-۱۹۲) اس کہانی کی روایت اُتر (تعلقہ وارہ) سے ملی۔

۱۵- ''چوبول رانی'': (۱۹۳-۲۱۱) اس کہانی کی روایت درمیانی (تعلقہ حیدرآباد) سے ملی۔

۱۶- ''انبولھ رانی'': (۲۱۲-۲۲۰) اس کہانی کی روایت تھر (تعلقہ سامارو) سے ملی۔

۱۷- ''لال شہزادہ'': (۲۲۱-۲۲۶) اس کہانی کی روایت اُتر (تعلقہ میروخان) سے ملی۔

۱۸- ''کوڑھی بادشاہ'': (۲۲۷-۲۳۴) اس کہانی کی روایت اُتر (تعلقہ قنبر) سے ملی۔

۱۹- ''کدوشہزادہ'': (۲۳۵-۲۳۹) اس کہانی کی روایت درمیانی (تعلقہ حیدرآباد) سے ملی۔

۲۰- ''سورج شہزادہ اور چاند شہزادہ'': (۲۴۰-۲۴۳) اس کہانی کی روایت اُتر (تعلقہ میرپورماتھیلو) سے ملی۔

۲۱- ''شہزادہ اور فقیر'': (۲۴۴-۲۴۹) اس کہانی کا مدار اُتر (تعلقہ میرپورماتھیلو) اور لاڑ (تعلقہ بدین) سے ملی دو روایتوں پر ہے۔

۲۲- ''فقیر اور شہزادی'': (۲۵۰-۲۵۳) اس کہانی کی روایت اُتر (تعلقہ شہدادکوٹ) سے ملی۔

۲۳- ''افیمی بادشاہ'': (۲۵۴-۲۵۵) اس کہانی کی روایت درمیانی (تعلقہ کوٹری) سے ملی۔

۲۴- ''سیانا بادشاہ'': (۲۵۶-۲۵۸) اس کہانی کی روایت تھر (تعلقہ چھاچھرو) سے بلاعنوان ملی۔

۲۵- ''ولایت شاہ'': (۲۵۹-۲۶۲) اس کہانی کی روایت لاڑ (تعلقہ ٹھٹھہ) سے ملی۔

۲۶- ''سورم راجا اور بیکھٹ راجا'': (۲۶۳-۲۸۰) اس کہانی کی روایت تھر (تعلقہ سامارو) سے ملی۔

۲۷- ''شاہ بھی ہو تو چکّی پیسے'': (۲۸۱-۲۹۱) اس کہانی کا مدار درمیانی (تعلقہ شہدادپور) اور لاڑ (تعلقہ بدین) سے ملی دو روایتوں پر ہے۔ لاڑ والی روایت ''بادشاہ نے چکی پیسی'' کے عنوان سے ملی۔ درمیانی والی روایت کو بنیادی قرار دیا گیا ہے۔

۲۸- ''لعل بادشاہ اور ہیرا رانی'': (۲۹۲-۲۹۷) اس کہانی کی روایت اُتر (تعلقہ گھکڑ) سے ملی۔

۲۹- ''شہزادہ لال ملوک'': (۲۹۸-۳۱۱) اس کہانی کا مدار اُتر (تعلقہ وارہ)، درمیانی (تعلقہ حیدرآباد) اور لاڑ (تعلقہ ٹھٹھہ) سے حاصل شدہ تین روایتوں پر ہے۔ اُتر والی روایت ''لال بادشاہ'' کے نام سے، درمیانی والی روایت، ''لال ملوک بادشاہ'' کے نام سے، اورلاڑ والی روایت بغیر نام کے ملی۔ درمیانی والی روایت کو بنیادی قرار دیا گیا ہے۔

۳۰- ''گنگل رانی'': (۳۱۲- ۳۱۵) اس کہانی کی روایت اُتر (تعلقہ لاڑکانہ) سے ملی۔

۳۱- ''غیبی رانی'': (۳۱۶- ۳۲۰) اس کہانی کی روایت درمیانی (تعلقہ شہدادپور) سے ملی۔

۳۲- ''شہزادہ تاج الملوک'': (۳۲۱-۳۳۱) اس کہانی کی روایت درمیانی (تعلقہ شہدادپور) سے ملی۔

۳۳- ''شہزادہ ساعت ملوک'': (۳۳۲- ۳۴۵) اس کہانی کی روایت درمیانی (تعلقہ شہدادپور) سے ملی۔

۳۴- ''گنجا فقیر اور گلشن شہزادی'': (۳۴۶-۳۵۰) اس کہانی کی روایت اُتر (تعلقہ شکارپور) سے ملی۔

۳۵- ''عقلمند شہزادہ'': (۳۵۱-۳۵۶) اس کہانی کی روایت اُتر (تعلقہ اوباوڑو) سے ملی۔

۳۶- ''شیر مار شہزادہ'': (۳۵۷-۳۶۱) اس کہانی کی روایت درمیانی (تعلقہ نوشہرو) سے ملی۔

۳۷- ''دھتکارا ہوا شہزادہ'': (۳۶۲-۳۶۶) اس کہانی کی روایت اُتر (تعلقہ قنبر) سے ملی۔

۳۸- ''شہزادہ لعل اور شہزادی لعلان'': (۳۶۷-۳۷۰) اس کی روایت اُتر (تعلقہ میرپور ماتھیلو) سے ملی۔

۳۹- ''شہزادہ اور شہزادی'': (۳۷۱-۳۷۳) اس کہانی کی روایت درمیانی (تعلقہ شہدادپور) سے ملی۔

demon, takes pity upon the princess and gives back Prince Ruby to her in the absence of the Demon. Again, Prince Ruby goes out for hunting with his father-in-law and again the demon carries him away. The fairy again takes pity on Princess Ruby and sets him free for the second time.

Thereafter, Prince Ruby returns to his own country with his wife and they live there happily.

39. The Prince and the Princess (pp. 371-373): A king's only son is engaged to a princess. The prince wants to see his fiancee before marriage and comes to her palace disguised as a beggar and asks for charity. He insists that he would take alms only from the princess, but she refuses to come out. He then stays there, and in the evening places two bright rubies on the ground and draws a circle around them. Seeing the radiant light of the rubies the princess comes out, enters the circle and takes them away. But when she come to know that the beggar is actually her would-be husband, she is ashamed of her action and resolves to put her husband to shame in turn.

he goes with her maid servants to the prince's town in the guise of dancing party. The prince sees her and falls in love with her. At the time of meals she tells him that the meat he is eating, is of a dog, but the prince continues to eat as he is in love with her. Thereafter, she returns to her home secretly.

When they are married, the prince reproaches her for her bad manners whereupon she also reminds him of the dog's meat and the prince is ashamed of his own manners. Thereafter, both of them continue to live happily.

her: But when the prince falls asleep, the demon takes away the drum and the princess.

The prince then breaks open the second room and finds a hand-kerchief from which jewels fall when he swings it. He then goes in search of his wife and finds her, but she manages to secure the hand kerchief from him and turns him out of her house.

The prince then breaks open the third room and finds a cap. As he wears it he becomes invisible. He again goes to his wife but she snatches the cap from him as well. The prince then returns disappointed and wanders in the country.

Once he eats fruit of a tree and is transformed into a goat. Then by eating the fruit of another tree he comes back to his human form. He again goes to his wife who is ill. He pretends to be a physician and gives her another fruit by which she regains her human form. He repeats this several times and finally she repents and promises to be faithful to him. He then takes his mother and goes back to his original home. He gives the fruit to his step-mother and the shepherd and both of them turn into goats. Thus, he gets back his kingdom and lives happily.

38. Prince Ruby and Princess Ruby (pp. 367-370): Prince Ruby requests his father to marry him to Princess Ruby. The king refuses the request because she lives far away. Prince Ruby sets out along, and after a long search finds Princess Ruby and marries her.

Once Prince Ruby goes out hunting with his father-in-law who follows a game and leaves him under the shade of tree from where a demon carries him away. The king returns home and tells his daughter what had happened.

Princess Ruby then goes to that tree where she meets a fairy and seeks her help. The fairy who is wife of the

Once he takes his wife to visit her parents. On the way a lion attacks them but the prince cuts it into two halves with one blow of his sword. When they reach the princess's parents she tells them that her husband is an extra ordinary man.

Her father, in order to climinate him, sends Prince Lion-Killer, for hunting in a area inhabited by a dangerous dragon. In the mean while the king arranges for her marriage with another man who is so ugly and coward that she dislikes him. She leaves the palace secretly to meet her husband in the wood s.

When she reaches there and finds the dragon killed and her husband standing by she informs him what she had told her parents and what they wanted to do. The prince says that he had heard about this dragon and had vowed that he would not touch a woman until he killed the dragon. Then both of them return to their own kingdom and live there in peace and pleasure.

37. Prince Bewildered (pp. 362-366): A king dies leaving a son and a daughter from his two wives. His ministers enthrone a shepherd as a regent to the young prince. The shepherd marries the step-mother of the prince and exiles him and the queen mother. They take refuge with an old woman and her three wood-cutter sons.

When the prince grows up, he goes to cut wood to earn his living. One day, he finds three locked rooms in the jungle. He breads open the look of one and finds a drum in it. As he beats the drum, a demon arrives at once and says, "My life depends upon the safety of the drum. I am slave of a princess but I would do whatever you command". The prince commands him to bring the princess which the demon does, and the prince marries

alive due to the jealousy of his step-mother. in the morning, Bald-head took the baby to the king who rewarded him with abundant wealth.

He then returns to his original home with all the wealth and the fairy. Here he finds his wife living in a beautiful palace instead of the hut. She informs him that the pomegranates were full of pearls with which she built the palace. She then permits him to marry the fairy. When her father comes to know about their fortune, he makes amends for his past deed and asks his daughter to forgive him.

35. **Prince Wise** (pp. 351-356): A king has seven sons, the youngest of whom is called Prince Wise. Once, all the seven go out hunting and cross the border of their country. They reach a palace where seven beautiful sisters meet them and they marry them.

The younger girl and Prince Wise are very fond of each other. She tells him that all the seven sisters are witches, and, as a rule, they would eat way all the seven brothers after they have spent some days. She then tells him how to run away.

The next morning Prince Wise informs his brothers and all of them flee back to their country. Prince Wise is so much in love with his wife that he again sets out on a journey to meet her. His eldest brother also accompanies him.

They halt at a place and Prince Wise finds a beautiful girl in a well with a demon sleeping in her lap. He takes the girl away, marries her and abandons the idea to his witch wife.

36. **Prince Lion - Killer** (pp. 357-361): A king marries his daughter to a prince, who keeps away from his bird after the marriage.

the cousin of Gulan Pari who is also imprisoned by a demon. He beats the demon with the cudgel until he gives him one hundred buffaloes. He then kills the demon, takes the fairy back to his palace, and delivers the buffaloes to the princes.

The princess finally marries Sa'at Muluk and when her father dies, Sa'at Muluk becomes the king. Then he and his first wife along with others return to her father, the king, and inform him of their adventures and fortuitous circumstances. The king repents for what the had done and requests his daughter to forgive him.

34. **Ganjo Faqir and Princess Gulshan** (pp. 346-350): A king refuses to marry his two daughters to any one. Princess Gulshan, the younger one, requests him for her marriage and the king in his wrath marries her to an ugly old Ganjo Faqir (**Blad**-head Beggar) and turns her out of the palace.

She goes and lives with her husband in a hut. After some time the beggar enters the service of a merchant, gets six months salary in advance which he gives to his wife, and goes with the merchant on a business trip.

At a halting place, Bald-Head goes to fetch water from a well, and finds a fairy in his bucket who is imprisoned by her angry father. The fairy presents him two pomegranates, and asks him to marry her. He promises to do so after getting consent from his first wife to whom he sends these pomegranates.

The merchant proceeds further and they halt near a town. Bald-head goes to see the town, loses his way in the woods and passes the night there. He sees some persons burying a box, and when they leave, the digs out the box and finds a beautiful baby sleeping in it. The baby was the only son born to the king of that country and was buried

and presents it to the princess who insists that the minister should bring one more such ruby for her. The minister comes to Sa'at Muluk and requests him for another stone, but his wife refuses to give it to the minister.

Sa'at Muluk then sets out alone for the same stream to fetch more stones, and reaching the streams he goes further up to see from where the rubies came. He reaches a palace in which he sees a woman hanging upside down in a well. Drops of her blood falling into the water below change into rubies. He touches the side of the well and she comes back to life and informs him that she has been imprisoned by a demon. Soon the demon arrives and Sa'at Muluk kills him. He then takes the woman as his wife, returns to his palace and gives a stone for the princess who again asks for another ruby.

His second wife then tells him that he would get the ruby from "Moti Jan Fairy", and tells him how to reach there. He sets out and meets three derweshes. One of them gives him a cudgel which automatically beats any one when ordered; another presents him a cooking vessel from which an unlimited number of persons could be fed, and the third one gives him an udand-khatoli (flying cot). He takes them and reaches the place where Moti Jan fairies imprisoned by a demon. He kills the demon with the cudgel and returns with Moti Jan who gives him rubies for the princess.

The princess then asks for a suit of flower-clothe. Moti Jan guides "Sa'at Muluk how to et them from Gulan Pari come to take bath with her friends, and Sa'at Muluk steals her flower-clothes. She entreats him to give back her clothes but he refuses to do so. Finally he takes her to his own palace and delivers the clothes to the princess.

The princess then demands one hundred she-buffaloes of the same colour and age. Sa'at Muluk goes to

the demon. Taj-ul-Muluk kills the demon and marries the princess.

After some time he goes away with his wife to settle down in another country because she is disgusted with her two step-mothers. They come to the town and Taj-ul-Muluk becomes a guard of the king's palace. He works so honestly that the king makes him his Prime Minister. Another minister then conspires against Taj-ul-Muluk and he is about to be executed but is saved by the sagacity of his wife. The king forgives him and keeps him as his Prime Minister.

Thereafter, Taj-ul-Muluk returns to his own country, meets his father and exposes his step-mothers. The king sends them both into exile and lives with his son and his family in peace and prosperity.

33. Prince Sa'at Muluk (pp. 332-345): A king marries his daughter to a paralytic and sends her into exile, because she would always say that every one lives on his own fortune.

She departs carrying her paralytic husband on her back, and becoming extremely tired halts at a ruined place where she falls asleep. In the meanwhile, her hungry husband eats the leaves of a flower and is cured of his illness. Then they proceed further and halt on the bank of a stream. Her husband takes bath and picks up stones from the bottom of the stream. His wife recognizes them to be the rubies. They take the stones with them, sell a few in a town, buy a beautiful palace and settle down there. She now calls her husband Sa'at Muluk (The Lucky One).

Sa'at Muluk, who does not actually know that the stones are rubies, takes a few of them and uses them as dices while playing with some friends. The king's minister passes by and seeing the rubies takes one of them from him

grows up, the king of the country falls in love with her and marries her.

The king passes all of his time with the new queen. Therefore, his first two wives conspire to get her out of their way. They send a dhooti (an evil woman) to find out who she is. The evil woman comes to know that the new queen's life depends upon a pearl in her necklace which she (the evil woman) manages to take into her own custody, and then delivers it to the first two queens who wrap it up in an old blanket and throw it in some corner. The young queen, who is now pregnant, feels suffocated and tells the king that when she is dead, he should keep her dead body safely in a room, instead of burying her.

Soon after, she dies of suffocation and the king places her body in a room. It is the custom of the queens to take out the necklace at night, and again wrap it during the day time. So the young queen becomes alive at night and remains dead during the day. After some time she gives birth to a son and nourishes him during nights.

Once the king ·omes to the room and finds a baby playing beside the queen's body. He is amazed and passes the whole day there. When the sun sets, the queen comes back to life and tells the king what has been done to her. The king secures the necklace and gives it back to her. Thus, she is restored to normal life again. The king then divorces the first two wives and lives with the young queen and the prince in peace.

32. Prince Taj-ul-Muluk (pp. 321-331): A king sends his son, Taj-ul-Muluk (Crown of the Kings) into exile, due to the conspiracy of his two wives, the Prince's step-mothers. Taj-ul-Muluk arrives in a kingdom where a demon eats up a man daily. The king had announces that he would give his daughter in marriage to one who killed

express their ignorance and she goes away. They then persuade Lal Maluk to tell them his caste. He takes them to the bank of the river, dives into the water and goes away swimming as a snake.

His first wife after a long search meets a snake which is actually Lal Maluk who tells her to play the drum before his spiritual guide at a certain place, and when he is pleased, request him to give her the hand of Lal Maluk. She goes to that place and acts accordingly. The spiritual guide of Lal Maluk becomes pleased with her art and allows Lal Maluk to go with her in human form.

30. **Queen Gangul** (pp. 312-315): The seven sons of a king marry seven princesses. The eldest princess, though very beautiful, is deaf and dumb. Her husband dislikes her and wants to leave her. His mother-in-law says, "Why do you hate my daughter? Except Queen Gangul, none else is more beautiful in the world than my daughter". Hearing this, the prince makes up his mind to marry Queen Gangul.

He sets out in search of Queen Gangul and meets a demon who sends him to another demon to show him the way to Queen Gangul. The second demon sends him to a third one and in this way he comes to the seventh demon who finally tells him to dive into a certain well, search for an egg, take it to his own home and break it there, and then Queen Gangul would come out of it. The prince goes to the well, dives into it, finds the egg, returns to his palace, breaks the egg and Queen Gangul comes out of it. He marries her and lives in peace with both of his wives.

31. **The Ghaibi (Unseen) Queen:** (pp. 316-320): A farmer finds a beautiful girl from inside a water melon. He and his wife bring her up as their own child. When she

The jeweler sells the necklace to the queen, and it is transformed there, into a beautiful baby boy. As the king and the queen had no issue, they adopt him as their own son and call him Lal Maluk.

When Lal Maluk grows up, the king sends his vezier to find a worthy bride for him. The minister sets out in his quest and engages the prince with a beautiiul princess. In the mean while the king dies and Lal Maluk is crowned as king by the people.

One day a derwesh informs him that the vezier has rebelled and wants to usurp the throne and marry Lal Maluk's fiancee to his own son. Lal Maluk at once leaves his capital, comes to his fiancee's town, sends her his picture informing her of the dishonesty of the vezier. Learning this, the princess joins him and they both hasten back to the capital.

After a long journey they halt at a place for rest. Prince Lal Maluk goes to the town to buy food, leaving behind the Princess disguised in man's attire. In the town, an evil woman ties a thread around his neck and he is transformed into a lamb.

His wife dressed as a man sets out to find him, joins in a feat of arms and surpasses others in shooting her arrow to reach the king's palace. The king marries her daughter to him (her) on his achievement. But the minister doubts whether he (she) is actually a man. After many tests the minister fails to prove his point, and engages his own daughter to him (her) to find out the truth.

In the mean while, she purchases the lamb, takes off the thread from its neck, and Lal Maluk comes back to his human form ...... then informs him of the situation she is in, and he is married to the minister's daughter instead of her.

There after, his real mother (snake) comes, in human form, to his wives and asks the caste of Lal Maluk. They

The jealous one-eyed woman plots against Prince Lal. She induces Princess Hira to ask Prince Lal his caste. Princess Hira inquires from Prince Lal who avoids to answer her question several times, but she insists upon getting an answer. Finally he takes her the bank of a river, dives into the water, re-appears as a snake and swims away. She regrets her mistake and laments his departure.

A fairy friend of Princess Hira comes to know about it and tells her that Prince Lal is the son of the king of Snakes and as he was not on good terms with his father, he ran away and adopted the human form. His father is very fond of music and dance and listens to musicians every Friday night in human form. If she would visit his father and sing and dance before him and if he is pleased with her art, he would grant her anything she asks. She should then ask for Prince Lal.

Accordingly, she goes to the King of Snakes, sings and dances for three Friday nights and requests the king that the prince may be returned to her. The king finally grants her request, Prince Lal takes human form, and both the lovers go back to their original place and live together happily.

29. Prince Lal Maluk (pp. 298-311): A poor wood-cutter sets out with some friends to seek livelihood in some other country. One night while on the way, he puts his bag upon a bush and falls asleep. When he wakes up, he finds that his friends have departed and a snake has crept into his bag. He returns home with the bag and shuts up the snake in the flour pot so that when his quarrel some wife puts her hand in it, she is bitten by the snake and he gets rid of her. But when his wife puts her hand into the pot, she finds a beautiful necklace. She sells it to a jeweler and gets an enormous sum of money which makes their living comfortable.

ground of the king and settles down there. The king chasing a deer loses his way, comes to her house and asks for water. She meets him in disguise and acts so gracefully that the king falls in love with her. Thereafter he continues to visit her and she becomes pregnant.

She then leaves that place, returns to her palace and gives birth to a son. When the boy grows up, she by his help harasses the king, his minister and soldiers several times. Finally, she purchases a house in the street through which the king usually passes.

Once on a dark night, her son wears the clothes of a girl and grinds the grain. When the king passes by that house, the boy cries for help. The boy pretends that a man is around to outrage her modesty. The king in order to capture the notorious character wears the clothes of the boy and sits to grind the stone. At this moment his wife appears on the scene and informs the king of what she has done to him. The king feels ashamed and is pleased to see his son.

28. **Prince Lal and Princess Hira** (pp. 292-297): A wood cutter is once attacked by a snake and throws his burden of wood upon it. Then, instead of snake the wood-cutter finds a ruby under the wood. His wife sells the ruby to the queen, and there the ruby is transformed into a beautiful boy: As the king and the queen have no issue, they adopt him as their son and call him "Lal" (ruby).

When Prince Lal grows up, he vows to marry a woman as beautiful as he is and rejects the offer of several princesses. There upon a one-eyed woman in order to tease him says that Prince Lal would marry none else than Princess Hira. Hearing this, Prince Lal falls in love with Princess Hira who at the other end also makes up her mind to marry Prince Lal. Finally, both of them meet and get married.

26. Raja Suram and Raja Bekhat (pp. 263-280): A king and queen died leaving their infant prince with his step-mother. When the boy grew up she exiled him and he took refuge with Raja Suram. A Raja named Bekhat, in order to test the wisdom of Raja Suram, sent him three riddles to solve but no one could explain them. Finally, the young Prince gave Raja Suram the correct solutions.

Then Raja Bekhat challenged Raja Suram to come and take away a golden brick and a candle buried under his cot. The youth undertook accomplish this, where upon Raja Suram accepted the challenge. The youth reached Raja Bekhat's town and succeeded in taking away the candle and the brick by deceiving the watchmen. When Raja Bekhat came to know that it was the youth's wisdom and shrewdness, he summoned him to his court and gave his daughter to him in marriage. As Raja Suram had no male issue, he also married his daughter to the youth. After the demise of Suram and Bekhat, the youth became the king of both the States.

Due to the bad administration of his step-mother, an enemy had attacked and defeated her. She ran away and took refuge in Raja Suram's Capital. When the young king learnt this, he set out to his father's kingdom, killed the usurper and freed the country. He then forgave his step-mother and lived the rest of his life in peace and prosperity.

27. Shahinshah be Jandan Mare (The Greatest King Grinds Grain) (pp. 281-291): A king once hears a girl saying to her sister. "If the king marries me I will make him grind grain". The king marries her and insists that she should fulfill what she had said to her sister.

To achieve this, she manages to reach the hunting

the landed property. The brothers were satisfied, but also amazed at the king's wisdom. They informed him of what they had heard, and asked for an explanation. The king replied: "The prince wants to marry but I want him to acquire knowledge and complete his education first. Therefore, he thinks that I am insane. The princess is grown up and she thinks I do not know about it but I am in search of a groom worthy of her. Being busy with the affairs of the State I have not been able to see the queen for the whole year, hence, I am dead for her."

25. **Vilayat Shah** (pp. 259-262): A king sends his queen into exile due to a petty quarrel, while she is pregnant. She takes refuge with a king and there gives birth to a son whom she names "Vilayat Shah". The king's minister falls in love with Vilayat Shah's mother and conspires to get Vilayat Shah out of his way.

Once he takes Vilayat Shah on a journey. Vilayat Shah finds a dice in a well and delivers it to the minister, who presents it to the queen. She insists that the minister should bring seven more dices for her girl friends.

The minister again sets out with Vilayat Shah, an when they reach the same place Vilayat Shah goes down into the well, and finds a beautiful lady who is imprisoned by a demon. He kills the demon, takes with himself the demon's riches together with dices and also the lady. The minister usurps all the things, takes away the lady, and throws Vilayat Shah into the well.

At last Vilayat Shah is rescued by some nomads. He goes back to the king, and exposes the minister who is executed by the king's orders. Vilayat Shah then marries the lady. His father also realizes his mistake, comes to Vilayat Shah and his mother, and takes them back to his own kingdom.

23. King Opium Eater (pp. 254-255): A king was addict to opium. His minister said, "An opium eater cannot differentiate between a friend and a foe". The king did not agree with him and the minister promised to prove it.

Once the king went out hunting. He chased a deer, caught it but lost his way. He took rest under the shade of a tree, and being very thirsty, collected a few drops of water falling from above in a leaf in order to drink it. As the king was about to drink water, his parrot turned the leaf upside down. In his wrath the king at once killed the parrot. At that time, the minister also arrived. He found that it was not water, but poison drops falling from the mouth of a dead dragon lying on the tree. Learning this, the king admitted his folly and repented. Thus, the minister proved his statement to be true and the king gave up opium eating for ever.

24. A Wise King (pp. 256-258): A rich man on his death bed told his four sons to dig the ground under his cot and share the buried wealth. After his death, the sons started digging. One of them found a vessel full of jewels and pearls, another a vessel full of gold and silver, the third one a vessel full of bones, and the fourth a vessel full of dust. The last two quarreled with the first two to divide the riches equally amongst them. All the four then set out to place their case before the king. On their way, they met the prince who told them that the king was insane, the princess said he was blind and the queen informed them that the king died over a year ago.

When, the came to the court they found the king safe and sound. The king decided that the son who had the vessel full of bones was to be the owner of the cattle left by his father, and the one with the vessel of dust was to hold

Prince Sun finding the ring getting rusted, set out to help his brother. He found him, gambled with the women, won the game, and rescued Prince Moon. Both the brothers then returned to their kingdom.

21. The Prince and the Darwesh (pp. 244-249): A king having no issue seeks blessings of a derwesh who takes promise from him that when sons are born to him he would give one of them to him. then seven sons are born to the king, but he is unwilling to give away a son to the derwesh, who finally steals away one of them.

When the Prince grows up, he kills the derwesh, finds a pearl in his house and runs away with it. On the way, kites inform him that if he put the pearl in his mouth he would be transformed to whatever shape he liked.

After sometime, rain falls over the dead body of the derwesh who comes back to life, sets out in search of the Prince and finds him. Both of them change their forms several times and fight with each other. Finally the Prince defeats the derwesh, breaks his neck, marries a princess and comes back to his own country.

22. The Beggar and the Princess (pp. 250-253): The son of a beggar falls in love with a princess. The king promises to marry her to the boy provided he demonstrates something wonderful to him.

The boy sets out to prepare himself, meets a magician and learns magic from him for one year. The magician wanted to kill him in the end, but the boy is saved by the magician follow him. Both of them compete in the presence of the king. Finally the boy defeats the magician, kills him and marries the princess by having demonstrated his magic skill.

threw it. So she let it remain with her. As Pumpkin grew up, it used to go out with the cattle and do other household work.

Once it went for a bath and when it took of its outer skin, it turned into a very beautiful boy. A princess saw him and fell in love with him. She persistently told her father that she would marry none else but Pumpkin and requested him to allow the marriage. The king married her to Pumpkin with grief and sorrow. While all alone with his wife, Pumpkin used to take off its skin and turn into a handsome prince. None but the princess knew the secret.

Once the king was threatened by an enemy and he sent Pumpkin with an army to fight. Pumpkin defeated the adversary and returned victorious. The princess, thereafter, burnt the outer skin of her husband while he was asleep. When he woke up and came to know what she had done, he became very angry, transformed himself into a pigeon and flew away leaving the princess in a miserable condition.

20. Prince Sun and Prince Moon (pp. 240-243): A king had two sons, called Sun and Moon. The magician by whose charms both were born, took away Prince Moon. At the time of departure, Prince Moon gave a ring to his brother saying "When this ring is rusted, I will be in danger".

Prince Moon finally killed the magician and came to a town where a princess fell in love with him. She forbade him to go in the fourth direction of the country. For some time Prince Moon went in three directions only, but one day he set out in the forbidden direction, where he was captured by two evil women.

He gambled with them, lost the game and was imprisoned by them.

know the trick played on her, she runs away with Prince Lal and returns to her father, the King, who treats them well, entrusts his kingdom to Prince Lal, and retires.

After some time Prince Lal comes back to his father, exposes his step-mother, and she is condemned to death.

18. **Korihiyo Baadshah (The Leper King)** (pp. 227-234): A king suffers from leprosy, and is sick of his life. His parrot takes pity upon him and sets out to seek a cure for him.

After flying for several days the parrot is endangered by heavy rain and storm. He hastens to a hole for shelter, but there a maina bird refuses to take him in unless he marries her daughter. The parrot promises to marry her daughter after he has found the medicine for the king. The maina says that the king would be cured by taking bath in the water of Mar flower, She then goes in search of Mar flower and brings it with her. The parrot flies back with the flower without fulfill in the promise. The king takes bath in the water of Mar flower and is cured.

The maina follows the parrot, finds it with the king and complains against him. The parrot tells a story to prove that females are unfaithful. The maina relates another story to refuse the parrot's statement. The king decides against the maina and she goes away disappointed.

19. **Prince Kaddu (Pumpkin)** (pp. 235-239): Once while walking on the banks of a river, a princess found a beautiful flower. She swallowed it and became pregnant. When her father came to know about it, he sent her into exile. She took refuge with an old man and his wife.

There she gave birth to a Pumpkin and threw it away in disgust. But Pumpkin returned to her every time she

The prince set out to marry Princess Unbolh and after a toil - some journey he reached her palace. She put the condition that she would marry the person who would make her talk, and in case he failed, he will have to live as a slave. The prince tried his luck, but failed to make her talk and was made a slave.

After waiting for a long time, Kasumba set out herself in the guise of a man, reached the town of Princess Unbolh, where a Yogi gave her some dust to rub on the finger of Unbolh to make her talk. Taking up the challenge, Kasumba went to Unbolh and tried to make her talk but she kept mum. Kasumba then rubbed the dust upon her finger and Unbolh at once began to converse with Kasumba. Both of them got "married", and after some time they set out for the bridegroom's own country together with the slaves. When they arrived there, Kasumba went out to welcome Unbolh, and then informed his son what Kasumba had done. The prince was ashamed of himself and asked Kasumba to forgive him.

17. Prince Lal (pp. 221-226): Prince Lal's mother at the time of her death makes her husband promise not to marry another woman after her death. For some time the king keeps his promise, but at the persuasions of his ministers and courtiers he marries again. The step-mother of Prince Lal so conspires against him that the king orders his men to kill him and bring his eyes to the queen. The executioners take pity on him, kill a deer instead and take its eyes to the queen and let the prince go his own way.

By chance a royal marriage procession passes by, and as the groom is one-eyed and ugly, Prince Lal is hired to be the groom for the wedding night. After the marriage, when the party is on their way back, Prince Lal is offered some money and is asked to leave, but when the bride comes to

All of them reached Princess Chao-bol's town and the king informed her father about his intention. But he would give her hand to one who would make her talk for times. The four friends who knew magic, told the king that one of them would enter into the necklace of the princess, the other into the pillow, the third into the candle and the fourth into the pillar, and thus help him to make the princess talk. The necklace related a story and the king's decision about some of the points. The king gave his decision but as Chao-bol held a different view she gave her own decision. In the same way the candle, the pillow and the pillar related their own stories one by one and asked for the king's decision, but the princess gave her own decision each time. So Princess Chao-bol talked for times and was iven in marriage to the king.

16. Unbolh Rani (Queen Mum) (pp. 212-220): Two birds nest in a tree which catches fire. The male bird flies away but the female remains with her young ones. The fire is extinguished by chance and she is saved. Then the male bird returns to the nest but she refuses him admission. Both of them quarrel each claiming the young ones, and go to the king who gives the young ones to the father. The female bird goes away disappointed, dies in separation, and is reborn in the of a Hindu who calls her Kasumba.

A colt is born to the king's mare from the horse belonging to Kasumba's father. She tells him not to return the colt to the king because according to the king's own judgment children belong to the father, as the king had decided in case of the birds. The planned to marry Kasumba and then divorce her. The marriage took place and, there after, when the prince told Kasumba that the was going to divorce her, she replied, "Divorce me in case you succeed to marry Princess Unbolh".

other place and asked the king to look after its family. There after the king went to the snake's place and finding its wife sleeping with another snake, he attacked the intruder. The snake escaped, but the wife's tale was cut off. When the husband snake came back, its wife told him that the king wanted to outrage her modesty and on her resistance, he cut off her tale. Her snake-friend also gave the same account. The husband snake got furious and determined to take revenge from the king.

The snake went to the king's palace to kill him. There he heard the ministers asking the king why he was always sorrowful and the king relating what he had seen at the snake's house. The snake realised the conspiracy between his wife and the other snake, asked the king's pardon, and in gratitude gave a manu to him where by the king was able to understand the condition of a dying person and also the language of birds and animals. But the snake asked the king not to tell any one about these qualities of the manu.

Once a cobbler died and the king knowing his condition was very much grieved. After a few days the queen's father died but the king laughed at his death. The queen got very angry and insisted upon knowing why the king was full of sorrow for the cobbler and laughed at her father's death. The king was about to give in when he heard a he-goat saying to a she-goat: "If you don't want to be mine, I am not stupid like the king who gives in to his wife. I would at once leave you and find as many she-goats as I like". The king brought that goat to the palace and became firm with the queen.

One dark night a group of four friends came to the king's capital. Feeling very hungry they slaughtered the goat and ate it up. The king became so angry that he wanted to execute them, but they promised to help him to marry Princess Chaobol.

comes back to his homeland, tells the king (his father) the whole story, and the king exiles both the women. King Noor Shah lives the rest of his life in peace together with his son and wife.

14. Jumrro Badshah (pp. 185-192): It was the habit of King Jumrro to marry a woman one day and kill her the next day. Once, while going to marry a woman he heard a girl saying to her elder sister: "If King Jumrro marries me, I will hang my shoes in his ears". The king married her in order to punish her. The next day, he was about to kill her when she said: "If you kill me, people will ...... you a coward; first marry Chao-bol Rani (Sweet-talking Queen) .... then do with me whatever you like."

King Jumrro, then see out to marry Chao-bol Rani, reached her town, but could not fulfill the four conditions put forth by her and was enslaved. His wife, disguised as a prince, went after him, fulfilled Chao-bol Rani's conditions, "married" her and made her own husband her personal servant.

After some time, she set out for her home together with her husband and Chao-Bol Rani. While on the way, one cold night, she hung her shoes in her husband's ears to keep them warm and also branded him with her ring.

There after she presented Chao-bol Rani to him, departed from him and came to her palace before her husband's arrival. King Jumrro after reaching his palace with Chao-bol Rani, came with his sword to kill his wife but she informed him of what she had done to him. He was much ashamed, asked her pardon, and decided to live with both of his wives peacefully.

15. Princess Chaobol (pp. 193-211): A kind had friendship with a snake. Once the snake set out for some

turns into a flower. The king is deceived and is married to the evil woman's daughter.

After some time, the flower becomes a rose bush giving sweet fragrance. The king daily sits under the bush, and preserves the flowers falling from the bush in his pocket without smelling them. His wife (evil woman's daughter) fears that Neena Bai is alive in the shape of the rose bush which the king likes so much. She manages to get it up rooted. The king's shepherd takes away the withered bush to burn it. His wife finds one fresh flower in it, and when she smells the flower it transforms into a beautiful girl." Perchance the king sees her and recognizes her. She tells the king what his wife and mother-in-law did. Both women are condemned to death, and King Hopeful marries Neena Bai.

13. Noor Shah Badshah (pp. 176-184): Prince Noor Shah, the only son of a king, once goes out hunting with his minister and hears three women talking to one another. One says, "I will feed the whole house-hold of the person who marries me, from only a quarter weight of flour". Another says, "He who marries me I will supply cloth needed for his house-hold.from only a seer (two lbs.) of thread". The third one says, "He who marries me I will bear him a very beautiful son".

Prince Noor Shah marries all the three. The first two fulfill their promise, and the third one also gives birth to a beautiful son, but the baby is thrown away through the jealousy and conspiracy of the other two wives. Noor Shah is beguiled by them and he makes the baby's mother his maid-servant.

Thrice the two women try to kill the baby but he is saved. Then a shepherd finds him and brings him up. When he attains youth, he marries a beautiful princess,

Due to separation the prince becomes love sick and the king blames the shepherd for this. Coming to know the real cause, the king allows the prince to seek his love but no one is able to solve the riddle. Finally the shepherd is called and he explains the riddle and accompanies the prince to seek the princess.

After a long search they meet the princess, who is already in love with the prince, and agrees to marry and accompany him. The shepherd hears a magician woman telling her servant that the prince would be threatened by death at least three times, but if the person who saves him reveals the secret, he would be transformed into a stone slab. He will come back to life if the blood of the prince's son is sprinkled on the stone.

On their return journey, the shepherd saves the princes who insists to know the secret. The shepherd has to tell it and is transformed into a stone. Both the prince and the princess become grieved. After some time, she gives birth to a son whose blood is sprinkled over the stone and the shepherd comes back to life again.

12. Umedun Bharyo Badshah (King Hopeful) (pp. 167-175): The ugly queen of King Hopeful daily asks her parrot whether there is any woman more beautiful than she. To please her, the parrot's answer is always "No". But one day being fed up with her questions, it says "Neena Bai" is the most beautiful woman that ever lived in the world. King Hopeful hears this and sets out with the parrot to seek "Neena Bai".

After a long journey they reach her palace. King Hopeful sees her and both of them fall in love with each other. The king brings her to his own kingdom, leaves her in the garden and goes.................

palace to make arrangements for the marriage. In the meanwhile an evil woman throws her into a well and she

10. King Bhagwand (pp. 154-158): King Bhagwand (Lucky) while chasing a deer loses his way in a forest. He reaches a lake and lives there for some days but finally finds his way to a town. He catches a deer and takes it to the town to sell it and buy food and clothes. As he enters the town, a carpenter calls him "friend", and he gives away the deer to him gratis. The carpenter promises to help him when needed. Successively for three days, he gives away three deers to a derwesh, a merchant and the prince of that place who all promise to hell him in need.

After some time King Bhagwand is accused of murder and is ordered to be executed. The four friends come to see him in the prison and promise to help him. As they talk, the king of that town hears their conversation in hiding. The carpenter says, "If the king does not set you free, I will destroy his palace by taking out a chip from the pillar on which it rests". The derwesh says, "If you are not freed, I will destroy this kingdom by curse". The merchant says, "I will offer two fine horses and even my wife with whom the king is in love to ransom you". The prince says, "If you are executed I will revolt against my father".

The next day all the four of them request and threaten the king to set King Bhagwand free. As the king is already aware of their conspiracy he sets Bhagwand free, gives him his daughter in marriage and finally Bhagwand returns to his own kingdom.

11. The King and the Shepherd (pp. 159-166): A King's only son continues to be in friendship with a shepherd against the wishes of his father. Once both the friends see a princess in a boat, and the prince and the princess fall in love with each other. The princess sails away giving the prince hints of her dwelling place etc. in the form of a riddle.

By chance, the Prince's three friends come to the capital of One-eyed King. First the goldsmith meets the princess and she then summons all the three and they inform her that they are friends of the Prince and they plan to rescue her.

She then tells One-eyed King to make preparations for the marriage. The carpenter makes the Udand Khatoli (Flying Cot) and on the wedding night, the Princess sits on it with three friends and they fly to the dead prince whom the Brahmin brings back to life. All of them then return to their own country. The Prince asks his father's pardon and they all live there in peace and prosperity.

9. **King Kori and King Kirman** (pp. 146-153): King Kori having no issue, sets out from his palace together with his retinue, to visit a hole man living in a cave. At his lamentations, the holy man prophecies that he would have a son and daughter, but after the daughter is grown up he would be attacked by a neighbouring king, but would finally emerge victorious.

After some time his two wives give birth to a son and a daughter. When the daughter grows up, King Kirman and other kings ask her hand in marriage but King Kori turns down their requests. Consequently King Kirman sends a huge army which overawes King Kori's army. Finally King Kori himself comes to the battlefield. His horse runs amock and, in order to save himself from falling down, he catches hold of a tree. There horse is so rash that the tree is rooted out. When King Kirman's soldiers se King Kori coming with a tree in his arms they get frightened and start running away. He throws the tree upon King Kirman, kills him, and lives the rest of his life in peace.

the prince says, "I am a warrior and will fight anything that attacks one".

They find the dead body of a lion and on the Prince's insistence, the Brahmin brings the lion back to life. The lion attacks them and the friends run away but the Prince fights it and puts it to flight, and secures its manu. Following the track of the serpent, he comes to a well full of water' the water dries up by the power of the manu and he goes down into the well and finds a beautiful princes with golden hair who had been imprisoned by the serpent. He informs her that he had killed the serpent and both of them marry and live together happily.

The princess had a parrot to which she used to talk when she felt lonely. But after meeting the prince, she ignored the parrot.

Once both the prince and the princess go to the river to take bath and there she loses a hair which is swallowed by a fish. A fisherman catches the fish and presents it to a king who is one eyed. The king falls in love with the "Princess with the Golden Hair" and sends an evil woman to beguile her and bring her to him. The evil woman comes to live with the princess, and though the parrot talks against the woman the princess ignores its remarks.

One day the woman takes the princess to the river and puts her in a boat' she also secures the manu from her, comes to the well and the water dries up. She descends it and enters the palace, and kills the prince who is asleep. She then takes the princess to One-eyed king who wants to marry her. She seeks one year's postponement from him, and before marriage she spends her time in alms giving and charity.

By chance, the Prince's three friends come to the capital of One-eyed King who wants to marry her. She seeks one year's postponement from him, and before marriage she spends her time in alms giving and charity.

After the marriage, they pass the night at the forbidden palace and are held by a demon in the shape of a dragon, who detains Amir Hamza's wife and tells them to send Amir Hamza himself to rescue her.

Amir Hamza comes to that place and the demon asks him to rescue. "Kanak Rani, the beloved of the Demon, who has been imprisoned by Daphail Demon. He sets out on his way and meets a shepherd, a buffalo keeper, an ironsmith, and an archer. All of them show their own valour but become his friends and accompany him. There after, the friends are deceived and captured by an old demon, who is defeated by Amir Hamza and he becomes his friend. The demon-friend then defeats three kings and the three friends are married to the daughters of those kings and are left with their wives. Amir Hamza gives each one of them an arrow to watch it for his safety. Only the demon accompanies with Amir Hamza.

Amir Hamza then reaches the palace of Daphail Demon, kills him and frees Kanak Rani but is involved into trouble by an evil woman who takes away Kanak Rani and delivers her to a lang who is in love with her. The friends see the arrows rusted, come to Amir Hamza's rescue, defeat the enemy and get back Kanak Rani.

Amir Hamza returns to the dragon, kills him, and returns home safe with Kanak Rani.

8. **The Princess with Golden Hair** (pp. 136-145): A king sends his son into exile due to his ill manners. Three friends - a Brahmin, A Goldsmith and a Carpenter accompany the prince. The Brahmin says "I can bring back to life a dead body by my prayers"; the Goldsmith says, "I can recognize the voice of a person who has ever talked to any one of my friends:' the Carpenter says "I can make "Udand Khatoli" (Flying Cot) from wood";and

the town. The merchant being afraid, asks Lal Malook to leave his house.

On his way, Lal Malook meets a hunter, a swift runner, a carpenter, and a demon who have already been longing to meet him. They accompany him and reach a ruined town where a beautiful girl is imprisoned by a demon. The demon is killed by his demon friend and Lal marries the girl. As the friends say farewell to him, he gives a flower to each one of them to watch it for his safety. The carpenter gives Lal Malook the sword which contains the letter's lif e.

Lal Malook's wife loses her shoe while taking bath, and a fish swallows it. The fish is caught and brought to a rich man's son, who seeing the shoe falls in love with her. He sends an evil woman to search her who finds her and throws the "life sword" of Lal Malook into water. Lal Malook falls seriously ill and his wife is beguiled and delivered to her lover by the evil woman.

Lal Malook's friends see the flowers withering and come to his rescue. They recover the sword, polish it, and he becomes quite all right. His dog and cat lead the way to his wife who is also rescued, and Lal Malook and his wife live the rest of their life in peace.

7. **Amir Hamza and Kanak Rani** (pp. 118-135): A king wants to marry his seven sons to seven sisters of royal lineage. His minister sets out in search of such sisters, finds them and the date of marriage is fixed. The king sets out to the would-be bride's country together with his six elder sons leaving Amir Hamza, the youngest and the wisest of the seven, to look after his kingdom. Amir Hamza asks his father to marry his bride to his arrow and also warns that on their return journey, they should not halt at a certain place.

on his way six strong men, one after another, who join him in his adventures. They face trial situations in which King Champion surpasses all. At each trial, he bestows favours on one of his friends, marries him to a princess and settles him there, till he is left with only one friend.

At last; they reach a place where a princess is imprisoned by a demon. King Champion kills the demon by killing his "life parrot" which he finds in a cage placed in a well. He marries the princess, but is deceived by an evil woman, who throws his "life sword" into fire and he falls dead benumbed. His wife and domain are usurped by another king.

Hearing this, his friends come to his rescue. They defeat the usurper. The sword is polished and King Champion is brought to life again, and her returns to his homeland with his wife.

6. **King Lal Malook** (pp. 160-117): A man and his wife migrate from their village due to famine. On the way, they become very hungry and decide to kill their baby and eat its flesh. The father takes the baby in the bushes where he finds the carrion of a deer. He leaves the baby there to carry the deer. A lioness takes away the baby and brings her up together with her cubs. The boy grows up, roars like a lion, and goes out hunting with the young lions. Once he is caught by a king and is given away to a merchant who has no issue of his own. The merchant and his wife bring him up as their son and call him Lal Malook.

When Lal Malook attains youth, the merchant's wife falls in love with him but he refuses her overtures. The woman sets her husband against him, and in order to see him dead the merchant sends Lal Malook to bring them milk of a lioness. Lal Malook brings milk from the mother-lioness and the lions accompany him on his way back to

4. **Prince Dhol** (pp. 82-90): There was a king who used to go out for hunting. One day he saw a deer and shot it with an arrow. The deer changed into a beautiful boy. On hearing his cries, an old man came out of a cave and cursed the king saying "You will live on the fortunes of your son".

There after the king's palace was reduced to ashes and he had to leave his country together with his wife. After enduring sorrows and suffering he took refuge in a friend's kingdom. His wife as well as his friend's wife promise to marry their children if one of them got a son and the other a daughte r.

The king then returned to his own kingdom. A son was born to him and he named him "Dhol". When Prince Dhol was of age, he became an expert deer-hunter. A she deer ran away to the country of the king's friend and gave birth to a male deer. The king's daughter brought up the young deer and when it grew up she sent it to lure Dhol to her. The deer came to Prince Dhol's kingdom, who tried to hunt it and chased it till he reached the palace of the Princess. There he fell in love with her, married her and returned home after many sufferings. He defeated the minister who had usurped the throne in his absence and ruled his country in peace and prosperity.

5. **King Champion** (pp. 91-105): King Champion daily shoots arrows to pass through the nose-ring of his wife and asks her whether there could be any man stronger than he, in the world. Her answer always is, "No". But she fears that the arrow might kill her one day. Her mother advises her to tell the king that there may be a more strong man than he. The daughter follows the advice. Hearing this, the king sets out in search of such a man and meets

expecting a child. They tell the king that she is responsible for killing his horse. She is exiled by the king, gives birth to a son in the jungle, and is given shelter by another king who finds her there. Her son, Prince Fond, grows up and goes to see his father who is ill. His cure lies in the blood of a "Sea-Horse". His six sons from the six queens set out in search of the horse and Prince Fond follows them. After adventures with demons he finally secures the "Sea-Horse". While returning, he meets his six brothers who being penniless, have become wood-cutters. He treats them kindly but they conspire against him, cut his arms and legs, steal the Horse and present it to their father. By the magic of the fairies, Prince Fond regains his lost arms and legs, is rescued by his fairy wife, and comes to his father to tell the true tale. He is honoured along with his exiled mother, while the other six queens and their sons are punished and exiled.

3. **KING MAHMOOD** (pp.70-81) : A King's only son, who has already two wives, falls in love with a poor man's daughter. The girl dislikes the prince and kills his horse. The prince finally marries her. The two wives conspire against her and she is exiled while she is pregnant. She takes refuge with a merchant, gives birth to a son, and calls him Mahmood.

Mahmood grows up and accompanies the merchant on his business trips. Once he rescues a fairy and marries her. The merchant becomes dishonest, takes away his fairy wife, and leaves Mahmood in a helpless condition. He is rescued by a hole man who gives him two magic flowers, and with their help he comes to his father's court, exposes the merchant who comes to his father's domain, and gets back his wife. He then informs his father who he is, and lives with his father and mother in peace.

AN ABSTRACT OF THE CONTENTS

1. **Gul Andaz Badshah** (pp. 37-61) : A king having no issue from his six queens, at last married the seventh wife on the advice of a derwesh. After a few months the first six queens bore him six sons, and the king was so much pleased that he ignored the seventh queen. After some time she also bore him a son and called him Gul Andaz, but being displeased with the king she did not inform him about his birth.

There after, the king had a puzzling dream. His first six sons set out to seek its interpretation but they were looted and held by the robbers.

The same derwesh came again and told the king that no one but his seventh son, Gul Andaz, could solve the riddle. The king was surprised at this news, discovered Gul Andaz in the palace and sent him out in quest of the interpretation. He was also attacked by the same robbers; but he defeated them, freed his brothers and went on his own. On the way he met a derwesh who gave him an amulet and said that he would achieve his objective at a certain dwelling of demons and fairies after crossing the sea, and that he would not be hurt by the demons by virtue of the amulet. Another derwesh gave him three flowers to break the sorceries of the demons.

After enduring hardships and fighting with the demons, he discovered the secret of his father's dream. There he married the daughter of the king of fairies, and set out for his own country with his fairy wife and her three friends, who demonstrated before the king, the interpretation of his dream.

2. **King Flower and Fond Prince** (pp. 62-69): The six wives of King Flower conspire against the seventh who is

to a much earlier stage when man was truly the son of the mother earth, living side by side with other creaures. Snakes, parrots, Crows, deers and other animals were his early associates whose memories have lived through the folk-tales in which they play a vital part in the life and adventures of the herose and the heroines.

The king's queens, princes, and veziers, belong to the later stage of human settlement and civilization, the stage which is coming to an end during this twentieth century. Five hundred years hences, kings and queens will, perhaps, be relegated to the past and their memories may, then, appear as fanciful as those of the demons and the fairies today.

These tales included in this volume were collected from different parts of Sindh. The field worker was instructed to reduce thetale to wirting exactly as he heard it from the village folk. These original versions were finally read in the central office. The common version of the same tale were collected and significant differeing points, if any, were incorporated in the final complete version for the purpose of this text. If there was only one version it was retained with such verbal modification as was necessary to make it readable and intelligible.

The habitat of each tale has been indicated in the appendix (p. 374) given at the end of the text. Contents of the tales have been summarized into English for the benefit of the general reader.

University of Sindh,
Hyderabad, Pakistan.
December 12, 1960.

N.A. BALOCH
Director.

Magic: Nos. 20, 21 & 22.

Step-mothers' jealousy: Nos. 1, 2, 3, 13, 17, 26, 31 & 34.

Cruelty of the step-mother: No. 17.

Characteristics of women: No. 18.

Woman's wisdom, self-confidence and success: Nos. 33 & 34.

Wife's wisdom and help to husband: Nos. 29, 31, 32.

Wife reaching a lesson to husband: Nos. 14, 16, 27 & 29.

Wit & Humour: Nos. 9 & 10.

Four types of characters figure in these folk-tales: *(a)* demons, fairies and genii; *(b)* witches, sorcerers, magicians, and dhootis (old evil women); *(c)* reptiles, birds and animals; and *(d)* kings, queens, princes, princesses,veziers, merchants and other human characters.

Demons, fairies, and genii (spirits) are the reminiscent of the early memories of childhood of human race when the supermatural and superstitions dominated man's life. Due to the lack of maturity and ability to understand the natural phenomena, man attributed floods, fires, thunders, storms and other calamities to the demons, and some other less momentous but in explicable events and experiences to the activities of spirits and the fairies. Witches, sorcerers, magicians and the *dhootis* belong to the next stage of development when more intelligent among human beings devised techniques consisting of rituals and ceremonies to ward off attacks of the super natural forces. They also applied those 'methods', as magic or black magic, against the less intelligent among the human being. The witches tend to be imaginary characters, but in Sindhi folk-tales they are represented as women who wield almost super natural powers through the exercise of magic and sorcery.

The reptiles, birds and animals as they figure in the folk-tales performing all human functions, seem to belong

birth of the hero takes place-he is actually born or comes into the lime light. The opening story, usually mentions a king who has more than one wife but no son. He is blessed by some one and the son is born of the youngest wife. The child and the mother suffer due to the jealousy of the other queens. In case his mother dies, the young prince suffers because of his step-mothers and is usually exiled. His adventures then constitute the second or the main part of the tale.

The fulfilment of a condition is a more common cause for the adventure undertaken by the hero.Besides his own valour, the success of the hero in his adventures in either due to the help he receives from his associates or due to certain extra ordinary objects which he comes to possess. The following are some of the typical objects contributing to the success and safety of the heroes that figure in this collection of the folk-tales: a string or an amulet given by a saint; the bow made of the fairy hair; the *manu* (the magic stone carried by the king cobra); the sphinx which flies the hero our of danger: the *udand khatoli* (the Flying Cot): the magic ring; the club and the sceptre which beat to order; the kerchief which drops jewels on waving; the cap which makes one invisible; a fruit which on eating transforms one into an aminal.

Though the Sindhi folk-tales have no pre-conceived plot or purpose, the substance of each tale underlines a central idea. The 39 tales in this volume may be classified after their central ideas as follows:

Adventure: Nos. 1, 2, 3, 4, 8, 15, 20, 25, 35, 36, 37, & 38.
Individual valour & bravery: Nos. 5, 6, 7, 36.
The Goat-herd's wisdom: No. 11.
The King's wisdom: No. 24.
The Ministers admonition to the King: No. 23.
Truly fairy tales: Nos. 12, 13, 19, 28, 29 & 30.

other stories, this is the first book pertaining to what my be called 'the tales of the kings and queens, princes and princesses'. This is a broad classification for convenience sake. The village folk call all kinds of tales and legends *Kahanyoon* (tales) or *Galhyoon* (stories), more often qualifying them as *Badshahan jun Kahaniyoon or galhiyoon, the tales or stories of kings,* because most of the tales open with the mention of a king. This may be considered as the general name for folk-tales, though individual tales may be called by the name of the king or any other person who figures in the tale. Often times, a tale is called after the name of the central or significant character in it, who may be afairy, a demon, a minister, a merchant, a thief, a shepherd etc.

The plots of the folk-tales are not logical; they are natural, revealing the simple rambling folk-mind at work. The Sindhi folk-tales may be classified as 'simple'. or 'unitary' and 'complex'. In the 'simple' tales, the narration follows a straight course, each event being of a small description and each event following the previous one, taking the sotry further to its ending. In the complex' type, an event in the narration is lengthy, even to the extent of being a tale in miniature. The succeeding event may not take the narration further on a straight course towards the ending but might be located on a side track, being an offshoot of the main tale. Thus, in a 'complex' tale, there may be the main tale and the side tale: there is the foundational or the framing story to which are linked other subsidiary tales. The 15th (p. 206), the 18th (p. 242) and the 35th (p. 351) tales in this collection are 'complex' ones, the 15th story being a combination of one framing story and nine other subsidiary stories.

The plot of the folk-tales usually consists of an initial opening story and the main story. In the opening story the

PREFACE

This is the Twenty-first book compiled under the Sindhi Adabi Board's Folklore and Literature Project. In 1956, the Board had approved this 5-year research project (1957-1961) for the collection, compilation and publication of Sindhi folklore and literature. The work was started in January 1957, and the first two years were devoted mainly to the collection of material. The compilation and publication work commenced from 1959. The material for the project has been collected both from the oral tradition was reduced to writing through a network of the field-workers, one stationed in each taluka.

The project aims at publishing representative works pertaining to the following selected segments of Sindhi folklore and literature: *(a)* Fables and Fairy-tales, *(b)* Pseudo-historical Romances, *(c)* Tales of historical nature, *(d)* Folk-poetry, *(e)* Folk-songs, *(f)* Marriage-songs,*(g)* Poems pertaining to wars and other events, *(h)* Riddles, *(i)* Proverbs, *(j)*Wit and humour, and *(k)* Folk Customs and Superstitions. It is expected that forty basic works will be compiled under the above categories by the end of 1961.

The scheme has been deliberately named as 'Folklore and Literature Project'. At the present stage, a considerable body of verse and tales is current through oral tradition among the village folk with which the educated and the intellectuals are not familiar. All this material in verse and prose is 'folklore' in the sense that it is popular and is preserved with the village folk; yet, a considerable part of it is 'standard literature', and will be recognised as such after it is published.

Of the seven books planned under the Project of incorporate different varieties of folk-tales, legends and

(All Rights are reserved with Sindhi Adabi Board)

1st Edition **April 2007** **1000 Copies**

[Price: Rs. 300-00]

To be had from
SINDHI ADABI BOARD'S KITAB GHAR
Tilak Incline, Hyderabad
(Ph: 022-2633679, Fax: 022-2771602)
E-mail Address: sindhiab@yahoo.com
Website: www.sindhiab.com

Printed in Sindhi Adabi Board's Printing Press by Manager. Syed Sikander Ali Shah &Published by Aijaz Ahmed Mangi Secretary Sindhi Adabi Board, Jamshoro Sindh. Pakistan.

SINDHI FOLKLORE & LITERATURE
BOOK-XXI

FOLK TALES-1

(KINGS, QUEENS, PRINCES & PRINCESSES)
(URDU VERSION)

Compiled & Edited
By
Dr. N.A. Baloch
Transtalted
Dr. Saeedia Naseem Ara 'Sartaj'

Sindhi Adabi Board
Jamshoro, Sindh
2007